مؤطاامام مالک کا کتبِ احادیث میں مقام ،
اور کتاب البیوع والقراض کی روشنی میں قرونِ اُولیٰ
(دورِ رسالت تادورِ خلیفہ ہارون الرشید) کے اِسلامی معاشی نظام کا تجزیہ۔

(تحقیقی مقالہ برائے: پی ایچ ڈی)

مقالہ نگار

کفایت اللہ شاہ

نگرانِ مقالہ

ڈاکٹر زینت ہارون

چیئرپرسن (قرآن وسنہ)

قرآن وسنہ جامعہ کراچی

2020ء

بسم الله الرحمن الرحيم

CERTIFICATE OF THE SUPERVISOR

I have gone through the thesis titled

موطا امام مالک کا کتبِ احادیث میں مقام، اور کتاب البیوع و القراض کی روشنی میں قرنِ اولی

(دورِ رسالت تا دورِ خلیفہ ہارون الرشید) کے اسلامی معاشی نظام کا تجزیہ۔

Submitted by Mr. **Kifayat Ullah Shah** for the award of Ph.D degree and certify that to the best of my knowledge it contains no plagiarized material.

Signature: ____________

Dr. Zeenat Haroon
Associate Professor
Chairperson (Quran o Sunnah)
University of Karachi
Date: 11-2-2020

DECLARATION

I, **Kifayat Ullah Shah** s/o **Syed Mahmood Sahib**, hereby solemnly declare that no part of the work presented by me has been plagiarized from anywhere. Proper references are cited wherever necessary.

I understand that the university reserves the right to cancel the degree if any of the above declaration is proved false before or even after the award of degree.



Signature of the candidate: ____________
Name: **Kifayat Ullah Shah**
Title of the thesis:
مؤطاامام مالک کا کتب احادیث میں مقام، اور کتاب البیوع والقراض کی روشنی میں
قرون اولیٰ (دور رسالت تا دور خلیفہ ہارون الرشید) کے اسلامی معاشی نظام کا تجزیہ۔
Degree: **Ph.D**
Department: **Quran o Sunnah**
Date: 11-2-2020

انتساب

میں اپنی اِس حقیر تعلیمی کوشش کو سب سے پہلے

معلمِ انسانیت **سید الانام** حضرت **محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم** کے نام کرتا ہوں،

جن کے فرمودات پر مجھے تحقیقی کام کرنے کا موقع مل گیا۔

اور پھر اِس کے بعد **والدین کریمین** کی طرف منسوب کرتا ہوں۔

اظہارِ تشکر

میں سب پہلے اللہ رب العزت کا بے انتہا شکرادا کرتا ہوں ، جن کے بے شمار فضل و کرم کی وجہ سے میں اِس مقالہ پر کام کرنے کے قابل ہوا۔

اِس کے بعد میں تہِ ہ دل سے اپنی سپر وائزر محترمہ پروفیسر ڈاکٹر زینت ہارون صاحبہ ،چیئرپرسن شعبۂ قرآن وسنہ کا بے حد مشکور و ممنون ہوں کہ آپ نے ہر مشکل لمحہ میں مجھے حوصلہ اور عزم سے نوازا۔

اِسی طرح جناب پروفیسر ڈاکٹر عبدالرشید صاحب(ستارۂ امتیاز) کا بھی شکر گزار ہوں کہ آپ نے اِس مقالہ پر کام کرنے کے دوران میری نگرانی فرمائی۔

اِس کے علاوہ دیگر اَساتذہ، والدین اور اُن تمام دوست احباب کا دل کی اتھاہ گہرائیوں سے شکریہ اَدا کرتا ہوں جن کے پُر خلوص مشورے، دعائیں اور نیک تمنائیں ہر وقت شاملِ حال رہیں۔

اللہ تبارک وتعالیٰ میری اِس محنت کو اپنی بارگاہ میں شرفِ قبولیت عطا فرمائے۔

آمین یا رب العٰلمین

تعارفِ اَبواب

میرا یہ تحقیقی مقالہ کل سات اَبواب پر مشتمل ہے۔ جن کا اجمالی تعارف مندرجہ ذیل ہے۔

بابِ اول:۔

پہلا باب کل چھ فُصول پر مشتمل ہے۔ان فُصول میں حضرت امام مالکؒ کے حالاتِ زندگی کو تفصیل کے ساتھ بیان کیا گیا ہے، جن میں امام صاحبؒ کی ولادت، حسب ونسب، حلیہ ولباس، خاندان اور اخلاق وعادات کو تفصیل کے ساتھ بیان کیا ہے۔امام صاحبؒ کا تحصیلِ علم سے لے کر، آپؒ کے اساتذہ وشیوخ، تلامذہ، درس وتدریس اور مجلس کے اوصاف تک کے حالات کو بیان کیا گیا ہے۔ جس کے بعد آپؒ کے طریقۂ اجتہاد اور فتاوٰی کے ساتھ احادیث کی روشنی میں آپؒ کا مقام بھی بیان کیا گیا ہے۔اِس باب کے آخر میں امام صاحبؒ کے دیگر تالیفات کو مختصراً بیان کیا گیا ہے۔

بابِ دوم:۔

یہ باب کل گیارہ فُصول پر مشتمل ہے۔ جس میں بالترتیب مؤطاامام مالک کی تاریخ، وجۂ تسمیہ، تدوین کے طریقۂ کار کو تفصیلاً بیان کیا گیا ہے۔اِس کے ساتھ ساتھ مؤطاامام مالک میں امام مالکؒ کے اسلوب تدوین کے اُصولوں کو بھی بیان کیا گیا ہے۔ مؤطاامام مالکؒ کو پوری دنیا میں کیوں مقبولیت حاصل ہوئی؟ اور مؤطاامام مالک کا محدثین کے ہاں کیا مقام ہے؟اِس کے علاوہ اس باب میں فضائلِ مؤطا کو بھی تفصیلاً بیان کیا گیا ہے۔ مؤطاامام مالک کی کل احادیث وروایات اور متداول نسخے بھی بیان کئے گئے ہیں۔ آج تک مؤطاامام مالک پر جن لوگوں نے حواشی اور شروحات لکھی ہیں اُن کا بھی ذکر ہے۔

بابِ سوم:۔

بابِ سوم میں معاشیات پر بات کی گئی ہے۔ کہ معاشیات کا آغاز کب اور کیسے ہوا؟ معاشیات کی لغوی اور اصطلاحی تعریفات بھی بیان کی گئی ہیں۔ معاشیات کن اجزاء سے وجود میں آئی ہے؟ معاشیات کا انسانی تاریخ کے ساتھ ربط کیا ہے اور معاشیات پر مختلف معاشی ماہرین کی آراء اور لکھی جانے والی کتابوں کا تفصیلاً ذکر کیا گیا ہے۔اِس کے علاوہ اِس باب میں معاشیات کے ارتقاء اور اقسام پر بھی گفتگو کی گئی ہے۔ اسلامی معیشت کی تعریف، اجزاء و مآخذ، قرآن مجید کی روشنی میں اُصولِ معاشیات پر تفصیلاً بحث کی گئی ہے۔

بابِ چہارم:۔

اِس باب میں دورِ رسالت کے اسلامی معاشی نظام کا کتاب البیوع والقراض کی روشنی میں تجزیہ پیش کیا گیا ہے۔ سب سے پہلے دورِ رسالت کے اجتماعی نظام پر بحث کی گئی ہے۔ قریش کی تاریخ اور ذیلی قبائل اور ان کا عرب

معاشرے میں اجتماعی کردار کے ساتھ ساتھ مکہ کے سیاسی نظام پر بھی بحث کی گئی ہے۔اِس کے علاوہ دورِ جاہلیت کے معاشی نظام کے ساتھ ساتھ نبی کریم ﷺ کی معاشی سرگرمیاں تفصیلاً بیان کی گئی ہیں۔اِس کے بعد مدنی دور کے سیاسی اور اسلامی معاشی نظام کے تمام پہلوؤں کو بیان کیا گیا ہے۔عقدِ مؤاخات، میثاقِ مدینہ اور اسلامی جنگوں کا معیشت پر اثرات، بیت المال کے قیام کے ساتھ ساتھ سُود کی حرمت کو بیان کیا گیا ہے۔اِس کے علاوہ احادیث کی روشنی میں اسلامی معاشی نظام کے بنیادی پہلوؤں کو بھی تفصیلاً بیان کیا گیا ہے۔

بابِ پنجم:۔

بابِ پنجم میں خلافتِ راشدہ کے چاروں خلفاء کے ادوار کو بیان کیا گیا ہے۔سب سے پہلے حضرت ابو بکر صدیقؓ کے سیاسی نظام کو زیرِ بحث لایا گیا ہے۔اِس کے بعد آپؓ کے دور میں کئے گئے اسلامی معاشی اصلاحات کو بیان کیا گیا ہے۔اِس کے بعد دوسرے خلیفہ راشد حضرت عمر فاروقؓ کے شاندار ترقیاتی دور اور معاشی اصلاحات کو بیان کیا گیا ہے۔اِس کے بعد حضرت عثمان غنیؓ کے دور کے معاشی نظام کو بیان کیا گیا ہے۔آخر میں خلیفہ حضرت علی المرتضیٰؓ کے دور کے اسلامی معاشی نظام پر بحث کیا گیا ہے۔

بابِ ششم:۔

اِس باب کے اول میں بنواُمیہ کے دور کے اجتماعی اور سیاسی نظام کو زیرِ بحث لایا گیا ہے۔بنواُمیہ کے مشہور خلفاء کے اجمالی تعارف کے ساتھ ساتھ اِن کے معاشی اَدوار کو زیرِ بحث لایا گیا ہے۔اِس دور میں کئے گئے اسلامی فتوحات اور اسلامی مملکت کی وسعت کے ساتھ ساتھ معاشی نظام پر اِس کے اثرات کو زیرِ بحث لایا گیا ہے۔

بابِ ہفتم:۔

اِس آخری باب میں بنوعباس کے ابتدائی پانچ خلفاء کے اَدوار کو تفصیلاً بیان کیا گیا ہے۔جن میں ابولعباس سے لے کر خلیفہ ہارون الرشید تک کے ادوار پر بحث کی گئی ہے۔اِن ادوار میں کئے گئے اسلامی معاشی اصلاحات اور ترقیات کو یکے بعد دیگرے بیان کیا گیا ہے۔

ABSTRACT

Muatta Imam Malik is one of the greatestbook of hadith which includes a big number of Marfooahaadeeth and mawqoof reports from the Sahaabah, Taabi'een and TabaTaabieen. Muatta also includes many rulings and fatwas of the Hazrat Imam Malk(RA).

Muatta means to make easy (watta'a) for the people. He made this book easy for muslims to read the ahaadeeth. It was narrated that hazrat Imam Maalik(RA) said: I showed this book to seventy of the expert Fuqaha of Madina, so all of them agreed with me on this book, so I called it al-Muatta'.

The reason why it was compiled: Ibn 'Abd al-Barr (RA) says in al-Istidhkaar (الاستذكار) that Abu Ja'far al-Mansoor requested to Hazrat Imam Maalik: "O Maalik, compile a book for the people that I can order them to follow this book". But Imam Maalik refused to force all the people to adhere to it.

Imam Maalik taught the Muatta' to people for forty years. So his students heard it directly from Imam Malik(RA). Some of his students narrated from Him before it was edited, some during the process, and some at the end of his life. Some of them transmitted it in full whilst others narrated part of it. So a number of transmissions of the Muatta' became well known, the most important of which are:

The narration of YahyaibnYahya al-Masmoodi al-Laythi (RA) is the most famous narration from Imam Maalik.Most of the Muhaddeseen based upon this Muatta.

The narration of ‘Abd-AllaahibnMaslamah al-Qa’nabi, is the largest version of the Muatta. These narrations differ in the order of the books and chapters, and in the number of marfoo’, mursal, and mawqoofahaadeeth.

Another version of Muatta, narrated by Abu Mus’ab al-Zuhri.He followed the most reliable and strong conditions in his narration of Muatta.

Imam Shafi (RA) said “there is no one correct bookon the earth after the QuranAllaah that is the Muatta Imam Malik”.

If Imam Maalikfeels some doubt or uncertain about a hadith, he rejectedthat hadith.While compiling Muatta, Imam Maalik(RA) compiled the hadeeths with the words of the Sahabah and Taabeen. The reports of the Sahaabah number 613 and the reports of the Taabeen number 285.

مقدمہ

اَحادیث کی کتب اور متون میں مؤطاامام مالک کو بہت ہی خاص مقام حاصل ہے۔ محدثین عظام نےاِس پر بہت کام کیاہے۔اِس کی لاتعداد شروحات لکھی گئی ہیں۔ محدثین کرام کے ہاں اِس کے سولہ مشہور نسخے متداول ہیں۔ آپ کانام مالک بن انسؒ ہے۔آپ مدینہ منورہ کے امام ،امام اہلِ حجاز اور امام دارالہجرت کے لقب سے مشہور ہوئے۔ آپ 93ھ میں مدینہ منورہ میں پیدا ہوئے۔آپ کا شمار مجتہدین، فقہاءاور عظیم محدثین میں ہوتا ہے۔

آپؒ نے حدیث وفقہ کا علم کئی مشہور شیوخ سے حاصل کیا ۔آپؒ کے اساتذہ میں ابن شہاب زہریؒ اور دیگر ستر اساتذہ شامل ہیں۔امام مالک رحمۃاللہ علیہ نے سترہ برس کی عمر میں مدینے میں درس وتدریس کی مسند سنبھالی۔آپ حدیث کا درس بڑے ادب واحترام سے دیا کرتے تھے، درس سے پہلے غسل کرتے تھے،صاف ستھرا لباس پہنتے،خوشبو لگاتے اور پھر درس کی مسند پر تشریف فرماہوتے۔امام مالکؒ حدیث اور فقہ دونوں کے امام تھے۔آپؒ کے طرزِ فکر میں حدیث اور فقہ کا حسین امتزاج ملتا ہے۔

امام نسائی آپ کے مقام ومرتبہ کے بارے میں فرماتے ہیں:''میرے نزدیک تبع تابعین کی جماعت میں امام مالک سے زیادہ عظیم اور کوئی شخص نہیں اور نہ ان سے بڑھ کر کوئی اور شخص حدیث میں مامون ومعتبر تھا''۔

امام مالک رحمۃاللہ علیہ کاسب سے بڑا تصنیفی کارنامہ ''الموطا'' ہے جو علم حدیث پر لکھی جانے والی پہلی کتاب ہے۔امام شافعی رحمۃاللہ علیہ، عبداللہ بن سلمی، عبداللہ بن رب آپؒ کے شاگردوں میں سے تھے۔امام مالکؒ کی وفات مدینہ طیبہ میں سن 179ھ میں ہوئی۔آپ کے مقلد "مالکی" کہلاتے ہیں۔

امام مالکؒ کی وفات بنوعباس کے مشہور خلیفہ ہارون الرشید کے زمانے میں ہوئی۔آپؒ نے خلیفہ ابوجعفر المنصور اور خلیفہ ہارون الرشید کے کہنے پر مؤطا جیسی کتاب مرتب کی۔اِس میں آپؒ نے زندگی کے ہر شعبے سے متعلق احادیث اکٹھی کی ہیں۔ میرے اِس مقالے میں "اسلامی معاشیات" کا تجزیہ چونکہ ایک حصہ ہیں اِس لئے کتاب البیوع والقراض کو زیرِبحث لایا گیا ہے۔

فہرستِ مضامین

بابِ اول

حضرت امام مالکؒ

فصلِ اول

امام صاحبؒ کے حالاتِ زندگی

حضرت امام مالکؒ کے حالاتِ زندگی:۔

1- حسب ونسب:۔

حضرت امام مالکؒ اماموں کے امام، امامِ دار الھجرۃ(مدینہ منورہ)، بزرگوں کے سردار، اور مدینہ طیبہ کے علماء کے رہنما، جن کے اوصافِ جلیلہ کے ذکر سے زبان عاجز ہے، اور جن کی قابلِ تعریف صفات کے ذکر سے انسان قاصر ہے۔ مؤرخین نے اپنی تاریخ کی کتابوں میں اور محدثین نے اپنی تالیفات میں آپ کے حالات اور صفات کے بارے میں خوب تفصیل بیان کی ہیں۔ اور ان میں سے بعض نے آپ کے حالات کے ذکر میں مستقل رسائل تحریر کئے ہیں۔ جیسے ابو بکر احمد بن مروان مالکی دینوری مصری(م310ھ)، جیسا کہ "کشف الظنون"[1] میں ہے اور ابو روح عیسیٰ بن مسعود شافعی(م774ھ) نے بھی امام مالکؒ کے بارے میں تفصیل سے لکھا ہے۔

اسی طرح علامہ جلال الدین السیوطیؒ شافعی مصری نے امام مالکؒ کے حالات کے بارے میں رسالہ لکھا ہے جس کا نام "تزئین الأرائک بمناقب الامام مالک" ہے۔ ہم یہاں آپ کے احوال میں سے تھوڑے سے حالات "معدن الیواقیت الملتمعۃ فی مناقب الأئمہ الأربعۃ" سے اور اُمت کے ثقہ لوگوں کی کتابوں سے اختصاراً ذکر کرتے ہیں، اس لئے کہ تفصیل کے لئے بڑی کتابیں درکار ہیں۔

آپ کا نام "مالک"، کنیت "ابو عبداللہ" تھی[2]۔

علامہ ذہبیؒ فرماتے ہیں۔

"هُوَ شَيْخُ الإِسْلاَمِ، حُجَّةُ الأُمَّةِ، إِمَامُ دَارِ الهِجْرَةِ، أَبُو عَبْدِ اللهِ مَالِكُ بنُ أَنَسِ بنِ مَالِكِ بنِ أَبِي عَامِرِ بنِ عَمْرِو بنِ الحَارِثِ بنِ غَيْمَانَ بنِ خُثَيْلِ بنِ عَمْرِو بنِ الحَارِثِ "۔[3]

ترجمہ:۔ آپؒ شیخ الاسلام، اُمت کے لئے حجت(دلیل)، دار الھجرۃ(مدینہ منورہ) کے امام، ابو عبداللہ بن مالک بن انس بن مالک بن ابی عامر بن عمرو بن حارث بن غیمان بن خُثیل بن عمرو بن حارث ہیں۔

امام صاحبؒ کے حالاتِ زندگی پر بہت سے محدثین و مؤرخین نے لکھا ہے۔ علامہ ابن جوزیؒ "الصفوۃ" میں لکھتے ہیں۔"ومن الطبقۃ السادسۃ من اھل المدینۃ، ابوعبداللہ مالک بن انس بن مالک بن ابی عامر الاصبحی"۔[4]

ترجمہ:۔ ابو عبداللہ مالک بن انس بن مالک بن ابی عامر اصبحیؒ کا تعلق اہلِ مدینہ کے طبقہ سادسہ سے ہے۔

امام مالکؒ کا شمار تبع تابعین میں ہوتا ہے۔ جیسا کہ علامہ الرعینیؒ لکھتے ہیں۔"وَ هُوَ مِنْ تَابِعِي التَّابِعِينَ"۔[5]

ترجمہ:۔آپؒ تبع تابعین میں سے ہے۔چونکہ آپ نے عائشہ بنتِ سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کا زمانہ پایا تھا(جو کہ تابعیہ تھیں)۔

مولانا محمد زکریا کاندھلوی المعروف بہ شیخ الحدیثؒ نے بھی آپ کی نسب کو"اوجز المسالک" کے مقدمہ میں تفصیلاً بیان کیا ہے۔امام مالکؒ کا تعلق چونکہ "اصبح"قبیلہ سے تھا، یہ قبیلہ یمن کے معزز قبائل میں شمار ہوتا تھا،اسی قبیلہ کی نسبت سے آپ کو "اصبحی" کہا جاتا ہے،آپ کے خاندان میں سب سے پہلے آپ کے جدّ اعلیٰ ابو عامر رضی اللہ عنہ مسلمان ہوئے۔امام صاحبؒ کے دادا مالک بن ابی عامر کبار تابعین میں سے تھے،آپ کے تین بیٹے تھے،ابو سہیل،ربیع اور انس۔[6]

2-امام صاحبؒ کے والد "حضرت اَنس":۔

امام مالکؒ کے والد کا نام "انس" تھا،جو کہ کبار تابعین میں سے تھے۔

علامہ ذہبیؒ فرماتے ہیں۔"وَكَانَ أَبُوْهُم مِنْ كِبَارِ عُلَمَاءِ التَّابِعِيْنَ،أَخَذَ عَنْ:عُثْمَانَ،وَطَائِفَةٍ"۔[7]

ترجمہ:۔امام مالکؒ کے والد "انس" کبار تابعین میں سے تھے،انہوں نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اور دیگر صحابہ رضی اللہ عنہ سے روایات اَخذ کیں۔

3-امام صاحبؒ کے جدامجد "حضرت اَبو عامرؓ":۔

امام مالکؒ کے جدّ امجد ابو عامر رضی اللہ عنہ کے صحابی ہونے کے بارے میں اختلاف ہے۔ابو عامر رضی اللہ عنہ مخضرمین [8] میں سے تھے،یعنی جاہلیت اور اسلام دونوں زمانے پائے۔اگرچہ جمہور محدثین کے نزدیک ابو عامر رضی اللہ عنہ صحابی تھے،لیکن بعض نے اختلاف کیا ہے۔

علامہ ذہبیؒ آپ کے بارے میں فرماتے ہیں۔"لم اری احدا ذکرہ فی الصحابۃ"۔

حافظ ابن حجرؒ نے بھی"الاصابہ فی تمیز الصحابہ "میں قسمِ ثالث میں ابو عامر کا ذکر کرتے ہوئے یہی لکھا ہے۔"لم أر من ذكره في الصحابة "۔[9]

ترجمہ:۔ابو عامر کا ذکر صحابہ میں نہیں ہے۔

اور "الاصابہ" کی قسم ثالث میں علامہ ابن حجرؒ نے اُن حضرات کے کا ذکر کیا ہے جن کی ملاقات رسول اللہ ﷺ کے ساتھ کسی طرح سے ثابت نہیں ہے[10]۔

جب کہ شیخ الحدیث مولانا زکریاؒ نے قاضی عیاضؒ کی نسبت ابو بکر بن العلاء کا قول نقل کیا ہے۔

"ھو صحابی جلیل شھد المغازی کلھا خلا بدر "۔[11]

ترجمہ:۔آپ رضی اللہ عنہ (ابو عامر رضی اللہ عنہ) جلیل القدر صحابی تھے،آپ رضی اللہ عنہ نے غزوۂ بدر کے علاوہ تمام غزوات میں شرکت کی۔

علامہ سیوطیؒ نے بھی اسی کو اختیار کیا ہے۔علامہ ذھبیؒ لکھتے ہیں "وہ رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں تھا"۔[12] شاہ ولی اللہ دہلویؒ نے "المسویٰ" میں لکھا ہے۔"وابوعامر صحابی جلیل حضر مع النبیﷺ الغزوات کلھاالاغزوۃ بدر"۔[13]

ترجمہ:۔اور ابو عامر رضی اللہ عنہ،آپ بلند مرتبہ صحابی تھے،آپ رضی اللہ عنہ حضور نبی کریم ﷺ کے ساتھ غزوۂ بدر کے علاوہ تمام غزوات میں شامل رہے۔

4-امام صاحبؒ کے دادا"مالک بن ابی عامر":۔

آپؒ کے دادا کی کنیت "ابو انس" ہے اور آپ کا شمار کبار تابعین میں ہوتا ہے،جیسا کہ علامہ سیوطیؒ "تنویر الحوالك شرح موطأ مالك" میں فرماتے ہیں۔"واما جده مالك فهو من كبار التابعين، يروي عن عمر وطلحة وعائشة وابي هريرة وحسان بن ثابت"۔[14]

ترجمہ:۔اور آپؒ(امام مالکؒ)کے دادا (مالک) بڑے تابعین میں سے تھے،انہوں نے حضرت عمر،طلحہؓ،عائشہؓ،ابوہریرۃ اور حسان بن ثابت رضی اللہ عنہم اجمعین سے روایات اخذ کی ہیں۔

اسی طرح علامہ حافظ ابن حجر عسقلانیؒ نے" تهذيب التهذيب" میں فرمایا ہے۔"روى عن عمر وعثمان وطلحة وعقيل بن ابي طالب وابي هريرة وعائشة"۔[15]

ترجمہ:۔آپ(امام مالکؒ کے دادا مالک) نے حضرت عمر، عثمان، طلحہؓ، عقیل بن ابی طالب،ابی ہریرۃ اور عائشہؓ رضی اللہ عنہم اجمعین سے روایات اخذ کی ہیں۔

آپ کی روایات صحاح ستہ میں موجود ہیں۔آپ کی وفات 84ھ میں ہوئی[16]۔

5-امام صاحبؒ کی والدہ:۔

امام صاحب کی والدہ کے بارے میں علامہ ذہبیؒ لکھتے ہیں۔"وَأُمُّهُ هِيَ: عَالِيَةُ بِنْتُ شَرِيْكٍ الأَزْدِيَّةُ"۔[17]

ترجمہ:۔امام صاحبؒ کی والدہ کا نام "عالیہ بنت شریک الازدیۃ" ہے۔

6-امام صاحبؒ کی ولادت:۔

امام صاحبؒ کے بارے میں یہ مشہور ہے کہ آپ رحمِ مادر میں معمول سے زیادہ رہے،البتہ مدت میں اختلاف ہے۔اکثر مؤرخین کے نزدیک تین سال اور بعض کے نزدیک دو سال کا عرصہ ہے۔

جیسا کہ علامہ ذہبیؒ نے کئی اقوال ذکر کئے ہیں۔

"قال معن،والواقدی،ومحمدبن الضحاک:حملت أُمِّ مالک بمالک ثلاث سنین"۔[18]

ترجمہ:۔معن،واقدی اور محمد بن ضحاک کہتے ہیں: امام مالکؒ کی والدہ کے پیٹ میں آپؒ کا حمل تین سال تک رہا۔

اسی طرح امام صاحبؒ کی سنِ ولادت میں بھی اختلاف ہے، 90ھ، 93ھ، 94ھ، 95ھ، اور 97ھ، کے مختلف اقوال ہیں۔ قاضی عیاضؒ "تدریب المدارک" میں فرماتے ہیں۔"قال الإمام القرطبي أبو الفضل رضي الله عنه: اختلف في مولده رحمه الله تعالى اختلافاً كثيراً، فالأشهر في ما روي من ذلك قول يحيى بن بكر أن مولده سنة ثلاث وتسعين من الهجرة في خلافة سليمان بن عبد الملك بن مروان"۔[19]

ترجمہ:۔امام قرطبیؒ فرماتے ہیں: امام مالکؒ کی تاریخِ ولادت میں اختلاف ہے، پس ان میں سب سے مشہور قول یحیی بن بکر کا ہے کہ امام صاحبؒ 93ھ میں پیدا ہوئے، اُس وقت سلیمان بن عبدالملک بن مروان خلیفہ تھے۔

علامہ یافعیؒ نے لکھا ہے کہ آپؒ 94ھ میں پیدا ہوئے۔

ابنِ خلکان وغیرہ نے لکھا ہے کہ آپ 95ھ میں پیدا ہوئے ہیں۔[20]

علامہ ذہبیؒ نے امام مالکؒ کے مشہور شاگرد یحیی بن بکیر کا قول نقل کیا ہے۔

"سمعته يقول "ولدت سنة ثلاث وتسعين"۔[21]

ترجمہ:۔میں نے یحیی بن بکیر سے سنا، وہ فرمارہے تھے، کہ امام مالکؒ 93ھ میں پیدا ہوئے۔

علامہ ذہبیؒ نے یہ بھی لکھا ہے۔"مَوْلِدُ مَالِكٍ عَلَى الأَصَحِّ: فِي سَنَةِ ثَلاَثٍ وَتِسْعِيْنَ، عَامَ مَوْتِ أَنَسٍ خَادِمِ رَسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ"۔[22]

ترجمہ:۔ صحیح قول کے مطابق امام صاحبؒ کی سنِ ولادت 93ھ ہے، جس سال حضور نبی کریم ﷺ کے خادمِ خاص حضرت انس رضی اللہ عنہ انتقال کر گئے۔

اسی لئے جمہور محدثین نے امام صاحبؒ کی تاریخِ پیدائش 93ھ کو راجح قرار دیا ہے۔

7-امام صاحبؒ کی وفات:۔

قاضی عیاضؒ "ترتیب المدارک" میں لکھتے ہیں۔

"وأما وفاته فالصحيح ما عليه الجمهور من أصحابه ومن بعدهم من الحفاظ وأهل علم الأثر ممن لا يعد كثرة أنه توفى سنة تسع وسبعين ومائة"۔[23]

ترجمہ:۔پس امام صاحبؒ کی سنِ وفات، تو آپؒ کے جمہور تلامذہ اور بعد کے محدثین کی ایک کثیر تعداد کے مطابق صحیح قول یہ ہے کہ امام صاحبؒ 179ھ میں وفات پاگئے۔

امام صاحبؒ اپنی وفات سے قبل 22دِن تک صاحبِ فراش رہنے کے بعد 179ھ کواِس دارِ فانی سے الوداع کر گئے،اسی طرح المزیؒ نے "تہذیب الکمال" میں آپ کی وفات 14ربیع الاول 179ھ ذکر کی ہے۔امام صاحبؒ وفات کے وقت کلمہ لاالہ الااللہ اورللہ الامر من قبل و من بعد پڑھتے رہے۔[24]

آپؒ کی وفات کے مہینے میں اختلاف ہے۔10،11،14ربیع الاول، بعض اقوال ماہِ صفر سے متعلق بھی ہیں۔

علامہ ذہبیؒ فرماتے ہیں۔آپؒ کو غسل آپ کے کاتب حبیب اورابنِ ابی زنبر اور ابنِ کنانہ نے کروایا۔ مدینہ کے نائب والی عبداللہ بن محمد نے آپؒ کا نمازہ جنازہ پڑھایا۔ جمِّ غفیر نے آپؒ کو جنت البقیع میں دفنادیا۔[25]

امام مالکؒ کی تاریخِ ولادت اور تاریخِ وفات کو ایک بزرگ نے اِس قطعہ میں نظم کیاہے، جس کو شاہ عبدالعزیزؒ نے "بستان المحدثین" میں ذکر کیاہے،اِن اشعار سے امام صاحبؒ کی عمر کی مدّت بھی ظاہر ہوتی ہے۔

قطعہ

فخرُ الإئمۃ مالکُ نِعم المَالکُ السالکُ

مَولدُہ نَجمُ ھُدے وَفَاتُہ فَاز مالکُ۔[26]

ترجمہ:۔امام مالکؒ خدا کے راستے پر چلنے والے بہت اچھے امام اور دینی پیشواؤں کے لئے باعثِ فخر ہے۔

اِن کی ولادت کا سال "نجم" کے اعداد سے(93ھ) اور سنِ رحلت "فاز مالک" کے اعداد سے(179ھ) نکلتا ہے۔

8-امام صاحبؒ کے پسماندگان:۔

آپؒ نے پسماندہ گان میں تین صاحبزادے یحیی، محمد، حماد اور ایک صاحبزادی فاطمہ چھوڑی۔

فصلِ دوم

امام صاحبؒ کا حلیہ، لباس، اخلاق وعادات

1-امام صاحبؒ کا حلیہ اور لباس:۔

علامہ ذہبیؒ فرماتے ہیں:امام صاحبؒ بہت اعلیٰ ذوق والے انسان تھے، آپ روزانہ نئے کپڑے زیب تن فرماتے تھے، سرمہ اور خوشبو لگاتے تھے۔ آپ کا قد معتدل تھا، صحت مند تھے، آپ کا رنگ سفید مائل بہ زردی تھا۔ آپ کے داڑھی اور سر کے بال بہت زیادہ سفید اور چہرہ بارونق اور پُر نور تھا۔[27]

قاضی عیاضؒ نے "تدریب المدارک" میں امام مالکؒ کے شاگردوں کے کئی اقوال نقل کئے ہیں، چنانچہ ابوعاصم نے فرمایا ہے۔

"قال ابو عاصم: ما رأيت محدثاً أحسن وجهاً من مالك، وقال عيسى ابن عمر المديني: ما رأيت قط بياضاً ولا حمرة أحسن من وجه مالك"۔[28]

ترجمہ:۔ابوعاصم کہتے ہیں: میں نے امام مالکؒ سے زیادہ حسین چہرہ والا محدث کبھی نہیں دیکھا۔اور عیسیٰ بن عمر مدنی کہتے ہیں: میں نے امام مالکؒ سے زیادہ سفید اور سُرخ چہرہ والا کبھی نہیں دیکھا۔

شاہ عبدالعزیزؒ نے اپنی کتاب "بستان المحدثین" میں مستقلاً ایک باب اِس عنوان لکھا ہے۔ آپؒ لکھتے ہیں۔

"امام مالکؒ دراز قد، موٹا بدن، سفید رنگ مائل بہ زردی، کشادہ چشم، خوبصورت ناک بلند رکھتے تھے۔ان کی پیشانی میں سر کے بال کمی کے ساتھ تھے۔ایسے شخص کو عربی میں اصلع کہتے ہیں۔حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ بھی اصلع تھے۔امام صاحبؒ کی ڈاڑھی گنجان اور اِس قدر لمبی تھی کہ سینہ تک پہنچتی تھی۔اور مونچھوں کے ان بالوں کو جولبوں کے کنارے پر ہوتے تھے کترواتے تھے،اور منڈوانے کو مکروہ سمجھتے تھے۔فرماتے تھے کہ مونچھ کو منڈوانا مثلہ میں داخل ہے۔اور مونچھ بھی آپؒ کی وافر تھی،اور اس میں جناب امیر المؤمنین عمر رضی اللہ عنہ کی پیروی کرتے تھے، چنانچہ منقول ہے کہ "انہ رضی اللہ عنہ کان یفتل سبلتہ اذا اھمہ امر "یعنی حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو جب کوئی اَمرِ عظیم (بڑا معاملہ) پیش آتا تو اپنی مونچھ کو پیچ دیا کرتے تھے۔

علاوہ ازیں آپؒ خراسان اور مصر کے اعلیٰ قسم کے کپڑے بھی پہنتے تھے، آپؒ کا لباس اکثر سفید ہوتا تھا اور اکثر اوقات عطر لگایا کرتے تھے۔فرمایا کرتے تھے کہ جس شخص کو حق تعالیٰ نے ثروت یعنی مال ودولت عطا کیا ہو اور اس کا

اثر اس پر ظاہر نہ ہو تو میں ایسے شخص کو دوست رکھنا پسند نہیں کرتا، کیونکہ اُس نے حق تعالیٰ کی دی ہوئی نعمت کو چھپا کر کفرانِ نعمت کیا ہے"۔[29]

علامہ واقدیؒ نے لکھا ہے۔"امام صاحبؒ نے اپنی داڑھی میں کبھی خضاب نہیں لگایا اور نہ کبھی حمام (بازاری حمام) میں تشریف لے گئے"۔[30]

اور یہی بات قاضی عیاضؒ نے "ترتیب المدارک" میں لکھی ہے۔

" وقد روی أن بعض ولاة المدينة قال له: لم لا تخضب يا أبا عبد الله؟ فقال له: هذا بقي عليك من العدل".[31]

ترجمہ:۔اور یہ بات بیان کی گئی ہے کہ مدینہ کی کسی گورنر نے امام مالکؒ سے کہا: اے ابو عبداللہ! آپؒ داڑھی کو خضاب کیوں نہیں لگاتے؟ امام صاحبؒ کہنے لگے: یہ کام آپ کے لئے صحیح ہے۔

2-امام صاحبؒ کے اخلاق وعادات:۔

امام مالکؒ انتہائی عمدہ اور اعلیٰ اخلاق کے حامل تھے۔امام صاحبؒ بڑے وسیع الظرف تھے،امام صاحبؒ یہ پسند نہیں فرماتے تھے کہ وہ دوسرے لوگوں پر اپنی اجتہاد اور رائے کو مسلط کریں۔جیسا کہ ابو نعیمؒ نے "حلية الاولياء" میں خود امام مالکؒ سے روایت کی ہے جس کو حضرت شاہ ولی اللہ دہلویؒ نے "حجة الله البالغه" میں لکھا ہے کہ ۔

"وَلما حج الْمَنْصُور قَالَ لمَالِك: قد عزمت أَن أَمر بكتبك هَذِه الَّتِي صنفتها، فتنسخ، ثمَّ أبْعث فِي كل مصر من أَمْصَار الْمُسلمين مِنْهَا نُسْخَة، وَآمرهُمْ بِأَن يعملوا بِمَا فِيهَا، وَلَا يتعدوه إِلَى غَيره، فَقَالَ: يَا أَمِير الْمُؤمنِينَ لَا تفعل هَذَا فَإِن النَّاس قد سبقت إِلَيْهِم أقاويل، وسمعوا أَحَادِيث، وَرووا روَايَات، وَأخذ كل قوم بِمَا سبق إِلَيْهِم، وَأتوا بِهِ من اخْتِلَاف النَّاس، فدع النَّاس وَمَا اخْتَار أهل كل بلد مِنْهُم لأَنْفُسِهِمْ.

ويحكى نِسْبَة هَذِه الْقِصَّة إِلَى هَارُون الرشيد، وَأَنه شاور مَالِكًا فِي أَن يعلق الْمُوَطَّأ فِي الْكَعْبَة، وَيحمل النَّاس على مَا فِيهِ، فَقَالَ: لَا تفعل فَإِن أَصْحَاب رَسُول الله صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اخْتلفُوا فِي الْفُرُوع، وَتَفَرَّقُوا فِي الْبلدَانِ، وكل سنة مَضَت قَالَ: وفقك الله يَا أَبَا عبد الله، حَكَاهُ السُّيُوطِيّ"۔[32]

ترجمہ:۔اور جب خلیفہ منصور حج کے لیے گیا تو حضرت امام مالکؒ سے کہا: میں نے پختہ ارادہ کیا ہے کہ کہ آپ ان کتابوں کے بارے میں جن کو آپ نے تصنیف کیا ہے، حکم دوں کہ وہ نقل کی جائیں،اور پھر اِس کے نسخے لکھوا کر مسلمانوں کے ہر شہر میں بھجوادوں اور اُنہیں اِس بات کا حکم دوں کہ وہ اِن پر عمل کریں جو اِن کتابوں میں ہے،اور وہ اِس کے علاوہ کی طرف تجاوز نہ کریں۔تو حضرت امام مالکؒ نے فرمایا: اے امیر المؤمنین! ایسا ہر گز نہ کیجیے،اِس لیے کہ بے شک لوگوں کے پاس پہلے سے اقوال پہنچ چکے ہیں،اور وہ احادیث سُن چکے ہیں،اور اُنہوں نے روایتیں نقل کی ہیں۔اور ہر قوم نے اُس کو لیا ہے جو اُس کی طرف پہلے پہنچا ہے،اور لائے ہیں وہ اِس کو یعنی لوگوں کے اختلاف کو (یعنی

لوگوں میں اختلافات ہو چکے ہیں) پس چھوڑ یے آپ لوگوں کو اور اُس چیز کو جو اُن میں سے ہر شہر والوں نے اپنے لئے پسند کی ہیں۔

اور اِس واقعہ کی نسبت خلیفہ ہارون الرشید کی طرف بھی نقل کی جاتی ہے اور یہ بات بھی نقل کی جاتی ہے، کہ اُنہوں نے حضرت امام مالکؒ سے اِس سلسلہ میں مشورہ کیا کہ وہ "مؤطا" کو خانہ کعبہ میں آویزاں کرے اور لوگوں کو اس پر عمل کرنے پر مجبور کیا جائے۔ تو حضرت امام مالکؒ نے فرمایا۔

"ایسا نہ کیجئے، اس لیے کہ مختلف فروعات و مسائل میں اصحابِ رسول اللہ ﷺ کے درمیان میں اختلاف رہا ہے اور وہ (صحابہ رضی اللہ عنہ) مختلف شہروں میں پھیل گئے ہیں اور ہر ایک طریقہ چل پڑا ہے۔

ہارون الرشید نے کہا: "اے ابوعبداللہ! اللہ تعالیٰ آپ کو توفیق عطا فرمائیں"۔ اس کو علامہ سیوطیؒ نے بھی نقل کیا ہے"۔

امام مالکؒ کی بے تعصبی و بے نفسی، بلکہ عالی ظرفی اور رواداری قابلِ تقلید ہے۔

3- حُصولِ علم:-

امام صاحبؒ نے جِس زمانے میں آنکھ کھولی اُس وقت مدینہ منورہ میں ہر طرف علم و نور کے چشمے جاری تھے، آپ کا گھرانہ بھی علم و عرفان کا گہوارہ تھا۔ آپ نے 10 سال کی عمر میں حصولِ علم کا آغاز کیا۔ علم القرآت وقت کے امام القرآء نافع بن عبدالرحمٰن (م 169ھ) سے حاصل کیا۔ 12 برس تک حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہ کے خصوصی شاگرد و مولا حضرت نافعؒ کے درس میں شریک رہے۔[33]

علامہ ذہبیؒ فرماتے ہیں۔ "وَطَلَبَ مَالِكٌ العِلْمَ وَهُوَ ابْنُ بِضْعَ عَشْرَةَ سَنَةً"۔[34]

ترجمہ:۔ امام مالکؒ نے اُس وقت علم حاصل کرنا شروع کیا جب آپؒ کی عمر 10 سال سے کچھ اُوپر تھی۔

یوسف بن حسن نے "ارشادالسالک الی مناقب مالک" میں لکھا ہے۔

وقداجتهد مالک فی صغره فی العلم،والحدیث"۔[35]

ترجمہ:۔ امام مالکؒ نے چھوٹی عمر میں ہی علم اور حدیث میں اجتہاد شروع کیا۔

علامہ زرقانیؒ کے بقول آپؒ نے 900 سے زائد اہل علم سے فیض حاصل کیا۔ حصولِ علم کے لئے فاقے برداشت کئے حتیٰ کہ اپنے گھر کی چھت کی لکڑیاں تک فروخت کرنے کی نوبت بھی آئی۔

فصلِ سوم

امام صاحبؒ کے شیوخ اور تلامذہ

1-امام صاحبؒ کے اساتذہ اور شیوخ کے بارے میں:۔

امام صاحبؒ کے مشائخ و اصحاب بہت زیادہ ہیں۔ علامہ زرقانیؒ نے "شرح الزرقاني على مؤطا الامام مالک" میں یہ فرمایاہے۔"أَخَذَ عَنْ تِسْعِ مِائَةِ شَيْخٍ فَأَكْثَر "۔[36]

ترجمہ:۔"امام مالکؒ نے 900 سے زائد مشائخ سے استفادہ کیا۔

خود امام صاحبؒ نے تقریباً 95 اساتذہ کا نام لیاہے، جن کو علامہ ذہبیؒ نے اپنی شہرہ آفاق تصنیف "سیر اعلام النبلاء" میں ذکر کیاہے۔ جن میں مشہور نام یہ ہیں عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کے خصوصی شاگرد و مولیٰ نافع، ایوب سختیانی،حمید، ربیعہ الرای،سالم ابو النصر،سعید بن ابی سعید،سہیل بن ابی صالح، سلمہ بن صفوان الزرقی،سعدبن اسحاق،سعید بن عمرو شرجیل،شریک بن ابی نمر، صالح بن کیسان، صفوان بن سُلیم،ضمرة بن سعید،طلحۃ بن عبدالملک،عامر بن عبد اللہ بن الزبیر،عبد اللہ بن فضل،عبداللہ بن عبداللہ بن جابربن عتیک،عبداللہ بن ابی بکربن ابی حزم،عبد اللہ بن یزیدمولیٰ الاسود،ابوالزناد عبداللہ بن ذکوان،عبدالرحمٰن بن قاسم،عبدالرحمٰن بن ابی صعصعۃ،عبداللہ بن عبدالرحمٰن ابوطوالۃعبیداللہ بن سلمان الاغر،عبیداللہ بن عبد الرحمٰن،عبدالرحمٰن بن حرملۃ،علقمۃ بن ابی علقمۃ، عمرو بن ابی عمرو،فضیل بن ابی عبداللہ،قطن بن وھب،ابن المنکدر،ابوالزبیر،محمد بن ابی امامۃ،موسی بن عقبۃ، موسی بن میسرة،موسی بن ابی تمیم،سھیل نافع بن مالک،وھب بن کیسانیزید بن رومان،ابن شہاب زھری ،مسلمہ بن دیناراور عبد اللہ بن دینار وغیرہ شامل ہیں۔[37]

2-امام مالکؒ سے روایت کرنے والوں (شاگردوں) کے بارے میں:۔

امام مالکؒ سے روایت کرنے والے شاگرد اور تلامذہ کی تعداد کثیر ہے، جیساکہ محدثین اور مؤرخین نے لکھاہے۔ حافظ ابن کثیرؒ" البدایة والنهایة "میں لکھتے ہیں۔"وَحَدَّثَ عَنْهُ خلق من الأئمة"۔[38]

ترجمہ:۔ائمہ میں سے ایک جم غفیر نے آپ سے شرفِ تلمذ کیا۔

علامہ ذہبیؒ نے "تذکرة الحفاظ" میں لکھاہے۔"حدث عنه امم لا یکادون یحصون"۔[39]

ترجمہ:۔امام صاحبؒ سے اتنے لوگوں نے روایت اخذ کی ہیں، جن کا شمار ناممکن ہے۔

اسی طرح علامہ ذہبیؒ نے "سیر اعلام النبلاء" میں بھی لکھاہے۔

" وَحَدَّثَ عَنْهُ جَمَاعَةٌ وَهُوَ حَيٌّ شَابٌّ طَرِيٌّ"۔[40]

ترجمہ:۔اور امام مالکؒ سے بہت لوگوں نے احادیث اخذ کیں، اور آپؒ اُس وقت بالکل نو عمر نوجوان تھے۔

امام مالکؒ ابھی جوان ہی تھے کہ حدیث بیان کرنا شروع کر دیا۔امام مالکؒ بہت جلیل القدر محدث گزرے ہیں یہاں تک کہ آپ سے بعض اساتذہ نے بھی روایات اخذ کی ہیں۔علامہ ذہبیؒ نے اُن میں سات اساتذہ کے نام لکھے ہیں۔ جن میں آپ کے چچا ابو سہیل، یحیٰ بن ابی کثیر ،ابن شہاب زہری، یحیٰ بن سعید، یزید بن الہاد، زید بن ابی اُنیسۃ اور عمرو بن محمد بن زید وغیرہ شامل ہیں۔[41]

علامہ ذہبیؒ نے امام مالکؒ کے شاگردوں میں امام ابو حنیفہؒ کا نام بھی لکھا ہے لیکن صحیح بات یہ ہے کہ امام ابو حنیفہؒ کی کوئی روایت امام مالکؒ سے ثابت نہیں ہے۔

اسی طرح آپ کے شاگردوں میں سفیان ثوری ،سعید بن منصور، عبداللہ بن مبارک، عبدالرحمٰن اوزاعی (اگرچہ اوزاعی امام مالکؒ سے عمر میں بڑے ہیں)، لیث بن سعد (آپ کے ہم عصروں میں سے ہے)، اور امام شافعی محمد بن ادریس اور محمد بن حسن شیبانی (رحمھم اللہ اجمعین) وغیرہ شامل ہیں۔

علامہ سیوطیؒ نے "تنویر الحوالک" میں لکھا ہے۔امام مالکؒ سے روایت کرنے والے بہت زیادہ ہیں، اتنے کہ کسی اور امام کے رواۃ کی تعداد اتنی نہیں ہے۔[42]

حافظ ابو بکر الخطیب نے امام مالکؒ سے روایت کرنے والوں کے بارے میں مستقل کتاب لکھی ہے۔جس میں انہوں نے 993 لوگوں کا ذکر کیا ہے۔

قاضی عیاضؒ نے ذکر کیا ہے کہ انہوں نے "مؤطا" کے رواۃ کے بارے میں کتاب لکھی ہے اور انہوں نے اس میں ایک ہزار تیرہ لوگوں کا ذکر کیا ہے جنہوں نے آپؒ سے "مؤطا" روایت کی ہے۔

قاضی عیاضؒ نے "ترتیب المدارک" میں ان کے لئے ایک علیحدہ باب لکھا ہے۔جس میں آپ نے سوائے چار مشہور راویوں کے باقی سب کے نام لکھے ہیں۔اِن میں امام شافعیؒ، مطرف بن عبد اللہ،عبد اللہ بن عبدالحکم،بکار بن عبد اللہ الزبیری، یحیی بن یحیی نیشابوری،زیادبن عبداللہ أند لسی، سبطون بن عبداللہ اندلسی، محمد بن شروس صنعانی،أباقرۃ سکسکی، أبافلان سھمی بغدادی، احمدبن منصورنا مزانی،قتیبہ بن سعید،عتیق بن یعقوب زبیری، اسدبن فرات قروی،اسحٰق بن عیسیٰ طباع، بدیرۃ مغنی بغدادی،حفص بن عبدالسلام اندلسی، اور اُن کابھائی حسان، حبیب بن ابی حبیب، خلف بن جریر بن فضالۃ،خالد بن نزارۃ ایلی، غازی بن قیس اندلسی،قرعوس بن عباس اندلسی، محرزمدنی، سعید بن عبدالحکم أند لسی، سعیدبن أبی ھند أندلسی، سعیدبن عبدوس أندلسی،عبدالاعلیٰ بن مسھردمشقی، عبد الرحیم بن خالدمصری، اسمٰعیل بن أبی أویس اور اُس کا بھائی أبوبکر، علی بن زیاد تیو نسی،عباس بن ناصح أندلسی،عیسیٰ بن شجرۃ تیونسی،أیوب بن صالح مدنی، عبد الر حمٰن بن ھندطلیطلی، عبدالرحمٰن بن عبداللہ أندلسی،عبیدبن حبان دمشقی، سعید بن داؤدمدنی شامل ہیں۔[43]

قاضی عیاضؒ مزید فرماتے ہیں۔"ہماری تحقیق کے مطابق یہی وہ حضرات ہیں جنہوں نے امام مالکؒ سے "مؤطا" روایت کی ہے اوران کی تصریح اصحاب الاثر اور متکلمین فی الرجال نے کی ہے۔اوراسی طرح انہوں نے یہ ذکر کیاہے کہ محمد بن عبداللہ انصاری نے ان سے "مؤطا" کا اخذ کتابۃً کیاہے اور اسمٰعیل بن صالح نے ان سے مناولۃ اخذ کیا ہے اور قاضی ابویوسفؒ جو امام ابو حنیفہؒ کے شاگرد ہیں پس انہوں نے ایک آدمی سے روایت کی ہے جو ان سے روایت کرتے ہیں اور انہوں نے یہ بھی ذکر کیا ہے کہ ہارون الرشید اور ان کے بیٹوں امین،مامون اور مؤتمن نے قاضی اُبو یوسفؒ سے مؤطا اَخذ کی ہے اور مہدی اور ہادی کے بارے میں ہے کہ انہوں نے امام مالکؒ سے "مؤطا" سنی اور روایت کی ہے۔اوراس میں شک نہیں کہ "مؤطا" کے راوی اس سے زیادہ ہیں لیکن یہاں پر اُن راویوں کو ذکر کیا گیا جن کے بارے میں بہت مشہور ہے کہ ان لوگوں نے امام مالکؒ سے سماعت کی ہے اور اُن سے اَخذ کیا ہے یا جس میں ان کی اسناد امام مالکؒ سے متصل ہے"۔

3-درس وتدریس:۔

امام مالکؒ ابھی چھوٹے عمر کے ہی تھے کہ آپؒ نے علوم مکمل حاصل کر کے تدریس کا آغاز کیا،جیسا کہ علامہ ذہبیؒ نے لکھا ہے۔"وَجَلَسَ لِلإِفَادَةِ، وَلَهُ إِحْدَى وَعِشْرُوْنَ سَنَةً، وَحَدَّثَ عَنْهُ جَمَاعَةٌ وَهُوَ حَيٌّ شَابٌّ طَرِيٌّ"۔[44]

ترجمہ:۔اور امام صاحبؒ لوگوں کے استفادہ کے لئے بیٹھ گئے،اور آپؒ کی عمر اُس وقت 21 سال تھی،اور آپؒ سے بہت لوگوں نے احادیث اَخذ کیں،اور آپؒ اُس وقت بالکل نوعمر نوجوان تھے۔

بعض حضرات کے بقول امام صاحب 17 سال کی عمر میں علم سے فارغ ہونے کے بعد تدریس کی منصب پر بیٹھ گئے تھے۔امام صاحبؒ نے اپنے ہاتھوں سے تقریباً ایک لاکھ حدیثیں لکھیں۔آپؒ کی مجلس میں شائقین اور تشنگانِ علوم کا ہجوم لگا رہتا تھا،نیا دیکھنے والا یہ سمجھتا کہ یہ کسی بادشاہ امیر کا دروازہ ہے،جیسا کہ علامہ ذہبیؒ نے عبدالرحمٰن واقدیؒ کا یہ قول نقل کیا ہے۔

"رأيت باب مالك كأنه باب الأمير"۔[45]یعنی دیکھنے والا یہ سمجھتا گویا کہ یہ کسی بادشاہ کا دروازہ ہے۔جب حاضرین کی تعداد بہت بڑھ جاتی تو سب سے پہلے اپنے خاص تلامذہ ورفقاء کو بلاتے اور پھر عوام کی باری ہوتی۔

4-مجلس کا وقار:۔

امام صاحبؒ جب حدیث کا درس دیتے تو اس کے لئے خاص اہتمام کرتے تھے۔شیخ الحدیث مولانا زکریاؒ نے لکھا ہے۔"مسائل پوچھنے والے لوگ جب دروازے پر آتے تو ایک خادمہ اُن سے پوچھتی کہ فقہ پوچھنے آئے ہو

حدیث؟ اگر سوال کا تعلق فقہ سے ہوتا تو امام صاحب فوراً نکل کر جواب دیتے، اور اگر سوال کا تعلق حدیث کے ساتھ ہوتا تو امام صاحبؒ پہلے غسل کرتے، نئے کپڑے پہنتے، خوشبو لگاتے اور عمامہ باندھ کر باہر تشریف لاتے"۔[46]

حدیثِ رسول ﷺ کے لئے دل میں انتہائی درجہ کی محبت، توقیر اور تعظیم تھی، درس میں مسلسل عود اور لوبان کی دھونی دیتے۔ علامہ ذہبیؒ نے لکھا ہے۔" امام صاحب سے کسی نے پوچھا کہ آپ نے عمرو بن دینار کی حدیث کو کیوں نہیں لیا، تو آپ نے جواباً فرمایا"أتيته ، فوجده يأخذون عنه قياماً،فأجللت حديث رسول الله ﷺ أن آخذ قائماً"۔[47]۔یعنی میں نے دیکھا کہ شاگرد کھڑے ہو کر اُن سے حدیث اُخذ کر رہے ہیں تو میں نے یہ بات حدیث کی شان کے خلاف سمجھی اِس لئے میں نے اُن سے احادیث اُخذ نہیں کی"۔

رسول اللہ ﷺ اور مدینۃ المنورۃ کے ساتھ اِس درجہ محبت تھی اِس لئے آپ نے مدینۃ المنورۃ میں موت کو ترجیح دی، اور آپ نے پوری زندگی میں ایک ہی حج کیا[48]۔ کہ کہیں مدینہ المنورۃ سے باہر موت واقع نہ ہو اور وہیں (مدینہ سے باہر) دفن نہ کیا جائے، جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے بھی مدینۃ المنورۃ میں موت اور تدفین کی فضیلت بیان کی ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔عَنْ ابْنِ عُمَرَ ،قَالَ:قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ :"مَنْ اسْتَطَاعَ أَنْ يَمُوتَ بِالْمَدِينَةِ فَلْيَفْعَلْ، فَإِنِّي أَشْهَدُ لِمَنْ مَاتَ بِهَا"۔[49]

ترجمہ:۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا" تم میں سے جس شخص کو مدینہ منورہ میں موت آسکتی ہو اُسے چاہئے، کہ وہ یہ سعادت حاصل کرے چونکہ میں یہاں مرنے والوں کی گواہی (شفاعت) دوں گا"۔

امام صاحبؒ کے سامنے جب بھی رسول اللہ ﷺ کا ذکرِ خیر ہوتا تو امام صاحب کے چہرہ کا رنگ متغیر ہو جاتا اور کمر جھک جاتی۔ ابنِ خلکان نے لکھا ہے۔" امام صاحب انتہائی کمزوری کے باوجود مدینۃ منورہ میں گھوڑے پر سوار نہیں ہوتے تھے اور پیدل چلتے تھے اور یہ فرماتے:لاأركب فى مدينة فيها جثة رسول الله ﷺ مدفونة"۔

امام صاحبؒ کی نبی کریم ﷺ کی ساتھ اِس درجہ محبت تھی کہ آپ ہر رات کو خواب میں رسول اللہ ﷺ کی زیارت فرماتے تھے، جیسا کہ شیخ الحدیث علامہ زکریاؒ نے لکھا ہے ۔" مثنی بن سعید کہتے ہیں کہ امام صاحب نے فرمایا"مابت ليلة الا رأيت فيهارسول الله ﷺ" کہ میں نے کوئی رات ایسی نہیں گزاری کہ نبی کریم ﷺ کو خواب میں نہ دیکھا ہو"۔[50]

ابن فرحون نے اپنی کتاب" الد يباج المذهب" میں لکھا ہے ۔قال عبد الله بن المبارك: كنت عند مالك وهو يحدثنا حديث رسول الله صلى الله عليه وسلم فلدغته عقرب بست عشرة مرة ومالك يتغير لونه ويصفر ولا يقطع حديث رسول الله صلى الله عليه

وسلم. فلما فرغ من المجلس وتفرق الناس قلت: يا أبا عبد الله لقد رأيت اليوم منك عجباً؟ فقال: نعم إنما صبرت إجلالاً لحديث رسول الله صلى الله عليه وسلم.[51]

ترجمہ:۔ عبداللہ بن مبارکؒ (جو کہ امام صاحبؒ کے خصوصی شاگرد تھے) کہتے ہیں۔ میں امام مالکؒ کے پاس تھا اور وہ ہمیں رسول اللہ ﷺ کی حدیث بیان فرمارہے تھے، ایک بچھو نے آپ کو 16 مرتبہ ڈسا، جس کی وجہ سے آپ کا رنگ بدل جاتا تھا اور چہرہ زرد ہو جاتا تھا، لیکن آپ نے حدیثِ رسول اللہ ﷺ کو منقطع نہیں کیا۔ جب لوگ چلے گئے تو میں نے آپ سے پوچھا کہ میں نے آج آپ میں عجیب بات دیکھی۔ آپ نے فرمایا: میں نے حدیث رسول ﷺ کی عزت واحترام کی وجہ سے اِس تکلیف پر صبر کیا"۔

ابو مسلم خزاعی کہتے ہیں: "جب امام مالکؒ (حدیث بیان کرنے کے لئے) مجلس میں بیٹھنے کا ارادہ کرتے تو وضوء بناتے، خوبصورت لباس پہنتے، خوشبو لگاتے، داڑھی میں کنگھی کرتے۔ اتنے اہتمام کے بارے میں اُن سے پوچھا گیا، تو آپ نے فرمایا، میں حدیثِ رسول ﷺ کی توقیر و تعظیم کے لئے ایسا کرتا ہوں۔ اور مصعب بن عبداللہ کہتے ہیں: جب امام مالکؒ کے سامنے رسول اللہ ﷺ کا ذکر کیا جاتا تو آپ کا رنگ متغیر ہو جاتا اور آپ جھک جاتے۔ اس کے بارے میں ان سے کہا گیا آپ نے فرمایا: اگر تم وہ دیکھو جو میں دیکھ رہا ہوں تو تعجب نہ کرو۔

اور ابن خلکان نے بیان کیا ہے۔" امام مالکؒ مدینہ میں کبھی باوجودِ ضعف اور بڑھاپے کے سواری پر سوار نہیں ہوتے تھے اور فرماتے، میں مدینہ منورہ میں کبھی بھی سواری پر سوار نہیں ہوں گا، جہاں رسول اللہ ﷺ دفن ہیں"۔[52]

شاہ عبدالعزیزؒ نے "بستان المحدثين" میں لکھا ہے۔" امام صاحبؒ کی مجلس ایسی ہیبت اور وقار کی ہوتی تھی کہ اس میں شور شغب ہونا تو درکنار کسی شخص کو آواز بلند کرنے کی مجال اور طاقت نہ ہوتی تھی"۔[53]

فصل چہارم

امام صاحبؒ کا طریقۂ اجتہاد اور فتویٰ

1-امام صاحبؒ کا مسائل بتانے میں حد درجہ احتیاط:۔

امام صاحبؒ فتویٰ دیتے وقت بہت احتیاط فرماتے۔آپ فتوی کے جواب کو 70 فقہاء کے سامنے پیش کرتے ،اگر وہ تصدیق کرتے تب آپ فتویٰ صادر فرماتے۔اور علامہ ابن کثیرؒ نے " البداية و النهاية "میں ابن مصعب کا یہ قول نقل کیا ہے۔" میں نے خود امام مالکؒ سے سنا کہ وہ فرمارہے تھے۔"مَا أَفْتَيْتُ حَتَّى شَهِدَ لِي سَبْعُونَ أَنِّي أَهْلٌ لِذَ لِكَ"۔[54]

ترجمہ:۔میں نے اس وقت تک فتویٰ نہیں دیا جب تک 70 شیوخ نے میرے اہلیت کی گواہی نہیں دی"۔

امام صاحبؒ مسئلہ بتانے میں بہت احتیاط کرتے تھے،جب تک کامل شرح صدر نہ ہوتا تب تک جواب دینے سے انکار کرتے۔ چنانچہ ایک مرتبہ آپؒ سے 48 مسائل کے بارے میں دریافت کیا گیا تو آپؒ نے 32 مسائل کے بارے میں فرمایا"لاأ دری"۔

علامہ ذہبیؒ لکھتے ہیں کہ خالد بن خداش کہتے ہیں۔" میں نے 40 مسائل کے بارے میں امام صاحبؒ سے سوال کیا تو آپؒ نے صرف 5 مسائل کا جواب دیا، باقی مسائل کے بارے میں فرمایا:لاأ دری"۔[55]

2-امام صاحبؒ کا طریقۂ فتویٰ و اجتہاد:۔

امام مالکؒ فتویٰ اور اجتہاد کے معاملہ میں بہت محتاط تھے،جیسا کہ جامعہ ازہر کے مشہور ڈاکٹر محمد بن محمد بن ابو شھبہ نے "اعلام المحدثين "میں امام مالکؒ کے وہ اُصول بیان کئے ہیں جن کے مطابق آپ فتویٰ دیا کرتے تھے اور اجتہاد فرمایا کرتے تھے۔"والامام مالک یاخذ بالكتاب والسنۃ الثابتۃ والاجماع والقياس كمعظم ائمۃ الفقہ والاجتہاد وزاد شيئاً آخر وھو عمل اھل المدينۃ من الصحابۃ والتابعين،لا من دونہم"۔[56]

1۔امام مالکؒ اجتہاد کرتے وقت سب سے پہلے قرآن کریم کی طرف رجوع فرماتے تھے۔

2- پھر اِس کے بعد احادیثِ نبوی ﷺ کی طرف رجوع کرتے تھے،احادیث میں صحیح سند والے احادیثِ ثابتہ سے مسائل کا استنباط کرتے۔

3-امام صاحبؒ تیسرے نمبر پر اجماع سے رہنمائی لیا کرتے تھے۔

4-اگر کسی مسئلہ کا حل قرآن، حدیث اور اجماع میں نہ ملتا، تو پھر اِن مذکورہ بالا تینوں کی روشنی میں قیاس سے مدد لیتے تھے۔

5-پانچویں نمبر پر امام صاحبؒ پھر خود اجتہاد فرماتے تھے۔

6-اور ایک اور چیز جس سے امام مالکؒ فتویٰ اور اجتہاد کے وقت مدد لیتے تھے وہ ہے "تعاملِ اہلِ مدینہ" یعنی مدینہ کے رہنے والے صحابہ کرام رضی اللہ عنہ اور تابعینؒ کے عمل سے رہنمائی لینا۔

7-شاہ ولی اللہ دہلویؒ نے اپنی کتاب "حجۃ اللہ البالغہ" میں امام مالکؒ کے طریقہ اجتھاد کے بارے میں فرماتے ہیں۔"كَانَ مَالِكٌ مِنْ أَثْبَتِهِمْ فِى حَدِيثِ الْمَدَنِيِّينَ عَنْ رَسُولِ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم وَأَوْثَقِهِمْ إِسْنَادًا، وَأَعْلَمِهِمْ بِقَضَايَا عُمَرَ، وَأَقَاوِيْلَ عَبدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ، وَعَائِشَةَ، وَأَصْحَابِهِمْ مِنَ الْفُقَهَاءِ السَّبْعَةِ، وَبِهِ وَبِأَمْثَالِهِ قَامَ عِلْمُ الرِّوَايَةِ وَالْفَتْوٰى"۔[57]

ترجمہ:۔امام مالکؒ علماءِ مدینہ کی احادیث کو خوب یاد رکھتے تھے،ان کی سند بھی زیادہ قوی تھی۔حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے فیصلہ جات،ابن عمر رضی اللہ عنہ،سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہ اور فقہاءِ سبعہ [58] کے اقوال سب سے زیادہ جانتے تھے۔ امام مالکؒ اور ان کے ہمعصروں کی محنت سے روایت حدیث اور افتاء کا علم قائم ہوا۔

فصلِ پنجم

امام صاحبؒ کا مقام

1-امام صاحبؒ کا مقام احادیث کی روشنی میں:۔

امام مالکؒ حدیث اور فقہ کے تمام ائمہ میں (ماسوا امام ابو حنیفہؒ کے) سب سے اول زمانہ (قرونِ اولیٰ) سے تعلق رکھنے والے ہیں۔ گویا کہ آپ پہلی صدی ھجری میں پیدا ہوئے۔اِس اعتبار سے تمام ائمہ اور فقہاء آپؒ کے بلند مقام کو تسلیم کرتے ہیں۔آپؒ کے بارے میں حضور نبی کریم ﷺ نے کئی احادیث مبارکہ میں بشارت سنائی ہے،ذیل میں وہ احادیث ہیں جن میں محدثین کے نزدیک حضور نبی کریم ﷺ نے امام مالکؒ کے مقام کی طرف اشارہ فرمایا ہے۔

امام ترمذیؒ نے "سننِ ترمذی" میں "بَابُ مَا جَاءَ فِي عَالِمِ المَدِينَةِ" کے نام سے ایک مستقل باب لکھا ہے، جس میں آپ نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی اِس روایت کو ذکر کیا ہے۔

1-عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ،رِوَايَةً:يُوشِكُ أَنْ يَضْرِبَ النَّاسُ أَكْبَادَ الإِبِلِ يَطْلُبُونَ العِلْمَ فَلَا يَجِدُونَ أَحَدًا أَعْلَمَ مِنْ عَالِمِ المَدِينَةِ۔[59]

ترجمہ:۔ حضرت ابوہریرۃ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے،کہ حضور بنی کریم ﷺ نے فرمایا" قریب ہے کہ لوگ اونٹوں پر سفر کر کے اُن کے جگر ماریں گے، پس مدینہ کے عالم سے زیادہ بڑا عالم کسی کو نہیں پائیں گے"۔

امام نسائیؒ نے "سننِ نسائی" میں "فَضْلُ عَالِمِ أَهْلِ الْمَدِينَةِ" کے نام سے ایک باب لکھا ہے، جس میں آپ نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی اِسی روایت کو تھوڑے سے مختلف الفاظ کے ساتھ ذکر کیا ہے۔

2-عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قال النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ : لَيَضْرِبَنَّ النَّاسُ أَكْبَادَ الإِبِلِ فِي طَلَبِ العِلْمِ، فَلاَ يَجِدُوْنَ عَالِماً أَعْلَمَ مِنْ عَالِمِ المَدِيْنَةِ ۔[60]

ترجمہ:۔ حضرت ابوہریرۃ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے،کہ حضور بنی کریم ﷺ نے فرمایا" قریب ہے کہ لوگ طلبِ علم کی خاطر اونٹوں پر سفر کر کے اُن کے جگر ماریں گے، پس مدینہ کے عالم سے زیادہ بڑا عالم کسی کو نہیں پائیں گے"۔

قاضی عیاضؒ نے ابی موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کی روایت کو نقل کیا ہے۔

3-قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ -يَخْرُجُ نَاسٌ مِنْ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ فِي طَلَبِ الْعِلْمِ فَلَا يَجِدُونَ أَعْلَمَ مِنْ عَالِمِ الْمَدِينَةِ۔[61]

ترجمہ:۔"مشرق و مغرب سے لوگ طلبِ علم کے لئے نکلیں گے پس وہ مدینہ کے عالم سے بڑھ کر کوئی عالم نہیں پائیں گے"۔

علامہ ذہبیؒ نے ایک اور روایت کو ذکر کیا ہے۔

4-"لَا تَنْقَضِي السَّاعَةُ حَتَّى يَضْرِبَ النَّاسُ أَكْبَادَ الْإِبِلِ مِنْ كُلِّ نَاحِيَةٍ إِلَى عَالِمِ الْمَدِينَةِ يَطْلُبُونَ عِلْمَهُ"۔[62]

ترجمہ:۔ قیامت اس وقت تک قائم نہیں ہو گی جب تک کہ لوگ کونہ کونہ سے اونٹوں پر سفر نہ کریں مدینہ کے عالم کی طرف۔

علامہ ذہبیؒ فرماتے ہیں ۔" تمام محدثینِ عظام مثلاً سفیان ثوریؒ اور سفیان بن عیینہؒ فرماتے ہیں، کہ یہ تمام احادیث مبارکہ امام مالکؒ کے بارے میں ہیں، اور محدثین کرام اِن سے امام مالکؒ مراد لیتے ہیں"۔[63]

2-امام صاحبؒ کا مقام محدثین، ائمہ اور فقہاء کی نظر میں:۔

امام مالکؒ کی عظمت اور مقام کو تمام محدثین اور ائمہ تسلیم کرتے ہیں۔ ذیل میں مختلف محدثین اور ائمہ کرام کے امام مالکؒ کے بارے میں اقوال ہیں۔

علامہ ذہبیؒ نے امام شافعیؒ کے امام مالکؒ کے بارے میں مختلف اقوال نقل کیے ہیں۔

1-امام ابو حنیفہؒ فرماتے ہیں۔" میں نے امام مالکؒ سے بڑھ کر کوئی جلد اور صحیح جواب دینے والا نہیں دیکھا"۔[64]

2-امام شافعیؒ فرماتے ہیں۔"وقال الشافعي أيضا لو لا مالك وسفيان يعني ابن عيينة لذهب علم الحجاز "۔[65]

ترجمہ:۔" اگر امام مالکؒ اور سفیان ثوریؒ نہ ہوتے تو حجاز سے علم اُٹھ جاتا"۔

3-ایک آدمی نے امام شافعیؒ سے پوچھا کہ آپ نے جن لوگوں کو پایا ہے کیا اِن میں امام مالکؒ جیسا کسی کو پایا ہے؟ آپ نے فرمایا" میں نے ان سے سنا ہے جو عمر اور علم میں ہم سے آگے ہیں کہ ہم نے امام مالکؒ جیسا کسی کو نہیں دیکھا تو ہم اس کی مثل کیسے دیکھ سکتے ہیں"۔

4-امام شافعیؒ کا یہ قول بھی امام مالکؒ کے بارے مشہور ہے۔"إِذَا جَاءَ الْأَثَرُ فَمَالِكٌ النَّجْمُ"۔[66]

5-اور یہ بھی فرمایا۔ إِذَا ذُكِرَ الْعُلَمَاءُ فَمَالِكٌ النَّجْمُ"۔امام مالکؒ علم کے آسمان کا تابناک و درخشاں ستارہ ہیں جس کی مثال ملنا مشکل ہے"۔

6-امام شافعیؒ کا ارشاد ہے۔ وكان مالك إذا شك في شيء من الحديث تركه كله۔[67]

ترجمہ:۔" امام مالکؒ کو جب حدیث کے کسی ٹکڑے میں شک پڑ جاتا تھا تو پوری کی پوری حدیث رد کر دیتے تھے"۔

7-امام شافعیؒ کا یہ بھی فرمان ہے۔"من أراد الحديث فهو عيال على مالك"۔

8-امام شافعیؒ کا یہ بھی قول ہے۔"مالك حجة الله تعالىٰ على خلقه بعد التابعين"۔[68]

ترجمہ:۔ تابعین کے بعد امام مالکؒ بندوں کے لیے اللہ کی سب سے بڑی حجت (دلیل) ہیں۔

9-ابن مہدیؒ کا کہنا ہے۔"سفیان ثوریؒ حدیث کے امام ہیں اور اوزاعی سنت کے امام ہیں اور امام مالکؒ دونوں کے امام ہیں"۔[69]

10-امام نسائیؒ نے فرمایا ہے۔"ما عندی بعد التابعین انبل من مالك، ولا اجل منه، ولا اوثق ولا آمن علی الحدیث منه"۔

ترجمہ:۔ میرے نزدیک تابعین کے بعد امام مالک سے زیادہ دانشور اور حدیث کے معاملے میں زیادہ ثقہ اور امانتدار کوئی نہیں ہے۔

11-عبدالرحمٰن بن مہدیؒ کا قول ہے۔"روئے زمین پر امام مالکؒ سے بڑھ کر حدیثِ نبوی ﷺ کا کوئی امانت دار نہیں"۔

12-اور حماد بن مسلمہ نے کہا ہے۔"اگر مجھے کہا جائے کہ امت محمدیہ ﷺ کے لئے ایسے شخص کو منتخب کرو جس سے وہ علم حاصل کریں، تو میں اس کے لئے امام مالکؒ کو منتخب کروں گا"۔

13-مولانا عبدالحئیٰ لکھنویؒ نے محمد بن ربیع کے بارے میں یہ واقعہ "التعلیق الممجد علی مؤطا امام محمد" میں لکھا ہے۔ کہ محمد بن ربیع نے کہا "میں نے اپنے باپ کے ساتھ حج کیا اور میں اس وقت بچہ تھا پس میں مسجدِ نبوی میں سو گیا۔ میں نے خواب میں رسول اللہ ﷺ کی زیارت کی گویا کہ وہ قبر مبارک سے نکلے ہیں اور وہ ابو بکرؓ و عمرؓ پر ٹیک لگائے ہوئے ہیں۔ میں کھڑا ہوا اور میں نے سلام کیا۔ رسول اللہ ﷺ نے سلام کا جواب دیا، میں نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ! آپ کہاں تشریف لے جانے والے ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا "میں مالک کے لئے صراط مستقیم کو قائم رکھتا ہوں"، اس کے بعد میں بیدار ہوا، میں اور میرے والد امام مالکؒ کے پاس آئے۔ پس میں نے لوگوں کو پایا کہ وہ امام مالکؒ کے پاس جمع تھے۔ اور آپ اُن کو مؤطا سے حدیث سنا رہے تھے"۔[70]

14-ابن عبدالبر نے "کتاب الانساب" میں لکھا ہے۔"امام مالکؒ بن انس رضی اللہ عنہ مدینہ طیبہ کے امام ہیں اور اسی میں حق غالب رہا اور دین کی اقامت ہوئی، اور یہاں سے شہروں کی فتوحات ہوئیں، اور مددیں پے در پے ہوئیں، اور آپ کو مدینہ کے عالم کا نام دیا گیا، اور آپ کا علم شہروں میں پھیل گیا، اور اَطرافِ عالم میں آپ کا ڈنکا بجنے لگا اور آپ کی طرف اونٹوں کے جگر مارے گئے (یعنی آپ کی طرف اونٹوں پر سفر کے کٹھن مراحل طے کیے گئے) اور دُور دُور سے لوگوں نے آپ کی طرف کوچ کیا اور آپ تدریس کے مقام پر فائز ہوئے جب آپ کی عمر 17 سال تھی، آپ 90 سال تک زندہ رہے اور لوگوں کو فتویٰ دینے اور تعلیم دینے کے لئے قریباً 70 سال ٹھہرے رہے اور تابعین نے آپ کی فقاہت اور حدیث میں مہارت کی گواہی دی ہے"۔[71]

15-علامہ ذہبیؒ فرماتے ہیں۔" پانچ باتیں جس طرح امام مالکؒ کے حق میں جمع ہو گئی ہیں، میرے علم میں کسی اور شخص میں جمع نہیں ہوئیں۔

(1) اس قدر دراز عمر اور ایسی عالی سند۔

(2) آپ کے حجت اور صحیح الروایہ ہونے پر ائمہ کا اتفاق۔

(3) ایسا عمدہ فہم اور اتنا وسیع علم۔

(4) آپ کی عدالت، اتباعِ سنت اور دین داری پر محدثین کا اتفاق۔

(5) فقہ و فتاویٰ میں آپ کی مسلمہ مہارت"۔[72]

16- وقال أبو حاتم الرازي-" مالك ثقة إمام أهل الحجاز "-[73]

ترجمہ:۔امام مالکؒ ثقہ ہیں، اور آپؒ اہلِ حجاز کے امام بھی ہیں۔

17-شاہ ولی اللہ دہلویؒ "المصفیٰ "میں فرماتے ہیں۔

"اما فضلِ مصنف باید دانست کہ امروز دردستِ مردمان ہیچ کتابی نیست کہ مصنف آن از تبع تابعین باشد غیر مؤطا"[74]

ترجمہ:۔ پس مصنف کی فضیلت، تو آپؒ کے لئے یہی کافی ہے، کہ موجودہ دور میں لوگوں کے ہاتھوں میں کوئی ایسی کتاب نہیں جس کا مصنف تبع تابعین میں شمار ہوتا ہو"۔

18-شاہ عبد العزیزؒ نے "بستان المحدثین "میں ذکر کیا ہے۔

"سفیان ثوریؒ جن کی شہرت تعریف و توصیف سے اُن کو مستغنی کرتی ہے، ایک روز امام مالکؒ کی مجلس میں تشریف لائے تو مجلس کی عظمت و جلال اور اُس کی شان و شوکت کے ساتھ انوار کی کثرت اور برکتوں کو دیکھ کر امام مالکؒ کی مدح میں یہ قطعہ نظم فرمایا۔

يَأبَى الجواب فَلا يُراجِعُ هَيبَةً   وَالسائِلُونَ نَواكِسُ الاذقَانِ

اَدَبَ الوَقَارِ وَعِزَّ سُلطانُ التُّقٰى   فَهُوَالمُطاعُ وَلَيسَ ذَا سُلطا نِ-[75]

ترجمہ:۔(اگر امام مالکؒ) جواب دینا چھوڑ دیں تو سب سائل اپنا سر نیچا کئے بیٹھے رہیں، اور آپؒ کی ہیبت سے دوبارہ نہ پوچھ سکیں۔ وقار آپؒ کا اَدب کرتا تھا اور آپؒ پرہیز گاری کی بادشاہت پر عزت کے ساتھ متمکن تھے، (عجیب بات یہ تھی کہ) آپؒ کی اطاعت کی جاتی تھی حالانکہ آپؒ بادشاہ نہ تھے"۔

3-امام مالکؒ اور امام ابو حنیفہؒ کے تعلقات:۔

شیخ الحدیث مولانا سلیم اللہ خانؒ نے اپنی کتاب "محدثین عظام اور اُن کی کتابوں کا تعارف "میں لکھا ہے۔

"امام ابو حنیفہؒ (پیدائش 80ھ) کاامام مالکؒ سے ملاقات ثابت ہے جیسا کہ عبداللہ ابن مبارکؒ کہتے ہیں۔"امام ابو حنیفہؒ امام مالکؒ کے پاس تشریف لائے،امام مالکؒ نے اُن کو نہایت اعزاز واکرام کے ساتھ اُوپر بٹھایا پھر اُن کے تشریف لے جانے کے بعد فرمایا: تم ان کو جانتے ہو؟لوگوں نے کہا نہیں،امام مالکؒ نے فرمایا، کہ یہ ابو حنیفہ نعمان بن ثابتؒ ہیں جو اگر دعویٰ کریں کہ یہ ستون سونے کا ہے تو ستون اُن کے قول کے مطابق سونے کا نکل آئے گا۔اللہ نے اِن کے لئے فقہ کو آسان بنایا ہے کہ ان کو اِس میں زیادہ محنت نہیں کرنی پڑتی ۔پھر سفیان ثوریؒ آئے تو اُن کو نیچے بٹھادیا اور اُن کے جانے کے بعد اُن کی فقاہت اور پرہزگاری کا تذکرہ کیا۔

ابن دراوردی کا قول ہے۔امام ابو حنیفہؒ اور امام مالکؒ نے ایک مرتبہ عشاء کی نماز کے بعد مذاکرہ شروع کیا تو صبح کی نماز تک اسی میں مشغول رہے،جب کسی مسئلہ میں کوئی دوسرا مطمئن ہوتا تو بلاتامل اُسے اختیار کرلیتا تھا۔امام مالکؒ بہت سارے مسائل میں امام ابو حنیفہؒ کے قول کو معتبر سمجھتے تھے"۔[76]

4-امام صاحبؒ،مقامِ عزیمت واستقامت:۔

امام صاحبؒ زمانہ کی گردش اور بادشاہوں کے شر وفساد سے محفوظ نہ رہ سکے،جیسا کہ علامہ ذہبیؒ نے "سیر اعلام النبلاء"میں ذکر کیاہے۔"كَانَ مَالِكٌ يَأْتِي المَسْجِدَ، فَيَشهَدُ الصَّلَوَاتِ، وَالجُمُعَةَ، وَالجَنَائِزَ، وَيَعُوْدُ المَرْضَى، وَيَجْلِسُ فِي المَسْجِدِ، فَيَجتَمِعُ إِلَيْهِ أَصْحَابُه، ثُمَّ تَرَكَ الجُلُوْسَ، فَكَانَ يُصَلِّي وَيَنصَرِفُ، وَتَرَكَ شُهُوْدَ الجَنَائِزِ، ثُمَّ تَرَكَ ذَلِكَ كُلَّهُ وَالجُمُعَةَ، وَاحْتَمَلَ النَّاسُ ذَلِكَ كُلَّهُ، وَكَانُوا أَرغَبَ مَا كَانُوا فِيْهِ، وَرُبَّمَا كُلِّمَ فِي ذَلِكَ، فَيَقُوْلُ: لَيْسَ كُلُّ أَحَدٍ يَقْدِرُ أَنْ يَتَكَلَّمَ بِعُذرِهِ"۔[77]

ترجمہ:۔امام مالکؒ مسجد(مسجدِ نبوی) تشریف لاتے تھے،وہاں نماز پڑھتے،جمعہ پڑھتے تھے،اور نمازِ جنازہ بھی پڑھتے تھے،اور بیماروں کی بیمار پرسی کیا کرتے تھے،اور مسجد میں بیٹھتے تو آپ کے احباب بھی بیٹھ جاتے۔پھر آپؒ نے بیٹھنا چھوڑ دیا، نماز پڑھ کر چلے جاتے اور جنازہ پڑھنا بھی چھوڑ دیا، پھر آپؒ نے یہ سب کچھ نمازِ جمعہ سمیت چھوڑ دیا، پھر کسی نے وجہ پوچھی تو آپؒ نے فرمایا: کہ ہر ایک شخص اپنا عذر بیان نہیں کرسکتا"۔

علامہ ذہبیؒ نے یہاں تک لکھاہے۔ابو مصعب سے روایت ہے کہ امام صاحبؒ 25 سال تک اسی طرح یکسوئی میں رہے حتیٰ کہ نماز کے لئے بھی مسجد نہیں آتے تھے،جب اِس بارے میں پوچھا گیا تو فرمایا: اِس خوف سے باہر نہیں آتا کہ کوئی منکر نظر آئے اور اُسے روکنے کی ضرورت پڑے۔

بعض حضرات نے یہ شرعی عذر بیان کیاہے کہ۔کان تخلفہ عن المسجدلانہ سلس بولہ،فقال عندذٰلک:"لایجوز أن اجلس فی مسجد رسول اللہ ﷺ وانا علیٰ غیرطھارۃ،فیکون ذٰلک استخفافاً"۔[78]

یعنی آپؒ نے مسجد اس لئے چھوڑ دی کہ آپؒ کو سلسلِ بول کی بیماری ہو گئی تھی،اور امام صاحبؒ کے نزدیک: "میرے لئے یہ جائز نہیں کہ میں رسول اللہ ﷺ کی مسجد میں بغیر طہارت کے بیٹھ جاؤں"،اس لئے آپؒ مسجدِ نبوی ﷺ نہیں آتے تھے۔

شیخ الحدیث زکریاؒ فرماتے ہیں۔"میرے نزدیک اصل وجہ یہ ہے کہ امام مالکؒ صلوٰۃ خلف الفاسق کو باطل سمجھتے تھے۔اُس زمانے کے اُمراء جو امام بھی ہوا کرتے تھے اکثر فسق و فجور میں مبتلاء ہوا کرتے تھے اور اُن کو منصب، امامت سے ہٹانا امام صاحبؒ کی بس کی بات نہیں تھی، تو اِس لئے امام صاحب گھر پر ہی نماز پڑھتے تھے"۔[79]

علامہ ابن کثیرؒ نے "البدایۃ والنھایۃ" میں اُس زمانے کے حالات کچھ یوں لکھے ہیں۔"وَأَقْبَلَ مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ حَسَنٍ فِي مِائَتَيْنِ وخمسين، فَمَرَّ بِالسِّجْنِ فَأَخْرَجَ مَنْ فِيهِ، وَجَاءَ دَارَ الامارة فحاصرها فافتتحها ومسك الأمير رِيَاحَ بْنَ عُثْمَانَ نَائِبَ الْمَدِينَةِ فَسَجَنَهُ فِي دَارِ مَرْوَانَ، وَسَجَنَ مَعَهُ ابْنَ مُسْلِمِ بْنِ عُقْبَةَ، وَهُوَ الَّذِي أَشَارَ بِقَتْلِ بَنِي حُسَيْنٍ فِي أَوَّلِ هَذِهِ اللَّيْلَةِ فَنَجَوْا وَأُحِيطَ بِهِ. وأصبح مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ حَسَنٍ وَقَدِ اسْتَظْهَرَ عَلَى الْمَدِينَةِ وَدَانَ لَهُ أَهْلُهَا، فَصَلَّى بالناس الصبح وقرأ فيها سورة إنا فتحنا لك فتحا مبينا. وَأَسْفَرَتْ هَذِهِ اللَّيْلَةُ عَنْ مُسْتَهَلِّ رَجَبٍ مِنْ هَذِهِ السَّنَةِ. وَقَدْ خَطَبَ مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ الله أَهْلَ الْمَدِينَةِ فِي هَذَا الْيَوْمِ، فَتَكَلَّمَ فِي بَنِي الْعَبَّاسِ وَذَكَرَ عَنْهُمْ أَشْيَاءَ ذَمَّهُمْ بها، وأخبرهم أَنَّهُ لَمْ يَنْزِلْ بَلَدًا مِنَ الْبُلْدَانِ إِلَّا وقد بَايَعُوهُ عَلَى السَّمْعِ وَالطَّاعَةِ، فَبَايَعَهُ أَهْلُ الْمَدِينَةِ كُلُّهُمْ إِلَّا الْقَلِيلَ. وَقَدْ رَوَى ابْنُ جَرِيرٍ عن الامام مالك أنه أفتى الناس بمبايعته، فقيل له فان في أعناقنا بيعة للمنصور، فَقَالَ: إِنَّمَا كُنْتُمْ مُكْرَهِينَ وَلَيْسَ لِمُكْرَهٍ بَيْعَةٌ. فَبَايَعَهُ النَّاسُ عِنْدَ ذَلِكَ عَنْ قَوْلِ مَالِكٍ، وَلَزِمَ مَالِكٌ بَيْتَهُ".[80]

"خلاصۂ کلام یہ کہ عباسی خلیفہ ابوالعباس سفاح کے بعد ابو جعفر منصور خلیفہ بنے تو اُس کی عدم موجودگی میں محمد بن عبداللہ بن حسن المعروف بہ "نفس زکیہ" نے ابو جعفر کے خلاف خلافت کا اعلان کر کے لوگوں سے بیعت لینی شروع کی،امام صاحبؒ نے بھی محمد بن عبداللہ کے ہاتھ بیعت کرنے اور منصور کی بیعت سے دست بردار ہونے کا فتویٰ دیا۔لوگوں نے کہا کہ ہم پہلے ہی منصور کے ہاتھوں بیعت کر چکے ہیں، تو امام صاحبؒ نے فرمایا: کہ تم سے جبراً بیعت لی گئی ہے ولیس لمکرہ بیعۃ"۔

ابن عبدالبرؒ نے بھی اِس واقعہ کے بارے میں" الانتقاء في فضائل الثلاثة الأئمة الفقهاء"میں لکھا ہے۔

"فَلَمَّا وَلِيَ جَعْفَرُ بْنُ سُلَيْمَانَ عَلَى الْمَدِينَةِ سعوابِهِ اليه وكثرواعَلَيْهِ عِنْدَهُ وَقَالُوالَا يَرَى أَيْمَانَ بَيْعَتِكُمْ هَذِه بشئ وهُوَيَأْخُذُبِحَدِيثٍ رَوَاهُ عَنْ ثَابِتِ بْنِ الأَحْنَفِ فِي طَلَاقِ الْمُكْرَهِ أَنَّهُ لَا يَجُوزُ فَغَضِبَ جَعْفَرُ بْنُ سُلَيْمَانَ فَدَعَا بِمَالِكٍ فَاحْتَجَّ عَلَيْهِ بِمَا رُفِعَ إِلَيْهِ عَنْهُ ثُمَّ جَرَّدَهُ وَمَدَّهُ فَضَرَبَهُ بِالسِّيَاطِ وَمُدَّتْ يَدُهُ حَتَّى انْخَلَعَتْ كتفه وارتكب مِنْهُ امْر عَظِيم فوَاللَّه مازال مَالِكٌ بَعْدَ ذَلِكَ الضَّرْبِ فِي رِفْعَةٍ مِنَ النَّاسِ وَعُلُوٍّ مِنْ أَمْرِهِ وَإِعْظَامِ النَّاسِ لَهُ "۔وَكَأَنَّمَا كَانَتْ تِلْكَ السِّيَاطُ الَّتِي ضُرِبَ بِهَا حليا حلى بِهِ"۔[81]

ترجمہ:۔"امام مالکؒ حق کے ایسے پہاڑ تھے جنہیں کوئی طاقت حق بات بیان کرنے سے نہیں روک سکتی تھی۔عباسی خلیفہ ابو جعفر منصور کے زمانے میں امام مالکؒ نے یہ فتویٰ دیا کہ طلاقِ مکرہ(جبری طلاق)واقع نہیں ہوتی،کہ" لیس علی مستکرۃ طلاق"۔گورنرِ مدینہ کو اندیشہ ہوا کہ اس فتویٰ کی وجہ سے عوام خلیفہ ابو جعفر منصور کی بیعت پر پڑے گی،جس نے جبراً اپنی رعیت سے بیعت لی تھی۔گورنر مدینہ نے امام مالکؒ کو دارُالامارات میں طلب کیا اور آپ کے مقام اور شان کو بالائے طاق رکھتے ہوئے سزا کے طور پر ستر کوڑے لگوائے،مشکیں اس زور سے کس دی گئیں کہ ہاتھ بازو سے جدا ہو گیا،لیکن اِس کرب وتکلیف کے عالم میں آپ اونٹ کی پیٹھ پر کھڑے ہو گئے(جس پر آپ کو تذلیل وتشہیر کے لیے سوار کرایا گیا تھا)اور بلند آواز سے پکارتے جاتے تھے کہ"جو مجھ کو جانتا ہے،وہ تو جانتا ہے،جو نہیں جانتا وہ بھی جان لے کہ میں مالک بن انس ہوں،میں اَب بھی فتویٰ دیتا ہوں کہ طلاقِ مکرہ(جبری طلاق)درست نہیں"۔

اِس واقعہ سے امام صاحبؒ کی عزت وعظمت کم ہونے کی بجائے بڑھ گئی،تازیانوں کی ضربات سے آپؒ کا رعب وداب اور جلال وجمال دُگنا ہو گیا۔امام مالکؒ نے بعد میں گورنر کے معافی طلب کرنے پر فراخ دلی سے کام لیتے ہوئے گورنر معاف کر دیا۔

علامہ ذہبیؒ نے امام مالکؒ کے اِس واقعہ کو یوں بیان کیا ہے:"طَلَاقِ المُكْرَہِ: أَنَّهُ لاَ يَجُوْزُ عِنْدَهُ.قَالَ: فَغَضِبَ جَعْفَرٌ، فَدَعَا بِمَالِكٍ، فَاحْتَجَّ عَلَيْهِ بِمَا رُفِعَ إِلَيْهِ عَنْهُ، فَأَمَرَ بِتَجرِيْدِه، وَضَرْبِهِ بِالسِّيَاطِ، وَجُبِذَتْ يَدُهُ حَتَّى انْخَلَعَتْ مِنْ كَتِفِهِ، وَارتُكِبَ مِنْهُ أَمْرٌ عَظِيْمٌ، فَوَاللهِ مَا زَالَ مَالِكٌ بَعْدُ فِي رِفْعَةٍ وَعُلُوٍّ. قُلْتُ: هَذَا ثَمَرَةُ المِحْنَةِ المَحْمُوْدَةِ، أَنَّهَا تَرفَعُ العَبْدَ عِنْدَ المُؤْمِنِيْنَ، وَبِكُلِّ حَالٍ فَهِيَ بِمَا كَسَبَتْ أَيْدِيْنَا، وَيَعْفُو اللهُ عَنْ كَثِيْرٍ"۔[82]

یعنی امام صاحبؒ کے نزدیک طلاقِ مکرہ(جبری طلاق)جائز نہیں ہے،خلیفہ ابو جعفر منصور کے کہنے پر مدینہ کے والی جعفر بن سلیمان نے امام صاحبؒ کو بلوا کر کوڑے لگوائے اور دونوں ہاتھ کھینچ کر مونڈھے اُتروا دیے،جس کی وجہ سے امام صاحبؒ ہاتھوں کو نہیں اُٹھا سکتے تھے۔کوڑے لگتے وقت یہی دعا فرماتے رہے"اللھم اغفرلھم فانھم لا یعلمون"۔لیکن امام صاحبؒ کبھی بھی اپنے موٴقف سے پیچھے نہیں ہٹے،جس کی وجہ سے عوام الناس میں امام صاحبؒ کا مقام ومرتبہ مزید بڑھنے لگا۔

فصلِ ششم

امام صاحبؒ کی تالیفات

1-امام مالکؒ کی تالیفات:۔

امام مالکؒ کی" موَطا" کے علاوہ اور بھی کئی تالیفات ہیں،جیساکہ علامہ ذہبیؒ نے لکھا ہے:" ولہ مؤلف"۔[83]

امام صاحبؒ کی مشہور تصانیف مندرجہ ذیل ہیں۔

1- مؤطا مالک
2- فی النجوم ومنازل القمر
3- رسالۃ فی الاقضیۃ
4- رسالۃ الی ابی غسان
5- رسالۃ الی ابن مطرف
6- رسالۃ الی ابن وھب
7- رسالۃ الی آداب الیٰ الرشید
8- جزء فِي التفسير
9- کتاب السِّر
10- رسالۃ الی اللیث فی اجماع اھل المدینۃ
11- المدونۃ [84]
12- کتاب المسائل
13- کتاب المجالسات
14- الرد علی القدریہ
15- الواضحۃ، وغیرہ

حوالہ جات بابِ اول

1 - جلبی، مصطفی بن عبداللہ کاتب جلبي-1941ء، کشف الظنون (بغداد، مکتبہ المثنی) ص1841، ج2

2- خلیفہ، خليفة بن خياط بن خليفة الشيباني-1993ء، طبقات خليفة بن خياط (بیروت، دارالفکر) ص275

3 -الذھبی، شمس الدین محمد بن احمد-1996ء، سیر اعلام النبلاء (بیروت، مؤسسۃ الرسالۃ) ص48، ج8

4 -ابن جوزی، جمال الدین عبدالرحمن بن علي الجوزي-2000ء، صفۃ الصفوۃ لہ (قاہرہ، دارالحدیث) ص363، ج1

5 -الرعيني، شمس الدين ابوعبداللہ محمد-1992ء، مواھب الجلیل في شرح مختصر خلیل (بیروت، دارالفکر) ص24، ج1

6 - شیخ الحدیث، محمد زکریا کاندھلوی-2003ء، اوجزالمسالک (دمشق، دارلقلم) ص47، ج1

7 -الذھبی، شمس الدین محمد بن احمد-1996ء، سیر اعلام النبلاء (بیروت، مؤسسۃ الرسالۃ) ص49، ج8

8 -مخضرمین، مخضرم کی جمع ہے۔ اس کا مطلب ہے ایسے افراد جو جاہلیت اور پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ واٰلہ وسلم کے زمانے میں موجود رہے ہوں لیکن ان کی آپ ﷺ سے ملاقات نہ ہوئی ہو (لیکن وہ آپ پر ایمان لے آئے ہوں) صحیح نقطۂ نظر کے مطابق مخضرمین کو تابعین میں شمار کیا جاتا ہے۔ امام مسلمؒ کی رائے کے مطابق مخضرمین کی تعداد بیس ہے لیکن درست یہ ہے کہ ان کی تعداد اس سے زیادہ ہے۔ ابو عثمان النھدی اور اسود بن یزید النخعی کا شمار انہی میں ہوتا ہے۔ (اویس قرنی اور حبشہ کے بادشاہ نجاشی کا شمار بھی انہی میں ہوتا ہے)۔

9 -العسقلاني، احمد بن علي، ابن حجر-1415ھ، الاصابة في تمييز الصحابة، (بیروت، دارالکتب العلمیۃ) ص144، ج4

10 -الاصابة في تمييز الصحابة، ص4، ج1

11 - شیخ الحدیث، محمد زکریا کاندھلوی-2003ء، اوجزالمسالک (دمشق، دارلقلم)، ص18، ج1

12 -السیوطی، جلال الدین عبدالرحمن بن ابی بکر-1997ء، تنویر الحوالک (بیروت، دارالکتب العلمیۃ) ص3 الفائدۃ الاولی

13 -الدہلوی، احمد بن عبدالرحیم-1982ء، المُسویٰ (بیروت، دارلکتب العلمیہ) ص20، ج1

14 -السیوطی، جلال الدین عبدالرحمن بن ابی بکر-1997ء، تنویر الحوالک (بیروت، دارالکتب العلمیۃ) ص3

15 -العسقلاني، احمد بن علي، ابن حجر-1326ھ، تھذیب التھذیب (انڈیا، مطبعۃ دائرۃ المعارف النظامیہ) ص19، ج10

16 - تھذیب التھذیب، ص19، ج10

17 -الذھبی، شمس الدین محمد بن احمد-1996ء، سیر اعلام النبلاء (بیروت، مؤسسۃ الرسالۃ) ص49، ج8

18 -سیر اعلام النبلاء، ص55، ج8

19 -ابوالفضل، قاضي عياض بن موسی الیحصبي-1983ء، ترتیب المدارک (المغرب، مطبعۃ فضالۃ) ج2، ص170

20 -ابن خلکان، شمس الدین احمد بن محمد-1994ء، وفیات الاعیان وانباء ابناء الزمان (بیروت، دارصادر) ص137، ج4

21 -الذھبی، شمس الدین محمد بن احمد-1419ھ، تذکرۃ الحفاظ (بیروت، دارالکتب العلمیہ) ج1، ص212

22 -الذھبی، شمس الدین محمد بن احمد-1996ء، سیر اعلام النبلاء(بیروت، مؤسسۃالرسالۃ)ص49،ج8
23 -ابوالفضل، قاضي عیاض بن موسی الیحصبي-1983ء، ترتیب المدارک(المغرب، مطبعۃ فضالۃ)ص118،ج2
24 -المِزّي، یوسف بن عبدالرحمن-1400ھ، تھذیب الکمال(مؤسسۃ الرسالۃ، بیروت)ص119،ج27
25 ـالذھبی، شمس الدین محمد بن احمد-1996ء، سیر اعلام النبلاء(بیروت، مؤسسۃالرسالۃ)ص130،ج8
26 -الدہلوی، شاہ عبدالعزیز-س ن، بستان المحدثین(مترجم)(شاملی، انڈیا، مفتی الٰہی بخش اکیڈمی)ص3
27 -الذھبی، شمس الدین محمد بن احمد-1996ء، سیر اعلام النبلاء(بیروت، مؤسسۃالرسالۃ)ص69،ج8
28 -ابوالفضل، قاضي عیاض بن موسی الیحصبي-1983ء، ترتیب المدارک(المغرب، مطبعۃ فضالۃ)ص120،ج2
29 -الدہلوی، شاہ عبدالعزیز-س ن، بستان المحدثین(مترجم)(شاملی، انڈیا، مفتی الٰہی بخش اکیڈمی)ص4
30 -ابن فرحون، ابراھیم بن علي بن محمد-س ن، الدیباج المذھب(قاھرہ، دارالتراث للطبع والنشر)ص92،ج1
31 -ابوالفضل، قاضي عیاض بن موسی الیحصبي-1983ء، ترتیب المدارک(المغرب، مطبعۃ فضالۃ)ص121،ج2
32 -الدہلوی، احمد بن عبدالرحیم-2005ء، حجۃ اللہ البالغۃ(بیروت، دارالجیل)ص250،ج1
33 -شیخ الحدیث، محمد زکریاکاندھلوی-2003ء، اوجزالمسالک(دمشق، دارالقلم)، ص34،ج1
34 -الذھبی، شمس الدین محمد بن احمد-1996ء، سیر اعلام النبلاء(بیروت، مؤسسۃالرسالۃ)ص55،ج8
35 -ابن المبرد، یوسف بن حسن الدمشقی-2009ء، ارشادالسالک الی مناقب مالک(بیروت، دارابن حزم)ص147
36 -الزرقاني، محمد بن عبدالباقي-2003ء، شرح الزرقاني(قاھرۃ، مکتبۃ الثقافۃ الدینیۃ)ص53،ج1
37 -الذھبی، شمس الدین محمد بن احمد-1996ء، سیر اعلام النبلاء(بیروت، مؤسسۃالرسالۃ)ص49،ج8
38 -ابن کثیر، اسماعیل بن عمر، ابوالفداء-1986ء، البدایہ والنھایہ، (بیروت، دارالفکر)ص174،ج10
39 -الذھبی، شمس الدین محمد بن احمد-1998ء، تذکرۃ الحفاظ(بیروت، دارلکتب العلمیہ)ص154،ج1
40 -سیر اعلام النبلاء، ص55،ج8
41 -سیر اعلام النبلاء، ص52،ج8
42 -السیوطی، جلال الدین عبدالرحمن بن ابی بکر-1997ء، تنویر الحوالک(بیروت، دارالکتب العلمیۃ)ص9، مقدمۃ
43-ابوالفضل، قاضي عیاض بن موسی الیحصبي-1983ء، ترتیب المدارک(المغرب، مطبعۃ فضالۃ)ص170،ج2
44 -الذھبی، شمس الدین محمد بن احمد-1996ء، سیر اعلام النبلاء(بیروت، مؤسسۃالرسالۃ)ص55،ج8
45 -تذکرۃ الحفاظ، 208/1
46 -شیخ الحدیث، محمد زکریاکاندھلوی-2003ء، اوجزالمسالک(دمشق، دارالقلم)، ص39،ج1۔
47 -الذھبی، شمس الدین محمد بن احمد-1996ء، سیر اعلام النبلاء(بیروت، مؤسسۃالرسالۃ)ص67،ج8

48 - سیر اعلام النبلاء، ص62،ج8

49 - سنن ابن ماجہ، باب فضل المدینہ، حدیث نمبر3112

50 - شیخ الحدیث، محمد زکریا کاندھلوی-2003ء، او جزالمسالک (دمشق، دار لقلم)، ص32،ج1

51 - ابن فرحون، ابراھیم بن علي بن محمد، الدیباج المذھب (قاہرہ، دار التراث للطبع والنشر) ص104،ج1

52 - ابن خلکان، شمس الدین احمد بن محمد-1994ء، وفیات الاعیان وانباء ابناء الزمان (بیروت، دار صادر) ص136،ج4

53 - الدہلوی، شاہ عبدالعزیز-س ن، بستان المحدثین (مترجم) (شاملی، انڈیا، مفتی الٰہی بخش اکیڈمی) ص8

54 - ابن کثیر، اسماعیل بن عمر، ابوالفداء-1986ء، البدایہ والنھایہ، (بیروت، دار الفکر) ص174،ج10

55 - الذھبی، شمس الدین محمد بن احمد-1996ء، سیر اعلام النبلاء (بیروت، مؤسسۃ الرسالۃ) ص77،ج8

56 - ابوشھبہ، ڈاکٹر محمد بن محمد-1962ء، اعلام المحدثین (مصر، دار لکتاب العربی) ص47

57 - الدہلوی، احمد بن عبدالرحیم-2005ء، حجۃ اللہ البالغۃ (بیروت، دار الجیل) ص251،ج1

58 - فقہاءِ سبعہ سے مراد سات تابعین ہے، یہ حضرات تابعین میں بڑے اہلِ علم تھے، یہ سب کے سب مدینہ سے تعلق رکھتے تھے، اِن کے نام یہ ہیں: 1-سعید بن مسیب، 2- قاسم بن محمد بن ابو بکر، 3- عروۃ بن زبیر، 4- خارجہ بن زید، 5- ابوسلمۃ بن عبدالرحمٰن، 6- عبیداللہ بن عبداللہ بن عتبہ، 7- سلیمان بن یسار رحمۃ اللہ علیہم اجمعین۔ (ابن مبارکؒ نے ابوسلمۃ کی جگہ سالم بن عبداللہ بن عمر کو اور ابوالزناد نے ان کی جگہ ابو بکر بن عبدالرحمٰن کو سات فقہاء تابعین میں شمار کیا ہے)۔ کسی شاعر نے فقہاءِ سبعہ کے نام اشعار میں جمع کئے ہیں:

الفقهاء السبعة نظم أسماءهم بعضهم بهذين البيتين.

إذا قيل من في الفقه سبعة أبحر * روايتهم ليست عن العلم خارجة

فقل هم عبيد الله عروة قاسم * سعيد أبو بكر سليمان خارجة۔

59 - سنن ترمذی، ابواب العلم، باب ماجاء في عالم المدینہ، حدیث نمبر2680

60 - نسائی، ابوعبدالرحمن احمد بن شعیب بن علي الخراساني، سنن نسائی، باب فَضْلِ عَالِمِ أَهْلِ الْمَدِينَةِ، حدیث نمبر4277

61 - ابوالفضل، قاضي عیاض بن موسیٰ الیحصبي-1983ء، ترتیب المدارک (المغرب، مطبعۃ فضالۃ)، ج1

62 - الذھبی، شمس الدین محمد بن احمد-1996ء، سیر اعلام النبلاء (بیروت، مؤسسۃ الرسالۃ) ص56،ج8

63 - سیر اعلام النبلاء، ص56،ج8

64 - سیر اعلام النبلاء، ص57،ج8

65 - النووي، ابوزکریا یحیی بن شرف الشافعي-1996ء، تھذیب الاسماء واللغات (بیروت، دار الفکر) ص384،ج2

66 - تھذیب الاسماء واللغات، ص384،ج2

67 - تھذیب الاسماء واللغات، ص384،ج2

68 -السیوطی، جلال الدین عبدالرحمن بن ابی بکر-1997ء، تنویر الحوالک (بیروت، دار الکتب العلمیۃ) ص9، مقدمۃ
69 - شیخ الحدیث، محمد زکریا کاندھلوی-2003ء، اوجزالمسالک (دمشق، دارلقلم)، ص29-47، ج1
70 -الکھنوی، عبدالحیٔ-2005ء، التعلیق الممجد علی مؤطاامام محمد (دمشق، دارلقلم) ص13، ج1
71 -السمعانی، عبدالکریم بن محمد-1962ء، الأنساب (حیدر آباد، مجلس دائرۃ المعارف العثمانیۃ) ص46
72 -الذھبی، شمس الدین محمد بن احمد-1998ء، تذکرۃ الحفاظ (بیروت، دار لکتب العلمیہ) ص154، ج1
73 -النووي، ابوزکریایحیی بن شرف الشافعي-1996ء، تھذیب الاسماء واللغات (بیروت، دار الفکر) ص385، ج2
74 -الدہلوی، احمد بن عبدالرحیم-1293ھ، المصفیٰ (دہلی، مطبع فاروقی) ص3، ج1
75 -الدہلوی، شاہ عبدالعزیز-س ن، بستان المحدثین (مترجم) (شاملی، انڈیا، مفتی الٰہی بخش اکیڈمی) ص11
76 -خان، شیخ سلیم اللہ-1423ھ، محدثین عظام اور اُن کی کتابوں کا تعارف (کراچی، مکتبہ فاروقیہ) ص228
77 -الذھبی، شمس الدین محمد بن احمد-1996ء، سیر اعلام النبلاء (بیروت، مؤسسۃ الرسالۃ) ص64، ج8
78 -سیر اعلام النبلاء، ص64، ج8
79 - شیخ الحدیث، محمد زکریا کاندھلوی-2003ء، اوجزالمسالک (دمشق، دارلقلم)، ص32، ج1
80 -ابن کثیر، اسماعیل بن عمر، ابوالفداء-1986ء، البدایہ والنھایہ، (بیروت، دار الفکر) ص84، ج10
81 -ابن عبدالبر، ابو عمر یوسف بن عبداللہ-س ن، الانتقاء في فضائل الثلاثۃ الائمۃ الفقھاء (بیروت، دار لکتب العلمیہ) ص44
82 -الذھبی، شمس الدین محمد بن احمد-1996ء، سیر اعلام النبلاء (بیروت، مؤسسۃ الرسالۃ) ص69، ج8
83 -سیر اعلام النبلاء، ص88، ج8

84 -**المُدوّنہ**- یہ فقہ مالکی کی دوسری مشہور کتاب ہے۔ اس میں ان سوالوں کے جوابات جمع کئے گئے ہیں جو امام مالک رحمہ اللہ سے پوچھے گئے تھے۔ پھر انہیں ان کے شاگردوں نے مرتب کر کے کتابی شکل دی۔ امام سحنون رحمہ اللہ نے اس کتاب کو مرتب کرنے میں کلیدی کردار ادا کیا۔ بعض مقامات پر ان آثار سے بھی احتجاج کیا جو ابن وہب کی روایت موطا سے تھے۔ مگر یہ سب کچھ امام ابن القاسم (امام مالکؒ کے شاگرد) سے تصدیق کے بعد کیا۔ اس کتاب میں تقریبا چھتیس ہزار مسائل ہیں اور مالکیوں کے ہاں اسے بنیادی حیثیت حاصل ہے۔

بابِ دوم
"موٴطا" امام مالکؒ

فصلِ اول

"مؤطا" کا وجۂ تسمیہ، تصنیف اور تاریخ

1-"مؤطاامام مالک" کا وجۂ تسمیہ:۔

"مؤطا" کے لفظی اور اصطلاحی معنیٰ پر محدثین اور ماہرینِ لغت نے کافی بحث کی ہے، چند مشہور معانی مندرجہ ذیل ہیں۔

1-ابن عبد البر نے مفضل بن محمد بن حرب مدنی سے تخریج کی ہے، کہ اس نے کہا۔ جس نے مدینہ منورہ میں سب سے پہلے "مؤطا" کے نام سے کتاب لکھی، جس پر اہلِ مدینہ کا اتفاق ہے، وہ عبد العزیز بن عبد اللہ بن ابی سلمۃ ماجشون ہیں اور اُنہوں نے اس میں بغیر حدیث کے کلام کو لیا ہے۔ پس وہ اس کو امام مالکؒ کے پاس لے آئے، آپ نے اس کو دیکھا اور کہا، کیا اچھا کام اس نے کیا ہے اور اگر میں یہ کام کرتا تو میں آثار سے اس کی ابتداء کرتا، پھر اس کو کلام سے مضبوط کرتا۔ پھر امام مالکؒ نے "مؤطا" کی تصنیف کا ارادہ کیا اور آپ نے "مؤطا" لکھا۔[1]

2-انہی دنوں میں مدینہ کے کچھ علماء نے اور بھی مؤطات لکھیں تو امام مالکؒ سے کہا گیا۔ آپ نے اپنے آپ کو اس کتاب کے عمل میں مشغول کر دیا ہے، حالانکہ اور لوگ بھی اس طرح کی کتاب لکھنے میں آپ کے شریک ہیں۔ پس آپ نے فرمایا۔ لے آؤ جو انہوں نے کیا ہے، آپ نے ان میں غور و فکر کیا، پھر ان کو چھوڑ دیا اور فرمایا۔ تم ضرور جان لو گے کہ بلندی (مقبولیت) اسی کو عطاء ہو گی جن سے اللہ کی رضا مقصود ہو اور فرمایا: گویا کہ اِن تمام کتب کو کنویں میں ڈال دیا گیا ہے۔

3-شیخ الحدیث مولانا زکریاؒ لکھتے ہیں۔ امام صاحبؒ سے پوچھا گیا کہ آپ نے اپنے اِس کتاب کا نام " مؤطا" کیوں رکھا؟ تو امام مالکؒ نے فرمایا: میں نے اس کتاب کو فقہاءِ مدینہ میں سے ستر فقہاء کے سامنے پیش کیا، تو اُن میں سے ہر ایک نے اس پر میری موافقت کی، اس لئے میں نے اس کا نام "مؤطا" رکھا۔[2]

4-علامہ زرقانیؒ نے اپنی مشہور شرح "شرح الزرقانی علی مؤطا الامام مالک" میں لکھا ہے۔ وَقَالَ أَبُو عَبْدِ اللَّهِ مُحَمَّدُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ الْكَتَّانِيُّ الْأَصْفَهَانِيُّ: قُلْتُ لِأَبِي حَاتِمٍ الرَّازِيِّ: مُوَطَّأُ مَالِكٍ لِمَ سُمِّيَ الْمُوَطَّأَ؟ فَقَالَ: شَيْءٌ صَنَعَهُ وَوَطَّأَهُ لِلنَّاسِ حَتَّى قِيلَ " مُوَطَّأُ مَالِكٍ "۔[3]

ترجمہ:۔ابو عبد اللہ محمد بن ابراہیم کنانی اصفہانی کہتے ہیں: میں نے ابو حاتم الرازی سے پوچھا: امام مالکؒ نے "مؤطا" کا نام "مؤطا" کیوں رکھا ہے؟ وہ کہنے لگے۔ کہ آپ نے جو کچھ تصنیف کیا ہے اس کو لوگوں کے لئے آسان کر دیا ہے۔ یہاں تک کہ اس کا نام "مؤطامالک" پڑ گیا۔

5-اسی طرح محدثین نے "مؤطا" کے کئی معانی لکھے ہیں "تیار کیا گیا"، "تنقیح شدہ"۔

6-حضرت شاہ ولی اللہ دہلویؒ کے مطابق۔"مؤطا" کے معنی روندے ہوئے، چلے ہوئے کے ہیں، جس طرف یا جس (راستے) پر عام ائمہ، علماء اور اکابر چلے ہوں اور سب نے اس کے متعلق گفتگو کی ہو اور اتفاق بھی کیا ہو،اِس اعتبار سے "مؤطا" متفق اور مطابق" کے ہیں"۔[4]

7-اور "القاموس المحیط" میں ہے۔ وطّأہ ھیّأہ(ہیئت کو نرم کرنا، پست کرنا) و دمّثہ(نرم کرنا) وسھّلہ (آسان کرنا)، (اور کہا جاتا ہے) رجل مؤطا الأکناف بمعنی آسان، نرم، سخی، مہمان نواز یا وہ جس کے پہلو میں اس کا ساتھی ٹھہرا رہے، نہ ایذاء دے، اور نہ اس کی جگہ کسی اور کو بٹھائے۔مؤطا کا ایک معنی یہ بھی ہے "ومُوَطَّأُ العَقِبِ، سُلْطَانٌ یُتَّبَعُ" یعنی وہ بادشاہ جس کی پیروی کی جاتی ہے۔اور یہ تمام معانی اِس نام کے لئے استعار تاً درست ہیں۔[5]

8- اسی طرح "القاموس المحیط " نے یہ بھی لکھا ہے۔تَوَاطَأَہُ،وتَوَطَّأَہ،وواطَأَہُ علی الأمْرِ،اوو افَقَہ۔یعنی سب نےاِس پر اتفاق کیا ہے۔[6]

2-"مؤطا" کی وجۂ تصنیف اور تاریخ:۔

عباسی خلیفہ ابو جعفر منصور جب امام مالکؒ پر ظلم ڈھانے پر شرمندہ ہوا تو امام صاحبؒ سے معذرت کرنے کے بعد درخواست کی کہ آپ ایک کتاب لکھیں، جیسا کہ قاضی عیاضؒ نے "ترتیب المدارک وتقریب المسالک" میں لکھا ہے۔

"وفي رواية إن المنصور قال له:ياأبا عبد الله ضم هذا العلم ودون كتباًوجنب فيها شدائد ابن عمررضى الله عنہ ورخص ابن عباس رضى الله عنہ ابوشواذ ابن مسعود رضى الله عنہ وأقصد أوسط الأمور وما اجتمع عليه الأئمة والصحابة"۔[7]

ترجمہ:۔ایک روایت میں ہے کہ منصور نے امام مالکؒ سے کہا۔اے ابوعبداللہ! اپنے اِس علم کو لوگوں کے لیے ایک کتاب کی شکل میں جمع کیجئے، جس میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے شواذ، حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کے شدائد (سختیاں)، حضرت عبداللہ بن عباس کی رخصتوں سے اجتناب کیا گیا ہو، اور درمیانی راستہ اختیار کرکے ایسی کتاب لکھیے جس پر صحابہ کرام رضی اللہ عنہ اور آئمہؒ کا اجماع ہوا ور یہ ایسا علم ہو جس پر علماء متفق ہو۔

امام مالکؒ نے یہ کام شروع کیا لیکن یہ وسیع کام ابو جعفر منصور (وفات 6 ذی الحجہ 158ھ) کے زمانے میں مکمل نہیں ہو سکا،اُس کے بیٹے مہدی کے خلافت کے ابتدائی زمانے میں مکمل ہوا۔

حضرت شاہ ولی اللہ دہلویؒ نے "حجة الله البالغہ" میں لکھا ہے کہ:"وَلماحج الْمَنْصُور قَالَ لمَالِك: قد عزمت أَن أَمربكتبك هَذِه الَّتِي صنفتها،تنسخ،ثمَّ أبْعث فِي كل مصرمن أَمْصَار الْمُسلمين مِنْهَا نُسْخَة، وَآمرهُمْ بِأَن يعملوا بِمَا فِيهَا،وَلَا يتعدوه إِلَى غَيره، فَقَالَ:يَا أَمِير الْمُؤمنِينَ لَا تفعل هَذَافَإِن النَّاس قدسبقت إِلَيْهِم أقاويل،وسمعوا أَحَادِيث،وَرووا

روَايَات،وَأخذ كل قوم بِمَا سبق إِلَيْهِم، وَأتوا بِهِ من اخْتِلَاف النَّاس، فدع النَّاس وَمَا اخْتَار أهل كل بلد مِنْهُم لأَنْفسِهِمْ۔

ويحكى نِسْبَة هَذِه الْقِصَّة إِلَى هَارُون الرشيد،وَأَنه شاورمَالِكًا فِي أَن يعلق الْمُوَطَّأ فِي الْكَعْبَة، وَيحمل النَّاس على مَا فِيهِ،فَقَالَ:لَا تفعل فَإِن أَصْحَاب رَسُول الله صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اخْتلفُوافِي الْفُرُوع،وَتَفَرَّقُوا فِي الْبلدَانِ،وكل سنة مَضَت قَالَ:وفقك الله يَاأَبَاعبد الله،حَكَاهُ السُّيُوطِيّ"۔[8]

ترجمہ :۔اور جب خلیفہ ابو جعفر منصور حج کے لیے گیا تو حضرت امام مالکؒ سے کہا: میں نے پختہ ارادہ کیا ہے کہ کہ آپ ان کتابوں کے بارے میں جن کو آپ نے تصنیف کیا ہے، حکم دوں کہ وہ نقل کی جائیں،اور پھر اِس کے نسخے لکھوا کر مسلمانوں کے ہر شہر میں بھجوادوں اور اُنہیں اِس بات کا حکم دوں کہ وہ اِن پر عمل کریں جو اِن کتابوں میں ہے،اور وہ اِس کے علاوہ کی طرف تجاوز نہ کریں۔تو حضرت امام مالکؒ نے فرمایا: اے امیر المؤمنین ! ایسا ہر گز نہ کیجیے،اِس لیے کہ بے شک لوگوں کے پاس پہلے سے اقوال پہنچ چکے ہیں،اور وہ احادیث سُن چکے ہیں،اور اُنہوں نے روایتیں نقل کی ہیں۔اور ہر قوم نے اُس کو لیا ہے جو اُس کی طرف پہلے پہنچا ہے،اور لائے ہیں وہ اِس کو یعنی لوگوں کے اختلاف کو (یعنی لوگوں میں اختلافات ہو چکے ہیں) پس چھوڑ یے آپ لوگوں کو اور اُس چیز کو جو اُن میں سے ہر شہر والوں نے اپنے لئے پسند کی ہے۔

اور اِس واقعہ کی نسبت خلیفہ ہارون الرشید کی طرف بھی نقل کی جاتی ہے اور یہ بات بھی نقل کی جاتی ہے، کہ اُنہوں نے حضرت امام مالکؒ سے اِس سلسلہ میں مشورہ کیا کہ وہ "موَطا" کو خانہ کعبہ میں آویزاں کرے اور لوگوں کو اس پر عمل کرنے پر مجبور کیا جائے۔تو حضرت امام مالکؒ نے فرمایا۔

"ایسانہ کیجئے،اس لیے کہ مختلف فروعات و مسائل میں اصحابِ رسول اللہ ﷺ کے درمیان میں اختلاف رہا ہے اور وہ (صحابہ رضی اللہ عنہ) مختلف شہروں میں پھیل گئے ہیں اور ہر ایک طریقہ چل پڑا ہے۔

ہارون الرشید نے کہا: "اے ابوعبداللہ ! اللہ تعالیٰ آپ کو توفیق عطافرمائیں "۔اِس کو علامہ سیوطیؒ نے بھی نقل کیا ہے"۔

فصلِ دوم

شاہ ولی اللہ دہلویؒ کا نقطۂ نظر "مؤطا" امام مالک کے بارے میں

1-شاہ ولی اللہ دہلویؒ کا نقطۂ نظر "مؤطا" امام مالک کے بارے میں:۔

شاہ ولی اللہ دہلویؒ کا کُتبِ احادیث کے بارے میں نقطۂ نظر دیگر محدثین سے مختلف ہے۔آپؒ کے نزدیک "مؤطا" کتبِ احادیث میں "مؤطا" کو سب سے اول مقام حاصل ہے۔چنانچہ شاہ صاحبؒ نے "مؤطا" کی دو شروحات لکھیں ہیں،فارسی زبان میں کی گئی شرح "المُصفیٰ" میں فرمایا ہے۔

1-"کہ بہ یقین معلوم شد،کہ امروز ہیچ کتابی از کتبِ فقہ اقویٰ از مؤطا نیست"۔[9]

ترجمہ:۔مجھے یقین کے ساتھ معلوم ہوا کہ آج کے زمانے میں کتبِ فقہ میں کوئی کتاب "مؤطا" سے زیادہ معتبر نہیں ہے۔

شاہ ولی اللہ دہلویؒ نے "مؤطا" کی افضیلت کی وجوہات بھی لکھیں ہیں۔

"زیراکہ افضلیت کُتابی،
یا از جہۃ فضلِ مصنف باشد،
یا از جہۃ التزامِ صحت،
یا از جہۃ شہرتِ احادیثِ آن،
یا از جہۃ قبولِ جمہور اہلِ اسلام آنرا،
یا از جہۃ حسنِ ترتیب و استیعابِ مقاصدِ مہمہ ومانند آن،
و اینہمہ جہات درمؤطا موجودند بنسبتِ جمیع کتبِ موجودہ بروجہ ارض۔"

ترجمہ:۔اِس لئے کہ کسی بھی کتاب کی اِفضیلت اِن وجوہات کی بنیاد پر ہوتی ہے،کہ
یاتواِس لئے کہ مصنف کا مقام بلند ہو،
یاتواِس لئے کہ مصنف نے اُس کتاب میں صحت(احادیث کی) کا بہت خیال رکھا ہو،
یاتواِس لئے کہ اُس کتاب میں موجود احادیث مشہور ہوں،
یاتواِس لئے کہ جمہور مسلمانوں نے اُس کتاب کو قبول کیا ہو،
یاتواِس لئے کہ خوبصورت ترتیب اور مقصد کا بہت خیال رکھا گیا ہو،
اور یہ تمام وجوہات "مؤطا" میں دیگر زمین پر موجود کُتب(احادیث) کی بنسبت زیادہ پائی جاتی ہیں۔

2- ایک اور مقام پر شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں۔"امروزدردست،مردمان ہیچ کتابے نیست کہ مصنف آں ازتبع تابعین باشندغیرمؤطا"۔

ترجمہ:آج لوگوں کے ہاتھوں میں مؤطا کے علاوہ ایسی کوئی کتاب نہیں،جس کا مصنف تبع تابعین میں سے ہو۔

3-شاہ صاحبؒ مزید فرماتے ہیں۔"واز آئمہ فقہ امروز ہیچ کتاب کہ خود ایشاں تصنیف کرد باشند،بدستِ مردمان نیست الا مؤطا" ۔

ترجمہ: آج لوگوں کے ہاتھوں میں آئمہ فقہ کی کوئی کتاب ایسی نہیں جو خود انہیں کی تصنیف ہو سوائے "مؤطا" کے۔

4-شاہ صاحبؒ چاروں فقہی مسالک کو" مؤطا" کی شرح خیال کرتے ہیں، چنانچہ آپؒ "المسویٰ" میں فرماتے ہیں۔

"وھذه المذاهب بالنسبة للموطا كالشروح للمتون"۔[10]

ترجمہ:۔اوران چاروں فقہی مسالک کو"مؤطا" ہی ایسی ہی نسبت ہے جیسے شروح کو متن کے ساتھ ہوتی ہے۔

حضرت مولانا عبیداللہ سندھیؒ اپنی شہرۂ آفاق تصنیف"التمهيدلتعريف ائمة التجديد"(مترجم: مفتی عبدالخالق آزادرائے پوری)میں فرماتے ہیں۔

امام ولی اللہ دہلویؒ نے اپنی کتاب "المُصفیٰ" میں یہ بات بڑی صراحت کے ساتھ لکھی ہے کہ فقہ میں تحقیق کے درجہ تک اُس وقت نہیں پہنچا جاسکتا، جب تک کہ مؤطاامام مالکؒ کو تحقیق کے ساتھ نہ پڑھ لیا جائے"۔ جیسا کہ اُوپر ہم نے بیان کیا ہے۔[11]

5-اسی طرح شاہ ولی اللہ دہلویؒ "المُسویٰ" میں تفصیلاً فرماتے ہیں۔"ومن تبع مذاهبهم ورزق الانصاف من نفسہ علم-لامحالة- أن "المؤطا" عُده مذهب مالک وأساسہ، وعمدة مذهب الشافعی و أحمد ورأسہ، ومصباح مذهب أبی حنيفة وصاحبيہ ونبراسہ، وهذه المذاهب بالنسبة للمؤطا كالشروح للمتون، وهو منها بمنزلة الدوحة من الغصون۔

وأن الناس وإن كانوامن فتاوى مالک فی رد وتسليم، وتنكيت وتقويم فما صفا لهم المشرب، ولاتأتى لهم المذاهب إلا بما سعى فی ترتيبہ، واجتهد فی تهذيبہ، وقال الشافعی لذالک(ليس أحد امن علىَّ فی دين الله من مالک)۔

وعلم أيضاً أن الكتب المصنفة فی السنن كصحيح مسلم، وسنن أبی داؤد، والنسائی، وما يتعلق بالفقہ من صحيح البخاری،وجامع الترمذی مستخرجات "على المؤطا" تحوم حومہ، وتروم رومہ، مطمح نظرهم فيها وصل ماأرسلہ، ورفع ما أوقفہ، وأستدراک ما فاتہ،وذ كر لامتابعات والشواهد لما اسنده،وإحاطة جوانب الكلام بذكر ما رُوى خلافہ،

وبالجملة فلا يمكن تهقيق الهق فی هذا ولا ذاک إلا بالإكباب على هذاالكتاب"۔[12]

ترجمہ:۔"جس آدمی نے فقہاء کے مذاہب کی تحقیق کی ہے اور اللہ نے جس کے دل میں انصاف کی صلاحیت رکھی ہے تو وہ قطعی طور پر یہ جان لے گا کہ کتاب "مؤطا" امام مالکؒ کے مذہب کی اساس اور اس کا بہترین اثاثہ ہے۔امام شافعیؒ اور امام احمدؒ کے مذہب کا سرا اور اس کا عمدہ ستون ہے۔امام ابوحنیفہؒ کے مذہب کا روشن چراغ اور اس کی

بلند روشنی ہے۔یہ تمام مذاہب مؤطا کے حوالے سے ایسے ہی ہیں جیسے کسی ایک متن کی مختلف شرحیں ہوتی ہیں۔اِس کتاب کی حیثیت ان مذاہب میں ایسی ہی ہے جیسا کہ مختلف ٹہنیوں کو لئے ہوئے ایک بڑا درخت ہوتا ہے۔

(بڑے بڑے فقہاء اور مجتہد) لوگوں کا حال یہ ہے کہ اگرچہ وہ امام مالکؒ کے فتاویٰ کو ماننے اور رد کرنے، ان کو درست تسلیم کرنے اور اُن پر اعتراض کرنے میں مشغول رہے ہیں لیکن اُن کے اپنے مذہب کی تہذیب وتدوین اور اُن کے اپنے مذہب و مسلک کی صفائی اُس وقت تک ممکن نہیں ہو پائی، جب تک کہ اُنھوں نے اپنے سامنے امام مالکؒ کی اِس جد وجہد اور کوشش کو سامنے نہیں رکھا جو انہوں نے (مؤطا کی ترتیب وتدوین کی شکل میں) اپنے مذہب کو ترتیب دینے کے لئے کی تھی۔اسی لئے امام شافعیؒ نے لکھا ہے: "مجھ پر اللہ کی دین میں امام مالکؒ سے زیادہ احسان کرنے والا اور کوئی نہیں ہے"۔

یہ بات بھی اچھی طرح معلوم رہے کہ احادیث کی سنن پر مشتمل کتابیں جیسا کہ صحیح بخاری ، سنن ابی داؤد، سنن نسائی اور فقہ سے متعلق حدیث کی کتابیں، جیسا کہ صحیح بخاری ، جامع ترمذی ہیں، یہ تمام کتابیں مؤطا امام مالکؒ کی اساس پر مستخرج شدہ ہیں۔وہ اسی کے ارد گرد گھومتی ہیں اور انھیں مقاصد کو اپنا مقصد قرار دیتی ہیں، ان کا مطمحِ نظر یہ ہے کہ جن احادیث کو امام مالکؒ(کسی راوی سے) مرسل لاتے ہیں انہوں نے اُسے (حضور ﷺ تک) بیان کر دیا۔جو احادیث "مؤطا" میں (کسی ایک راوی تک) موقوف ہیں، اُنہوں نے اسے (حضور ﷺ تک) مرفوع بیان کر دیا۔جن احادیث کو امام مالکؒ نے چھوڑ دیا تھا، اُن کا اُنہوں نے استدراک (تلاش کر کے) بیان کر دیا، نیز انہوں نے اُن کے بیان کردہ اسانید کے (درمیان کے راویوں کے بیان کردہ) متابعات اور (صحابی کی روایات سے) شواہد بیان کر دیے۔اس طرح متعلقہ باب میں بیان کردہ نبوی کلام کے تمام پہلوؤں کا احاطہ کر لیا۔خاص طور پر اس باب میں ان روایات کے خلاف جو کچھ روایات موجود تھیں، انہیں بھی بیان کر دیا۔

خلاصہ یہ ہے کہ حق کی تحقیق اس وقت تک ممکن نہیں، نہ یہاں (محدثین) نہ وہاں (فقہاء)، جب تک کہ اِس کتاب (مؤطا امام مالکؒ) پر پورے انہماک کے ساتھ توجہ نہ دی جائے"۔انتہیٰ کلامِ شاہ ولی اللہ دہلویؒ۔

اور حضرت شاہ ولی اللہ دہلویؒ وہ شخصیت ہیں کہ برصغیر پاک وہند میں دین (قرآن وحدیث) آپ کے ہی مرہونِ منت ہے۔آپؒ کے بارے میں حضرت مولانا عبدالحئی لکھنویؒ "التعليق الممجد على مؤطا امام محمد" میں

لکھتے ہیں۔"وله تصانيف كثيرة كلها تدل على أنه كان من أَجِلَّة النبلاء وكبار العلماء، موفّقاً من الحق سبحانه بالرشد والإنصاف، متجنِّباً التعصب والاعتسافِ، ماهراً في العلوم الدينية متبحِّراً في المباحث الحديثية"۔[13]

ترجمہ:۔ شیخ ولی اللہ محدث دہلویؒ نے بہت زیادہ کتابیں لکھی ہیں ،جو اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ آپؒ بڑی جلیل القدر شان رکھتے تھے۔آپؒ کبار علماء میں سے تھے۔اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے آپؒ کو رُشد وہدایت اور عدل وانصاف کی توفیق دی تھی۔آپؒ ہر طرح کے تعصب اور تنگ نظری سے پرہیز کرتے تھے۔علومِ دینیہ میں آپؒ کو بڑی مہارت حاصل تھی،احادیث نبویہ کی مباحث میں آپؒ ایک متبحر عالمِ دین کی حیثیت رکھتے تھے۔

مولانا عبدالحئی لکھنویؒ حضرت شاہ صاحبؒ کے بارے میں مزید لکھتے ہیں۔"وقد شرح الموطّأ برواية يحيى شرحين:أحدهما باللسان الفارسية سمّاه "المصفى"،جرّد فيه الأحاديث والآثار، وحذف أقوال مالك وبعض بلاغاته، وتكلم فيه ككلام المجتهدين،وثانيهما بالعربية وسمّاه بـ "المسوى"،اكتفى فيه على ذكر اختلاف المذاهب،وعلى قدر من شرح الغريب وغيره مما لابدَّ منه"۔[14]

ترجمہ:۔آپ نے "مؤطا" کی دو شرحیں لکھیں۔ایک فارسی زبان میں، جس کا نام "المصفیٰ" رکھا۔اس کتاب میں صرف احادیث اور آثار کو بغیر کسی شرح کے جمع کیا ہے۔امام مالکؒ کے بعض اقوال کو حذف کر دیا ہے۔اِس سلسلے میں آپ نے مجتہدین کے انداز میں محققانہ گفتگو کی ہے۔

دوسری شرح عربی زبان میں لکھی ،جس کا نام "المسویٰ" رکھا،اِس شرح میں آپؒ نے مذاہب کے اختلاف کو بیان کرنے پر اکتفا کیااور بہت کم مقدار میں غریب احادیث کی ضروری شرح بیان کی"۔

2-شاہ ولی اللہ دہلویؒ سے پہلے کا طریقۂ تعلیم وتربیت:۔

حضرت شاہ صاحبؒ سے پہلے کا طریقۂ تعلیم وتربیت مختلف تھا،آپؒ نے اس کو دور کے تقاضوں کے مطابق بنادیا۔آپؒ سے پہلے علماء حدیث کی کتابوں میں سب سے زیادہ "مشکوٰۃ المصابیح"تک کی کتابوں کا درس دیا کرتے تھے،چنانچہ آپؒ ہی نے حرمین شریفین سے صحاحِ ستہ اور دیگر کُتبِ احادیث کا سلسلۂ سند اور اجازت لے کر آئے۔چنانچہ حضرت مولانا عبیداللہ سندھیؒ جو کہ ولی اللّٰہی علوم کے بہت بڑے ماہر تھے "التمهيدلتعريف ائمة التجديد"میں فرماتے ہیں۔"میں کہتا ہوں کہ امام ولی اللہ دہلویؒ سے پہلے ہندوستان کے علماء سب سے پہلے (علمِ حدیث میں)"مشكوة المصابيح" پڑھتے تھے،اِس کی شرح کے سلسلے میں شیخ عبدالحق محدثِ دہلویؒ کی مشکوۃ کی شرح"لمعات التنقيح لمشكوٰة المصابيح"اور"اشعة اللمعات" کی طرف رجوع کرتے تھے،اِن دونوں شروحات میں پہلی شرح عربی میں ہے،جب کہ دوسری شرح فارسی زبان میں ہے"۔[15]

اِسی وجہ سے حضرت سندھیؒ شاہ ولی اللہ دہلویؒ کو امام اور مجدد مانتے ہیں۔

3-شاہ ولی اللہ دہلویؒ کا طریقۂ تعلیم وتربیت اوراس کے فوائد:۔

شاہ ولی اللہ دہلویؒ تعلیم و تربیت کے نظام میں "مؤطا" امام مالکؒ کو بہت زیادہ اہمیت دیتے ہیں، چنانچہ آپؒ "التفهيمات الالٰهيہ" میں "مؤطا" کی اہمیت کے بارے میں لکھتے ہیں۔

"طریق تعلیم - - - - چوں قدرت برزبانِ عربی یافت،"مؤطا"بروایتِ یحیی یحیی مصمودی نخوانانند وہرگزآنرامعطل نگردارند،کہ اصل علم حدیث است،وخواندن آن فیضہادارد،ومارااستماع جمیع آن مسلسل است۔
بعد ازان قرآنِ عظیم درس گویند بآن صفت کہ صرف قرآن بخواند بغیرِ تفسیر وترجمہ گوید،وہرآنچہ مشکل باشددرنحویادر شانِ نزول متوقف شودوبحث نماید،بعد فراغ از درس تفسیرِ جلالین رابقدرِ درس بخو اند،دریں طریق فیضہا است"۔[16]

ترجمہ:۔ تعلیم کا طریقہ یہ ہے۔ ۔۔۔ کہ جب بچے کو عربی زبان پر قدرت حاصل ہو جائے تو اُسے "مؤطا" امام مالکؒ جو کہ یحیی بن یحیی مصمودیؒ کی روایت ہے، پڑھائی جائے، اور ہر گز نظر انداز نہ کیا جائے، اس لئے کہ وہ علمِ حدیث کی جڑ اور بنیاد ہے، اِس کا پڑھنا بہت زیادہ فیض یاب ہونے کا باعث ہے۔ ہمیں اس کتاب کا مکمل سماع پورے تسلسل کے ساتھ حاصل ہے۔

اِس کے بعد قرآن عظیم کا درس اس بچے کو اِس طرح دیا جائے کہ بغیر تفسیر اور ترجمے کے اُسے قرآن پڑھایا جائے۔ جو کچھ نحو میں یا شانِ نزول میں مشکل پیش آئے، اُس پر ٹھہرا جائے اور اس پر بحث کی جائے۔ اِس طرح درسِ تفسیر سے فارغ ہو کر تفسیرِ جلالین کا درس روزانہ کی مقدار کے مطابق دیا جائے، اس طریقے میں بہت زیادہ فیض حاصل ہوتا ہے"۔

گویا کہ حضرت شاہ صاحبؒ نے تعلیم کے پُرانے طریقۂ کار کی اصلاح کرکے اس کو جدید خطوط پر استوار کیا۔ آپؒ نے قرآن فہمی کے لئے براہِ راست قرآن مجید کی تلاوت اور ترجمہ کو لازمی قرار دیا، اسی لئے آپ نے سب سے پہلے قرآن

مجید کا فارسی زبان میں "فتح الرحمٰن" کے نام سے لفظی ترجمہ کیا، آپ نے قرآن مجید کے درس کو تفاسیر سے الگ کرکے پڑھنا ضروری قرار دیا۔ جب طالب علم حضرت شاہ صاحبؒ کے طریقے پر تعلیم حاصل کرے تو اُس کے دل ودماغ میں سب سے پہلے قرآن حکیم اور "مؤطاامام مالک" تمام چیزوں پر مقدم ہو کر راسخ ہو جائے گی۔

فصلِ سوم

"مؤطا" امام مالکؒ کے قائم کردہ اُصول

"مؤطا" امام مالکؒ کے قائم کردہ اُصول:۔

حضرت مولانا عبید اللہ سندھیؒ نے" التمهیدلتعریف ائمۃ التجدید" میں مستقلاً ایک باب اِس عنوان سے لکھا ہے جس میں آپؒ نے "مؤطا" کے قائم کردہ اصولوں کو تفصیلاً بیان کیا ہے، جس میں آپؒ نے حضرت شاہ ولی اللہ دہلویؒ کا نقطۂ نظر بہت عمدہ اسلوب کے ساتھ واضح کیا ہے، جو کہ حضرت شاہ صاحبؒ نے " حجۃ اللہ البالغہ" میں بڑی تفصیل کے ساتھ بیان کی ہے، ہم یہاں پر شاہ ولی اللہ دہلویؒ کی عربی عبارت ترجمہ سمیت نقل کرتے ہیں۔

چنانچہ حضرت مولانا عبید اللہ سندھیؒ لکھتے ہیں۔"میں نے اُن (علماءِ عرب) کے سامنے "حجۃ اللہ البالغہ" کے حوالے سے اُن اصولوں کی وضاحت کی، جن پر "مؤطا" کی بنیاد ہے۔ یہاں میں اُن اُصولوں کا خلاصہ بیان کرتا ہوں۔ان شاء اللہ اس کی پوری تفصیل حکیم الہند امام شاہ ولی اللہ دہلویؒ کے مذہب کے باب میں عنقریب بیان کی جائے گی"۔[17]

امام شاہ ولی اللہ دہلویؒ" حجۃ الله البالغہ"فرماتے ہیں۔"اعْلَم أَن رَسُول الله صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لم يكن الْفِقْه فِي زَمَانه الشريف مدونا، وَلم يكن الْبَحْث فِي الْأَ حْكَام يَوْمئِذٍ مثل الْبَحْث من هَؤُلَاءِ الْفُقَهَاء---[18]

ترجمہ:۔جاننا چاہیئے کہ رسول اللہ ﷺ کے مبارک زمانے میں علمِ فقہ مدون شدہ نہیں تھا اور نہ ان کے زمانے میں احکاماتِ شرعیہ کے بارے میں اُس طرح کی بحث ہوتی تھی، جیسا کہ آج کل یہ فقہاءِ کرام بحث کرتے ہیں۔۔۔

1-زمانۂ نبوی میں لوگ آپ ﷺ کے اعمال کی نقل کرتے تھے:۔

أما رَسُول الله صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَكَانَ يتَوَضَّأ، فَيرى الصَّحَابَة وضوءه، فَيَأْخُذُونَ بِهِ من غير أَن يبين أَن هَذَا ركن وَذَلِكَ أدب، وَكَانَ يُصَلِّي، فيرون صلَاته، فيصلون كَمَا رَأَوْهُ يُصَلِّي، وَحج، فرمق النَّاس حجه، فَفَعَلُوا كَمَا فعل، فَهَذَا كَانَ غَالب حَاله صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَلم يبين أَن فروض الْوضُوء سِتَّة أَو أَرْبَعَة---

ترجمہ:۔نبی کریم ﷺ کے زمانے میں معاملہ یہ تھا کہ آپ ﷺ نے وضو فرمایا، صحابہ رضی اللہ عنہ نے آپ ﷺ کو وضو کرتے دیکھا انہوں نے اس پر عمل کرنا شروع کردیا، اس بات کو دیکھے بغیر کہ یہ شریعت کا رُکن ہے یا اَدب (مستحب) ہے۔ حضور ﷺ نے نماز پڑھی تو لوگ آپ ﷺ کی نماز کی طرح نماز پڑھنے لگے۔ آپ ﷺ نے حج کیا تو لوگ آپ ﷺ کے حج میں کئے ہوئے افعال کی طرح مناسکِ حج ادا کرنے لگے، چنانچہ آپ ﷺ کا عام حال یہی تھا، آپ ﷺ نے کبھی یہ نہیں بیان فرمایا کہ وضو کے فرض چھ ہیں یا چار۔۔۔

2-صحابہ نے جو کچھ دیکھا اور سُنا، اُسے روایت کیا:۔

فَرَأَى كل صَحَابِيّ مَا يسره الله لَهُ من عِبَادَته وفتاواه وأقضيته، فحفظها، وعقلها، وَعرف لكل شَيْء وَجها من قبل حفوف الْقَرَائِن بِهِ، فَحمل بَعْضهَا على الْإِبَاحَة، وَبَعضهَا على النّسخ لأمارات وقرائن كَانَت كَافِيَة عِنْده، وَلم يكن الْعُمْدَة عِنْدهم إِلَّا وجدان الاطمئنان والثلج من غير الْتِفَات إِلَى طرق الِاسْتِدْلَال كَمَا ترى الْأَعْرَاب يفهمون مَقْصُود الْكَلَام فِيمَا بَينهم، وتثلج صُدُورهمْ بالتصريح والتلويح والإيماء من حَيْثُ لَا يَشْعُرُونَ، فانقضى عصره الْكَرِيم وهم على ذَلِك۔

ترجمہ:۔پس ہر صحابی رضی اللہ عنہ نے (جو کچھ اللہ نے انہیں آسانی دی) آپ ﷺ کی عبادت کو دیکھا، آپ ﷺ کے فتاویٰ اور فیصلوں کو مشاہدہ کیا اور اُسے محفوظ کر لیا اور یاد کیا، انہوں نے ہر چیز کو قرائن کی مناسبت سے اچھی طرح سمجھا۔ پس انہوں نے آپ ﷺ کے بعض اعمال کو اباحت (جواز) پر محمول کیا، بعض کو نسخ (منسوخ ہونے) پر، اُن علامات اور قرائن کی وجہ سے، جو اُن کے نزدیک کافی تھے۔ اُن کے نزدیک سب سے بہترین اور عمدہ بات، استدلال کے عقلی طریقوں کی اطراف توجہ دیے بغیر وجدانی طور پر دلی اعتماد اور اطمینان کا حصول تھا، جیسا کہ آپ عام طور پر دیہاتیوں کے بارے میں جانتے ہیں کہ وہ آپس میں بات کے اصل مقصد کو سمجھ جاتے ہیں۔ انہیں بات کے سمجھنے میں دلی اطمینان حاصل ہوتا ہے خواہ وہ گفتگو صراحتاً کی جائے یا اشارتاً اور کنایتاً کی جائے، وہ اگرچہ گفتگو کے صراحت، اشارے اور کنائے کے قوانین کا شعور نہ بھی رکھتے ہوں۔ اس طرح آپ ﷺ کا زمانہ ختم ہوا اور لوگ اسی کے مطابق عمل کرتے رہے۔

3-صحابہ کرام رضی اللہ عنہ کا اطرافِ مملکتِ اسلامیہ میں پھیلنا:۔

ثمَّ إِنَّهُم تفرقوا فِي الْبِلَاد وَصَارَ كل وَاحِد مقتدى نَاحيَة من النواحي،فكثرت الوقائع، ودارت الْمسَائِل، فاستفتوا فِيهَا، فَأجَاب كل وَاحِد حَسْبَمَا حفظه، أَو استنبط، وَإِن لم يجد فِيمَا حفظه أَو استنبط مَا يصلح للجواب - اجْتهد بِرَأْيِهِ، وَعرف الْعلَّة الَّتِي أدَار رَسُول الله صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَيْهَا الحكم فِي منصوصاته، فطرد

ترجمہ:۔اِس کے بعد صحابہ رضی اللہ عنہ مختلف شہروں میں پھیل گئے، مملکت اسلامیہ کے اطراف میں اُن میں سے ہر ایک مقتدا اور رہنما بن گیا۔ اب نئے نئے واقعات کثرت سے پیدا ہونے لگے۔ نئے پیدا شدہ مسائل کے بارے میں ان کے درمیان گفتگو شروع ہوئی۔ اس سلسلے میں اُن سے سوالات کئے گئے، ہر ایک نے آپ کی محفوظ باتوں کی تناظر میں جوابات دیے، یا انہوں نے خود ایسی باتوں کا استنباط کیا، جن سے جواب دیا جاسکتا ہے، اس طرح انہوں نے اپنی رائے اور اجتہاد سے کام لیا۔ ان حضرات نے اُس علت کو پہچانا جو اُن کے خیال میں نبی اکرم ﷺ کے منصوص حکم کی بنیاد تھی۔ انہوں نے کوئی کوتاہی کئے بغیر ایسے احکامات بیان کئے، جن کا مقصد حضور ﷺ کے منشائے مبارک کی موافقت تھی۔

4-صحابہ کرام رضی اللہ عنہ کے درمیان مسائل کے بیان میں اختلاف:۔

فَعِنْدَ ذَلِك وَقع الِاخْتِلَاف بَينهم على ضروب:

ترجمہ:۔اِس دور میں صحابہؓ کے درمیان درج ذیل چند وجوہات کی وجہ سے مسائل کے بیان میں اختلاف پیدا ہوا:۔

الف: حکم کے نقل کرنے اوراجتہاد کے حوالے سے اختلاف:۔

مِنْهَا أَن صحابيا سمع حكما فِي قَضِيَّة أَو فَتْوَى، وَلم يسمعهُ الآخر فاجتهد بِرَأْيهِ فِي ذَلِك. وَهَذَا على وُجُوه:أَحدهَا أَن يَقع اجْتِهَاده مُوَافق الحَدِيث ------

ترجمہ:۔اختلاف کاایک سبب یہ بھی تھا کہ ایک صحابی رضی اللہ عنہ نے کسی واقعے یافتوے کے ضمن میں آپ ﷺ کا کوئی قول سُنا تھا،اُنہوں نے اُس کے مطابق فتویٰ دیا تھا۔جب کہ دوسرے صحابی رضی اللہ عنہ نے آپ ﷺ کی وہ بات نہیں سُنی تھی انہوں نے اپنی رائے سے اِس سلسلے میں اجتہاد کیا۔۔۔

ب: حکم کی نوعیت سمجھنے میں اختلاف:۔

وَمِنْهَا اخْتِلَاف الْوَهم، مِثَاله أَن رَسُول الله صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حج، فَرَآهُ النَّاس، فَذهب بَعضهم إِلَى أَنه كَانَ مُتَمَتِّعا، وَبَعْضهمْ إِلَى أَنه كَانَ قَارنا، وَبَعْضهمْ إِلَى أَنه كَانَ مُفردا.

ترجمہ:۔صحابہ کرام رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ کو حج کرتے ہوئے دیکھا،اب بعض حضرات نے سمجھا کہ آپ ﷺ نے "حجِ تمتُّع"(دوالگ احراموں کے ساتھ عمرہ اور حج) کیاہے،بعض نے یہ سمجھا کہ آپ ﷺ نے "حجِ قِران"(ایک احرام کے ساتھ عمرہ اور حج) کیاہے،جب کہ تیسری جماعت نے یہ سمجھا کہ آپ ﷺ نے "حجِ اِفراد"(ایک احرام کے ساتھ صرف حج ادا) کیاہے۔

ج: حکم سمجھنے میں غلط فہمی پر مبنی اختلاف:۔

وَمِنْهَا اخْتِلَاف السَّهْو وَالنِّسْيَان، مِثَاله مَا روى أَن ابْن عمر كَانَ يَقُول اعْتَمر رَسُول الله صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عمْرَة فِي رَجَب، فَسمِعت بذلك عَائِشَة فقضت عَلَيْهِ بالسهو.

ترجمہ:۔اختلاف کاایک سبب سہو ونسیان بھی بنا،اِس کی مثال یہ ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے روایت کی کہ حضور ﷺ نے رجب کے مہینے میں عمرہ کیا تھا،جب کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ انہیں غلطی لگی ہے۔

د: حکم کی علت دریافت کرنے میں اختلاف:۔

وَمِنْهَا اخْتلَافهمْ فِي عِلّة الحكم---

ترجمہ:۔اختلاف کاایک سبب حکم کی علت تلاش کرنے میں اُن کے درمیان اختلاف پایا گیا۔۔۔۔

ھ: مختلف احکامات کے جمع کرنے کے بارے میں اختلاف:۔

وَمِنْهَا اخْتلَافهمْ فِي الْجمع بَين الْمُخْتَلِفين---

ترجمہ:۔اختلاف کاایک سبب دو مختلف احکامات میں جمع کرنے کے بارے میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہ میں اختلاف پایا گیا۔

وَبِالْجُمْلَةِ فاختلفت مَذَاهِب أَصْحَاب النَّبِي صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَأخذ عَنْهُم التابعون كَذَلِك كل وَاحِد مَا تيَسّر لَهُ، فحفظ مَا سمع من حَدِيث رَسُول الله صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ومذاهب الصَّحَابَة وعقلها، وَجمع الْمُخْتَلف على مَا تيَسّر لَهُ وَرجح بعض الْأَقْوَال على بعض، واضمحل فِي نظرهم بعض الْأَقْوَال وَإِن كَانَ مأثورا عَن كبار الصَّحَابَة كالمذهب الْمَأْثُور عَن عمر وَابْن مَسْعُود فِي تيَمّم الْجنب اضمحل عِنْدهم لما استفاض من الْأَحَادِيث عَن عمار وَعمْرَان ابْن الْحصين وَغَيرهمَا، فَعِنْدَ ذَلِك صَار لكل عَالم من الْعلمَاء التَّابِعين مَذْهَب على حياله۔

ترجمہ:۔خلاصہ یہ کہ اس طرح نبی کریم ﷺ کے صحابہؓ کی آراء باہم مختلف ہو گئیں، پھر تابعین میں سے جس کو جس صحابی سے تعلیم حاصل کرنے کی سہولت میسر آئی،اُس نے اُن سے تعلیم حاصل کی۔صحابہ کے باہمی اختلاف کی وجہ سے تابعین کے درمیان بھی اسی طرح اختلافات پیدا ہوئے۔اُن میں سے بعض نے حضور ﷺ کی احادیث سُنیں اور یاد رکھیں۔صحابہ رضی اللہ عنہ کی آراء کو سمجھا،اُن کی مختلف باتوں کو جمع کرنے کی کوشش کی،بعض حضرات کے اقوال کو بعض پر ترجیح دی،اِس طرح تابعینؒ کی نظر میں بعض اقوال کمزور محسوس ہوئے،انہوں نے انہیں ترک کر دیا۔ اگرچہ وہ کبار صحابہ رضی اللہ عنہ سے منقول شدہ تھے۔اس طرح تابعین میں سے ہر ایک کا تمام فقہی ابواب کے حوالے سے ایک مذہب بن گیا۔

5-تابعین کے مذاہب اوران کی اِمامت:۔

فانتصب فِي كل بلد إِمَام مثل

☆-سعيد بن الْمسيب، وَسَالم بن عبد الله ابْن عمر فِي الْمَدِينَة، وَبعدهَا الزُّهْرِيّ وَالْقَاضِي يحيى بن سعيد وَرَبِيعَة بن عبد الرَّحْمَن فِيهَا،

☆-وَعَطَاء بن أبي رَبَاح بِمَكَّة،

☆-وَإِبْرَاهِيم النَّخعِيّ وَالشعْبِيّ بِالْكُوفَةِ،

☆-وَالْحسن الْبَصْرِيّ بِالْبَصْرَةِ،

☆-وَطَاوُس بن كيسَان بِالْيمن،

☆-وَمَكْحُول بِالشَّام،

فأظمأ الله أكبادا إِلَى علومهم، فرغبوا فِيهَا، وَأخذُوا عَنْهُم الحَدِيث وفتاوى الصَّحَابَة وأقاويلهم، ومذاهب هَؤُلَاءِ الْعلمَاء وتحقيقاتهم من عِنْد أنفسهم، واستفتى مِنْهُم المستفتون، ودارت الْمسَائِل بَينهم، وَرفعت إِلَيْهِم الْأَقْضِيَة، وَكَانَ سعيد بن الْمسيب وَإِبْرَاهِيم وأمثالهما جمعُوا أَبْوَاب الْفِقْه أجمعها، وَكَانَ لَهُم فِي كل بَاب أصُول تلقوها من السّلف۔

ترجمہ:۔اِس طرح مملکتِ اسلامیہ کے اہم شہروں میں تابعین میں سے کچھ حضرات امامت کے منصب پر فائز ہوگئے، جیسے۔

☆-مدینہ منورہ میں حضرت سعید بن المسیب رضی اللہ عنہ اور حضرت سالم بن عبد اللہ ابن عمر رضی اللہ عنہ، اور پھر اِن کے بعد امام زُہریؒ اور قاضی یحیی بن سعیدؒ،اور حضرت ربیعہ بن عبد الرحمٰنؒ۔

☆-اور مکہ میں حضرت عطاء بن ابی رباحؒ۔

☆-اور کوفہ میں حضرت ابراہیم نخعیؒ اور امام شعبیؒ۔

☆-اور بصرہ میں حضرت حسن بصریؒ۔

☆-اور یمن میں حضرت طاؤس بن کیسانؒ۔

☆-اور شام میں حضرت مکحولؒ۔

پس لوگ علوم حاصل کرنے کے لئے دور دراز سے اِن حضرات کے پاس آنے لگے۔لوگوں نے اِن سے حدیث پڑھی، صحابہؓ کے فتاویٰ اور ان کے اقوال اَخذ کئے،اِن حضرات کے مذاہب اور اِن کی تحقیقات پڑھیں۔سوال کرنے والوں نے ان سے سوالات کئے۔اُن کے درمیان نئے پیدا ہونے والے مسائل زیر بحث آئے،اور یوں فیصلوں کی خاطر اُن کی طرف رجوع کیا جانے لگا۔اِس طرح حضرت سعید بن المسیبؒ اور حضرت ابراہیم نخعیؒ جیسے لوگوں نے فقہ کے تمام ابواب میں جمع وتدوین کا کام کیا۔انہوں نے ہر باب کے ایسے اصول متعین کئے جو انہوں نے سلف سے حاصل کئے تھے۔

6-حضرت سعید بن المسیبؒ اور فقہاءِ حرمین،مکہ ومدینہ:۔

وَكَانَ سعيد وَأَصْحَابه يذهبون إِلَى أَن أهل الْحَرَمَيْنِ أثبت النَّاس فِي الْفِقْه، وأصل مَذْهَبهم فَتَاوَى عبد الله بن عمر وَعَائِشَة وَابْن عَبَّاس، وقضايا قُضَاة الْمَدِينَة، فَجمعُوا من ذَلِك مَا يسره الله لَهُم، ثمَّ نظرُوا فِيهَا نظر اعْتِبَار وتفتيش، فَمَا كَانَ مِنْهَا مجمعا عَلَيْهِ بَين عُلَمَاء الْمَدِينَة فَإِنَّهُم يَأْخُذُونَ عَلَيْهِ بنواجذهم، وَمَا كَانَ فِيهِ اخْتِلَاف عِنْدهم، فَإِنَّهُم يَأْخُذُونَ بأقواها وأرجحها،
إِمَّا بِكَثْرَة من ذهب إِلَيْهِ مِنْهُم،
أَو لموافقته بِقِيَاس قوى،
أَو تَخْرِيج صَرِيح، من الْكتاب وَالسّنة،
أَو نَحْو ذَلِك،
وَإِذا لم يَجدوا فِيمَا حفظوا مِنْهُم جَوَاب الْمَسْأَلَة خَرجُوا من كَلَامهم وتتبعوا الْإِيمَاء والاقتضاء،فَحصل لَهُم مسَائِل كَثِيرَة فِي كل بَاب بَاب.

ترجمہ:۔حضرت سعید بن المسیبؒ اور اُن کے ساتھی،فقہ کے سلسلے میں حرمین شریفین کے صحابہ وتابعین پر زیادہ اعتماد کرتے ہیں۔ان کے مذہب کی بنیاد حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ،حضرت عائشہ رضی اللہ عنہ اور حضرت

عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کے فتاویٰ اور مدینے کے قاضیوں کے فیصلے ہیں، انہوں نے ان تمام کو جمع کر لیا، جتنی اللہ نے اُن کے لئے آسانی پیدا کی تھی۔ پھر انہوں نے اس فن پر اعتبار (ایک آیت کے حکم سے کسی دوسرے مسئلے کا حکم معلوم کرنے) کے نقطۂ نظر سے توجہ کی اور تحقیق و تفتیش کی۔ اِس کے نتیجے میں:

1- علمائے مدینہ کے نزدیک، جو متفق علیہ اور اجتماعی مسائل تھے، ان کو انہوں نے مضبوطی سے مضبوط قول کو لے لیا۔

2- جن مسائل میں علمائے مدینہ کا اختلاف پایا جاتا تھا، ان میں انہوں نے زیادہ راجح اور مضبوط قول کو لے لیا۔

ان کے نزدیک ترجیح کی وجوہات درجِ ذیل تھیں:

(الف) ایک یہ کہ وہ قول، علمائے مدینہ کی اکثریت کا تھا۔

(ب) یا اس لئے کہ وہ قول، قیاسِ قوی سے موافقت رکھتا تھا۔

(ج) یا یہ کہ اُس قول کی تخریج، کتاب و سنت کی صریح نص سے ہوئی تھی۔

(د) یا اس کے علاوہ کوئی اور وجہ۔

3- اگر کسی مسئلے کا جواب علمائے مدینہ کے محفوظ ذخیرے میں نہ پاتے تو اُن کے دائرے سے نکل کر احادیث کے الفاظ پر مبنی اشارات اور اُن کے تقاضوں کی اتباع کرتے۔

اِس طرح فقہ کے ہر باب میں انہوں نے بہت مسائل مرتب اور مدون کر دئے۔

7- حضرت ابراہیم نخعیؒ اور فقہاءِ کوفہ:-

وَكَانَ إِبْرَاهِيم وَأَصْحَابه يرَوْنَ أَن عبد الله بن مَسْعُود وَأَصْحَابه أثبت النَّاس فِي الْفِقْه كَمَا قَالَ عَلْقَمَة لمسروق:

هَل أحد مِنْهُم أثبت من عبد الله؟ وَقَول أبي حنيفَة رَضِي الله عَنهُ للأوزاعي إِبْرَاهِيم أفقه من سَالم، وَلَوْلَا فضل الصُّحْبَة لَقلت أَن عَلْقَمَة أفقه من عبد الله ابْن عَمْرو وَعبد الله - هُوَ عبد الله – وأصل مذْهبه فَتَاوَى عبد الله بن مَسْعُود وقضايا عَليّ رَضِي الله عَنْهُمَا وفتاواه وقضايا شُرَيْح وَغَيره من قُضَاة الْكُوفَة، فَجمع من ذَلِك مَا يسره الله. ثمَّ صنع فِي آثَارهم كَمَا صنع أهل الْمَدِينَة فِي آثَار أهل الْمَدِينَة، وَخرج كَمَا خَرجُوا، فلخص لَهُ مسَائِل الْفِقْه فِي كل بَاب بَاب.

ترجمہ:- جب کہ حضرت ابراہیم نخعیؒ اور ان کے شاگردوں نے یہ دیکھا کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ۔ (جنہیں حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اہلِ کوفہ کی تعلیم و تربیت کے لئے مقرر کیا تھا)۔ اور ان کے تربیت یافتہ شاگرد، فقہ میں زیادہ قابلِ اعتماد ہیں۔ جیسا کہ حضرت علقمہؒ نے حضرت مسروقؒ سے کہا تھا کہ۔

"کیا علمائے مدینہ میں کوئی آدمی حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے زیادہ ثقہ اور قابلِ اعتماد ہے؟"۔

اسی طرح ایک دفعہ حضرت امام ابو حنیفہؒ نے امام اوزاعیؒ سے کہا تھا۔ "حضرت ابراہیم نخعیؒ، حضرت سالمؒ سے زیادہ فقیہ ہیں۔ اور اگر صحبتِ نبوی ﷺ کی فضیلت حاصل نہ ہوتی تو میں یہ کہتا کہ حضرت علقمہ رضی اللہ عنہ، حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے زیادہ فقیہ ہیں۔ اور حضرت عبداللہ (بن مسعودؓ) تو عبداللہ ہیں (یعنی اُن کا کیا مقابلہ)"۔

حضرت ابراہیم نخعیؒ کے مذہب کی بنیاد حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے فتاویٰ، حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے عدالتی فیصلے اور حضرت قاضی شریحؒ اور کوفہ کے دیگر قاضیوں کے فتاویٰ اور عدالتی فیصلے ہیں۔ پس انہوں نے اِن تمام کو جمع کیا، جتنی اللہ نے اُن کو توفیق دی۔ پھر انہوں نے بھی ان (کوفہ اور بصرہ سے) جمع شدہ آثار و روایات سے مسائل اخذ کرنے کا وہی طریقہ کار اختیار کیا، جو اہلِ مدینہ نے اہلِ مدینہ کے آثار و روایات کے ساتھ کیا۔ اس طرح انہوں نے بھی بہت سے مسائل کی تخریج کی۔ انہوں نے فقہ کے ہر باب میں بہت سے قوانین اور احکامات کی تلخیص کی۔

8- حضرت سعید بن المسیبؒ اور حضرت ابراہیم نخعیؒ کا مقام:۔

وَكَانَ سعيد بن الْمسيب لِسَان فُقَهَاء الْمَدِينَة، وَكَانَ أحفظهم لقضايا عمر وَلِحَدِيث أبي هُرَيْرَة، وَإِبْرَاهِيم لِسَان فُقَهَاء الْكُوفَة، فَإِذا تكلما بِشَيْء، وَلم ينسباه إِلَى أحد فَإِنَّهُ فِي الْأَكْثَر مَنْسُوب إِلَى أحد من السّلف صَرِيحًا أَو إيما وَنَحْو ذَلِك، فَاجْتمع عَلَيْهِمَا فُقَهَاء بلدهما وَأخذُوا عَنْهُمَا وعقلوه وَخَرجُوا عَلَيْهِ وَالله أعلم.

ترجمہ:۔ حضرت سعید بن المسیبؒ، فقہائے مدینہ کی زبان ہیں۔ وہ حضرت عمرؓ کے فیصلوں اور حضرت ابو ہریرۃؓ کی حدیثوں کے سب سے بڑے حافظ ہیں، جب کہ حضرت ابراہیم نخعیؒ فقہائے کوفہ کی زبان ہیں، یہ دونوں حضرات جب بھی کچھ بولتے ہیں، اس کی کسی طرف نسبت نہ بھی کریں تو ان کی کہی ہوئی اکثر باتیں ان کے سلف میں سے کسی نہ کسی ایک کی طرف صراحتاً یا اشارتاً منسوب ہوتی ہیں، پس اِن دونوں حضرات پر ان کے شہروں (مدینہ اور کوفہ) کے فقہاء کا اجتماع ہو چکا ہے۔ لوگوں نے اِن دونوں سے تعلیم حاصل کی۔ ان کی باتوں کو سمجھا اور ان کی بنیاد پر مسائل تخریج کیں"۔

9- تابعین کے بعد کے اہلِ علم و فقہ:۔

اعْلَم أَن الله تَعَالَى أنشأ بعد عصر التَّابِعين نشئا من حَملَة الْعلم إنحازا لما وعده رَسُول الله صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَيْثُ قَالَ:

" يحمل هَذَا الْعلم من كل خلف عَدو لَهُ ۔"[19]

فَأخذُوا عَمَّن اجْتَمعُوا مَعَه مِنْهُم صفة الْوضُوء وَالْغسْل وَالصَّلَاة وَالْحج وَالنِّكَاح والبيوع وَسَائِر مَا يكثر وُقُوعه، وَرووا حَدِيث النَّبِي صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وسمعوا قضايا قُضَاة الْبلدَانِ وفتاوى مفتيها، وسألوا عَن الْمسَائِل، واجتهدوا فِي ذَلِك كُله، ثمَّ صَارُوا كبراء قوم، ووسد إِلَيْهِم الْأَمر۔

ترجمہ:۔ جاننا چاہیے کہ اللہ تبارک و تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ سے وعدہ کیا تھا، کہ۔

"عدل وانصاف کے حامل اس علم کو اٹھانے والے ہر ایک دور میں پیدا ہوتے رہیں گے"۔(الحدیث)

اِس کے مطابق تابعین کے زمانے کے بعد علم کے حاملین کا ایک نیا زمانہ سامنے آیا۔ چنانچہ اس زمانے کے علماء نے اپنے سے پہلے علماء کے اجماعی مسائل کی تعلیم حاصل کی، جیسے وضو، غسل، نماز، حج، نکاح، خرید وفروخت وغیرہ کے طریقے ہیں۔ وہ مسائل سیکھے جو بکثرت پیدا ہوتے ہیں، چنانچہ انہوں نبی کریم ﷺ کی احادیث کی روایت کی۔ اپنے اپنے شہروں کے قاضیوں کے فیصلے سُنے۔ ان شہروں کے مفتیوں کے فتاویٰ سُنے، اُن سے مسائلِ دینیہ کے بارے میں سوالات کیے، انہوں نے اس سلسلے میں بڑی جدوجہد اور کوشش کی۔ اِس طرح وہ قوم کے رہنما بن گئے اور یوں اگلے دور میں دین کا معاملہ ان کے سپرد ہو گیا۔

10- تبع تابعین کے طریقۂ کار کا خلاصہ:۔

فنسجوا على منوال شيوخهم، وَلم يألوا فِي تتبع الإيماآت والاقتضاآت، فقضوا، وأفتوا، وَرووا، وَعَلمُوا. وَكَانَ صَنِيع الْعلمَاء فِي هَذِه الطَّبَقَة متشابها،

1- وَحَاصِل صنيعهم أَن يتَمَسَّك بالمسند من حَدِيث رَسُول الله صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ والمرسل جَمِيعًا،

2- ويستدل بأقوال الصَّحَابَة وَالتَّابِعِينَ علما مِنْهُم أَنَّهَا إِمَّا أَحَادِيث منقولة عَن رَسُول الله صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ احتقروها، فجعلوها مَوْقُوفَة۔۔

3- وَأَنه إِذا اخْتلفت أَحَادِيث رَسُول الله صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي مَسْأَلَة رجعُوا إِلَى أَقْوَال الصَّحَابَة،

(الف)- فَإِن قَالُوا بنسخ بَعْضهَا،

(ب)-أَو بصرفه عَن ظَاهره،

(ج)-أَو لم يصرحوا بذلك،

وَلَكِن اتَّفقُوا على تَركه وَعدم القَوْل بِمُوجبِه فَإِنَّهُ كابداء على فِيهِ أَو الحكم بنسخه أَو تَأْوِيله ----

4-وَأَنه إِذا اخْتلفت مَذَاهِب الصَّحَابَة وَالتَّابِعِينَ فِي مَسْأَلَة فالمختار عِنْد كل عَالم مَذْهَب أهل بَلَده وشيوخه۔۔ لِأَنَّهُ أعرف بِصَحِيح أقاويلهم عَن السقيم وأوعى للاصول الْمُنَاسبَة لَهَا وَقَلبه أميل إِلَى فَضلهمْ وتبحرهم----

ترجمہ:۔ یہ لوگ بھی اپنے اپنے مشائخ کے طریقۂ کار پر چلے، انہوں نے بھی احادیث کے الفاظ پر مبنی اشارات اور اُن کے تقاضوں کی اتباع کرنے میں کوئی کوتاہی نہیں کی، چناچہ خود انہوں نے بھی عدالتی فیصلے کیے، فتوے جاری کیے، مسائل کی روایت کی، اس کی تعلیم وتربیت دی۔ اُن کے طریقۂ کار کا خلاصہ یہ ہے کہ:

1- وہ سب سے پہلے نبی اکرم ﷺ کی مُسند (براہِ راست) اور مرسل (بالواسط) حدیث کو لیتے تھے۔

2- پھر اقوالِ صحابہ رضی اللہ عنہ اور تابعین کو بہ طورِ استدلال کے سامنے رکھتے تھے۔ہاں! اگر اُن کے درمیان اختلاف ہوتا اور رسول اللہ ﷺ کی حدیث ظاہری طور پر اُن کے قول کے مخالف ہوتی تو پھر اُن اقوال کو نہ لیا جاتا۔

3- اگر کسی مسئلہ میں احادیثِ رسول اللہ ﷺ میں بھی باہم اختلاف ہوتا تو پھر وہ لوگ صحابہ رضی اللہ عنہ کے اقوال کی طرف رجوع کرتے۔اگر صحابہ رضی اللہ عنہ نے:

(الف)- آپ ﷺ کی بعض احادیث کے منسوخ ہونے کا تذکرہ کیا۔

(ب)- یا حدیث کے ظاہری معنی سے پھیرنے کا کہا۔

(ج)- یا انہوں نے اس کی تصریح تو نہیں کی، لیکن اُن کا اُس حدیث کو چھوڑنے پر اتفاق تھا، اور اُس حدیث کے حکم کے مطابق کسی نے بھی اپنا قول اختیار نہیں کیا۔

یہ تمام وجوہات گویا اس بات کی دلیل تھی کہ رسول اللہ ﷺ کی بیان کردہ حدیث کا حکم یا تو منسوخ شدہ ہے یا تمام حضرات نے اُس میں تاویل کی ہے۔

4- اور اگر کسی مسئلے میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہ اور تابعین کے مذاہب کا اختلاف ہو گیا تو پھر ہر عالم کے نزدیک وہ مسلک پسندیدہ تھا، جو اُس کے شہر (مدینہ و کوفہ) کے مشائخ کا مذہب تھا۔

11-فقہائے مدینہ کا تسلسل:-

فمذهب عمروَعُثْمَان وَابْن عمر وَعَائِشَة وَابْن عَبَّاس وَزيد بن ثَابت، وأصحابهم مثل سعيد بن الْمسيب فَإِنَّهُ كَانَ أحفظهم لقضايا عمر، وَحَدِيث أبي هُرَيْرَة، وَمثل عُرْوَة وَسَالم وَعَطَاء بن يسَار وقاسم وَعبيد الله وَابْن عبد الله وَالزهْرِيّ، وَيحيى بن سعيد وَزيد بن أسلم وَرَبِيعَة - أَحَق بِالْأَخْذِ من غَيره عِنْد أهل الْمَدِينَة لما بَينه النَّبِي صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي فَضَائِل الْمَدِينَة، وَلِأَنَّهَا مأوى الْفُقَهَاء وَمجمع الْعلمَاء فِي كل عصر، وَلذَلِك ترى مَالِكًا يلازم محجتهم۔

ترجمہ:-اس طرح اہلِ مدینہ؛ حضرت عمر، حضرت عثمان، حضرت عبداللہ بن عمر، حضرت عائشہ، حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہم اجمعین اور اُن کے شاگردوں، جیسے۔

حضرت سعید بن المسیب رضی اللہ عنہ (جو کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے عدالتی فیصلے اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی احادیث کو رکھنے والے تھے) کے مذہب کو دوسروں شہروں کے فقہاء پر ترجیح دیتے ہیں۔

اِس طرح عروہؒ، سالمؒ، عطاء بن یسارؒ، قاسمؒ، عبیداللہ بن عبداللہؒ، زہریؒ، یحیی بن سعیدؒ، زید بن اسلمؒ اور ربیعہؒ کی بات کو زیادہ قبول کرتے ہیں۔(اِس کی وجہ یہ کہ نبی کریم ﷺ نے مدینہ کے بہت سے فضائل بیان کیے ہیں۔اور اس لیے بھی کہ ہر زمانے کے فقہاء اور علماء کے اجتماع کا مرکز ہمیشہ مدینہ ہی رہا ہے۔سندھیؒ)

12-فقہائے کوفہ کا تسلسل:۔

وَمذهب عبد الله بن مَسْعُود وَأَصْحَابه، وقضايا على وَشُرَيْح وَالشعْبِيّ وفتاوى إِبْرَاهِيم، - أَحَق بِالْأَخْذِ عَن أهل الْكُوفَة من غَيره وَهُوَ قَول عَلْقَمَة حِين مَال مَسْرُوق إِلَى قَول زيد بن ثَابت فِي التَّشْرِيك قَالَ: هَل أحد مِنْكُم أثبت من عبد الله؟ فَقَالَ لَا وَلَكِن رَأَيْت زيد بن ثَابت وَأهل الْمَدِينَة يشركُونَ، فَإِن اتّفق أهل الْبَلَد على شَيْء أخذُوا بنواجذه، وَهُوَ الَّذِي يَقُول فِي مثله مَالك:

" السّنة الَّتِي لَا اخْتِلَاف فِيهَا عندنَا كَذَا وَكَذَا"،

وَإِن اخْتلفُوا أخذُوا بأقواها وأرجحها إِمَّا بِكَثْرَة الْقَائِلين بِهِ أَو لموافقته لقياس قوي، أَو تَخْرِيج من الْكتاب وَالسّنة، وَهُوَ الَّذِي يَقُول فِي مثله مَالك:

"هَذَا أحسن مَا سَمِعت"،

فَإِذا لم يَجدوا فِيمَا حفظوا مِنْهُم جَوَاب الْمَسْأَلَة خَرجُوا من كَلَامهم، وتتبعوا الْإِيمَاء والاقتضاء، وألهموا فِي هَذِه الطَّبَقَة التدوين، فدون مَالك وَمُحَمّد بن عبد الرَّحْمَن بن أبي ذِئْب بِالْمَدِينَةِ، وَابْن جريج وَابْن عُيَيْنَة بِمَكَّة، وَالثَّوْري بِالْكُوفَةِ، وربيع بن صبيح بِالْبَصْرَةِ. وَكلهمْ مَشوا على هَذَا الْمنْهَج الَّذِي ذكرته۔

ترجمہ:۔اسی طرح اہلِ کوفہ؛ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ اوراُن کے شاگردوں، حضرت علی رضی اللہ عنہ، قاضی شریحؒ اورامام شعبیؒ کے فیصلوں اور حضرت ابراہیم نخعیؒ کے فتاویٰ کو دوسرے شہروں کے اہل علم پر ترجیح دیتے ہیں۔اس طرح ہر ایک شہر والوں کا جس کسی مسئلے پر اتفاق ہو گیا، توانہوں نے اُسے مضبوطی سے پکڑ لیا،اورایسے ہی مسائل کے بارے میں امام مالکؒ نے یہ کہاہے کہ:

"وہ سُنت، جس میں کوئی اختلاف نہیں ہے، ہمارے نزدیک وہ مسائل یہ ہیں۔"

اوراگرایک شہروالوں کا کسی ایک مسئلے میں آپس میں اختلاف ہواتواُنہوں نے اُس میں سے جو مضبوط یاراجح قول تھا،اُسے لے لیا۔یاتواس لیے کہ اُس قول کے کہنے والے کثیر لوگ تھے،یایہ کہ وہ قیاسِ قوی سے موافقت رکھتا تھا۔اوریایہ کہ کتاب وسنت سے اُس کی تخریج ہوئی۔

یہ وہ مسائل ہیں، جن کے بارے میں امام مالکؒ نے کہا:

"جوکچھ میں نے سُنا،اُس میں سے بہتر بات یہ ہے"۔

اوراگرکسی مسئلے کاجواب اُن فقہی ابواب میں نہیں تھا،جواُن کے شہر کے گزشتہ بزرگوں کی جماعت سے محفوظ تھیں تووہ اُن کے مذہب کے دائرے سے باہر نکلے،انہوں نے (احادیث واقوال کے الفاظ پر مبنی)اشارات اوراُن کے تقاضوں کی اتباع کی۔اس طرح اس طبقے میں مسائل مدون کرنے کاالہام کیاگیا،چنانچہ مدینہ میں امام مالکؒ، محمد بن عبدالرحمٰنؒاورابن ابی ذویبؒ نے مسائل مدوّن کیے۔مکہ میں ابن جریجؒ اورابن عیینہؒ نے،کوفہ میں امام ثوریؒ نے

اور بصرہ میں ربیع ابن صبیحؒ نے مسائل مدوّن کیے۔ یہ تمام کے تمام اُس منہج اور طریقۂ کار کے مطابق چلے جِس کا میں نے ابھی ذکر کیا۔

فصلِ چہارم

"مؤطا" کی ترتیب وتدوین میں امام مالکؒ کا طریقۂ کار

"مؤطا" کی ترتیب وتدوین میں امام مالکؒ کا طریقۂ کار:۔

"موَطا امام مالک" کی ترتیب وتدوین کے بارے میں شاہ ولی اللہ دہلویؒ نے " حجة الله البالغہ " میں بڑے مفصل انداز میں لکھا ہے۔وَكَانَ مَالك من أثبتهم فِي حَدِيث الْمَدَنِيين عَن رَسُول الله صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وأوثقهم إِسْنَادًا وأعلمهم بقضايا عمر وأقاويل عبد الله بن عمر وَعَائِشَة وأصحابهم من الْفُقَهَاء السَّبْعَة، وَبِه وبأمثاله قَامَ علم الرِّوَايَة وَالْفَتْوَى. فَلَمَّا وسد إِلَيْهِ الْأَمر حدث، وَأَفْتى، وَأَفَاد، وأجاد، وَعَلِيهِ انطبق قَول النَّبِي صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ.
" يُوشك أَن يضْرب النَّاس أكباد الْإِبِل يطْلبُونَ الْعلم، فَلَا يَجدونَ أحدا أعلم من عَالم الْمَدِينَة "۔[20]

على مَا قَالَه ابْن عُيَيْنَة وَعبد الرَّزَّاق - وناهيك بهما - فَجمع أَصْحَابه رواياته ومختاراته لخصوها، وحرروها، وشرحوها، وَخَرجُوا عَلَيْهَا، وَتَكَلَّمُوا فِي أُصُولهَا و دلائلها، وَتَفَرَّقُوا إِلَى الْمغرب ونواحي الأَرْض، فنفع الله بهم كثيرا من خلقه.وَإِن شِئْت أَن تعرف حَقِيقَة مَا قُلْنَاهُ، من أصل مذْهبه فَانْظُر فِي كتاب الْمُوَطَّأ تَجدهُ كَمَا ذكرنَا"۔[21]

ترجمہ:۔رسول اللہ ﷺ سے روایت کردہ احادیث میں سے مدینے والوں کی حدیث کے سلسلے میں امام مالکؒ زیادہ قابلِ اعتماد ہیں اور اُن کی سند زیادہ قوی ہے۔وہ علمائے مدینہ میں سے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے فیصلے، حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہ کو اقوال اور فقہاءِ سبعہ اور اُن کے اصحاب کو اقوال کو زیادہ جانتے ہیں، چنانچہ امام مالکؒ اور اُن لوگوں کے ذریعے سے روایت وفتویٰ کا علم قائم ہوا۔جب حدیث وفقہ کا معاملہ حضرت امام مالکؒ کے سُپرد ہوا تو انہوں نے حدیث بیان کی، فتاویٰ دیے، لوگوں کو فائدہ پہنچایا، اس سلسلے میں عمدگی اور مہارت کا ثبوت دیا۔انہی پر رسول اللہ ﷺ کا یہ قول پورے طور پر منطبق ہوتا ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا۔

"قریب ہے کہ لوگ دُور دراز سے علم کی تلاش میں آئیں گے، پس وہ مدینے کے عالم سے بڑا کوئی عالم کہیں بھی نہیں پائیں گے"۔

جیسا کہ ابن عیینہؒ اور عبدالرزاقؒ نے روایت کیا ہے، اور ان دونوں کا روایت کرنا تمہارے لیے کافی ہے۔اگر تُم چاہتے ہو کہ جو کچھ ہم نے امام مالکؒ کے مذہب کے بارے میں بیان کیا ہے، اُس کی حقیقت معلوم کرو تو کتاب "مؤطا" کا مطالعہ کرو۔جو کچھ ہم نے ذکر کیا ہے، تُم اُس کے مطابق پاؤ گے"۔

فصلِ پنجم

اسلوبِ "مؤطا" امام مالک

اسلوبِ "مؤطا" امام مالک:۔

امام مالکؒ کا "مؤطا" میں احادیث بیان کرنے کا اسلوب مندرجہ ذیل ہے۔

1-امام مالکؒ کا "مؤطا" کے اندر احادیث بیان کرنے کا اسلوب فقہی ہے۔آپؒ جب باب کا ذکر کرتے ہیں تو اُسی موضوع سے متعلق احادیث درج کرتے ہیں۔اس کے ساتھ ساتھ آپؒ اقوالِ صحابہ کرام رضی اللہ عنہ،تابعینؒ اور اکثر مواقع پر تعاملِ اہلِ مدینہ کو بھی ذکر کرتے ہیں،اور کئی مواقع پر آخر میں اپنی ذاتی آراء بھی بیان کر لیتے ہیں۔مثلاً علامہ زرقانیؒ نے " شرح الزرقاني على مؤطا الإمام مالك" میں لکھتے ہیں:

"(وَسُئِلَ مَالِكٌ عَنِ الْحَائِضِ تَطْهُرُ فَلَا تَجِدُ مَاءً هَلْ تَتَيَمَّمُ؟قَالَ نَعَمْ لِتَتَيَمَّمْ فَإِنَّ مِثْلَهَا) مِثْلُ (الْجُنُبِ إِذَا لَمْ يَجِدْ مَاءً تَيَمَّمَ) مِنْ بَابِ قِيَاسٍ لَا فَارِقَ".[22]

ترجمہ:۔امام مالکؒ سے جب اِس مسئلہ کے بارے میں پوچھا گیا،کہ اگر حائضہ عورت کو طہر کے وقت پانی میسر نہ ہو تو کیا وہ تیمم کرے؟آپؒ نے فرمایا:ہاں اس کی مثال جنبی کی طرح ہے،اگر پانی میسر نہ ہو"۔

2-مدینہ منورہ میں نقدِ حدیث اور علم رجال میں امام مالکؒ کو حجت وسند تسلیم کیا گیا ہے،یہی وجہ ہے کہ دس ہزار احادیث کے ذخیرے میں سے آپؒ نے اپنی کتاب "مؤطا" کی احادیث منتخب کیں،اور پھر ہر سال جرح ونقد کی معیار پر پرکھتے رہے اور بالآخر موجودہ انتخابِ "مؤطا" پر نظر ٹھہری۔

3-ابن عبدالبر النمریؒ نے " الانتقاء في فضائل الثلاثة الأئمة الفقهاء" میں-بَابُ كَيْفَ كَانَ أَخْذُ مَالِكٍ لِلْعِلْمِ وَعَمَّنْ أَخَذَ ذَلِكَ-کے نام سے ایک باب لکھا ہے جس میں آپ نے امام مالکؒ کے اَخذ حدیث اور اسلوبِ "مؤطا" کے بارے میں لکھا ہے،چنانچہ آپ لکھتے ہیں:امام مالکؒ چار قسم کے آدمیوں سے روایت اَخذ نہیں کرتے تھے:

(الف)۔امام مالکؒ ایسے احمق سے جس کی حماقت واضح ہو،سے روایت اَخذ نہیں کرتے تھے۔

(ب)۔امام مالکؒ جھوٹے شخص سے روایت نہیں لیتے تھے۔

(ج)۔امام مالکؒ ایسے شخص سے روایت اَخذ نہیں کرتے تھے جو خواہشاتِ نفس اور ہوا وہوس کا غلام ہو۔

(د)۔امام صاحبؒ ایسے عبادت گزار بوڑھے شخص سے بھی روایت اَخذ نہیں کرتے تھے،جس کو یہ معلوم نہ ہو کہ وہ کیا بیان کر رہا ہے"۔[23]

لہذاامام مالکؒ صرف اسی بات پر اکتفا نہیں کرتے تھے کہ راوی عادل ہے، یادرکھنے والا ہے بلکہ یہ بھی ضروری قرار دیا کہ راوی جو کچھ بیان کرتا ہے، اس کا وزن اور اس کی حیثیت سے بھی وہ خود باخبر ہو جس سے وہ بیان کرتا ہے۔

اسی طرح امام مالکؒ نے بہت سے متقی پرہیز گار لوگوں سے روایت نہیں کی، اس لیے کہ وہ ضابط نہیں تھے۔

امام مالکؒ سے پوچھا گیا کہ آپ اہل عراق سے حدیث کیوں نہیں لیتے؟

کہا: "اس لیے کہ جب وہ ہمارے شہر آتے ہیں تو میں انہیں دیکھتا ہوں کہ وہ غیر ثقہ سے بھی حدیث لے لیتے ہیں، تو میں نے سوچا یہی حال ان کا اپنے شہر میں ہو گا"۔

فصلِ ششم

"مؤطا" امام مالک کی اہمیت اور مقبولیت

"مؤطا" امام مالک کی اہمیت اور مقبولیت:۔

جمہور علماء نے طبقاتِ کتب حدیث میں "مؤطا" امام مالک کو طبقۂ اولیٰ میں شمار کیا ہے۔ یہاں تک کہ شاہ ولی اللہ دہلویؒ اور آپؒ کے فرزند شاہ عبدالعزیزؒ نے کتبِ حدیث کے پانچ طبقات قائم کیے ہیں، اِن حضرات نے کتبِ حدیث میں "مؤطا" امام مالک کو طبقۂ اولیٰ میں رکھا ہے، آپؒ "مؤطا" امام مالک کو تمام کتبِ احادیث پر مقدم اور افضل سمجھتے ہیں۔

1-شاہ ولی اللہ دہلویؒ "المصفیٰ" میں فرماتے ہیں۔

"وکتاب المؤطا اصح کتب الفقہ واشہرھا"۔[24]

ترجمہ:۔ "اور "مؤطا" کی کتاب فقہ کے کتب میں سب سے زیادہ مشہور اور صحیح ہے"۔

2-اسی طرح حضرت شاہ صاحبؒ "المصفیٰ" میں ایک اور مقام پر فرماتے ہیں۔

"کہ بیقین معلوم شد کہ امروز ہیچ کتابی از کتبِ فقہ اقوی از مؤطا نیست"۔[25]

ترجمہ:۔ مجھے یقین کے ساتھ معلوم ہوا کہ موجودہ زمانے میں فقہ کے اندر کوئی بھی کتاب "مؤطا" سے زیادہ صحیح نہیں ہے۔

"مؤطا امام مالک" کی اہمیت و مقبولیت کا اندازہ اِس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ عباسی دورِ خلافت میں خلفاء نے کئی مرتبہ امام مالکؒ سے "مؤطا" کو بحیثیت قانون پوری سلطنت میں نافذ کرنے کی اجازت مانگی۔ لیکن آپؒ نے انکار کیا۔ چنانچہ "طبقات" میں ابن سعدؒ نے امام مالکؒ سے روایت کیا ہے۔

" قَالَ:سَمِعْتُ مَالِكَ بْنَ أَنَسٍ , يَقُولُ : لَمَّا حَجَّ أَبُو جَعْفَرٍ الْمَنْصُورُ دَعَانِي فَدَخَلْتُ عَلَيْهِ فَحَادَثْتُهُ , وَسَأَلَنِي فَأَجَبْتُهُ , فَقَالَ : إِنِّي قَدْ عَزَمْتُ أَنْ آمُرَ بِكُتُبِكَ هَذِهِ الَّتِي وَضَعْتَهَا يَعْنِي الْمُوَطَّأَ فَتُنْسَخُ نُسَخًا , ثُمَّ أَبْعَثُ إِلَى كُلِّ مِصْرٍ مِنْ أَمْصَارِ الْمُسْلِمِينَ مِنْهَا بِنُسْخَةٍ , وَآمُرُهُمْ أَنْ يَعْمَلُوا بِمَا فِيهَا لاَ يَتَعَدَّوْهُ إِلَى غَيْرِهِ , وَيَدَعُوا مَا سِوَى ذَلِكَ مِنْ هَذَا الْعِلْمِ الْمُحْدَثِ فَإِنِّي رَأَيْتُ أَصْلَ الْعِلْمِ رِوَايَةَ الْمَدِينَةِ وَعِلْمِهِمْ , قَالَ : فَقُلْتُ : يَا أَمِيرَ الْمُؤْمِنِينَ لاَ تَفْعَلْ هَذَا , فَإِنَّ النَّاسَ قَدْ سَبَقَتْ إِلَيْهِمْ أَقَاوِيلُ , وَسَمِعُوا أَحَادِيثَ وَرَوَوْا رِوَايَاتٍ , وَأَخَذَ كُلُّ قَوْمٍ بِمَا سَبَقَ إِلَيْهِمْ وَعَلِمُوا بِهِ , وَدَانُوا بِهِ مِنِ اخْتِلاَفِ أصحاب رسول الله صَلى الله عَلَيهِ وَسلَّم وَغَيْرِهِمْ , وَإِنَّ رَدَّهُمْ عَمَّا قَدِ اعْتَقَدُوهُ شَدِيدٌ , فَدَعِ النَّاسَ وَمَا هُمْ عَلَيْهِ , وَمَا اخْتَارَ كُلُّ أَهْلِ بَلَدٍ مِنْهُمْ لأَنْفُسِهِمْ , فَقَالَ : لَعَمْرِي لَوْ طَاوَعْتَنِي عَلَى ذَلِكَ لأَمَرْتُ بِهِ"۔[26]

ترجمہ:۔"امام مالکؒ فرماتے ہیں: جب منصور نے حج کیا۔تو اس نے مجھے کہا: میں قصد کیا ہے کہ آپ کی کتابوں کے لکھنے کا حکم دوں، پھراِس کے نسخے تیار کروں، پھر میں اس کو ہر شہر میں بھیجوں،اور لوگوں کو حکم دوں کہ اس پر عمل کرو اور اس کے علاوہ کسی کی طرف توجہ نہ کرو۔ پھر میں نے کہا:ایسانہ کرو،بے شک لوگوں کے پاس اس سے پہلے اَقوال(اَحادیث وآثار) پہنچ چکے ہیں،انہوں نے احادیث کو سناہے اور روایات کو نقل کیا،اور ہر قوم نے اس پر عمل کیاہے جو ان کے پاس اِس سے پہلے پہنچ چکا ہے،پس لوگوں کو چھوڑدیں اور جو شہر والوں نے اپنے لئے اختیار کیا ہے۔

اِسی طرح مشہور عباسی خلیفہ امیر المؤمنین ہارون الرشید نے بھی امام مالکؒ سے "مؤطاامام مالک" کو پوری سلطنت میں بحیثیت قانون نافذ کروانے کی درخواست کی۔لیکن آپ نے مصلحت کی بنیاد پر منع کیا۔جس کو "حلیہ الاولیاء"میں حافظ اَبونعیم نے یوں بیان کیاہے۔"سَمِعْتُ مَالِكَ بْنَ أَنَسٍ،يَقُولُ: شَاوَرَنِي هَارُونُ الرَّشِيدُ فِي ثَلَاثٍ فِي أَنْ يُعَلِّقَ الْمُوَطَّأَ فِي الْكَعْبَةِ وَيَحْمِلَ النَّاسَ عَلَى مَا فِيهِ، وَفَى أَنْ يَنْقُضَ مِنْبَرَ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَيَجْعَلَهُ مِنْ جَوْهَرٍ وَذَهَبٍ وَفِضَّةٍ وَفَى أَنْ يُقَدِّمَ نَافِعَ بْنَ أَبِي نُعَيْمٍ إِمَامًا يُصَلِّي فِي مَسْجِدِ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقُلْتُ: يَا أَمِيرَ الْمُؤْمِنِينَ أَمَّا تَعْلِيقُ الْمُوَطَّأِ فِي الْكَعْبَةِ فَإِنَّ أَصْحَابَ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اخْتَلَفُوا فِي الْفُرُوعِ وَتَفَرَّقُوا فِي الْآفَاقِ وَكُلٌّ عِنْدَ نَفْسِهِ مُصِيبٌ، وَأَمَّا نَقْضُ مِنْبَرِ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَاتِّخَاذُكَ إِيَّاهُ مِنْ جَوْهَرٍ وَذَهَبٍ وَفِضَّةٍ فَلَا أَرَى أَنْ تَحْرِمَ النَّاسَ أَثَرَ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَأَمَّا تَقْدِمَتُكَ نَافِعًا إِمَامًا يُصَلِّي بِالنَّاسِ فِي مَسْجِدِ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَإِنَّ نَافِعًا إِمَامٌ فِي الْقِرَاءَةِ وَلَا يُؤْمَنُ أَنْ تَنْدُرَ مِنْهُ نَادِرَةٌ فِي الْمِحْرَابِ فَتُحْفَظَ عَلَيْهِ، قَالَ: وَفَّقَكَ اللهُ يَا أَبَا عَبْدِ اللهِ"۔[27]

ترجمہ:۔" میں نے امام مالکؒ سے سنا۔وہ فرمارہے تھے۔" مجھے ہارون الرشید نے مشورہ دیا کہ وہ موطّاؒ کو خانہ کعبہ میں آویزاں کریں۔اوراس میں جو کچھ ہے۔لوگ اس پر عمل کریں۔ میں نے کہا۔اے امیر المؤمنین! ایسا نہ کرو۔کیونکہ اصحابِ رسول اللہ ﷺ فروع میں اختلاف رکھتے ہیں۔اور وہ اب متعدد شہروں میں متفرق ہو چکے ہیں۔اور سب درست تھے۔توامیر المؤمنین نے کہا:اَے اَبوعبداللہ! اللہ تعالیٰ تجھے توفیق دے(آمین)۔

"مؤطا"امام مالک اور فقہ حنفی کی موافقت:۔

"مؤطاامام مالک"کو تمام فقہی مذاہب میں بنیادی حیثیت حاصل ہے۔حضرت مولاناعبیداللہ سندھیؒ" التمهيد لتعريف ائمة التجديد"میں لکھتے ہیں۔

"آدمی"علم الاسانید"(احادیث کی سندوں اوران کے راویوں سے واقفیت کاعلم)کاعالم اُسی وقت تک ہو سکتا ہے،جب کو اُس کو احادیث کے "متابعات"اور"شواہد" کے اعتبار پر قدرت حاصل ہو،نیز اُسے احادیث

پر، تواتر، شہرت، صحت یا غرابت اور ضعف— جس درجے کی وہ حدیث ہو— کا حکم لگانے کی صلاحیت حاصل ہو۔ نیز اُسے عام طور پر ائمہ محدثین کے اجتہادات سے موافقت حاصل ہو۔

اہلِ علم کی اکثریت کا اتفاق ہے کہ صحیح احادیث پانچ کتابوں سے باہر نہیں: "صحیحین" (بخاری اور مسلم)، "سنن ابی داؤد"، "سنن نسائی"، "سنن ترمذی"۔ بہت کم حدیثیں ایسی ہیں جو اِن کتابون میں نہ ہو، اگر کوئی حدیث کا طالب علم مصنفین کی جانب سے روایات کے صحت اور ضعف کے بارے میں پائے جانے والے انتشار سے واقف ہو اور پھر اپنے اساتذہ کے سامنے "مؤطا" پڑھنے کے بعد ان (پانچ صحیح) کتابوں کو پڑھ لے تو بہت تھوڑی مُدت میں تواتر یا حدِ شہرت کو پہنچنے والی احادیث کا پورا یقین حاصل کر لے گا۔

پھر جب ہم نے "مؤطا" کو سب سے پہلے رکھا، تو یہ مذکورہ پانچ کتابیں "مؤطا" کی اکثر احادیث کی تخریج کے لیے کافی ہیں۔ اس طرح آسانی کے ساتھ آدمی صاحبِ بصیرت اور محقق بن جاتا ہے، چنانچہ میں ناپنے درس وتدریس کے

زمانے میں اِس طریقۂ تعلیم کے مطابق احادیث کے مطالعے میں مشغول ہوا۔ یوں میرے لیے احادیث کے سلسلے میں تحقیق کی آسانی پیدا ہو گئی۔

اگر ہم امام بخاری کی کتاب کو بنیادی اور اصل کتاب قرار دیں اور اُس کی احادیث کی تخریج کرنے میں مشغول ہوں تو ہم ایسے اجنبی کتابوں کے محتاج بن جاتے ہیں جو بہت کم پائی جاتی ہیں۔ ان پر اعتماد کرنا غلطی سے خالی نہیں۔ اِس طرح ہم خود اسانید کی تحقیق پر قدرت حاصل نہیں کر سکتے، پھر ہمیں جامع صحیح بخاری کی روایات کی تحقیق کے سلسلے میں مجبوراً حافظ ابن حجرؒ (عسقلانی) پر اعتماد کرنا پڑتا ہے، یہ بات اسانید کی تحقیق کے حوالے سے کچھ حیثیت نہیں رکھتی۔

اَسانید کی تعلیم و تحقیق سے فراغت کے بعد جب ہم نے اِس بات کی کوشش کی کہ فقہ کو "مؤطا" کے ساتھ تطبیق دی جائے تو اِس کے لیے ہم نے یہ طریقۂ کار اپنایا کہ فقہ میں مذہبِ حنفی کی اُن روایات کو لیا جائے جو "مؤطا" کے موافق ہیں۔ اِس طریقۂ کار میں امام شاہ ولی اللہ دہلویؒ ہمارے لیے نمونے کی حیثیت رکھتے ہیں۔ فقہ حنفی کے اِس مسلک میں ہم اُن کی اتباع میں چلتے ہیں۔ فقہ حنفی کو ہم اِس لیے قبول کرتے ہیں کہ ہندوستان کے عام لوگ حنفی ہیں، اگر ہم کسی ایسے علاقے میں پیدا ہوتے کہ جہاں کے عام لوگ امام شافعیؒ کے مسلک کی اتباع کرتے ہیں تو ہم ضرور اسی طریقۂ کار کے مطابق مذہبِ شافعیؒ کو "مؤطا" امام مالکؒ کے ساتھ تطبیق دے دیتے"۔[28]

فصلِ ہفتم

"مؤطا" امام مالک کے بارے میں محدثین وعلماء کی آراء

"مؤطا" امام مالک کا مقام محدثین کے نزدیک:۔

مؤطا امام مالک کے بارے میں محدثین اور علماء کرام نے بہت کچھ لکھا ہے۔ جن میں سے مشہور محدثین اور علماء کرام کی آراء مندرجہ ذیل ہیں۔

1-علامہ سیوطیؒ "تنویر الحوالک" میں فرماتے ہیں۔ قاضی ابو بکر بن عربی نے "شرح ترمذی" میں لکھا ہے

۔

"الموطّأ هو الأصل الأول واللباب، وكتاب البخاري هو الأصل الثاني في هذا الباب، وعليهما بنى الجميع كمسلم والترمزي"۔[29]

ترجمہ:۔ "مؤطا اصلِ اول اور خلاصہ ہے، اور "بخاری" اس باب میں اصلِ ثانی ہے اور ان دونوں پر سب کی بناء ہے جیسے مسلم اور ترمذی وغیرہ کی"۔

2-مولانا عبدالحئیؒ لکھنویؒ نے مختلف علماء کے اقوال نقل کئے ہیں۔

"وذكر ابن الهيّاب (في الأصل: ابن الهباب،وهو تحريف) أن مالكاًروى مئة ألف حديث، جمع منها في الموطّأعشرآلاف حديث،ثم لم يزل يعرضها على الكتاب والسنة، ويختبرها بالآثار والأخبار حتى رجعت إلى خمسمائة. وقال إِلْكِيَا الهَرَّاسي في تعليقه في الأصول: إن موطّأ مالك كان اشتمل على تسعة ألاف حديث، ثم لم يزل ينتقي حتى رجع إلى سبع مائة.وأخرج أبوالحسن بن فهر في "فضائل مالك" عن عتيق بن يعقوب، قال:وضع مالك الموطّأ على نحو من عشرة آلاف حديث، فلم يزل ينظر فيه في كل سنة،ويسقط منه حتى بقي منه هذا ..."۔[30]

ترجمہ:۔ "ابن الھیّاب نے کہا ہے کہ امام مالکؒ نے ایک لاکھ احادیث روایت کی ہیں، ان میں سے انہوں نے مؤطا میں دس ہزار لکھی ہیں۔ پھر وہ ان کو کتاب وسنت پر پیش کرتے تھے اور آثار واخبار سے اس کو ترجیح دیتے تھے۔ یہاں تک کہ وہ پانچ سو ہو گئیں۔ اور الکیا ہراسی نے اُصول کے اپنے حاشیہ میں لکھا ہے: بے شک مؤطا نو ہزار احادیث پر مشتمل تھی، پھر اس سے وہ کم کرتے رہے یہاں تک کہ سات سو احادیث رہ گئیں۔ ابوالحسن بن فھر نے فضائلِ مالکؒ میں عتیق بن یعقوب سے نقل کیا ہے، کہتے ہیں: امام مالکؒ نے مؤطا میں دس ہزار احادیث رکھی تھیں، پھر ہر سال اس میں غور کرتے رہے اور اس میں کمی کرتے رہے، یہاں تک کہ موجودہ حالت میں جو "مؤطا" ہے یہ رہ گئی۔۔۔۔"۔

3-اور ابن عبدالبرؒ نے عمر بن عبدالواحد جو امام اوزاعیؒ کے شاگرد ہیں، کی سند سے یہ بات ذکر کی ہے، وہ کہتے ہیں۔

"عرضنا على مالك الوطا فِي أَرْبَعِينَ يَوْمًا فَقَالَ كِتَابٌ أَلَّفْتُهُ فِي أَرْبَعِينَ سَنَةً أَخَذْتُمُوهُ فِي أَرْبَعِينَ يَوْمًا قَلَّمَا تَفْقَهُونَ فِيهِ"۔[31]

ترجمہ:۔"ہم نے امام مالکؒ کے سامنے چالیس دنوں میں مؤطا کو پیش کیا، تو آپ کہنے لگے: "مؤطا" ایسی کتاب ہے جو میں نے چالیس سال میں لکھی ہے اور آپ لوگوں نے اسے چالیس دِن میں حاصل کیا۔اِس میں کتنا کم ہے جو تُم لوگوں نے سمجھا ہے"۔

4-علامہ حافظ ابن حجرؒ نے "فتح الباری" کے مقدمۃ میں "مقدمۃ ابن الصلاح"[32] سے نقل کرتے ہوئے کہا ہے ۔" من شُيُوخه وكتاباهما أصح الْكتب بعد كتاب الله الْعَزِيز وَأما مَا روينَاهُ عَن الشَّافِعِي رَضِي الله عَنهُ أَنه قَالَ مَا أعلم فِي الأَرْض كتابا فِي الْعلم "۔[33]

ترجمہ:۔" ہم جو روایت امام شافعیؒ سے نقل کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا" أصح الكتب بعد كتاب الله مؤطا" یعنی میں نہیں جانتا کہ روئے زمین پر امام مالکؒ کی کتاب سے علم کے اعتبار سے کوئی صحیح کتاب ہو"۔

5-امام شافعیؒ نے ایک اور مقام پر لکھا ہے۔" وَمَا أَحَدٌ أَمَنَّ عَلَيَّ فِي دِينِ اللَّهِ مِنْ مَالِكِ بْنِ أَنَسٍ"۔[34]

ترجمہ:۔"مُجھ پر اللہ کے دین میں امام مالکؒ بن انس سے زیادہ احسان کرنے والا اور کوئی نہیں"۔

6- قاضی عیاضؒ نے نظم کی صورت میں "مؤطا" امام مالکؒ کی احادیث کا مقام اور صحت کے اعتبار سے اصح اور استدلال واستنباط کے لحاظ سے کچھ یوں بیان کیا ہے۔

إِذَا ذُكِرَتْ كُتُبُ الْعُلُومِ فَحَيْهَلَ
بِكُتُبِ الْمُوَطَّأِ مِنْ تَصَانِيفِ مَالِكِ
أَصَحُّ أَحَادِيثًا وَأَثْبَتُ حُجَّةً
وَأَوْضَحُهَا فِي الْفِقْهِ نَهْجًا لِسَالِكِ
عَلَيْهِ مَضَى الْإِجْمَاعُ مِنْ كُلِّ أُمَّةٍ
عَلَى رَغْمِ خَيْشُومِ الْحَسُودِ الْمُمَاحِكِ
فَعَنْهُ فَخُذْ عِلْمَ الدِّيَانَةِ خَالِصًا
وَمِنْهُ اسْتَفِدْ شَرْعَ النَّبِيِّ الْمُبَارَكِ
وَشُدَّ بِهِ كَفَّ الصِّيَانَةِ تَهْتَدِي
فَمَنْ حَادَ عَنْهُ هَالِكٌ فِي الْهَوَالِكِ۔ [35]

ترجمہ:۔"جب آپ علوم اسلامیہ کی طرف توجہ کریں تو سب سے پہلے امام مالکؒ کی "مؤطا" کو لیں۔ جس کی احادیث سب سے صحیح اور قاطع دلائل ہیں، اور واضح فقہی مسائل کا منبع ہیں۔

ہر تند خو حاسد کی ناک خاک آلود ہونے کے باوجود ہر زمانہ میں اس کی صحت و حجت پر اجماع رہا ہے۔

اس سے دین کا علم سیکھو اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی لائی ہوئی شریعت کے لئے اسی سے فائدہ اٹھاؤ۔

اور اسے محفوظ کرنے کے لیے مضبوطی سے تھام لیں تو ہدایت پاجاؤ گے۔

اور جس نے اس سے علیحدگی اختیار کی تو وہ ہلاکت گاہوں میں ہلاکت ہو جائے گا"۔

7-شاہ ولی اللہ دہلویؒ کے بارے میں تو پہلے گزر چکا ہے کہ وہ "مؤطا" کو اول درجہ میں رکھتے ہیں، چنانچہ آپؒ "المصفیٰ "میں فرماتے ہیں۔

"کہ بیقین معلوم شد کہ امروز ہیچ کتابی از کتبِ فقہ اقوی از مؤطا نیست"۔[36]

ترجمہ:۔مجھے یقین کے ساتھ معلوم ہوا کہ موجودہ زمانے میں فقہ کا کوئی بھی کتاب "مؤطا" سے زیادہ صحیح نہیں ہے۔

8-اسی طرح علامہ نواب صدیق حسن خان بھوپالی المعروف بہ امیر قنوجیؒ[37] نے اپنی کتاب "الحطہ" میں لکھا ہے۔
"وَقد ذكر فِي الْبُسْتَان تراجم رُوَاة الموطآت الْمَذْكُورَة مَعَ مَا يُنَاسِبهَا وَله رَحْمَة الله تَعَالَى ولوالده الشَّيْخ الْأَجَل ولي الله الْمُحدث الدهلوي إِلْمَام عَظِيم وَوَلِهَ فخيم بالموطأ وبالعمل عَلَيْهِ وبتقديمه على سَائِر كتب الحَدِيث حَتَّى الصَّحِيحَيْنِ فضلا عَن غَيرهمَا وَالْحق مَعَه رَضِي الله عَنهُ"۔[38]

ترجمہ:۔"شیخ عبدالعزیز دہلویؒ اور اُن کے والد شیخ الاجل ولی اللہ محدث دہلویؒ نے "مؤطا" پر بہت زیادہ توجہ دی ہے۔ان کے نزدیک اس کی بڑی عظمت ہے۔یہ حضرات اس پر عمل کرنے کی طرف متوجہ ہوئے۔وہ اِس کو تمام کتبِ حدیث پر ترجیح دیتے ہیں۔یہاں تک کہ صحیحین(صحیح بخاری اور صحیح مسلم) پر بھی اس کو ترجیح دیتے ہیں چہ جائیکہ دوسری حدیث کی کتابوں کو اس مقابلے پر شمار کیا جائے۔حق بات انہی حضرات کے ساتھ ہے۔اللہ تعالیٰ ان سے راضی ہو"۔

آپؒ مزید لکھتے ہیں۔
" قد أطبقوا على أَن أصح الْكتب بعد كتاب الله تَعَالَى صَحِيح البُخَارِيّ ثمَّ صَحِيح مُسلم ثمَّ الْمُوَطَّأ وَعند الْبَعْض الْمُوَطَّأ ثمَّ الصحيحان وَهُوَ الْأَصَح"۔[39]

ترجمہ:۔"محدثین کا اس بات پر اتفاق ہے کہ کتاب اللہ (قرآن حکیم) کے بعد سب سے صحیح ترین کتاب، صحیح بخاری، پھر صحیح مسلم اور پھر "مؤطا" ہے۔بعض کے نزدیک سب سے صحیح ترین کتاب "مؤطا" ہے، پھر صحیحین (یعنی صحیح بخاری اور صحیح مسلم) ہیں، اور یہی بات زیادہ صحیح ہے"۔

9-امیر قنوجیؒ (نواب صدیق حسن خان) اپنی دوسری کتاب "ابجدالعلوم" میں حضرت امام مالکؒ کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

"وكتابه الموطأ: في الطبقة الأولى من كتب الحديث عند المحققين وكان شارحه صاحب المصفى والمسوى شديد الاعتناء به حتى قال: إن المقصود في هذه الدورة العمل بالمو طأ وترك العمل بغيره من التفريعات والكتب.وهذا يدل على عظمة رتبة هذا التأليف".[40]

ترجمہ:۔ "محققین کے نزدیک امام مالکؒ کی کتاب "مؤطا" حدیث کی کتابوں کے طبقۂ اولیٰ میں شامل ہے،اس کے شارح "المصفیٰ" اور "المسویٰ" کے مصنف (شاہ ولی اللہ دہلویؒ) اس بات کو بڑے شدومد سے بیان کرتے ہیں حتیٰ کہ انہوں یہاں تک فرمایاہے کہ اس دور میں بنیادی مقصد تب حاصل ہوگا جب "مؤطا" پر عمل کیاجائے۔ "مؤطا" کو نظرانداز کرکے باقی کتب اور تفریعات (جزوی مسائل) پر عمل کرنا چھوڑ دیاجائے"۔

10-اسی لیے حضرت مولاناعبیداللہ سندھیؒ "التمهيد لتعريف ائمة التجديد" میں فرماتے ہیں۔

"میرا کہنا یہ ہے کہ "مؤطا" امام مالکؒ کو تمام کتبِ حدیث پر مقدم کرنے سے ولی اللّٰہی طریقۂ حدیث عام فقہاء اور محدثین سے جوہری طور پر مختلف ہو جاتاہے، جو آدمی اس حقیقت کو نہیں سمجھتا،اُس کے لئے یہ درست نہیں کہ وہ اپنے آپ کوامام ولی اللہ دہلویؒ کے متبعین میں شمار کرے"۔[41]

11-قاضی عیاضؒ نے "ترتيب المدارك" میں "مؤطا" امام مالک کی مدح اِن خوبصورت اشعار میں کی ہے۔

إذا ذكرت كتب العلم فخيرها كتاب الموطأ من تصانيف مالك

جب آپ اہلِ علم کی کتابوں کا تذکرہ کریں تواُن میں سب سے بہتر مؤطاہے جو کہ امام مالکؒ کی تصانیف میں سے ہے۔

أصح أحاديثاً وأثبت سنة وأوضحها في الفقه نهجاً لسالك

احادیث میں صحیح ترین اور سُنت کے اعتبار سے مضبوط اور علم فقہ پر چلنے والے کے لیے منہج کے اعتبار سے بالکل واضح ہے۔

أسانيد أمثال الرواسي صحيحة ورأي كأنوار النجوم الشوابك

اِس کی سندیں مضبوط پہاڑوں کی طرح درست ہیں،اوراِس کے عقلی دلائل چمکتے ستاروں کی روشنی کی مانند ہیں۔

هو الحجة الغراء والعصمة التي ينجي هداها من جميع المهالك

یہ روشن دلیل ہےاور وہ بچانے والاہے کہ اِس کی طرح رہنمائی تمام ہلاکتوں سے نجات دیتاہے۔

به يهتدى في كل أمر ويقتدى وفيه جلاء المشكلات الحوالك

ہر معاملہ میں مؤطاسے رہنمائی لی جاتی ہےاوراِس کی پیروی کی جاتی ہے اوراِس میں تاریک ترین اشکالات کی وضاحت ہے۔

عليه مضى الإجماع في كل أمة على رغم خشيوم الحسود المهالك

اِس کتاب پر ہر جماعت اور زمانہ میں اجماع چلاآرہاہے، اپنے آپ کو ہلاکتوں میں ڈالنے والے حاسد کی ناراضگی کے باوجود۔

وأول تصنيف تهذب فاغتدى يعلم كلاً نهج تلك المسالك

یہ پہلی تصنیف ہے جو صاف ستھری ہے، پس یہ ہو گیا ایسا کہ تمام مسالک کے لیے منہج جانا جاتا ہے۔

بتأليف أشكال وحسن عبارة   وإتقان ترتيت لتلك المدارك

مختلف شکلوں میں تالیف، اچھی عبارت اور تمام مآخذ کے لیے مضبوط ترتیب کے ساتھ۔

فجاءكما جاء الوشام منظماً   وخلص محض التبر تخليص سابك

پس یہ کتاب ایسی ہی آئی ہے جیسے وشام نے نظم میں بیان کیا، اور خالص سونے کی طرح کھوٹ سے صاف ہوئی قالب میں ڈھالنے والے کی صفائی کی وجہ سے۔

فعنه فخذ علم الديانة خالصاً   ومنه استفد علم النبي المبارك

پس دین کا علم خالص طور پر اِس سے لے لو، اور نبی ﷺ کے مبارک علم کا استفادہ بھی اِسی کتاب سے اَخذ کرو۔

وشد به كف الضنانة تحتوي   فمن حاد عنه هالك في المهالك۔ [42]

آپ کی بخیل مُٹھی جو اِس علم پر مشتمل ہو اُس کو مضبوط بند کر لو، جو مؤطا سے کجی اختیار کرے گا ہلاکتوں میں گر جائے گا۔

12- قاضی عیاضؒ نے "مؤطا" کی مدح کے بارے میں سعدون الورجيني کے اشعار بھی نقل کئے ہیں۔

أقول لمن يروي الحديث ويكتب   ويسلك سبيل الفقه فيه ويطلب

میں کہنا چاہتا ہوں ہر اُس شخص سے جو حدیث روایت کرنا یا لکھنا چاہتا ہو، یا فقہ کے راستے پر چلنا اور اُسے تلاش کرنا چاہتا ہو۔

إذا أحببت أن تدعى لدى الخلق علماً   فلا تعد ما تحوي من العلم يثرب

جب آپ پسند کریں کہ مخلوق میں آپ کو عالم کہہ کر بلایا جائے تو آپ تجاوز نہ کریں اُس علم سے جس کو یثرب (مدینہ) نے جمع کیا۔

أتترك داراً كان بين بيوتها   يروح ويغدو جبرئيل المغرب

کیا آپ اُس شہر کو چھوڑیں گے جس کے گھروں میں دور سے آنے والا جبرئیل علیہ السلام صبح و شام تشریف لاتے تھے؟

ومات رسول الله فيها وبعده   بسنته أصحابه قد تأدبوا

اور آپ ﷺ بھی اُسی شہر میں وفات پائے اور آپ ﷺ کے صحابہ نے آپ ﷺ ہی کی سنت سے آداب سیکھے۔

وفرق شمل العلم في تأليفهم   وكل امرىء منهم له فيه مذهب

اور متفرق تھا علم کا یہ مجموعہ اُن صحابہ کی تالیفات میں، اور اُن میں سے ہر ایک کا اُس کے بارے میں ایک مذہب تھا۔

فخلصه بالسبك للناس مالك   ومنه صحيح في المجس وأجدب

پس لوگوں کے لیے امام مالکؒ نے اچھی طرح قالب میں ڈھالتے ہوئے اُس علم کو متمیز کیا، اُس میں سے کچھ صحیح تھا تحقیق کے دوران اور کچھ بے آب و گیاہ میدان کی طرح۔

فأبرى بتصحيح الرواية داءه   وتصحيحها فيه دواء مجرب

پس ٹھیک کر دیا روایت کی تصحیح کرتے ہوئے اُس کی بیماری کو،اور یقیناً روایات کی تصحیح اُس کے لیے مُجرب دواء ہے۔

ولو لم يلح نور الموطأ لمن يرى　　　بليل عماه ما درى أين يذهب

اگر مؤطا(کتاب) کی روشنی دیکھنے والے کے لیے رات میں اس اندھیرے کو ظاہر نہ کرتی تواُس کو پتہ نہ چلتا کہ وہ کہاں جارہاہے۔

فبادر موطأ مالك قبل فوته　　　فما بعده إن مات للخلق مطلب

مؤطا مالک کو جلدی حاصل کرو اُس کے ہاتھ سے نکلنے سے پہلے، کیونکہ اگر وہ ہاتھ سے نکل گیاتو مخلوق کے لیے کوئی تلاش کی جگہ نہیں رہے گی۔

ودع للموطأ كل علم تريده　　　فأن الموطأ الشمس والغير كوكب

اور مؤطا کے لیے ہر اُس علم کو چھوڑ دو جس کا آپ نے ارادہ کیا ہے کیونکہ مؤطا سورج اور دیگر ستاروں کے مانند ہیں۔

هو الأصل طاب الفرع منه لطيبه　　　ولم لا يطيب الفرع فالأصل طيب

یہ جڑ ہے اور شاخوں میں عمدگی اس کی عمدگی کی وجہ سے ہے،اور شاخ عمدہ کیوں نہ ہو جب جڑ عمدہ ہے۔

هو العلم عند الله بعد كتابه　　　وفيه لسان الصدق بالحق معرب

اللہ کی کتاب کے بعد اللہ کے ہاں یہی اصل علم ہے اور اسی میں سچائی کی زبان حق کا اظہار کرنے والی ہے۔

لقد أعربت آثاره ببيانها　　　فليس لها في العالمين مكذب

تحقیق واضح ہو چکی ہے علم کے آثار بیان کرتے ہوئے، پس کوئی بھی مخلوقات میں سے اُس کو جھٹلانے والا نہیں۔

ومما به أهل الحجاز تفاخروا　　　بأن الموطأ في العراق محبب

جن باتون پر اہلِ حجاز فخر کرتے ہیں اُن میں سے ایک یہ ہے کہ مؤطا سے عراق میں بھی محبت کی جاتی ہے۔

ومن لم تكن كتب الموطأ ببيته　　　فذاك من التوفيق بيت مخيب

جِس کے گھر میں مؤطا کی کتاب نہ ہو، وہ گھر توفیقِ الٰہی پانے سے نامراد گھر ہے۔

فيعجب منه إذ علا في حياته　　　تعاليه من بعد المنية أعجب

عجیب بات یہ ہے کہ مؤطا مصنف کے زمانے میں ہی بلندیوں کو چھونے لگا،اور اُس کی وفات پانے کے بعد اس کا بلند رہنا اور بھی زیادہ تعجب خیز ہے۔

جزا الله عنا في الموطأ مالكاً　　　بأفضل ما يجزى اللبيب المهذب

امام مالکؒ کو اللہ ہماری طرف سے مؤطا کے بارے میں وہ بہترین بدلہ دے جو وہ کسی کو عقلمند اور مہذّب بنا دیتا ہے۔

لقد أحسن التحصيل في كل ما روى　　　كذا فعل من يخشى الأحد ويرهب

یقیناً اُس نے بہترین صفائی سے کام لیا ہے اپنی تمام مرویات میں،اور اسی طرح کرتا ہے ہر وہ شخص جو ایک اللہ سے ڈرتا ہے اور خوف کھاتا ہے۔

لقد فاق أهل العلم حياً وميتاً　　　فأضحت به الأمثال في الناس تضرب

یقیناً فوقیت لے گیا امام مالکؒ تمام علماء سے زندگی میں بھی اور مرنے کے بعد، پس لوگوں میں اُس کی مثالیں پیش کی جاتی ہیں۔

وما فاقهم إلا بتقوى وخشية		وإذ كان يرضى في الإله ويغضب

اُس نے صرف تقویٰ اور خشیتِ الٰہی کی وجہ سے فوقیت حاصل کی، اور اِس لیے بھی کہ اُس کی راضگی اور ناراضگی صرف اللہ کی خاطر ہوتیں۔

فلا زال يسقي قبره كل عارض		بمندفق ظلت غزاليه تسكب

ہر آنے والا بادل اُس کے قبر کو سیراب کرے، موسلادھار بارش کے ساتھ۔

وتسقي قبوراً حوله دون سقيه		فيصبح فيها بينها وهو معشب

اور اُس کو سیراب کرنے کے بعد اُس کے اِرد گرد کی قبروں کو سیراب کرے تاکہ یہ قبر سبزہ زار بن جائے۔

وما بي بخل أن تسقى كسقيه		ولكن حق العلم أولى وأوجب۔ [43]

مجھے اِس میں کوئی کنجوسی نہیں ہے کہ باقی قبروں کو اس قبر کی طرح سیراب کیا جائے لیکن علم کا حق زیادہ اور واجب ہے۔

13- اسی طرح قاضی عیاضؒ نے "ترتيب المدارك" میں "مؤطا" کی مدح کے بارے أبو الطاهر أحمد بن محمد الأصفهاني کے اشعار بھی نقل کئے ہیں۔

وأعم الكتب نفعاً للفقيه		موطأ مالك لا شك فيه

بے شک کسی بھی فقیہ کے عام اور نفع والی کتاب مؤطا امام مالک ہے۔

فلا تبدأ بشيء من سماع		سواه عن إمام ترتضيه

پس مؤطا کے علاوہ کسی اور کتاب کا سماع شروع مت کرنا اپنے پسندیدہ اُستاذ سے۔

وصاحب من يعظمه وجانب		كتاب جميع من قد يزدريه۔[44]

اُس کا شاگرد بن جا جو اِس کی تعظیم کرتا ہو، اور اُن کی کتابوں سے بچے رہنا جو مؤطا کو معیوب بتاتے ہیں۔

"مؤطا امام مالک" کے بارے میں امام شافعیؒ اور جمہور علماء کے اقوال میں دفعِ تعارض:۔

محدثین نے یہ لکھا ہے کہ امام شافعیؒ کے یہ اقوال کہ أصح من المؤطا، اُن کے یہ اقوال صحيح بخاری اور صحيح مسلم کی کتابوں کے لکھنے سے پہلے کے ہیں۔ چونکہ بعد میں لکھی جانے والی صحیح بخاری اخذ حدیث کے شرائط کے اعتبار سے "مؤطا" سے زیادہ صحیح اور سب سے زیادہ فوائد پر مشتمل ہے۔

اِس سے قبل امام شافعیؒ سے جو نقل کیا گیا کہ وہ أصح الكتب بعد كتاب الله مؤطا بتاتے ہیں اور یہ کہ جمہور محدثین کا قول یہ ہے کہ أصح الكتب كتاب البخاری پھر اِس کے بعد صحيح مسلم، یہ ایک تعارض کا توہم پیدا کر رہا ہے۔ جمہور محدثین یہ بھی کہتے ہیں کہ أصح ہونے کی حیثیت سے احادیث کا اعلیٰ درجہ وہ ہے

جس پر بخاری ومسلم دونوں کا اتفاق ہو ، پھر جو بخاری منفرداًاس کو لائے، پھر وہ جو مسلم منفرداًاس کو لائے، پھر جو دونوں کی شرائط پر ہو، پھر جو بخاری کی شرط پر ہو، پھر جو مسلم کی شرط پر ہو اور پھر حسبِ مراتب دیگر صحاح کا درجہ ہے۔ ان میں سے بعض وہ ہیں جو صحیح مسلم کو صحیح بخاری پر فضیلت دیتے ہیں۔ اگر ان کی مراد من حيث الأصحية ہو تو غلط ہے اور اگر اور وجہ سے وہ اس کی افضیلت کے قائل ہو تو وہ بحث سے خارج بات ہے،اور ابنِ ہمام نے ہداية کے حاشیہ "فتح القدير" میں اسی مقام کی مناسبت سے کلام کیا ہے لیکن بڑے علماء کے ہاں دقتِ نظر کے بعد وہ مدفوع ہے اور اس کی تفصیل "شروح الفية" اور "شروح شرح النخبة" اور "دراسات اللبيب فى الأسوة الحسنة بالحبيب" میں مذکور ہے،اور اِس تعارض کا جواب سخاوی کی "فتح المغيث شرح الفية الحديث" [45]،اور علامہ سیوطیؒ کی "تدريب الراوى شرح تقريب للنواوى" وغیرہ میں ہے کہ امام شافعیؒ کا یہ قول اس وقت کا ہے جب صحيح بخارى اور صحيح مسلم ابھی نہیں لکھے گئے تھے۔[46]

اور حافظ ابنِ حجرؒ نے یہ بھی کہا ہے کہ بعض آئمہ نے بخاری کو " مؤطا" مالک پر ترجیح/فوقیت دینے پر اشکال کیا ہے کیونکہ صحت کی شرائط اور پختگی اور مبالغہ میں دونوں مشترک ہیں،اور بخاری کی احادیث کا زیادہ ذکر کرنے سے صحیح ہونے میں افضیلت ثابت نہیں ہوتی۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ بے شک یہ بات صحت کی شرائط پر محمول ہے کیونکہ امام مالکؒ اسناد میں انقطاع کو عیب نہیں سمجھتے، اسی لئے مراسیل، منقطعات اور بلاغات کو روایت کرتے ہیں۔ جب کہ امام بخاریؒ انقطاع کو عیب شمار کرتے ہیں۔ پس وہ ان کی تخریج کتاب کے اصل موضوع سے تخریج نہیں کرتے، ہاں البتہ اپنی کتاب کے موضوع کے غیر اصل سے تخریج کرتے ہیں جیسے تعلیقات (حواشی) اور تراجم وغیرہ۔ اور اس میں شک نہیں کہ منقطع اگرچہ بعض لوگوں کے ہاں اِن میں سے ہے جس سے دلیل اَخذ کی جاسکتی ہے۔ پس متصل اس سے زیادہ قوی ہے جب عدالت اور حفظ میں ان دونوں کے راوی شریک ہوں، پس اِس سے بخاری کی فضیلت واضح ہوئی۔ اور جان لے امام شافعیؒ نے " مؤطا" پر صحت کی فضیلت کا اطلاق اُن کے زمانے میں موجود جوامع کی نسبت سے کیا ہے۔ جیسے جامع سفیان ثوریؒ، مصنف حماد بن سلمة وغیرہ اور صحیح بخاری کا مؤطّا پر فضیلت بغیر کسی اختلاف کے مسلم ہے۔

حافظ ابن حجرؒ کہتے ہیں۔ ان کے نزدیک امام مالکؒ کی کتاب صحیح ہے اور ان لوگوں کے نزدیک جو ان کی تقلید کرتے ہیں اس بناء پر جو انہوں نے مرسل اور منقطع وغیرہ سے احتجاج کو اپنی فکر کا تقاضا قرار دیا ہے اصل میں جو اِس میں مرسل روایتیں ہیں پس یہ ان کے نزدیک حجت ہیں بلا کسی شرط کے،اور ان آئمہ کے نزدیک جو احتجاج بالمرسل میں ان کی موافقت کرتے ہیں۔ پس وہ بھی ہمارے نزدیک حجت ہیں۔ جب اس کو قوت دی جائے (یعنی اس کا مؤید موجود ہو) اور "مؤطا" میں کوئی ایسی مرسل نہیں ہے جس کو ایک یا زیادہ قوت دینے والی روایات نہ ہوں۔ تو حقیقت یہ ہے

کہ موطّأساری کی ساری صحیح ہے۔اس سے کوئی چیز مستثنیٰ نہیں ہے یہ اطلاق بالکل درست ہے اور ابن عبد البر نے ایک کتاب لکھی ہے جس میں انہوں نے "مؤطا" کے مراسیل، منقطع اور معضل کو متصل ذکر کیا ہے، اور تمام وہ جو امام مالکؒ بلغنی کے قول سے ذکر کرتے ہیں یا اُن کا یہ قول عن الثقفة عنده، جس کی انہوں نے سند ذکر نہیں کی ہے، اور وہ 16 احادیث ہیں، مگر وہ سب کی سب امام مالکؒ کے طریق کے علاوہ مسند ہیں، سوائے چار کے، جن کی سند معلوم نہیں ہو سکی۔

ان میں سے۔ایک حدیث "إنِّي لأَنسى أَو أُنَسَّى لأَسُنَّ" ہے۔

دوسرا یہ کہ "نبی ﷺ نے اس سے قبل لوگوں کی عمروں کو دیکھا تو گویا آپ ﷺ کو اپنی امت کی عمریں کم (کوتاہ) معلوم ہوئیں، پس وہ اتنا عمل نہیں کر سکیں گے جیسے پہلی امتوں والے طویل عمر کی وجہ سے کرتے تھے، یعنی ان کو عمل کا موقعہ زیادہ ملا تھا، تو ان کے اعمال اور اس کے اَجر بھی زیادہ ہوں گے، جب کہ میری امت کی عمریں کم ہیں تو عمل اور اس کا اَجر بھی کم ملے گا۔ تو اللہ تعالیٰ نے اس امت کو لیلۃ القدر عطا کر دی" (وہ ایک رات جس میں عمل کا اَجر ہزاروں مہینوں کے عمل کے اَجر سے زیادہ ہے)۔

اور تیسرا قول حضرت معاذؓ کا ہے۔"آخری بات جو مجھے رسول اللہ ﷺ نے وصیت فرمائی اور میں نے اپنے دونوں پاؤں پائیدان میں رکھے تھے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: لوگوں کے لئے اپنے اخلاق کو اچھا بناؤ"۔

اور چوتھا یہ ہے " إذا أنشأت بحرية ثم تشاءمت فتلك عين غديقة"۔

علامہ ذہبیؒ "سیر النبلاء" میں علامہ ابن حزم شیخ ابو محمد علی بن احمد بن سعید بن حزم بن غالب بن صالح (جو کہ ابن حزم ظاہری اندلسی قرطبیؒ 456ھ کے نام سے مشہور ہیں) کے مناقب و نقائص ذکر کرنے کے بعد کہتے ہیں۔

"وَلِي أَنَا مَيْلٌ إِلَى أَبِي مُحَمَّدٍ لمَحَبَّته فِي الحَدِيْثِ الصَّحِيْح، وَمَعْرِفَتِهِ بِهِ،وَإِنْ كُنْتُ لاَأُوَافِقُهُ فِي كَثِيْرٍ مِمَّا يَقولُهُ فِي الرِّجَالِ وَالعلل، وَالمَسَائِلِ البَشِعَةِ فِي الأُصُوْلِ وَالفروع، وَأَقطعُ بخطَئِهِ فِي غَيْرِ مَا مَسْأَلَةٍ، وَلَكِن لاَ أُكَفِّره، وَلاَ أُضَلِّلُهُ، وَأَرْجُو لَهُ العفوَ وَالمُسَامحَةَ وَللمُسْلِمِيْنَ.وَأَخضعُ لِفَرْطِ ذكَائِهِ وَسَعَة علُوْمِهِ،وَرَأَيْتهُ قَدْ ذَكَرَ قَوْل مَنْ يَقُوْلُ:أَجَلُّ المُصَنَّفَاتِ (المُوَطَّأ) .

فَقَالَ:بَلْ أَوْلَى الكُتُب بِالتَّعْظِيْم (صَحيحَا)البُخَارِيّ وَمُسْلِم،وَ(صَحِيْح ابْن السَّكَن)،وَ (مُنتقَى ابْن الجَارُوْدِ) ، وَ (المنتقَى) لقَاسِمِ بن أَصْبَغ، ثُمَّ بَعْدَهَا كِتَاب أَبِي دَاوُدَ، وَكِتَاب النَّسَائِيّ، وَ (المصَنّف) لقَاسِمِ بن أَصْبَغ) ، (مصَنّف أَبِي جَعْفَرٍ الطَّحَاوِيّ) .

قُلْتُ: مَا ذكر (سُنَن ابْنِ مَاجَه) ، وَلاَ (جَامِع أَبِي عِيْسَى) ؛فَإِنَّهُ مَا رَآهُمَا، وَلاَ أُدخِلا إِلَى الأَنْدَلُسِ إِلاَّ بَعْدَ مَوْتِهِ.

ثُمَّ قَالَ:وَ (مُسْنَد البَزَّار) ، وَ (مُسْنَد ابْنَي أَبِي شَيْبَةَ)،وَ (مُسْنَد أَحْمَد بن حَنْبَلٍ) ، وَ (مُسْنَد إِسْحَاق) ، وَ (مُسْنَد) الطَّيَالِسِيّ، وَ (مُسْنَد) الحَسَن بن سُفْيَانَ، وَ (مُسْنَد ابْن

سَنْجَر) ، وَ (مُسْنَد عَبْد اللهِ بن مُحَمَّدٍ) المُسْنَدِي، وَ (مُسْنَد يَعْقُوْب بن شَيْبَةَ) ، وَ (مُسْنَد عَلِيّ بن المَدِيْنِيِّ) ، وَ (مُسْنَد ابْن أَبِي غَرَزَةَ) .

وَمَا جرَى مجرَى هَذِهِ الكُتُب الَّتِي أُفْرِدَتْ لِكَلاَمِ رَسُوْل اللهِ - صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ - صِرْفاً، ثُمَّ الكُتُب الَّتِي فِيْهَا كلامُهُ وَكَلاَمُ غَيْره مِثْل (مصنّف عَبْد الرَّزَّاقِ) ، وَ (مُصَنَّف أَبِي بَكْرِ بنِ أَبِي شَيْبَةَ) ، وَ (مُصَنَّف بَقِيَ بن مَخْلَدٍ) ، وَكِتَاب مُحَمَّد بن نَصْرٍ المَرْوَزِيّ، وَكِتَاب ابْن المُنْذِرِ الأَكْبَر وَالأَصْغَر، ثُمَّ (مُصَنَّف حَمَّاد بن سَلَمَةَ) ، و (مُوَطَّأ مَالِك بن أَنَسٍ) ، وَ (موطَّأ ابْن أَبِي ذِئْبٍ) ، وَ (مُوَطَّأ ابْن وَهْبٍ) ، وَ (مُصَنَّف وَكِيْع) ، وَ (مُصَنَّف مُحَمَّد بن يُوْسُفَ الفِرْيَابِيّ) ، وَ (مُصَنَّف سَعِيْد بن مَنْصُوْرٍ) ، وَ (مَسَائِل أَحْمَد بن حَنْبَلٍ) ، وَفقه أَبِي عُبَيْدٍ، وَفقه أَبِي ثَوْر.

قُلْتُ:مَا أَنْصَفَ ابْنُ حَزْمٍ؛ بَلْ رُتْبَة (المُوَطَّأ) أَنْ يُذكر تِلْوَ (الصَّحِيْحَيْنِ) مَعَ (سُنَن أَبِي دَاوُدَ وَالنَّسَائِيّ) ، لَكنَّه تَأَدَّبَ، وَقَدَّمَ المُسْنَدَات النّبويَّة الصِّرْف، وَإِنَّ (لِلموطَّأ) لَوَقْعاً فِي النُّفُوْسِ، وَمَهَابَةً فِي القُلوب لاَ يُوَازِنهَا شَيْءٌ"۔[47]

ترجمہ:۔"میں ابو محمد کی طرف ان کی صحیح حدیث سے محبت کی وجہ سے میلان رکھتا ہوں اور ان کو جو صحیح حدیث کی معرفت حاصل ہے اس وجہ سے۔اگرچہ ان کے ساتھ ان کے بہت سے اقوال میں جو انہوں نے رجال کے بارے میں، علل کے بارے میں اور اصول و فروع میں اسی نے جو ناپسندیدہ مسائل ذکر کئے ہیں، میں متفق نہیں ہوں اور کئی مسائل میں ان کی خطاء کا یقین رکھتا ہوں، لیکن نہ تو میں ان کی تکفیر کرتا ہوں اور نہ تضلیل،اور اس کے لئے عفو اور چشم پوشی کی امید رکھتا ہوں،اور ان کے ذہن کی تیزی اور علم کی وسعت کے سامنے جھکتا ہوں،اور میں نے دیکھا ہے ذکر اس کے قول کا جو وہ کہتا ہے کہ تمام تصانیف میں سے قابل قدر موطّأ ہے۔

پس وہ کہتا ہے کہ سب سے زیادہ قابل تعظیم صحیح بخاری اور صحیح مسلم ہیں اور صحیح ابن السکن اور منتقی لابن جارود اور المنتقی لقاسم بن اصبح، پھر اس کے بعد کتاب ابو داؤد، کتاب النسائی اور مصنف قاسم بن اصبغ،اور مصنف ابی جعفر طحاوی ہے۔میں کہتا ہوں:اس نے سنن ابن ماجہ اور جامع ابی عیسیٰ الترمذی کا ذکر نہیں کیا ہے کیوں کہ آپ نے ان کو دیکھا نہیں تھا اور یہ کتابیں آپ کی وفات کے بعد اندلس پہنچی تھیں۔

اور آپ نے کہا ہے کہ مسند بزار اور مسند بن ابی شیبہ اور مسند احمد بن حنبل اور مسند اسحٰق اور مسند طیالسي اور مسند الحسن بن سفیان اور مسند ابن سنجر اور مسند عبداللہ بن محمد المسندي اور مسند یعقوب بن شیبۃ اور مسند علي بن مدینی. اور مسند ابن أبي غرزۃ اور وہ کتب جو صرف رسول اللہ ﷺ کے کلام کو نقل کرنے میں ان کے قائم مقام ہیں۔

پھر وہ کتابیں جن میں رسول اللہ ﷺ کا کلام بھی ہو اور دوسروں کا بھی جیسے مصنف عبدالرزاق اور مصنف أبي بکر بن أبي شیبۃ اور مصنف بقیّ بن مخلد اور کتاب محمد بن نصر مروزي اور کتاب ابن المنذر الأکبر والأصغر پھر مصنف حماد بن سلمۃ اور موطّأ مالک بن أنس اور موطّأ ابن أبي ذئب اور موطّأ ابن وہب اور مصنف وکیع اور مصنف محمد بن یوسف فریابي اور مصنف سعید بن منصور اور مسائل أحمد اور فقہ أبي عبید اور فقہ أبي ثور۔

میرے نزدیک: علامہ ابن حزمؒ نے انصاف نہیں کیا ہے بلکہ موطّا کا رتبہ یہ ہے کہ اس کو صحیحین کے بعد سنن ابو داؤد اور نسائی کے ساتھ ذکر کیا جاتا، لیکن آپ نے ادب کو ملحوظ رکھتے ہوئے مسنداتِ نبویہ کو مقدم رکھا اور بے شک مؤطا کی لوگوں میں بہت عزت اور قلوب میں بہت عظمت ہے کہ اس کے ساتھ کسی دوسری کتاب کو کوئی برابر نہیں کر سکتا"۔

فصلِ ہشتم

"مؤطا" امام مالک کے فضائل

"مؤطا" امام مالک کے فضائل:۔

"مؤطا" کی سب سے بڑی فضیلت یہ ہے کہ "مؤطا" کی اکثر سندوں پر محدثین نے اَصَحّ الاسانید ہونے کا حکم لگایا ہے، اگرچہ محدثین کا اس بات میں اختلاف ہے کہ اَصَحّ الاسانید کونسی سندیں ہیں؟

بعض نے کہا ہے، اَصَحّ الاسانید وہ ہیں جو محمد بن مسلم بن عبداللہ بن شہاب زہری نے سالم بن عبداللہ اور انہوں نے اپنے باپ عبداللہ بن عمر سے روایت کی ہے اور یہ مذہب ہے امام احمد بن حنبلؒ اور اسحاق بن راھویہ کا، اور اس پر ابن صلاح نے تصریح کی ہے۔

اور بعض نے کہا ہے کہ اس میں اَصَح ترین روایات محمد بن سیرین کی ہیں جو وہ روایت کرتے ہیں عبیدۃ بن عمرو سلمانی اور وہ حضرت علی رضی اللہ عنہ بن ابی طالب سے اور یہ قول ہے علی بن مدینی اور عمرو بن علی فلاس کا۔

اور بعض نے ابراھیم نخعیؒ کی روایات جب وہ علقمہؒ سے اور وہ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں اَصَح روایات قرار دی ہیں اور یہ قول ہے یحیی بن معین اور نسائی کا ہے۔

اور بعض نے زہری کی روایات کو اَصَح قرار دیا ہے جو وہ زین العابدین علی بن حسین بن علی سے اور وہ اپنے والد حسین بن علی بن ابی طالب سے اور وہ علی بن ابی طالب (رضی اللہ عنھم) سے روایت کرتے ہیں اور اس کو بیان کیا ہے ابن صلاح نے ابو بکر بن شیبہ سے اور عراقی نے عبدالرزاق سے۔

اور امام بخاریؒ کے قول کے بارے میں شاہ ولی اللہ دہلویؒ نے "المصفیٰ" میں لکھا ہے۔

"وقال البخاری:أصح الاسانيد مالک عن نافع عن ابن عمر"۔[48]

ترجمہ:۔امام بخاریؒ نے فرمایا ہے: امام مالکؒ کا سب سے اَصَح ترین سند عن نافع عن ابن عمر کا ہے۔

اور اسی سے عراقی نے اپنا کلام شروع کیا ہے، اور یہ ایسا امر ہے کہ اس کی طرف نفوس میلان رکھتے ہیں، اور قلوب اس کی طرف کھنچتے ہیں اور اسی پر بناء کرتے ہوئے ابو منصور عبدالقاہر تمیمی بغدادی نے کہا ہے: سب سے اَجَل الاسانید شافعی عن مالک عن نافع عن ابن عمر ہے کیونکہ امام مالکؒ کے راویوں میں سے شافعیؒ سے بڑھ کر کوئی بزرگ نہیں ہیں۔

اور اسی پر بعض نے بناء کرتے ہوئے کہا ہے: ان میں سب سے اجل سند احمد بن حنبل عن الشافعی عن مالک عن نافع عن ابن عمر ہے کیونکہ امام احمدؒ ان سب راویوں میں سب سے اَجَل ہے جو امام شافعیؒ سے روایت کرتے ہیں اور اس کو سلسلۃ الذھب کہتے ہیں۔

اور ابو منصور تمیمی کے امام شافعیؒ کو ذکر کرنے پر حافظ مغلطائی نے ان کی پکڑ کی ہے (وہ اِس طور پر کہ) اس سے بڑھ کر روایت اَبِی حنیفۃ عن مالک ہے (اگرچہ اس بات میں اختلاف ہے) اگر جلالۃ شان کو دیکھا جائے، اور اگر پختگی کو دیکھیں تو پھر ابنِ وہب اور قعنبی کی روایت (بڑھ کر ہے) اگر ہم اِلا تقان کو نظر میں رکھیں۔

اور بلقینی نے "محاسن الاصلاح" میں کہا ہے۔ اگر امام ابو حنیفہؒ نے امام مالکؒ سے روایت کی ہو جیسے دار قطنی نے اس کو ذکر کیا ہے لیکن ان کی روایت کو امام مالکؒ سے شہرت نہیں مل سکی ہے جیسی شہرت امام شافعیؒ کی روایت کو ملی ہے۔[49]

اور العراقی نے کہا ہے۔ امام ابو حنیفہؒ کا مالک سے روایت کرنا جو کہ دار قطنی نے اپنی غرائب میں ذکر کیا ہے یہ نافع عن ابن عمر کی روایت سے نہیں ہے جب کہ مسئلہ اس صورت میں مفروضہ ہے ہاں خطیب بغدادی نے ایک حدیث ایسی امام مالکؒ کے راویوں سے ذکر کی ہے۔

اور حافظ ابن حجرؒ کہتے ہیں۔ امام ابو حنیفہؒ کے بارے میں اعتراض کرنا اچھا نہیں ہے کیونکہ امام ابو حنیفہؒ کی روایت امام مالکؒ سے ثابت نہیں ہے اور جہاں دارِ قطنی اور خطیب کی دو روایات کی بات ہے جو ان سے دو روایتوں سے واقع ہوئی ہے اِس میں کلام ہے اور اسی طرح امام ابو حنیفہؒ کی روایت امام مالکؒ سے یہ ان میں مذاکرہ کی صورت میں ذکر ہوا ہے، اس سے روایت کے قصد سے نہیں جیسے امام شافعیؒ ہیں جو امام مالکؒ کے ساتھ مدتِ طویلہ تک رہے اور اس نے "مؤطا" بنفسہ امام مالکؒ کو سنایا ہے، اور جہاں تک ابن وھب اور قعنبی کی بات پر اعتراض کی بات ہے تو اِس میں کوئی شک نہیں کہ امام شافعیؒ اُن سے زیادہ بڑے عالم ہیں اور کئی لوگوں نے کہا ہے کہ ابن وھب اچھی طرح حاصل کرنے والے نہ تھے تو وہ اہل حدیث سے صحتِ نقل کی طرف محتاج ہے، کہ وہ امام مالکؒ سے اتقن الروایۃ ہے، ہاں! کیونکہ وہ امام مالکؒ کے ساتھ زیادہ رہنے والے تھے۔

اور بعض حضرات نے کہا ہے۔ "مؤطا" میں صحیح ترین سند شعبۃ عن قتادۃ عن سعید بن المسیب یعنی اُن کے اپنے شیوخ سے ہے۔

اور کسی نے کہا ہے۔ "مؤطا" میں صحیح ترین سند عبد الرحمٰن بن قاسم عن ابیہ عن عائشہ ہے اور اس کو ذکر کیا ہے خطیب نے ابن معین سے۔

اور سلیمان بن داؤد شاذ کوفی کہتے ہیں۔ "مؤطا" میں صحیح ترین سند یحیی بن ابی کثیر عن ابی سلمۃ عن ابی ھریرۃؓ ہے۔ اور بعض کے ہاں ایوب عن نافع عن ابن عمر صحیح ترین سند ہے اور اس کو روایت کیا ہے خلف بن ھشام البزار نے احمد سے۔

اور بعض نے کہا ہے کہ شعبہ عن عمرو بن مرۃ عن مرۃ عن ابی موسیٰ اشعری کی سند اصح الاسانید ہے اس کو خطیب نے وکیع سے نقل کیا ہے۔

اور ابن مبارک اور عجلی نے کہا ہے کہ سفیان الثوری عن منصور عن ابراھیم عن علقمہ عن عبد اللہ بن مسعود صحیح ترین سند ہے۔ یہ تمام بحث علامہ سیوطیؒ نے "تدریب سیوطیؒ" اور ملا اکرم السندی نے "شرح شرح نخبۃ الفکر" میں تفصیلاً ذکر کیا ہے۔

"مؤطا" کی ایک بڑی فضیلت محدثین یہ بھی بیان کرتے ہیں کہ امام مالکؒ نے مدینہ کے لوگوں کو حضور نبی کریم ﷺ کے ارشادات اور احکامات پر عمل کرتے ہوئے دیکھا اور اُسی کو آپؒ نے "مؤطا" میں مدون کیا۔

اہلِ مدینہ کا عمل (تعاملِ اہلِ مدینہ):۔

حضرت امام مالکؒ جب "مؤطا" کو مرتب کر رہے تھے تو اُس وقت آپ کے سامنے وقت مدینہ منورہ کے اسلامی ریاست کا دستور و آئین عملی شکل میں موجود تھا، فتویٰ دینے میں یا استنباطِ مسئلہ میں حضرت امام مالکؒ سب سے پہلے قرآن پر اعتماد کرتے تھے پھر حدیثِ رسول اللہ ﷺ کی طرف رجوع کیا کرتے تھے، اور پھر تیسرے نمبر پر صحابہ کرام رضی اللہ عنہ اور تابعین کے تعامل کی طرف رجوع کرتے تھے۔ اور اِس معاملہ میں سارا دار و مدار علماءِ حجاز میں کبار تابعین محدثین پر کرتے ہیں، یعنی آپؒ اہلِ مدینہ کی روایات۔ اُن کے احکام و قضایا کو قابلِ عمل قرار دیتے ہیں۔ دیگر شہروں کی روایات کو آپؒ اِس لیے ترک کر دیا کرتے کہ ان کے راوی میرے شہر کے نہیں ہیں۔ مزید بر آں یہ کہ مدینہ والوں کا اُس روایت پر عمل بھی نہیں ہوتا تھا۔ لیکن اگر کسی مسئلہ کا جواب قرآن، وحدیث یا صحابہ کرام رضی اللہ عنہ کے طرزِ عمل سے نہ ملتا تو پھر قیاس یا ایک نئی دلیل یعنی مصالحِ مرسلہ کے ذریعے اجتہاد کرتے تھے۔ جس کا مطلب ہے مصلحت عامہ کا تقاضا۔

آپؒ سے پوچھا گیا کہ آپ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ کی روایات کیوں ذکر نہیں کیں، تو آپؒ نے جواب دیا: لَمْ یَکُونَا مِنْ بَلَدِیْ۔ یہ دونوں میرے شہر (مدینہ) میں نہیں تھے۔

الغرض آپؒ نے مدینہ منورہ میں سب سے پہلی قائم شدہ اسلامی ریاست کے عملی دستور و آئین کو مرتب کرنے کو ترجیح دی، بجائے کوفہ، بصرہ اور دمشق کے اسلامی نظام کے عملی شکل کو مدون کرنا"۔[50]

فصلِ نہم

"مؤطا "امام مالک میں کل احادیث وروایات کی تعداد

"مؤطا "امام مالک میں کل احادیث وروایات کی تعداد:۔

امام مالکؒ نے شروع میں تقریباً ایک لاکھ کے قریب احادیث کو جمع کیا، پھر اِن مسلسل غور خوض کرتے رہے حتیٰ کہ دس ہزار احادیث کو منتخب کر کے "مؤطا" کی شکل میں مدون کیا، اور پھر ہر سال اِن میں مزید غور کرتے ہوئے کم کرتے رہے حتیٰ کہ موجودہ مجموعہ باقی رہا۔

شاہ ولی اللہ دہلویؒ کا بھی یہی مؤقف ہے، آپؒ "المصفیٰ" میں لکھتے ہیں۔

"وامام مالک در مؤطا قریب ده ہزارحدیث جمع کرده بود،بعدازان روز بروز نظر میکند،وآنرا کم میساخت، تااین قدر باقی ماند"۔[51]

ترجمہ:۔اور امام مالکؒ نے "مؤطا" میں دس ہزار کے قریب احادیث جمع کئے، پھر دن بدن اُن احادیث میں غور کرتے رہے، حتیٰ کہ ہو کر اِس قدر رہ گئے۔شاہ صاحبؒ مزید فرماتے ہیں۔

"ابوبکر ابہری گفتہ:جملہ آنچہ درمؤطاموجوداست،ازآنحضرتﷺوصحابہ و تابعین ہزاروہفت صدوبیست حدیث ست(1720)،مسندآزان جملہ شش صدحدیث (600)،ومرسل دوصدوبیست ودو (222)،وموقوف شش صد وسیزده(613)،وازقول تابعین دوصدوہفتادوپنج (275) "۔[52]

ترجمہ:۔ابو بکر ابہری نے فرمایا ہے: کہ "مؤطا" میں موجود احادیثِ نبوی ﷺ اور آثارِ صحابہ رضی اللہ عنہ وتابعینؒ کی تعداد 1720 ہے، اِن میں مُسند کی توداد 600 ہیں، مرسل کی تعداد 222 ہیں، موقوف کی تعداد 613 ہیں، اور تابعینؒ کے قوال 275 ہیں"۔

شیخ الحدیث مولانا زکریاؒ نے بھی "اوجز المسالک" میں تقریباً اسی کو ذکر کیا ہے۔جس کو لکھنویؒ نے تفصیل کے ساتھ "التعلیق الممجد علیٰ مؤطاامام محمد"میں بیان کیا ہے۔" جملة ما في الموطّأ من الآثار، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ،وَعَنْ الصحابة والتابعين ألف وسبع مائة وعشرون حديثاًو المسند منها ستمائة حديث،والمرسل مائتان واثنان وعشرون،والموقوف ستمائة وثلاثة عشر،ومن قول التابعين مائتان وخمسة وثمانون"۔[53]

ترجمہ:۔ تمام وہ آثار جو نبی ﷺ صحابہ اور تابعین سے "مؤطا" میں میں منقول ہیں، کل 1720 احادیث ہیں۔ جن میں

مسند و مرفوع[54] احادیث 600، مرسل[55] احادیث 200، موقوف[56] احادیث 613، اور تابعین کے آثار و اقوال و فتاویٰ کی روایات 285 ہیں۔

اسی طرح علامہ زرقانیؒ نے اپنی شرح "شرح الزرقانی علی مؤطاامام مالکؒ" میں علامہ الاٰبہری ابو بکر کا قول بھی نقل کیا ہے۔

" وَقَالَ أَبُو بَكْرٍ الْأَبْهَرِيُّ: جُمْلَةُ مَا فِي الْمُوَطَّأِ مِنَ الْآثَارِ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَعَنِ الصَّحَابَةِ وَالتَّابِعِينَ أَلْفٌ وَسَبْعُمِائَةٍ وَعِشْرُونَ حَدِيثًا، الْمُسْنَدُ مِنْهَا سِتُّمِائَةِ حَدِيثٍ، وَالْمُرْسَلُ مِائَتَانِ وَاثْنَانِ وَعِشْرُونَ حَدِيثًا، وَالْمَوْقُوفُ سِتُّمِائَةٍ وَثَلَاثَةَ عَشَرَ. وَمِنْ قَوْلِ التَّابِعِينَ مِائَتَانِ وَخَمْسَةٌ وَثَمَانُونَ۔[57]

ترجمہ: تمام وہ آثار جو نبی ﷺ صحابہ اور تابعین سے مؤطا میں منقول ہیں ان کی تعداد 1720 ہے۔اِن میں سے مُسنَد 600 ہیں، مرسل 222، موقوف 613، اور تابعین کے اقوال میں سے 285 ہیں"۔

علامہ ابن حزمؒ نے کتاب "مراتب الد یانۃ" میں فرمایا ہے: جو کچھ "موطا مالک" میں ہے اُس کو شمار کیا تو میں نے اِس میں مسند 500 اور کچھ اُوپر، اور 300 سے کچھ اُوپر مرسل، اور 70 سے کچھ اُوپر احادیث جن پر امام مالکؒ نے عمل کرنا چھوڑ دیا ہے اور اِس میں ضعیف احادیث بھی ہیں جن کو جمہور علماء نے ضعیف قرار دیا ہے۔اِسی طرح علامہ سیوطیؒ نے کہا ہے۔

"قلت: مراده بالضعف الضعف اليسير كما يعلم مما قد مر، وليس فيه حديث ساقط ولا موضوع كما لا يخفى على الماهر"۔

ترجمہ:۔"میں کہتا ہوں، ضعیف سے مراد یہاں وہ ہیں جن میں ضعف کم ہو، جیسا کہ آپ جانتے ہیں جو اِس سے پہلے گزر چکا ہے، اور اِس میں نہ کوئی ساقط حدیث ہے اور نہ موضوع، جیسا کہ کسی ماہر پر بھی یہ بات پوشیدہ نہیں ہے"۔

فصلِ دہم
"مؤطا" امام مالکؒ کے نسخے

"مؤطا" امام مالکؒ کے نسخے:۔

"مؤطاامام مالک" کے نسخوں کی تعداد کے بارے میں اختلاف ہے۔ مختلف ممالک اور علاقوں میں امام صاحبؒ کے مختلف شاگردوں کے نسخے پائے جاتے ہیں۔ شاہ ولی اللہ دہلویؒ کے بیٹے شاہ عبدالعزیز دہلویؒ نے اپنی کتاب "بستان المحدثین"، (جوکہ فارسی زبان میں لکھی گئی ہے) میں "مؤطّا" کے اَحوال، اس کے مؤلف کے حالات، اور اس کے نسخوں کے اختلاف، کو بڑی تفصیل کے ساتھ لکھا ہے۔ شاہ عبدالعزیزؒ نے لکھا ہے کہ امام مالکؒ کے زمانے میں تقریباً ایک ہزار لوگوں نے آپؒ سے "مؤطا" کو سُن کر جمع کیا، چنانچہ اِس کے بہت سے نسخے پائے جاتے ہیں، بے شک موجودہ دور میں "مؤطّا" کے جو نسخے دیارِ عرب میں پائے جاتے ہیں، یہ نسخے متعدد ہیں، اِن میں مندرجہ ذیل سولہ/16 نسخے دستیاب اور زیادہ مشہور ہیں[58]۔ اور اسی کو مولانا عبدالحیٔ لکھنویؒ نے "التعلیق الممجد" میں لکھا ہے[59]۔

1۔ پہلانسخہ:۔ پہلا نسخہ جو ہمارے شہروں میں مروج ہے۔ اور جب مطلق مؤطا کا ذکر کیا جاتا ہے تو اس سے یہی نسخہ مراد ہوتا ہے۔ یہ نسخہ یحیی بن یحیی مصمودی کا ہے۔ آپ کا نام ابو محمد یحییٰ بن یحییٰ بن کثیر بن وسلاس ابن شملل ابن منقایا مصمودی ہے۔ مصمودی نسبت ہے مصمودہ قبیلہ کی طرف، جوکہ بربر میں سے ہے۔ اور آپ کے آباءواجداد میں سے سب سے پہلے منقایا نے یزید بن عامر لیثی کے ہاتھ پر اسلام قبول کیا تھا۔ آپ کے دادا کثیر نے اندلس میں سب سے پہلے سکونت اختیار کی تھی۔ اور یحیی نے سب سے پہلے موطّا کا اخذ زیاد بن عبد الرحمٰن بن زیاد اللخمی المعروف بشطونسے کیا تھا۔ زیاد وہ ہے جس نے امام مالکؒ کے مذھب کو اندلس میں سب سے پہلے متعارف کرایا۔ آپ نے امام مالکؒ سے استفادہ کے لئے دو دفعہ مدینہ طیبہ کا سفر کیا۔ اور اپنے وطن لوٹے۔ اور علم الحدیث کے افادہ میں مشغول ہوئے۔ اور قرطبہ کے بادشاہ نے قرطبہ کی قضاء کے منصب کے قبول کرنے کا مطالبہ کیا۔ مگر آپ نے قبول نہیں کیا۔ اور آپ وہ بہت ہی مُتقی اور زاہد تھے۔ اپنے زمانہ میں شہرت رکھتے تھے۔ اور ان کی وفات اُس سال ہوئی جس سال امام شافعیؒ وفات پائے۔ یعنی 204ھ میں۔ یحیی نے مدینہ کا سفر کیا۔ اور "مؤطا" کی امام مالکؒ سے براہِ راست سماعت کی، سوائے کتاب الاعتکاف کے تین ابواب کے۔

(1) باب خروج المعتکف الی العید (2) باب قضاء الاعتکاف (3) باب النکاح فی الاعتکاف۔

امام مالکؒ کے ساتھ آپؒ کی ملاقات اور سماع اُس سال ہوئی جس سال امام صاحبؒ کا انتقال ہوا یعنی 179ھ میں۔اور وہ ان کی تجہیز و تکفین میں حاضر رہے۔اور انہوں نے موطأ کا اَخذ امام مالکؒ کے بزرگ شاگرد عبداللہ بن وھب سے کیا۔آپؒ کی امام مالکؒ کے بہت سے شاگردوں سے مُلاقات ہوئی اور ان سے علم حاصل کیا۔اپنے وطن سے اُن کو دو سفر پیش آئے پہلے سفر میں انہوں نے امام مالکؒ،عبداللہ بن وھب،لیث بن سعد مصری،سفیان بن عینیہ اور نافع بن نعیم قاری رحمھم اللہ اجمعین وغیرہ سے علم حاصل کیا۔اور دوسرے سفر میں انہوں نے ابن القاسم صاحبِ المدوّنۃ سے جو کہ امام مالکؒ کے مشہور شاگردوں میں سے ہیں علمِ حدیث وفقہ حاصل کیا۔جب آپ روایت ودرایت کے جامع ہوئے تو اپنے وطن واپس لوٹے اور اندلس میں اقامت اختیار کرلی۔وہاں پر امام مالکؒ کے مذہب کے مطابق درس دیتے رہے اور افتاء کا کام کرتے رہے۔آپؒ کی وجہ سے اور امام مالکؒ کے ایک اور شاگرد عیسیٰ بن دیناری کی وجہ سے بلادِ مغرب میں امام مالکؒ کے مذہب اور فقہ کی بہت اشاعت ہوئی۔آپؒ کی وفات 234ھ میں ہوئی۔

<u>2۔دوسرا نسخہ:۔</u> دوسرا نسخہ ابنِ وھب کا ہے۔آپ کا نام ابو محمد عبداللہ بن سلمۃ الفھری مصری ہے۔آپ ذی قعدۃ 125ھ میں پیدا ہوئے۔آپ نے تقریباً چار سو شیوخ/اساتذہ سے علم حاصل کیا۔جن میں امام مالکؒ،لیث ابن سعد،محمد بن عبد الرحمٰن،دونوں سفیان اور ابن جریج وغیرہ ہیں۔آپ مجتھد تھے۔کسی کی تقلید نہیں کرتے تھے اور اُنہوں نے تفقہ اور اجتھاد کا طریقہ امام مالکؒ اور لیث سے سیکھا تھا اور وہ اپنے زمانے میں احادیث کے کثیر الروایۃ تھے۔علامہ ذھبیؒ وغیرہ نے ذکر کیا ہے کہ ان کی تصانیف میں ایک لاکھ احادیث اور 20ہزار ان کی روایات پائی جاتی ہیں۔اور اس کثرت کے باوجود ان کی روایات کردہ احادیث میں منکر نہیں ہیں۔چہ جائیکہ ساقط وموضوع روایت ہو۔آپؒ کی تصانیف میں مشہور کتاب جامع ابن وھب،کتاب المناسک،کتاب المغازی،کتاب تفسیر الموطّأ اور کتاب القدر وغیرہ شامل ہیں،اور آپ نے قیامت کے اَحوال پر ایک کتاب لکھی تھی۔ایک دن آپ کو سنائی جارہی تھی کہ ان پر خوف کا غلبہ ہوا اور غشی لاحق ہوگئی۔اور اسی حالت میں اتوار کے دن 5 شعبان 197ھ میں انتقال کرگئے۔

<u>3۔تیسرا نسخہ:۔</u> تیسرا نسخہ ابن قاسم کا ہے۔آپؒ کا نام ابوعبداللہ بن عبدالرحمٰن بن قاسم بن خالد مصری ہے۔آپؒ 132ھ میں پیدا ہوئے۔آپؒ نے بہت سے شیوخ سے علم حاصل کیا ہے۔ان میں امام مالکؒ بھی ہیں۔اور وہ ایک زاہد ،فقیہ اور متقی تھے۔روزانہ دو قرآنِ پاک ختم فرماتے تھے۔اور آپؒ وہ پہلے شخص ہیں جنہوں نے "مدوّنۃ" میں امام مالکؒ کے مذہب کو مدوّن کیا ہے۔اور ان پر ان کے مذہب کے فقہاء نے اعتماد کیا ہے اور آپؒ کی وفات مصر میں ہوئی۔

<u>4-چوتھا نسخہ:۔</u> یہ نسخہ معن بن عیسیٰ کے نام سے مشہور ہے۔ابو یحیی مَعَن ابن عیسیٰ ابن دینار مدنی قزاز،یعنی ریشم بیچنے والا،اشجعی ہے۔اُن کا مولیٰ آزاد کردہ اصحابِ مالک کے بڑوں اور ان کے محققین میں سے ہیں جو ان کے ہمیشہ ساتھ

رہے۔اور ان کو عصا مالک کہا جاتا ہے کیونکہ جب امام مالکؒ عمر رسیدہ اور بوڑھے ہوئے تو ان پر تکیہ کرتے ہوئے مسجد کے لئے تشریف لاتے تھے۔آپ مدینہ میں شوال 198ھ میں وفات پا گئے۔

5-پانچواں نسخہ:- یہ ابوعبدالرحمٰن عبداللہ بن مسلمہ بن قعنب حارثی قعنبی کا نسخہ ہے۔آپ کا اصل وطن مدینہ تھا۔آپ کی ولادت 130ھ کے بعد ہوئی تھی۔مگر آپ بصرہ میں رہے اور مکہ میں اِن کی وفات شوال 221ھ میں ہوئی۔اور انہوں نے امام مالکؒ،لیث،حماد اور شعبہ سے علوم حاصل کئے،ابنِ معین فرماتے ہیں۔ہم نے کسی کو نہیں دیکھا جو اللہ کی رضا کے لئے حدیث بیان کرتا ہو مگر وکیع اور قعنبی کو۔آپ کے فضائل بہت زیادہ ہیں۔اور آپ مستجاب الدعوات تھے اور آپ کو اَبدال میں شمار کیا گیا ہے۔

6-چھٹا نسخہ:- یہ نسخہ عبداللہ بن یوسف دمشقی کا ہے۔جو کہ اَصل میں تنیسی کے رہنے والے تھے اور یہ تینس کی طرف نسبت ہے۔یہ بلادِ مغرب میں ایک شہر کا نام ہے اور سمعانی نے اِس کو مصر کے شہروں میں سے بتایا ہے۔اور اس کی توثیق امام بخاریؒ اور ابو حاتم نے بھی کی ہے۔اور امام بخاریؒ نے اپنی کتابوں میں اِن سے اکثر روایات جمع کی ہیں۔

7-ساتواں نسخہ:- یہ نسخہ یحییٰ بن یحییٰ بن بکیر ابو زکریا کا ہے،جو کہ ابن بکیر مصری کے نام سے معروف ہیں۔آپ نے امام مالکؒ اور لیث وغیرہ سے علوم اَخذ کئے۔امام بخاریؒ و مسلمؒ نے بالواسطہ اپنی صحیحین میں ان سے روایت کی ہیں۔اور بہت سارے لوگوں نے آپ کی توثیق کی ہے۔اور جس نے آپ کی توثیق نہیں کی ہے وہ آپ کے مناقب سے واقف نہیں ہو سکا ہے۔آپ صفر 231ھ میں وفات پا گئے۔

8-آٹھواں نسخہ:- یہ نسخہ سعید بن عفیر کا ہے۔آپ کا نام سعید بن کثیر انصاری ہے۔آپ نے امام مالکؒ اور لیثؒ وغیرہ سے علم حاصل کیا ہے۔آپ سے امام بخاریؒ وغیرہ نے روایت کی ہے۔آپ 146ھ میں پیدا ہوئے اور رمضان 226ھ میں وفات پا گئے۔

9-نواں نسخہ:- یہ نسخہ ابو مصعب زہری احمد بن ابی بکر قاسم بن حارث بن زرارۃ بن مصعب بن عبدالرحمن بن عوف زہری کا ہے۔آپ اہلِ مدینہ کے شیوخ اور قاضیوں میں سے ہیں۔آپ 150ھ میں پیدا ہوئے۔امام مالکؒ کے ساتھ رہے اور ان سے علم حاصل کیا۔ابو مصعب سے روایت کیا ہے۔اصحابِ کتبِ ستہ (صحاحِ ستہ) نے سوائے نسائی کے۔انہوں نے آپ سے بالواسطہ روایت کی ہے۔آپ رمضان 242ھ میں وفات پائی اور کہتے ہیں۔اِن کی موطّا مؤطات میں سب سے آخری ہے جو امام مالکؒ کے سامنے پیش کی گئی۔اِن کے موطّا اور موطّا ابو حذیفہ سہمی میں تقریباً سو احادیث دیگر مؤطات سے زائد ہیں۔

10-دسواں نسخہ:- یہ نسخہ مصعب بن عبداللہ زبیری کا ہے۔

11۔گیارھواں نسخہ:۔ یہ نسخہ محمد بن مبارک صوری کا ہے۔

12۔بارھواں نسخہ:۔ یہ نسخہ سلیمان بن برد کا ہے۔

13۔تیرھواں نسخہ:۔ یہ نسخہ ابوحذافہ سہمی احمد بن اسمٰعیل کا ہے جو کہ امام مالکؒ کے شاگردوں میں باعتبارِ وفات کے سب سے آخری ہیں۔آپؒ بغداد میں عیدالفطر کے دن 259ھ میں وفات پاگئے۔

14۔چودھواں نسخہ:۔ یہ نسخہ سوید بن سعید ابو محمد ہروی کا ہے۔ روایت کیا ہے ان سے مسلمؒ اور ابنِ ماجہ وغیرہ نے۔آپ کا شمار معتبر حُفّاظ میں ہوتا ہے۔240ھ میں وفات پاگئے۔

15۔پندرھواں نسخہ:۔ یہ نسخہ امام محمد بن حسن الشیبانی کا ہے۔جو کہ امام ابو حنیفہؒ کے شاگرد ہیں۔

16۔سولھواں نسخہ:۔ یہ نسخہ یحیی بن یحیی تمیمی کا ہے۔آپ کا نام یحیی بن یحیی بن بکیر بن عبدالرحمٰن تمیمی حنظلی نیساپوری ہیں۔آپ 222ھ میں فوت ہوئے۔آپ سے امام بخاریؒ و مسلمؒ وغیرہ نے بھی روایات اَخذ کی ہیں۔

علامہ جلال الدین سیوطیؒ کا مؤقف:۔

علامہ سیوطیؒ نے "تنویر الحوالک" کے مقدمہ میں چودہ نسخوں کا ذکر کیا ہے۔آپؒ لکھتے ہیں۔

"وقال الحافظ صلاح الدين العلائي:روى الموطأعن مالك جماعات كثيرة وبين رواياتهم اختلاف من تقديم وتأخير وزيادة ونقص وأكبرها القعنبي ومن أكبرها وأكثرها زيادات رواية أبي مصعب.

فقد قال ابن حزم في موطأ أبي مصعب زيادة على سائر الموطآت نحو مائة حديث وقال الغافقي في مسند الموطأ، اشتمل كتابنا هذاعلى ستمائة حديث وستة وستين حديثا، وهو الذي انتهى إلينامن مسند موطأ مالك، قال:وذلك أني نظرت الموطأمن ثنتي عشرة رواية رويت عن مالك وهي رواية عبد الله بن وهب، وعبد الرحمن بن القاسم، وعبد الله بن مسلمة القعنبي، وعبد الله بن يوسف التنيسي، ومعن بن عيسى وسعيد بن عفير، ويحيى بن عبد الله بن بكير، وأبي مصعب أحمد بن أبي بكر الزهري، ومصعب بن عبد الله الزبيري، ومحمد بن المبارك الصوري، وسليمان بن برد، ويحيى بن يحيى الاندلسي، فأخذت الاكثر من رواياتهم وذكرت اختلافهم في الحديث والالفاظ وما أرسله بعضهم أو وقفه وأسنده غيرهم وما كان من المرسل اللاحق بالمسند. قال: وعدة رجال مالك الذين روى عنهم في هذا المسند وسماهم وسماهم خمسگ وتسعون رجلا.

قال:وعدة من روى له فيه من رجال الصحابة خمسة وثمانون رجلا، ومن نسائهم ثلاث وعشرون امرأة، ومن التابعين ثمانية وأربعون رجلا، كلهم من أهل المدينة إلا ستة رجال، أبو الزبير من أهل مكة، وحميد الطويل، وأيوب السختياني من أهل البصرة، وعطاء بن عبد الله من أهل خراسان، وعبد الكريم من أهل الجزيرة، وإبراهيم بن أبي عبلة من أهل الجزيرة، وإبراهيم بن أبي عبلة من أهل الشام، هذا كله كلام القاضي.

قلت: وقد وقفت على الموطأ من روايتين أخريين سوى ما ذكر الغافقي إحداهما رواية سويد بن سعيد، والاخرى رواية محمد بن الحسن صاحب أبي حنيفة وفيها أحاديث يسيرة زيادة على سائر الموطات منها حديث: " إنما الاعمال بالنيات " الحديث.

وبذلك يتبين صحة قول من عزا روايته إلى الموطأ ووهم من خطأه في ذلك، وقد بنيت الشرح الكبير على هذه الروايات الاربعة عشرة "۔[60]

ترجمہ:۔"حافظ صلاح الدین علائی کہتے ہیں: امام مالکؒ سے بہت سے لوگوں نے مؤطا روایت کی ہے اور ان کی روایات میں تقدیم وتاخیر ،زیادتی و کمی کے اعتبار سے اختلاف ہے۔اور اکثر زیادتی قعنبی کے روایت کردہ نسخہ میں ہے۔اور روایات کے اعتبار سے زیادتی کی کثرت اَبی مصعب کی روایت کردہ نسخہ میں ہے۔

اس لئے علامہ ابنِ حزمؒ نے اَبی مصعب کے موطّأ کے بارے میں کہاہے: اس میں باقی موطّأ کے مقابلہ میں سو احادیث زیادہ ہیں۔اور ابوالقاسم عبدالرحمٰن بن عبداللہ محمد الفقیہ المالکی متوفی 381ھ نے "مسند الموطّا" میں کہاہے: ہماری یہ کتاب 666احادیث پر مشتمل ہے اور یہ وہ ہے جس کی طرف مسند الموطّأ مالک کی انتہاء ہماری طرف ہوتی ہے، میں نے موطّأ کو 12 روایتوں پر دیکھا جو امام مالکؒ سے روایت شدہ ہیں اور وہ ہے روایت ،عبداللہ بن وھب ،عبد الرحمٰن بن قاسم ،عبداللہ بن مسلم قعنبی ،عبداللہ بن یوسف تینسی ،معن بن عیسٰی ،سعید ،یحیی بن عبداللہ بن بکیر ،اَبو مصعب احمد بن ابی بکر زھری ،مصعب بن عبداللہ زبیری ،محمد بن مبارک صوری ،سلیمان بن برد ،اور یحیی بن یحیی اندلسی سے۔پس میں نے اکثر ان کی روایات لی ہیں اور ان کی احادیث اور الفاظ میں اختلاف کو ذکر کیاہے ،اور بعض نے مرسل یا موقوف بتایاہے اور اپنے سے غیر کی طرف اس کی اسناد کی ہے۔اِن سب کا اختلاف میں نے ذکر کر دیاہے۔ اور وہ جو مرسل مسند کے ساتھ ملادی گئی ہیں ،امام مالکؒ کے رجال کی تعداد جو وہ ان سے روایت کرتے ہیں اس میں مسند 95 ہیں اور تعداد اُن کا جو وہ صحابہ سے روایت کرتے ہیں 85ہیں اور ان کی عورتوں میں 23عورتیں ہیں ،اور تابعین میں سے 48 ہیں جو سب اہلِ مدینہ میں سے ہیں سوائے 6 مردوں کے: زبیر اہلِ مکہ سے ،اور حمید طویل اور ایوب سختیانی اہلِ بصرہ سے ،اور عطاء بن عبداللہ اہلِ خراسان سے ،عبدالکریم اہلِ جزیرہ سے اور ابراھیم بن ابی عبلۃ اہلِ شام میں سے ہیں اور یہ ساراکلام غافقی کا ہے۔

میں (علامہ سیوطیؒ) کہتا ہوں: کہ میں موطّأ کی دواور روایتوں سے بھی واقف ہوں جو غافقی کی ذکر کردہ روایات کے علاوہ ہیں ،اُن میں سے ایک سوید بن سعید کی روایت ہے اور دوسری روایت محمد بن الحسن صاحبِ اَبی حنیفہؒ کی ہے ،اور اس میں بہت سی ایسی احادیث ہیں جو باقی موطآت سے زائد ہیں ،اِن میں سے ایک حدیث ''انماالاعمال بالنیہ'' ہے اور اس سے ان کے قول کی صحت واضح ہوتی ہے جو روایت کی نسبت موطّأ کی طرف کرتے ہیں اور انہوں نے اس میں غلطی کی ہے ،اور میں نے ''شرح الکبیر'' کا آغاز اِن 14 روایات سے کیاہے"۔

ابوالقاسم محمد بن حسین شافعیؒ کا موٴقف:۔

"کشف الظون عن اسامی الکتب و الفنون" میں ابوالقاسم محمد بن حسین شافعی نے کہا ہے کہ امام مالکؒ سے مشہور ومعروف موطّآت گیارہویں، جن کے معانی (روایات) قریب قریب ہیں اور ان میں سے چار موطّآت عام ہیں: 1-موطّائیحیی بن یحیی۔ 2-ابن بکیر۔ 3-ابی مصعب زہری اور 4-ابن وھب۔ پھر باقی کا استعمال کم ہوا سوائے موطّائیحیی اور پھر موطّاُابن بکیر کا۔

اوراِن کے ابواب کی تقدیم وتاخیر کے حوالے سے نسخوں میں اختلاف ہے،اوراکثر وہ ہیں جن میں الباجی کی ترتیب کالحاظ رکھاگیاہے وہ یہ کہ صلٰوۃ کے بعد جنائزلائے ہیں، پھر زکٰوۃ پھرالحج تک تمام نسخے متفق ہیں پھراس کے بعد اِن میں اختلاف ہے۔

فصلِ یک آزدہم

"مؤطا" امام مالک پر لکھی جانے والی شروحات اور حواشی

"مؤطا" امام مالک پر لکھی جانے والی شروحات:۔

"مؤطا" امام مالک پر بہت سے محدثین نے شروحات لکھی ہیں۔ چند معروف شروحات کے نام مندرجہ ذیل ہیں۔

شرح الزرقانی علی مؤطاامام مالکؒ:۔ علامہ زرقانیؒ نے یہ شرح لکھی ہے۔

کشف الغطاء عن الموطا :۔ علامہ جلال الدین سیوطیؒ نے بڑی مفصل اور جامع شرح ہے۔

تنویرالحوالک:۔ یہ بھی علامہ جلال الدین سیوطیؒ نے لکھی ہے۔

اسعاف المبطا برجال المؤطا:۔ علامہ جلال الدین سیوطیؒ کی شرح ہے۔

تزيين الممالك بماقب الإمام مالك:۔ علامہ جلال الدین سیوطیؒ کی شرح ہے۔

الاستذکار لما فی المؤطا من المعانی والاسانید:۔ یہ شرح بھی ابن عبدالبر النمریؒ نے لکھی ہے۔

التمہید لمافی الموطّأمن المعانی والأسانید:۔ یہ شرح ابن عبدالبرؒ کی لکھی ہوئی بہت ہی عمدہ شرح ہے۔

المنتقی:۔ مؤطا کی یہ شرح ابوالولید سلیمان بن خلف باجیؒ نے لکھی ہے جو کہ ابن عبدالبرؒ کی شرح **التمهيد** کا اختصار ہے۔

تجريد التمهيد لمافي الموطأ من المعاني والأسانيد:۔ ابن عبدالبرؒ کی شرح ہے۔

مشارق الانوار:۔ قاضی عیاضؒ کی یہ شرح موطا اور صحیحین کی شرح ہے۔

القبس :۔ شیخ محی الدین محمد ابن عربیؒ نے لکھی ہے۔

شرح الموطأ لابن العربی:۔ یہ شرح بھی شیخ محی الدین محمد ابن عربیؒ نے لکھی ہے۔

المنتقی فی شرح مؤطا الامام مالک:۔ یہ شرح بھی محمد ابن عربیؒ نے لکھی ہے۔

المسالک فی شرح مؤطا الامام مالک:۔ یہ شرح بھی محمد ابن عربیؒ نے لکھی ہے۔

کشف المغطی فی فضل الموطا:۔ حافظ علی بن حسن بن ہبت اللہ ابن عساکرؒ کی شرح ہے۔

المقتبس شرح مؤطّا مالک بن أنس:۔ یہ شرح ابو محمد عبداللہ بن محمد بطلیوسی مالکیؒ نے لکھی ہے۔

تفسیرالمؤطّا:- "مؤطا"کی یہ شرح ابو مروان عبدالملک بن حبیب بن سلیمان قر طبیی مالکی نے لکھی ہے

المصفیٰ:- شاہ ولی اللہ دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کی یہ شرح مؤطا کا فارسی زبان میں ترجمہ اور تعلیقات پر مشتمل ہے۔

المسویٰ:- شاہ ولی اللہ دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کی یہ شرح دراصل المصفیٰ پر عربی تعلیقات ہیں۔

اوجز المسالک:- شیخ الحدیث مولانا محمد زکریاؒ کی یہ نہایت ہی عمدہ شرح 6 جلدوں پر مشتمل ہے۔

التعلیق الممجد علیٰ موطا امام محمد:۔ مولانا عبدالحییؒ لکھنویؒ نے لکھی ہے۔

اضاءة الحالك من الفاظ موطا مالک:- یہ شرح محمد حبیب اللہ شنقیطیؒ نے لکھی ہے۔

دلیل السالك الیٰ موطا امام مالک:- محمد حبیب اللہ شنقیطیؒ کی یہ دوسری شرح ہے۔

النامی فی شرح الموطأ:- کے نام سے احمد بن نصر الداودی المالکیؒ کی شرح ہے۔

شواهد الموطأ اور زيادات الموطأ :- قاضی اسماعیل بن اسحاقؒ کی لکھی ہوئی شرح ہے۔

تفسير الموطأ:- ابو مروان عبدالملک بن حبیب بن سلیمان القرطبّی المالکیؒ نے لکھی ہے۔

كشف الغطاء فی شرح مختصر الموطأ:- عبداللہ ابو محمد بن محمد بن ابوالقاسم الفرحونؒ نے لکھی ہے۔

المهيأ فی كشف اسرار الموطأ:- عثمان بن یعقوب بن حسین الکرخیؒ کی لکھی ہوئی شرح ہے۔

المصفی فی شرح الموطأ:- ابویوسف یعقوب لاہوریؒ کی لکھی ہوئی شرح ہے۔

الاقتضاب في غريب الموطا وإعرابه على الابواب:- ابو عبداللہ محمد التلمسانیؒ نے لکھی ہے۔

التعليق على الموطأ فی تفسير لغاته وغوامض إعرابه ومعانيه:- ابوالولید ہشام بن احمد الوقشی الاندلسی کی لکھی ہوئی شرح ہے۔

تفسير غريب الموطأ:- عبدالملک بن حبیب السلمی الاندلسی کی لکھی ہوئی شرح ہے۔

دليل السالك الى موطا الامام مالك:- یہ شرح محمد حبیب اللہ بن ما یابی الجکنی الشنقیطی نے لکھی ہے۔

اتحاف السالك برواة الموطأ عن الامام مالك:- یہ محمد بن ابی بکر ناصر الدین الدمشقی کی شرح ہے۔

احاديث الموطأ وذكر اتفاق الرواة عن مالك واختلافهم فيه وزيادتهم ونقصانهم:- شیخ الامام الحافظ ابی الحسن علی بن عمر الدار قطنی کی لکھی ہوئی شرح ہے۔

مشكلات موطأ مالك بن أنس:- ابو محمد عبداللہ بن محمد بن السید البطلیوسی کی شرح ہے۔

حوالہ جات بابِ دوم

1 -ابن عبدالبر،ابوعمریوسف بن عبداللہ النمري-1387ء،التمهيد(مراکش،وزارة عموم الأوقاف والشؤون)ص86،ج1

2 - شیخ الحدیث، محمد زکریاکاندھلوی-2003ء،اوجزالمسالک(دمشق،دارلقلم)،ص43،ج1

3 ـ الزرقانی، محمد بن عبدالباقي بن یوسف الزرقاني-2003ء، شرح الزرقاني(قاہرہ،مکتبة الثقافة الدينية)ص62،ج1

4 - الدہلوی،احمد بن عبدالرحیم-1982ء،المسوّیٰ(بیروت،دارلکتب العلمیہ)ص6،ج1

5 -الفیروزآبادی، محمد بن یعقوب-2005ء،القاموس المحیط(بیروت،مؤسسة الرسالة للطباعة والنشر والتوزیع)ص56

6 -القاموس المحیط،ص56

7 -ابوالفضل، قاضي عياض بن موسیٰ اليحصبي-1983ء، ترتيب المدارک(المغرب،مطبعة فضالة)ص73،ج2

8 - الدہلوی،احمد بن عبدالرحیم-2005ء، حجۃ اللہ البالغۃ(بیروت،دارالجیل)ص250،ج1

9 -الدہلوی،احمد بن عبدالرحیم-1293ھ،المصفیٰ(دہلی، مطبع فاروقی)ص3،ج1

10 - الدہلوی،احمد بن عبدالرحیم-1982ء،المسویٰ(بیروت،دارلکتب العلمیہ)ص63،ج1

11 -سندھی،عبیداللہ سندھی-2016ء،التمہید لتعریف ائمہ التجدید(مترجم)(لاہور،رحیمیہ مطبوعات)ص252

12- الدہلوی،احمد بن عبدالرحیم-1982ء،المسویٰ(بیروت،دارلکتب العلمیہ)ص63،ج1

13 - الکھنوی،عبدالحئ۔2005ء،التعلیق الممجد علی مؤطاامام محمد(دمشق،دارلقلم)ص104،ج1

14 -التعلیق الممجد علی مؤطاامام محمد،ص105،ج1

15 - سندھی،عبیداللہ سندھی-2016ء،التمہید لتعریف ائمہ التجدید(مترجم)(لاہور،رحیمیہ مطبوعات)ص255

16 - الدہلوی،احمد بن عبدالرحیم-1355ھ،التفہیمات الالٰھیہ(بجنور،مدینہ برقی پریس)ص245،ج2

17 - سندھی،عبیداللہ سندھی-2016ء،التمہید لتعریف ائمہ التجدید(مترجم)(لاہور،رحیمیہ مطبوعات)ص257

18 - الدہلوی،احمد بن عبدالرحیم-2005ء، حجۃ اللہ البالغۃ(بیروت،دارالجیل)ص243،ج1

19 -التبریزی، محمد بن عبداللہ الخطیب العمري-1985ء، مشکوۃ المصابیح(بیروت،المکتب الاسلامی)کتاب العلم

20 -سنن ترمذي، کتاب العلم، باب ماجاءفی عالم المدینة

21 - الدہلوی،احمد بن عبدالرحیم-2005ء، حجۃ اللہ البالغۃ(بیروت،دارالجیل)ص250،ج1

22 - الزرقانی، محمد بن عبدالباقي بن یوسف الزرقاني-2003ء، شرح الزرقاني(قاہرہ،مکتبة الثقافة الدينية)ص233،ج1

23 - ابن عبدالبر ،ابو عمر یوسف بن عبداللہ-س ن،الانتقاء في فضائل الثلاثة الائمة الفقهاء(بیروت،دار لکتب العلمیہ)ص15

24 - الدہلوی،احمد بن عبدالرحیم-1293ھ،المصفیٰ(دہلی، مطبع فاروقی)ص3،ج1

25 - المصفیٰ،ص3،ج1

26 -ابن سعد، محمد بن سعد—2001ء،طبقات ابن سعد(قاہرہ، مکتبہ الخانجی)ص573،ج7

27 -اصفہانی،احمد بن عبداللہ،ابو نعیم-1409ھ،حلیۃ الاولیاء(بیروت،دار الکتب العلمیہ)ص332،ج6

28 - سندھی،عبیداللہ سندھی-2016ء،التمھید لتعریف ائمہ التجدید(مترجم)(لاہور،رحیمیہ مطبوعات)ص261

29 -السیوطی، جلال الدین عبدالرحمن بن ابی بکر-1997ء، تنویر الحوالک(بیروت،دار الکتب العلمیۃ)ص6، مقدمہ

30 - الکھنوی،عبدالحیٴ-2005ء،التعلیق الممجد علی مؤطاامام محمد(دمشق،دار لقلم)ص79،ج1

31 -ابن عبدالبر،ابو عمر یوسف بن عبداللہ-1387ھ،التمھید(مراکش،وزارۃ عموم الاوقاف الاسلامیۃ)ص78،ج1

32 -ابن الصلاح، عثمان بن الصلاح عبدالرحمن بن موسی-س ن، مقدمۃ ابن الصلاح(قاہرہ،دار المعارف)ص160

33 -العسقلاني،احمد بن علي بن محمد بن احمد بن حجر-1379ھ، فتح الباري(بیروت،دار المعرفۃ)ص10،ج1

34 -الرعیني، شمس الدین ابو عبداللہ محمد-1992ء، مواھب الجلیل في شرح مختصر خلیل(بیروت،دار الفکر)ص24،ج1

35 - ابوالفضل، قاضي عیاض بن موسی الیحصبي-1983ء، ترتیب المدارک(المغرب،مطبعۃ فضالۃ)ص78،ج2

36 - الدہلوی،احمد بن عبدالرحیم-1293ھ،المصفیٰ(دہلی، مطبع فاروقی)ص3،ج1

37 - **علامہ نواب صدیق حسن خانؒ** ساداتِ قنوج سے تعلق رکھتے تھے،آپؒ کے والد ماجد کا نام سید اولاد حسن تھے،آپ 19 جمادی الاولیٰ 1248ھ کو اپنے ننھیال بانس بریلی میں پیدا ہوئے، والدہ نے ایک معلم کا انتظام گھر میں کیا۔اس کے بعد فرخ آباد، کانپور، بریلی اور دہلی میں مختلف علماء سے استفادہ کیا۔صدر الافاضل مفتی محمد صدرالدین آزردہ سے سندِ فراغت حاصل کی۔ فقہ الحدیث اور صحاح ستہ کی سند شیخ زین العارفین بن محسن یمانی اور شیخ محمد حسین سے پائی۔آپؒ نے علامہ شوکانیؒ کے شاگرد مولانا عبدالحق نیوتنوی سے بھی اجازتِ حدیث لی،اِس کے ساتھ ساتھ خانوادۂ ولی اللہی کی سند(بذریعہ مراسلت)مولانا محمد یعقوب نواسۂ شاہ عبدالعزیز دہلویؒ سے حاصل کی۔1285ھ میں نواب صاحبؒ حج بیت اللہ کے سفر پر گئے،وہاں پر آپؒ نے حجاز کے علماء سے بھرپور استفادہ کیا۔علوم القرآن، سنت، فقہ اور تصوف پر کم و بیش 200 سے زائد چھوٹی بڑی کتابیں لکھیں۔آپؒ 1307ھ کو وفات پائی۔ماخوذ از- قنوجی، محمد صدیق خان ،بھوپالی -1986ء، خود نوشت سوانحِ حیات (لاہور، مطبع دارالدعوۃ السلفیہ)۔

38 - قنوجی، محمد صدیق خان بن حسن، بھوپالی-1985ء،الحطۃ في ذکر الصحاح الستۃ،(بیروت،دار الکتب العلمیہ)ص166

39 - الحطۃ في ذکر الصحاح الستۃ، ص225

40 - قنوجی، محمد صدیق خان بن حسن، بھوپالی-2002ء،ابجد العلوم،(بیروت،دارابن حزم)ص637

41 -سندھی،عبیداللہ سندھی-2016ء،التمھید لتعریف ائمہ التجدید(مترجم)(لاہور،رحیمیہ مطبوعات)ص254

42 - ابوالفضل، قاضي عياض بن موسى اليحصبي-1983ء،ترتیب المدارک(المغرب،مطبعة فضالة)ص78،ج2

43 - ترتیب المدارک،ص77،ج2

44 - ترتیب المدارک،ص77،ج2

45 -السخاوي، شمس الدين أبوالخير محمد بن عبدالرحمن-2003ء،فتح المغیث(مصر،مکتبۃ السنۃ)ص41،ج1

46 -السيوطي، جلال الدين عبدالرحمن بن ابو بکر-س ن،تدریب الراوي(الریاض،مکتبۃ الریاض الحدیثہ)ص91،ج1

47 -الذھبی، محمد بن احمد بن عثمان-1996ء،سیر اعلام النبلاء(بیروت،مؤسستہ الرسالۃ)ص201،ج13

48 - الدہلوی،احمد بن عبدالرحیم-1293ھ،المصفیٰ(دہلی،مطبع فاروقی)ص5،ج1

49 -البلقيني، عمر بن رسلان الكناني-س ن، محاسن الاصطلاح(قاہرہ،دارالمعارف)ص155

50 -السيوطي، جلال الدين عبدالرحمن بن ابو بکر-س ن،تدریب الراوي(الریاض،مکتبۃ الریاض الحدیثہ)ص82،ج1

51 - الدہلوی،احمد بن عبدالرحیم-1293ھ،المصفیٰ(دہلی،مطبع فاروقی)ص10،ج1

52 - المصفیٰ،ص10،ج1

53 -الکھنوی،عبدالحئ-2005ء،التعلیق الممجد علی مؤطاامام محمد(دمشق،دارالقلم)ص90،ج1

54 - المرفوع کی تعریف حافظ ابن حجرؒ نے یوں لکھی ہے: هُو ما تَنْتَهِي إلى النَّبيِّ صلَّى اللهُ عليهِ وسلَّمَ غايةُ الإسنادِ(وہ حدیث جس کے سند کی انتہا نبی کریم ﷺ تک ہو)بحوالہ: العسقلاني،ابوالفضل احمد بن علي بن محمد-2000ء،نزھۃ النظر(دمشق،مطبعۃ الصباح)ص114،ج1۔

55 - المرسل حافظ ابن حجرؒ کے نزدیک:هو ما سَقَطَ مِن آخِرِهِ مَن بعدَ التَّابعيِّ هو المُرْسَلُ (وہ حدیث جس کے آخر سند میں تابعی کے بعد انقطاع ہو اور روای حذف ہو)۔

56 - الموقوف کی تعریف حافظ ابن حجرؒ نے یوں لکھی ہے: وهو ما انْتَهَى إلى الصَّحابيِّ. (وہ حدیث جس کی انتہا صحابی پر ہو)بحوالہ:العسقلاني،ابوالفضل احمد بن علي بن محمد-2000ء،نزھۃ النظر(دمشق،مطبعة الصباح)ص114،ج1

57 -الزرقاني، محمد بن عبدالباقي-2003ء،شرح الزرقاني(قاھرہ،مکتبۃ الثقافۃ الدينية)ص61

58 -الدہلوی،شاہ عبدالعزیز-س ن،بستان المحدثین(مترجم)(شاملی،انڈیا،مفتی الٰہی بخش اکیڈمی)ص25

59 -الکھنوی،عبدالحئ-2005ء،التعلیق الممجد علی مؤطاامام محمد(دمشق،دارالقلم)ص81،ج1

60 -السیوطی،جلال الدین عبدالرحمن بن ابی بکر-1997ء،تنویر الحوالک(بیروت،دارالکتب العلمیۃ)ص6،مقدمہ

باب سوم

"معاشیات"اِس کی تعریفات،آغاز وارتقاء

فصل اول

"معاشیات" کی تعریفات

1-"معاشیات" کی لغوی اور اصطلاحی تعریف:-

"معاشیات" عربی زبان کا لفظ ہے، "معاشیات" سے متعلق مندرجہ ذیل تین الفاظ پوری دُنیا میں سب سے زیادہ معروف اور مشہور ہیں۔ 1-معاشیات 2-اقتصادیات 3-اکنامکس۔

یہ تمام الفاظ ہم معنی اور مترادف ہیں۔ یہاں پر ہم ترتیب وار ان تینوں الفاظ کے معانی بیان کر لیتے ہیں۔

1۔معاشیات:-

(الف)-معاشیات کی لغوی تعریف:- "معاش" کا لفظ عربی زبان کا ہے اس کا مادۂ اصلی "عاش" ہے جس کے لغوی معنی "زندہ رہنے" کے ہیں۔ بعض کے نزدیک اس کا مادہ "عیش" (ع،ی،ش) ہے جس کے معنی "خوراک، رزق اور گزران" کے ہیں۔

ابن منظور افریقی نے "لسان العرب" میں "العیش" کے معنی یوں بیان کی ہے۔ "عيش: العَيْشُ: الحياةُ، عاشَ يَعِيش عَيْشاًو عِيشَةً ومَعِيشاًومَعاشاً و عَيْشُوشةً". مايعاش به"۔[1]

ترجمہ:- "العیش کا معنی ہے زندگی، یہ عاش یعیش عیشاً اور عیشۃ سے بنا ہے اور پھر اسی سے لفظ معیشت بنا ہے جس سے مراد وہ ذرائع ووسائل ہیں، جن سے زندگی بسر کی جاسکے"۔

صاحبِ "القاموس" لکھتے ہیں۔ "والمَعِيشَةُ التي تَعِيشُ بها من المَطْعَمِ والمَشْرَبِ، وما تكونُ به الحياةُ، وما يُعاشُ به "۔[2]

ترجمہ:- "معیشت سے مراد کھانے پینے کے وہ ذرائع جن پر زندگی کا دارومدار ہوتا ہے اور جن سے زندگی بسر کی جاتی ہے"۔

معاشیات کا لفظ عاش، یعیش، عیشۃ سے ماخوذ ہے اس کا اصلی مصدر "العیش" ہے۔

لفظ "معاشیات" کے لغوی معنی "زندگی اور سامانِ زیست" کے ہیں۔ جیسا کہ امام راغب اصفہانیؒ فرماتے ہیں۔ "العَيْشُ: الحياة المختصّة بالحيوان، وهو أخصّ من الحياة، لأنّ الحياة تقال في الحيوان، وفي الباري تعالى، وفي الملك، ويشتقّ منه المَعِيشَةُ لما يُتَعَيَّشُ منه "۔[3]

ترجمہ:- "العیش" اُس زندگی کو کہتے ہیں جو حیوانات کے ساتھ خاص ہے اور یہ لفظ "الحیاۃ" کے مقابلہ میں خاص ہے کیونکہ "الحیاۃ" کا لفظ حیوان، باری تعالیٰ اور ملائکہ سب کے لئے استعمال ہوتا ہے اور "العیش" سے لفظ "المعیشۃ" ہے جس کے معنی ہیں سامانِ زیست، کھانے پینے کی وہ تمام چیزیں جن پر زندگی بسر کی جاتی ہے"۔

(ب)۔معاشیات کی اصطلاحی تعریف:۔"معاشیات" کااصطلاحی مفہوم یہ ہے کہ انسانی زندگی سے متعلقہ تمام سرگرمیاں معیشت کے زمرے میں آتی ہیں۔علامہ ابن خلدونؒ نے "مقدمہ ابن خلدون" معاشیات کی تعریف یوں بیان کی ہے۔"المعاش هو عبارة عن ابتغاء الرزق والسعي في تحصيله"۔[4]

ترجمہ:۔"معاش رزق ڈھونڈنے اوراسے حاصل کرنے کے لئے جدوجہد کانام ہے"۔

"Encyclopedia of Social Sciences" میں معاشیات کی تعریف یوں بیان کی گئی ہے۔

"Economics deals with a social phenomenon center about the provision for the material needs of an individual and of the organized group".[5]

ترجمہ:۔"معاشیات کاواسطہ ایسے معاشرتی اَمر سے پڑتاہے جو ایک فرد سے لے کر منتظم گروہ کی مادی ضروریات کی فراہمی پراپنی توجہ مرکوز رکھتاہے"۔

شاہ ولی اللہ دہلویؒ "حجۃ اللہ البالغۃ" میں معاشیات کے بارے میں یوں لکھتے ہیں۔"وَهُوَالْحِكْمَةَ الباحثة عَن كَيْفيَّة إقَامَة المبادلات والمعاونات والإكساب على الارتفاق الثَّانِي"۔[6]

ترجمہ:۔"یہ علم انسان کے معاشی اشیاء کے تبادلے کے نظام (معادلات)،انسان میں امداد باہمی (معاونت) کے قیام اورروزی کمانے کے ذریعوں (اکساب) سے بحث کرتاہے"۔

پروفیسر چودھری غلام رسول چیمہ لکھتے ہیں۔"علم معاشیات زندگی کا وہ مالی شعبہ ہے جو قرآن و حدیث کی ہدایت کے مطابق فلاح وبہبودِانسانی کے لیے منضبط ہوتاہے"۔[7]

2۔اقتصادیات:۔

(الف)۔"اقتصادیات" کی تعریف:۔الاقتصاد،قصد سے نکلاہےاورقصد قصدا سے ہے جس کے معنی ہیں "کسی معاملے میں اعتدال ومیانہ روی اختیار کرنا"۔ذیل میں چند مشہور ماہرینِ لغت کی آراء پیش کی جاتی ہیں۔

1- امام راغب اصفہانیؒ "المفردات" میں اقتصادیات کے بارے میں لکھتے ہیں۔

"القَصْدُ: استقامة الطريق، يقال: قَصَدْتُ قَصْدَهُ، أي: نحوت نحوه، ومنه: الِاقْتِصَادُ" ۔[8]

ترجمہ:۔ "القصد کے معنی راستہ کا سیدھا ہونا ہے،کہاجاتاہے کہ قصدت قصدہ یعنی میں نے اس کا قصد کیا اورسیدھااس کی طرف گیااورقصد سے ہی اقتصادہے"۔

یعنی انسان کا حصولِ رزق کی طرف جانے کی کوشش کرنا۔

2- مولاناحفظ الرحمٰن سیوہارویؒ نے "اسلام کا اقتصادی نظام" میں "اقتصاد" کی تعریف یوں لکھی ہے۔[9]

"لغت کی زبان میں قصد و اقتصاد "میانہ روی اور اچھے چلن کا نام "ہے، مگر علمی اصطلاح میں ایسے وسائل کی دریافت کو کہتے ہیں جو دولت وثروت کے پیدا کرنے کے مناسب طریقے،اس کے خرچ کے صحیح استعمال اور اس کی ہلاکت و بربادی کے حقیقی اسباب بتا سکیں،اِس لیے "علم الاقتصاد"اُس علم کا نام ہے،جو ان وسائل سے بحث کرتا ہے،اور ان کے صحیح وغلط ہونے پر مطلع کرتا ہو"۔

3- علامہ ابن اثیرؒ نے "النہایہ"میں "اقتصاد"کی تعریف یوں بیان کی ہے۔

" القَصْد مِنَ الْأُمُورِ والمُعْتَدل الَّذِي لَا يَمِيل إِلَى أحَدِ طَرَفَيِ التَّفْرِيط والإفْراط"مسلم[10]

ترجمہ:۔"قصدان معتدل امور میں سے ہے جو کسی بھی افراط و تفریط کی حد سے نہ بڑھے"۔

4- علامہ جوہری الفارابی میں قصد کی معانی یوں بیان کرتے ہیں۔" القَصْدُ: بين الإسراف والتقتير "۔[11]

ترجمہ:۔"اسراف وبخل کی درمیانی راہ(راہ اعتدال)کوقصد کہتے ہیں"۔

5- ابن منظور افریقی کے نزدیک "الْقَصْدُفِي الْمَعِيشَةِ:أَن لَايُسْرِفَ وَلَا يُقَتِّرَ "۔[12]

ترجمہ:۔"معیشت میں قصد سے مراد یہ ہے کہ نہ اسراف کیا جائے اور نہ ہی بخل کیا جائے"۔

(ب)۔دورِ جدید میں اقتصادیات کا مفہوم:۔جدید دور میں "اقتصادیات" سے "معاشی اور مالی اُمور "مراد لئے جاتے ہیں۔

1-فیروزالدین صاحبِ "فیروز اللغات(اُردو)"کے نزدیک اصطلاحاً اقتصادیات سے مراد یہ ہے[13]۔

"وہ علم ہے،جس میں دولت کی پیدائش اور تقسیم سے بحث کی جاتی ہے"۔

2-ڈاکٹر احمد شر باصی نے میں الاقتصاد کی تعریف اِس طرح بیان کی ہے۔"الاقتصاد ،علم يبحث فى كل ما يتعلق بالثروة والمال والتكسب والتملك والانفاق-والا قتصاد يبحث ايضاً فى مسائل الانتاج والاستثمار ومسائل الانتفاع والخدمات ومسائل الغنى والفقر"۔[14]

ترجمہ:۔"علم الاقتصاد"ہر اُس شے سے بحث کرتا ہے جو کثرت مال وزر،رزق کمانے،کسی شے کا مالک ہونے اور خرچ کرنے سے تعلق رکھتی ہے۔اور علم الاقتصاد پیداوار اور مال بڑھانے کے مسائل،نفع حاصل کرنے اور خدمات فراہم کرنے کے مسائل اور غناو فقر کے مسائل پر بحث کرتا ہے"۔

3-"اکنامکس"کی تعریف:۔

1- معاشیات کو انگریزی زبان میں "Economics"کہتے ہیں۔اِس کا اصلی مادہ ایک لاطینی لفظ "Oik Nomos" ہے،جس کے معنی" گھریلو ضابطہ اور طور طریقہ" کے ہیں ۔جرمن زبان میں اِس

کو (Politische Oekonomie)اور فرانسیسی زبان میں(Economic Politique)
کہتے ہیں۔

2- "Cambridge Dictionary" "میں اکنامکس کی تعریف یوں کی گئی ہے۔

"The study of the way in which economies work, for example, the way in which they make money and produce and and services".distribute goods

or

"The way in which trade, industry, or money is organized".[15]

3- "Encyclopedia Britannica" "میں اکنامکس کی تعریف اِس طرح کی گئی ہے۔

"Economics, is a social science that seeks to analyze and describe the production, distribution, and consumption of wealth".[16]

الغرض "Economics" سے بھی مراد وہی تمام سر گرمیاں اور اُمور ہیں جو معیشت سے متعلق ہیں۔

4- پروفیسر رابنز نے Economics کی تعریف یوں بیان کی ہے۔

"Economics is the science that studies human behavior as a relationship between ends and scarce means with alternative uses"[17]

فصل دوم

"معاشیات" کے بارے میں مفکرین کی آراء اور معروف کتابیں

"معاشیات" چونکہ نظامِ زندگی کا اہم شعبہ ہے اِس لئے اِس شعبہ پر بہت سارے مفکرین نے بحث کی ہے۔ اور اِس کے بارے میں کتابیں لکھی ہیں۔ یہاں پر مسلم اور غیر مسلم مفکرین کی آراء کو علیحدہ علیحدہ بیان کیا جاتا ہے۔

1-"معاشیات" مسلم مفکرین کی نظر میں:۔

"معاشیات یا اقتصادیات" کی اصطلاح مسلم مفکرین نے اپنی کتابوں میں بڑی تفصیل کے ساتھ بیان کیا ہے۔ معاشیات سے متعلق تفصیلاً بحث کی ہے۔ ذیل میں چند مشہور مسلم مفکرین اور اُن کی آراء کا ذکر کرتے ہیں۔

1-امام ابو یوسفؒ:۔ آپؒ کا نام "یعقوب" اور کنیت "ابو یوسف" تھی۔ آپ 113ھ میں پیدا ہوئے۔ آپؒ نے علوم القرآن، علوم الحدیث اور علوم الفقہ میں خصوصی مہارت حاصل کی۔ آپؒ امام ابو حنیفہؒ کے خاص اور معتمد شاگرد تھے۔ آپؒ کے دور میں عباسی خلافت عروج پر تھی۔ آپؒ "قاضی القضاۃ" کے عہدہ پر فائز رہے۔ اِس لئے آپؒ نے عباسی خلافت کے لئے قرآن و حدیث کی روشنی میں ایک معاشی دستور مرتب کیا جو کہ "کتاب الخراج" کے نام سے مشہور ہوا۔ اِس کتاب میں آپؒ نے ٹیکس، ٹیکس کی اقسام، ٹیکس عائد کرنے کے اصول، ٹیکس کی وصول، ٹیکس کی تقسیم، سامانِ تجارت پر ٹیکس، زرعی زمینوں پر ٹیکس، وراثت پر ٹیکس، محصول چنگی، زرعی زمینوں کا انتظام، کاشت اور خراج و عشر کے اُصول، پانی کی فراہمی، لگان کی شرائط، ماہی گیری، جنگلات، چراہ گاہیں اور حکمرانوں کا رویہ، وغیرہ اِن تمام شعبوں پر جامع اور مدلل انداز میں بحث کی ہے۔[18]

2-ابو عبیدۃ القاسم بن سلامؒ:۔ ابو عبیدہؒ دوسری صدی ہجری میں ہرات کے شہر میں پیدا ہوئے۔ ہرات میں ابتدائی علم کے حصول کے بعد مزید تعلیم کے لئے بصرہ اور کوفہ کا رُخ کیا۔ جہاں آپ نے عربی ادب، صرف اور نحو کے علاوہ ور قرآن و حدیث کے علوم حاصل کئے۔ آپ نے عبداللہ بن مبارکؒ، سفیان ابن عیینہؒ، کسائی اور فراء جیسے مشہور محدثین اور ماہرین سے علوم حاصل کئے۔ آپؒ نے کئی ساری کتابیں لکھیں لیکن آپ کی کتاب "کتاب الاموال" بہت مشہور ہوئی، جس میں آپ نے۔ اِس میں آپؒ نے زمینوں سے متعلق امور، عشر و زکوۃ، اہلِ ذمہ کے ساتھ کئے گئے معاہدات، ذمیوں سے جزیہ کی وصولی، اور خصوصاً حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے مالیاتی نظام پر تفصیلاً گفتگو کی ہے۔[19]

3-علامہ ابن حزمؒ:۔ آپ ابو محمد علی بن احمد بن سعید ابن حزمؒ کے نام سے مشہور ہیں۔ آپؒ 384ھ کو اندلس کے مشہور شہر قرطبہ میں پیدا ہوئے۔ آپ کا تعلق ظاہری مسلک کے ساتھ تھا۔ آپ نے 400 کے لگ بھگ کتابیں لکھیں لیکن اِن سب میں کتاب "المحلی" کو بہت زیادہ شہرت ملی، یہ کتاب 11 ضخیم جلدوں پر مشتمل ہے۔ اِس

کتاب میں مسلمانوں کے دورِ عروج کے معاشی نظام کو مرتب کر کے معاشی نظام کے جامعیت اور اصولوں پر سیر حاصل گفتگو کی ہے۔

3- **ابوالحسن علی بن محمد الماوردیؒ:۔** ابوالحسن علی بن محمد الماوردیؒ پانچویں صدی ہجری کے مشہور اور عظیم مسلم مفکر گزرے ہیں ۔آپ نے اپنی تصانیف میں "اقتصادی موضوعات" پر بڑی تفصیل کے ساتھ بحث کی ہے۔آپ نے "معاشیات" کی اصل بنیاد سرمایہ /مال ودولت قرار دیا ہے۔ گویا کہ معیشت کا نظام سرمایہ کی بنیاد پر چلتا ہے ۔آپ "الاحکام السلطانیہ"میں اقتصادیات کی وضاحت بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔"وَالْأَمْوَالُ الْمُزَكَّاةُ ضَرْبَانِ: ظَاهِرَةٌ وَبَاطِنَةٌ، فَالظَّاهِرَةُ: مَا لَا يُمْكِنُ إخْفَاؤُهُ؛ كَالزَّرْعِ وَالثِّمَارِ وَالْمَوَاشِي، وَالْبَاطِنَةُ: مَا أَمْكَنَ إخْفَاؤُهُ مِنَ الذَّهَبِ وَالْفِضَّةِ وَعُرُوضِ التِّجَارَةِ" ۔[20]

ترجمہ:۔"مال کی دو قسمیں ہیں :اموال ظاہرہ اور اموال باطنہ۔اموال ظاہرہ سے مراد ہیں، وہ مال جس کو چھپایا نہ جاسکے جیسے کھیتی، پھل اور مویشی وغیرہ۔اور اموال باطنہ سے وہ مال مراد ہیں، جنہیں چھپایا جاسکے جیسے سونا، چاندی اور سامان تجارت وغیرہ"۔

"اموال"یعنی سرمایہ کے بارے میں آپ مزید لکھتے ہیں۔"لان الله تبارک وتعالیٰ جعلها قواما للابدان ،وتلوا لانفس ،وسببا لبقائ الاجسام ،وحیاۃ للبشر،وآلۃ لطلب المعانی ،واداۃ لنیل الامانی ،زینۃ للحیاۃ الدنیا، وطریقا الی النجاۃ فی الآخرۃ والاولی"۔

ترجمہ:۔ "("مال"یعنی سرمایہ پر بحث کرنا اِس لئے ضروری ہے)کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اِن (اموال)کو بدنوں کے لئے قوام (انہیں قائم رکھنے والا)جسموں اور جانوں کی بقا اور انسانی زندگی (کی بقا)کا ذریعہ اور سبب بنایا ہے۔ نیز (اس کے علاوہ)عظمتوں کے حصول کا ذریعہ اور (جائز) خواہشات کی تکمیل کا سامان ،دنیاوی زندگی کی زیب و زینت اور دنیا وآخرت میں نجات کا راستہ (بھی اموال کو)بنایا ہے"۔

گویا کہ آپ/کے نزدیک انہی اموال کے احکام جاننے کا نام "علم معاشیات"ہے۔

4۔ **امام غزالیؒ:۔** امام غزالیؒ چھٹی صدی ہجری کے مشہور فلاسفر گزرے ہیں۔آپؒ "معاشیات"کی تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔"دنیا میں رہنا بغیر کھائے پیئے ناممکن ہے ،اسلئے کمانے کے صحیح طریقوں کو جاننا ضروری ہے "۔[21]

اس کے علاوہ آپؒ نے معاشیات سے متعلق دیگر اُمور مثلاً کمانے کی فضیلت، معاملات کی درستگی، معاملات اور تجارت میں عدل سے کام لینا، تجارت میں احسان اور نیکی سے پیش آنا وغیرہ پر بھی تفصیلاً بحث کی ہے۔

5- **امام ابن تیمیہؒ:۔** امام ابن تیمیہؒ زوالِ بغداد کے پانچ سال بعد 661ھ کو حران میں پیدا ہوئے۔آپؒ کا نام "احمد"، لقب "تقی الدین"اور کنیت "ابوالعباس"ہے۔ابن تیمیہؒ کی کتاب "الحسبہ فی الاسلام"بہت زیادہ

مشہور ہوئی۔اِس کتاب میں آپ نے منڈی،اجارہ داری،ذخیرہ اندوزی،سٹہ بازی،بائع اور مشتری،جائز اور مناسب منافع،زکوۃ اور مال غنیمت وغیرہ سے متعلق تمام امور سے تفصیلاً بیان کئے ہیں۔

6-علامہ ابن خلدونؒ:۔ آپؒ کا نام "عبدالرحمن بن محمد بن محمد بن خلدون "اور کنیت "ابوزید" تھی۔علامہ ابن خلدونؒ 832ھ کو تیونس میں پیدا ہوئے۔آپؒ عمرانیات،سماجیات،تاریخ اور معاشیات کے ماہر سمجھے جاتے ہیں۔آپؒ نے کئے کتابیں لکھی ہیں لیکن ان میں "مقدمہ تاریخ" بہت زیادہ شہرت حاصل کر پائی،جس میں آپ نے معیشت پر تفصیلاً گفتگو کرتے ہوئے "معاشیات" کی تعریف یوں لکھی ہے۔"ان المعاش هو عبارة عن ابتغاء الرزق والسعی فی تحصيله"۔[22]

ترجمہ:۔"معاش رزق ڈھونڈنے اور اسے حاصل کرنے کے لئے کی جانے والی جدوجہد کا نام ہے"۔

7-شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ:۔ آپؒ کا نام "احمد بن عبدالرحیم"،کنیت "ابوالفیاض "اور لقب "ولی اللہ" ہے۔آپؒ کی ولادت 4شوال 1114ھ کو دہلی میں ہوئی۔

شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ برِعظیم پاک وہند کے مشہور محدث اور فلاسفر تھے۔آپؒ نے زندگی کے مختلف شعبوں سے متعلق لگ بھگ 50 کتابیں لکھیں۔جن میں قرآن مجید کا فارسی زبان میں ترجمہ،الفوز الکبیر اور حجۃ اللہ البالغۃ بہت زیادہ مشہور ہیں۔آپؒ معیشت کے بارے میں "حجۃ اللہ البالغۃ" میں یوں لکھتے ہیں ۔"وهُوَالْحِكْمَة الباحثة عَن كَيْفيَّة إِقَامَة المبادلات والمعاونات والإكساب على الارتفاق الثَّانِي"۔[23]

ترجمہ:۔"ارتفاق ثانی کے باب میں افراد معاشرہ کے اشیاکے باہمی تبادلہ،ایک دوسرے سے معاشی تعاون اور ذرائع معیشت وآمدن کی حکمت سے بحث کرنے کا نام علم معیشت ہے"۔

2-"معاشیات" غیر مسلم مفکرین کی نظر میں:۔

جیسا کہ مسلم مفکرین نے معاشیات کی بنیادیں رکھیں۔بعد میں آنے والے ادوار میں غیر مسلم مفکرین نے بھی علم معاشیات کو جدید انداز میں متعارف کرانے میں گراں قدر خدمات سرانجام دیں۔اِس سلسلے میں مغرب کے مفکرین نے بہت کام کیا۔خصوصاًایڈم سمتھ نےاِس فن اور علم کو بڑے منظم انداز میں پیش کیااور غالباپہلی بار معاشیات کو بطور علم متعارف کرانے کا سہرا بھی ان ہی کے سر ہے۔اِس کے علاوہ اور کئی مفکرین بھی گزرے ہیں جنھوں نے معاشیات کے بارے میں اپنی اپنی نظریات پیش کئے۔

1-ایڈم سمتھ(Adam Smith):۔ غیر مسلم مفکرین میں ایڈم سمتھ کا نام بہت معروف اور مشہور ہے ۔آپ کو معاشیات/اکنامکس کا بانی کہاجاتاہے۔ایڈم سمتھ ایک برطانوی ماہر معاشیات اور فلسفی تھا۔1723ء سکاٹ لینڈ میں پیدا ہوا۔آپ نے آکسفورڈ یونیورسٹی سے تعلیم حاصل کی اور پھر گلاسگو یونیورسٹی میں فلسفے کا استاد رہے۔آپ

کی شہرت کی وجہ آپ کی کتاب "The Wealth of Nations" ہے، جو کہ 1776ء میں چھپی تھی۔ ایڈم سمتھ نے شادی نہیں کی تھی۔ آپ اپنی کتاب میں معاشیات کی تعریف یوں لکھتے ہیں ۔ "Economics is a study of Wealth." [24]

ترجمہ:۔ "معاشیات دولت کا علم ہے"۔

آپ کی نظر میں معاشیات ایک ایسا علم ہے جو پیدائش دولت، صرف دولت، تقسیم دولت اور تبادلہ دولت سے بحث کرتا ہے۔ ایڈم سمتھ کے ہم خیال معاشی مفکرین میں جرمی بینتھم، تھامس رابرٹ مالتھس، ڈیوڈ ریکارڈو، جے بی سے، جان اسٹوئرٹ مل، ایلے، فرانسس اے واکر، فاسٹ، والرس، چیپمین اور این ڈبلیو سینئر وغیرہ شامل ہیں۔

2-الفریڈ مارشل:۔ الفریڈ مارشل 1841ء کو انگلستان میں پیدا ہوئے، آپ کیمبرج یونیورسٹی میں معاشیات کے پروفیسر تھے۔ آپ نے اپنی مشہور کتاب "Principles of Economics" میں معاشیات کے بارے میں یوں لکھا[25]۔ "جو شخص معاشرہ میں زندگی بسر کرتا ہے، اور جو سادھو اور تارک الدنیا جنگلوں میں رہتا ہے اُس کا معاشیات سے کوئی تعلق نہیں"۔

آپ نے ایڈم سمتھ کی بیان کردہ تعریفِ معاشیات سے اختلاف کرتے ہوئے اُس پر تنقید کرکے اسے ایک شیطانی اور دولت پرستی کا علم قرار دیا، آپ نے علمِ معاشیات کی ایک نئے انداز سے تعریف کی۔

"Economics is a study of man's action in the ordinary business of life; it enquires how he gets his income and how he uses it. It examines that part of individual and social action which is most closely connected with the attainment and with the use of material requisites of well-being.

Thus economics is on one side a study of wealth, and on the other, and more important sideman part of the study of man". [26]

ترجمہ:۔ "معاشیات میں انسان کی ان سرگرمیوں کا مطالعہ کیا جاتا ہے جن کا تعلق زندگی کے روزمرہ معاملات سے ہوتا ہے اس کے ذریعے یہ معلوم ہوتا ہے کہ انسان کس طرح دولت کماتا ہے اور اسے کس طرح خرچ کرتا ہے، یہ علم انسان کی انفرادی اور اجتماعی کوششوں کے اس حصے کا جائزہ لیتا ہے جس کا اس بات سے گہرا تعلق ہے کہ خوشحال زندگی کے

ضامن مادی لوازمات کس طرح حاصل کئے جاتے ہیں اور کس طرح استعمال کئے جاتے ہیں پس معاشیات ایک طرف تو دولت کا علم ہے اور دوسری طرف خود انسانی زندگی کے ایک پہلو کا بھی"۔

آپ نے معاشیات کے میدان میں بڑا کام کیا۔ آپ نے معاشیات پر "اکنامکس آف انڈسٹری"، "پرنسپل آف اکنامکس"، "انڈسٹری آف ٹریڈ" اور "منی، کریڈٹ اینڈ کامرس" جیسی مشہور کتابیں لکھیں۔ الفریڈ مارشل کے ہم خیال ماہرین معاشیات میں پیگو، کینن، بیورتج، کونٹ ویکسل، جے بی کلارک، ٹازگ اروِنگ فشر وغیرہ کے نام مشہور ہیں۔

3-لائینل رابنز:۔ جدید دور کے مفکرین و ماہرینِ معاشیات میں لائینل رابنز کا نام بھی بہت مشہور ہے۔ آپ کا تعلق لندن سکول آف اکنامکس سے ہے۔ آپ کی تصانیف نے معاشیات کو سمجھنے کے لئے ایک نئی راہ دکھائی۔ پروفیسر رابنز نے الفریڈ مارشل کی رائے پر تنقید کرتے ہوئے کہا کہ اِس تعریف سے علمِ معاشیات کا دائرہ محدود ہو جاتا ہے، چونکہ اس تعریف میں صرف وہی انسانی اعمال کو بحث میں لایا گیا ہے جن کا تعلق زندگی کے مادی پہلوؤں سے ہوتا ہے اس کے ساتھ ساتھ تصورِ فلاح بھی ناقابل پیمائش ہے۔ چنانچہ رابنز نے معاشیات کی از سر نو تعریف کرتے ہوئے لکھا۔ “Economics is the Science that studies human behavior as a relationship between ends and scaree means with alternative uses. [27]

ترجمہ:۔ "معاشیات انسان کے اس طرز عمل کا مطالعہ کرتا ہے جسے وہ خواہشات کے لامحدود ہونے مگر ان کو پورا کرنے کے لیے محدود ذرائع کی موجودگی میں اختیار کرتا ہے، جبکہ یہ ذرائع متبادل مقاصد کے لئے استعمال ہو سکتے ہیں"۔

مندرجہ بالا تمام غیر مسلم مفکرین "سرمایہ دارانہ" کے حامی ہیں۔

4-کارل مارکس:۔ کارل مارکس 5 مئی 1818ء کو جرمنی کے شہر ترئیر میں پیدا ہوئے۔ مارکس نے ترئیر کے جمناسٹک سکول میں بی اے تک تعلیم حاصل کی۔ آپ نے ابتدا ہی سے اپنی زندگی کا مقصد انسانیت کی خدمت کو ٹھہرایا۔ تعلیم مکمل کرنے کے بعد مارکس نے پہلے تو بون میں پھر برلن یونیورسٹی میں قانون پڑھا۔ قانون آپ کا پسندیدہ مضمون تھا۔ لیکن ساتھ ساتھ میں فلسفہ اور تاریخ میں بھی گہری دلچسپی لی۔ اٹھارویں صدی عیسوی میں پورے یورپ میں صنعتی انقلاب کا برپا ہونا اور صنعت پر سرمایہ داریت کا قبضہ ہونا آپ نے یہ سارے حالات اپنی آنکھوں سے دیکھے۔ اور یوں سرمایہ دارانہ نظامِ معیشت کے خلاف مزدور طبقہ میں نفرت پیدا ہو گئی۔ کارل مارکس نے سرمایہ داریت کے خلاف تحریک چلائی۔ آپ نے سرمایہ دارانہ نظامِ معیشت کے خلاف "کمیونزم/سوشلزم" کا نظریہ دیا۔ آپ کے اِس نظریہ سوشلزم کی بنیاد پر

انیسویں صدی عیسوی میں روس میں "سوشلسٹ انقلاب" برپا ہوا۔اسی وجہ سے کارل مارکس کو "سوشلزم کا بانی" کہا جاتا ہے۔آپ کی تصانیف میں معیشت کے بارے میں سب سے مشہور کتاب "سرمایہ" ہے۔

3-معاشیات پر لکھی جانے والی معروف کتابیں:۔

مسلمان مفکرین نے جس طرح زندگی کے ہر شعبے میں رہنمائی کی ہے اِسی طرح انہوں نے اپنی تصانیف میں معاملات اور معاشیات کو بڑی تفصیل کے ساتھ مرتب اور مدون کیا ہے۔ذیل میں "معاشیات" سے متعلق چند مشہور تصانیف ہیں۔

1- امام ابو یوسفؒ کی مشہور کتاب "کتاب الخراج"۔

2- ابو عبیدہ القاسم بن سلامؒ کی کتاب "کتاب الاموال"۔

3- علامہ ابن حزم الاندلسیؒ کی گیارہ جلدوں پر مشتمل کتاب "المحلیٰ"۔

4- علامہ ابن خلدونؒ کی مشہور کتاب "مقدمہ ابن خلدون"۔

5- علامہ ابن تیمیہؒ کی کتاب "الحسبۃ فی الاسلام"۔

6- شاہ ولی اللہ دہلویؒ کی کتاب "حجۃ اللہ البالغۃ"۔

7- علامہ یوسف القرضاویؒ کی کتابیں "اسلام میں حلال وحرام" مطبوعہ اسلامک پبلیکیشنز، لاہور، اور "اسلام اور معاشی تحفظ" اور "فقہ الزکوٰۃ" مطبوعہ البدر پبلیکیشنز، لاہور۔

8- مولانا حفظ الرحمٰن سیوہارویؒ کی کتاب "اسلام کا اقتصادی نظام" مطبوعہ مکتبہ رحمانیہ، لاہور۔

9- مولانا مناظر احسن گیلانیؒ کی دو کتابیں "اسلامی معاشیات" مطبوعہ شیخ شوکت علی اینڈ سنز، اور "اسلام اور نظام جاگیرداری و زمینداری" مطبوعہ محکمہ اوقاف، لاہور۔

10- پروفیسر چوہدری غلام رسول چیمہؒ کی کتاب "اسلام کا معاشی نظام" سیونتھ سکائی پبلیکیشنز، غزنی سٹریٹ، لاہور۔

11- ڈاکٹر محمد یوسف کی کتاب "اسلام کے معاشی نظریے" مطبوعہ محکمہ اوقاف، پنجاب۔

12- مولانا مودودیؒ کی کتابیں "اسلام اور جدید معاشی نظریات"، "معاشیات اسلام" مطبوعہ اسلامک پبلیکیشنز، لاہور، اور "مسئلہ ملکیت زمین" مطبوعہ ادارہ ثقافت اسلامیہ، لاہور۔

13- مولانا مفتی محمد شفیعؒ کی کتاب "اسلام کا نظامِ اَراضی" مطبوعہ ادارۃ المعارف، کراچی۔

14- ڈاکٹر محمد نجات اللہ صدیقی کی کتابیں"اسلام کا نظریہ ملکیت" اور"شراکت ومضاربت کے شرعی اصول"مطبوعہ اسلامک پبلیکیشنز،لاہور۔

15- علامہ سید محمد باقر الصدر(شیعہ مسلک)کی دو کتابیں"اقتصادنا"اور"بنکونا"۔

16- پروفیسر رفیع اللہ شہاب کی کتاب"اسلامی ریاست کامالیاتی نظام اور بنکاری نظام"مطبوعہ دوست ایسوسی ایٹ،الکریم مارکیٹ اردو بازار،لاہور۔

17- ڈاکٹر نور محمد غفاری کی کتاب"نبی کریمﷺکی معاشی زندگی"مطبوعہ شیخ الہند اکیڈمی کراچی،اور"اسلام کا قانونِ تجارت"مطبوعہ دیال سنگھ ٹرسٹ لائبریری،لاہور۔

18- ڈاکٹر ضیاء الدین احمد کی کتاب"نبی کریمﷺ کی معاشی تعلیمات"مطبوعہ ادارہ تحقیقات اسلامی،اسلام آباد۔

19- ڈاکٹر محمود احمد غازیؒ کی کتاب"حرمتِ ربا اور غیر سودی مالیاتی نظام"مطبوعہ انسٹیٹیوٹ آف پالیسی سٹڈیز،اسلام آباد۔

20- پروفیسر خواجہ نسیم احمد کی کتاب"اسلام اور معاشی ترقی"مطبوعہ ادارہ تعلیمی تحقیق،لاہور۔

فصل سوم

"معاشیات" کا آغاز وارتقاء اور اِس کی اقسام

1-"معاشیات" کا آغاز وارتقاء:-

اللہ تعالیٰ نے جب انسان کے لئے اِس کائنات کو پیدا کیا تو کل انسانیت کے لئے اِس کائنات میں بے شمار وسائلِ معیشت پیدا کیے۔ چاہے اِس کائنات کی فضائیں ہو یا چاہے سمندروں کی گہرائیاں، یا چاہے زمین کی وسیع وعریض سطح اور بلند وبالا پہاڑ ہو۔اِن سب کے اندر باری تعالیٰ نے معیشت کے بے شمار وسائل پیدا کئے۔اِس کائنات کی بھاگ دوڑ اور تسخیر اشرف المخلوقات انسان کے حوالے کر دیا۔ اللہ رب العزت کی پیدا کردہ اِن بے شمار وسائلِ معیشت کے استعمال کے ساتھ ہی "معاشیات" کا آغاز ہوا۔ چونکہ انسان بقولِ شاہ ولی اللہ دہلویؒ کے دو چیزوں کا مجموعہ ہے۔ حیوانیت اور روحانیت۔ حیوانیت کا بنیادی تقاضا "معیشت" ہے۔ معاشی مسائل روئے زمین پر انسان کی تخلیق کے ساتھ ہی وجود میں آئے۔

دوسرے لفظوں میں جب سے انسان پیدا ہوا ہے اُسی وقت سے انسان کو اپنی طبعی تقاضوں کو پورا کرنے اور بھوک مٹانے کے لئے وسائل کی ضرورت تھی۔ پس انسان نے اپنی عقل وشعور کی بنیاد پر اپنی بھوک کو مٹانے کے لئے زمین سے وسائل کی تلاش شروع کی۔ جس کے لئے پھل دار درختوں سے پھل کا حصول اور زمین میں غلہ اور اجناس کی کاشت کرنا شروع کیا، بارش، آندھی، سورج کی گرمی، سردی اور دیگر آسمانی وقدرتی آفات سے بچنے کے لئے غاروں کی تلاش یا خیمہ یا گھر کی تعمیر ضرورت پڑی وغیرہ وغیرہ۔

ابتداء میں انسان نے غاروں کو اپنا مسکن اور پناہ گاہ بنایا۔ لباس کے طور پر درختوں کے بڑے پتے استعمال کرنا، پتھروں کے رگڑنے سے آگ جلانا، جنگل کے جانوروں کا شکار کرنا، جڑی بوٹیوں، درختوں کے پتوں اور پھلوں سے اپنی بھوک مٹانا۔ پھر آبادی آہستہ آہستہ بڑھتی گئی تو انسان نے صحراؤں، پہاڑوں اور دریاؤں پر خیمہ زن ہونا شروع کیا اور پھر جانوروں کو پال کر اُن سے گوشت، دودھ اور کھالوں کا حصول شروع کیا۔ اور یوں پھر دیہاتی زندگی کی بنیاد پڑی، ضرورت کی بنیاد پر مختلف پیشے وجود میں آگئے، چھوٹی چھوٹی صنعتیں اور دستکاریاں وجود میں آگئی۔ اور پھر شہر آباد ہونے کے ساتھ شہری زندگی وجود میں آگئی، شہری زندگی کے بعد قومی زندگی کا وجود میں آنا اور پھر اگلا مرحلہ عالمی نظام زندگی کا وجود ہے۔ جس کو شاہ ولی اللہ دہلویؒ نے "ارتفاقاتِ اربعہ" کے نام سے حجۃ اللہ البالغہ میں ذکر کیا ہے۔ گویا کہ یہ انسانی معاشرتی اور معاشی زندگی کی ارتقائی منازل ہیں۔ جن سے ہر قوم کو گزرنا ضروری ہے۔

اور یوں پھر انسان اپنے اِن معاشی مسائل کے حل کے لئے اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ عقل وشعور کی بنیاد پر اپنے معاشی مسائل کے حل میں دور کے مطابق وسائل کو بروئے کار لاتا رہا ہے اور اپنے مسائل حل کرتا رہا ہے۔ اور یوں

انسان کی معاشی زندگی ترقی کرتی گئی۔انسانی معاشی زندگی میں زراعت کے بعد تجارتی دور کا آغاز ہونے لگا اور پھر اٹھارویں صدی عیسوی میں یورپ کے صنعتی انقلاب کے ساتھ انسانی معیشت اگلے دور میں داخل ہوئی۔

2-علم المعیشت کی اقسام:۔

علم معاشیات کی دو اقسام ہیں۔

1۔ علمی یا نظریاتی معاشیات 2۔ عملی یا اطلاقی معاشیات

1۔ علمی یا نظریاتی معاشیات(Theoretical Economics) :۔علمی یا نظریاتی معاشیات سے مراد وہ اصول، ضابطے اور قوانین ہیں جن کو انسان اپنے مشاہدہ کی بنیاد پر وضع کرتا ہے، یہ تمام قوانین اور ضابطے "علمی یا نظریاتی معاشیات " کہلاتے ہیں۔مثلاً پیدائشِ دولت، صرفِ دولت، تبادلۂ دولت اور تقسیمِ دولت کے قوانین اور اصول وضابطے وغیرہ علمی یا نظریاتی معاشیات کہلاتے ہیں۔

2۔ عملی یا نظریاتی معاشیات(Applied Economics) :۔عملی یا نظریاتی معاشیات سے مراد وہ عملی معاشی نظام ہے جس میں نظریاتی معیشت کو وضع کردہ اصول، ضابطے اور قوانین پر عمل کیا جاتا ہے، مثلاً کسی ملک میں کارفرما معاشی نظام کا ہونا، جیسے کسی ملک کا معاشی نظامِ اسلامی ہو، یا سرمایہ دارانہ یا سوشلزم کا معاشی نظام ہو۔اُس نظام کا عوام اور معاشرے پر کیا اثرات مرتب ہوتے ہیں؟ وغیرہ وغیرہ۔

اِس کے علاوہ ماہرینِ معیشت نے اِن دونوں کے مزید ذیلی اقسام بھی لکھے ہیں، جس کے لیے معیشت کے مزید کتابوں کا مطالعہ کیا جاسکتا ہے۔

فصلِ چہارم
"اسلامی معاشیات" کی تعریف

1-"اسلامی معاشیات" کی تعریف:۔

اسلامی معاشیات کے بارے میں بہت سارے مسلمان ماہرین نے اپنی اپنی رائے کا اظہار کر کے مختلف تعریفات کی ہیں۔پروفیسر عبدالحمید ڈار نے "اسلامی معاشیات" میں یوں تعریف لکھی ہے۔"اسلامی نظامِ معیشت سے مراد کسی منظم معاشرہ میں رہنے والے افراد کی معاشی احتیاجات کی تسکین کا وہ طریق کار ہے جو قرآن وسنت کی ہدایات کے تابع ہو۔اِن ہدایات کے مطابق اس بات کا تعین کیا جاتا ہے کہ صرفِ دولت، پیدائشِ دولت اور تقسیم وتبادلۂ دولت کا اندازہ کیا ہو"۔[28]

ڈاکٹر محمد طاہر القادری یوں لکھتے ہیں۔"اسلامی معاشیات وہ علم ہے جس میں شریعت کے ان اصولوں سے بحث کی جاتی ہے جو بے انصافی کے ذریعے مادی وسائل کے حصول کو ناجائز قرار دیتے ہیں اور جو جائز مادی وسائل کے تصرف کو اس طرح منضبط کرتے ہیں کہ وہ انسان کی ضروریات زندگی کی تکمیل کے ساتھ ساتھ اسے اس قابل بنائیں کہ وہ ان انفرادی، عائلی اور اجتماعی فرائض کی ادائیگی کر سکے جو اللہ تعالیٰ نے اور معاشرے نے اس پر عائد کئے ہیں"۔[29]

احسن الزمان نے "اسلامی معاشیات" کی تعریف یوں لکھی ہے۔"اسلامی معاشیات وہ علم ہے جس میں شریعت کے اصولوں کا اطلاق ہوتا ہے، جو بے انصافی کے ذریعہ مادی وسائل کے حصول کو ناجائز قرار دیتے ہیں اور جو مادی وسائل کے تصرف کو اس طرح منضبط کرتے ہیں کہ وہ انسان کو تسکین بہم پہنچانے کے ساتھ ساتھ اس قابل بنائیں کہ وہ ان فرائض کی ادائیگی کریں جو اللہ تعالیٰ اور جماعت نے ان پر عائد کیے ہیں"۔[30]

مذکورہ بالا تمام تعریفات کی روشنی میں یہ معلوم ہوتا ہے کہ اسلام دولت کمانے کے اصول اور قوانین وضع کرتا ہے، اِن قوانین کی روشنی میں ہی معاشی سرگرمیاں وجود میں آئیں گی، اسی طرح اِس کے بعد اگلا مرحلہ صرفِ دولت کے بارے میں بھی اصول دیتا ہے کہ دولت صرف ذات کی حد تک خرچ نہ ہو بلکہ ذات کے ساتھ ساتھ انسانیت کو اگر مقدم مانا جائے تو یہ معاشرہ جنت نما معاشرہ بن جائے گا۔اِن اصولوں سے ہٹ کر معاشی سرگرمیاں وبالِ جان اور وبالِ معاشرہ ہیں اور یہی "اسلامی معاشی نظام" ہے۔

2-"اسلامی معاشیات" کے مقاصد:۔

قرآن وحدیث کی رو سے "اسلامی معاشیات" کے مندرجہ ذیل مقاصد ہیں۔

1-**بنیادی حقوق/ضروریات کا حصول:**۔دینِ اسلام یہ چاہتا ہے کہ انسانی معاشرہ میں رہنے والے ہر شخص کی بنیادی ضروریات پوری ہوں۔بنیادی حقوق کی حد بندی دینِ اسلام نے کی ہے۔

شاہ ولی اللہ دہلویؒ نے انسان کے بنیادی حقوق کے بارے میں تفصیلاً لکھا ہے۔آپؒ نے لکھا ہے کہ بنیادی انسانی حقوق کا آغاز (1) فکرو نظریہ اور رائے کی آزادی سے ہوتا ہے۔پھر درجہ بدرجہ (2) جان، (3) مال، (4) عزت آبرو کی حفاظت کے ساتھ ساتھ، (5) تعلیم وتربیت کا اہتمام، (6) رہائش کے لئے مکان کا بندوبست، (7) علاج ومعالجے کی سہولت، (8) شادی کا انتظام کرنا وغیرہ ہر انسان کے بنیادی حقوق ہیں۔حکومتِ وقت کی ذمہ داری ہے کہ وہ رعایا کے لئے ایسے یکساں مواقع پیدا کرے جن میں عوام اپنے بنیادی حقوق بلا تفریق رنگ نسل ومذہب کے پورا کر سکے۔

گویا کہ "اسلامی معاشی نظام" کے اولین مقاصد میں سے یہ ہے کہ کل انسانیت کے بنیادی حقوق و ضروریات بلا تفریق پوری کرنا۔

2-عدل وانصاف کا قیام:۔ "اسلامی معاشی نظام" کا دوسرا بنیادی مقصد عدل وانصاف کا قیام ہے، جیسا کہ اللہ کا ارشاد ہے۔"اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْاِحْسَانِ وَاِيْتَآئِ ذِي الْقُرْبٰى وَيَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْكَرِ وَالْبَغْيِ يَعِظُكُمْ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ"۔[31]

ترجمہ:۔" بیشک اللہ تعالیٰ حکم دیتا ہے عدل کرنے کا احسان کرنے کا، اور قرابت داروں کو دینے کا، اور منع کرتا ہے بے حیائی سے، نامعقول باتوں سے اور سرکشی سے وہ تمہیں نصیحت کرتا ہے تاکہ تم نصیحت پکڑلو"۔

"اسلامی معاشی نظام" کی بدولت معاشرہ میں انصاف کا نظام قائم ہو جاتا ہے۔

3-دولت کی گردش:۔ "اسلامی نظام معیشت" کی بدولت انسانی معاشرہ میں دولت کی منصفانہ تقسیم ممکن ہو جاتی ہے، جس کے لئے اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے۔"كَيْ لَا يَكُوْنَ دُوْلَةً بَيْنَ الْاَغْنِيَآءِ مِنْكُمْ"۔[32]

ترجمہ:۔"تاکہ تمھارے دولت مندوں کے ہاتھ میں ہی یہ مال گردش کرتا نہ رہ جائے"۔

4-حلال رزق کی کمائی:۔ دین اسلام یہ چاہتا ہے کہ ہر شخص خود محنت کرکے حلال رزق کمالے۔اس کے لئے دینِ اسلام نے وضح طور پر حکم دیا ہے۔"يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَاْكُلُوْٓا اَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ اِلَّآ اَنْ تَكُوْنَ تِجَارَةً عَنْ تَرَاضٍ مِّنْكُمْ وَلَا تَقْتُلُوْٓا اَنْفُسَكُمْ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِكُمْ رَحِيْمًا "۔[33]

ترجمہ:۔"اے ایمان والو! آپس میں ایک دوسرے کے مال باطل طریقوں سے نہ کھاؤ۔مگر یہ کہ باہمی رضامندی سے آپس میں لین دین ہو اور اپنے آپ کو قتل نہ کرو، بلاشبہ اللہ تم پر نہایت مہربان ہے"۔

"اسلامی نظام معیشت" انسانیت کے لئے جائز روزگار کے مواقع فراہم کرتا ہے اور باطل ذرائع کا انسداد کرتا ہے۔

3-"اسلامی معاشیات" کے بنیادی مآخذ:۔

سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ "اسلامی معاشیات" کیسے وجود میں آئی یا اِس کے بنیادی ماٰخذ کیا ہیں یا یہ کسی انسان کا خود ساختہ تو نہیں ؟اِن تمام سوالات کے جوابات یہی ہیں کہ "اسلامی معاشیات "اللہ تعالیٰ کا بنایا ہوا نظامِ معیشت ہے۔ اِس کے بنیادی ماٰخذ مندرجہ ذیل ہیں۔

1-قرآن 2-حدیث 3-اجماع 4-قیاس 5-اجتہاد 6-عرف
7-مصلحت 8-اخلاقی اقدار

1-قرآن مجید:۔ قرآن مجید اسلامی تعلیمات کا اصل اور اولین مرجع ہے۔اللہ رب العزت نے اِس میں تمام اُصول اور کلیہ بیان کئے ہیں۔جیسا کہ ارشادِ ربانی ہے۔"ذلک الکتٰب لاریب فیہ ھدی للمتقین"۔[34]

ترجمہ:۔"یہ وہ کتاب ہے جس میں کوئی شک نہیں،اور یہ لوگوں کے لئے ہدایت ہے"۔

ایک اور مقام پر ارشاد ہے۔"نزلنا علیک الکتٰب تبیانا لکل شیء"۔[35]

ترجمہ:۔"ہم نے تم پر ایسی کتاب نازل کی ہے جو تمام چیزوں کو واضح کرنے والی ہے"۔

قرآن مجید تمام علوم کا ذخیرہ ہے اسی وجہ سے محدثین اور فقہاءِ کرام نے قران مجید کو دین کا اولین ماٰخذ اور مرجع قرار دیا ہے۔قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے تمام حقوق بیان کئے ہیں،چاہے حقوق اللہ ہو یا حقوق العباد۔انسانی زندگی کا کوئی بھی دائرہ اور نظام ہو،ہر ایک سے متعلق ذیلی احکامات بیان کئے ہیں۔مثلاًاسلامی نظامِ معیشت کے حوالے سے سارے بنیادی اصول قرآن کے اندر موجود ہیں،سود،احتکار واکتناز کی حرمت، صنعت و تجارت اور زراعت کا جواز، زکوۃ کی فرضیت و نظامِ زکوۃ وصدقات اور محنت کی عظمت وغیرہ۔

2-حدیث:۔ حدیث "اسلامی معاشیات "کا دوسرا ماٰخذ ہے۔صحابہ کرام رضی اللہ عنہ کے سامنے جو بھی مسئلہ آتا،سب سے پہلے قرآن اور پھر احادیث مبارکہ کی طرف رجوع کرتے۔خود اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔"لقدکان لکم فی رسول اللہ اسوۃ حسنۃ"۔[36]

ترجمہ:۔"بلاشبہ تمھارے لیے رسول اللہ ﷺ کی زندگی میں بہترین نمونہ ہے"۔

خطبہ حجۃالوداع کے موقع پر آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا۔"انی ترکتم فیکم امرین ان تمسکتم بھمالن تضلوا،کتاب اللہ وسنتی"۔[37]

ترجمہ:۔"میں تمھارے درمیان دو چیزیں چھوڑ رہا ہوں،جب تک تم انہیں تھامے رہو گے گمراہ نہیں ہو گے،وہ ہے اللہ کی کتاب اور میری سُنت"۔

ائمہ اور فقہاء کا اِس بات پر اتفاق ہے کہ قرآن مجید کے بعد احادیث اور سنت نبوی ﷺ اسلامی تعلیمات کا دوسرا ماٰخذ ہے۔محدثین نے صحاحِ ستہ اور کتبِ احادیث میں معاشیات سے متعلق بہت سارے ابواب لکھے ہیں،مثلاً

کتاب الزکوۃ، کتاب البیوع، کتاب الشفعہ، کتاب لاجارات، کتاب الاموال، کتاب الرھن، کتاب النفقات اور کتاب الوصایاوغیرہ وغیرہ۔

اِن تمام ابواب میں محدثین نےاِن سے متعلق احادیث کو جمع کیاہے جو کہ کلیہ معاشیات سے متعلق ہیں۔

3-اجماع:۔"اجماع" سے مراد یہ ہے کہ کسی اہم اور اجتماعی مسئلہ کے بارے میں مفکرینِ اسلام، فقہاءِ اُمت اور ماہرین کا اکٹھے ہو کر قرآن و سنت کی روشنی میں در پیش مسئلہ کے حل کے بارے میں سوچنا اور حل پیش کرنا۔ یا دوسرے معنوں میں شوریٰ کی صورت میں مسائل کا حل پیش کرنا۔اِس کی بنیاد خود نبی کریم ﷺ نے رکھی ہے۔آپ ﷺ کی عادتِ مبارکہ تھی کہ اجتماعی امور میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہ سے صلاح ومشورہ لیتے تھے اور پھر اکثریتی رائے کے مطابق فیصلہ فرماتے تھے۔قرآن میں بھی شوریٰ کے نام سے ایک سورۃ ہے، اور ایک اور مقام پر اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو حکم دیا۔

"وشاورھم فی الامر فاذا عزمت فتوکل اللہ"۔[38]

ترجمہ:۔"اے نبی ﷺ! معاملات میں آپ اِن (صحابہ) سے مشورہ کیا کرو، پھر جب مشورہ کے بعد کسی بات کا عزم کرلیں تو اللہ پر بھروسہ کیجئے"۔

اِس کی مثال ہمیں آذان کی ابتداء، غزوۂ خندق وغیرہ جیسے اجتماعی امور میں نبی کریم ﷺ کا صحابہ کرام رضی اللہ عنہ کے ساتھ مشورہ کرنا اور اپنی رائے کو ترک کر کے اجتماعی رائے پر عمل کرنا۔ بعد میں خلفاءِ راشدین کے اَدوار میں بھی اسی پر عمل ہوتا رہا۔

4-قیاس:۔"قیاس" دینِ اسلام کا چوتھا اہم رکن ہے۔شرعی اصطلاح میں "قیاس" سے مراد "کسی مسئلہ کے معلوم شرعی حکم پر دوسرے مسئلہ کے نامعلوم حکم کو قیاس کرنا، جب کہ دونوں حکموں میں علت مشترک ہو"۔

ایک روایت میں ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ نے حضرت معاذ بن جبلؓ اور حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ دونوں کو یمن کے الگ الگ علاقوں کا قاضی و گورنر بنا کر بھیجا گیا تھا اور آپ ﷺ کے استفسار پر دونوں نے جواب دیا تھا کہ۔

"اِذَا لَمْ نَجِدِ الْحُكْمَ فِي السُّنَّةِ نَقِيْسُ الأَمْرَ بِالأَمْرِ فَمَا أَقْرَبَ الىَ الْحَقِّ عَمِلْنَا بِہ فَقَالَ عَلَيْہِ الصَّلاَۃُ وَالسَّلاَمُ اَصَبْتُمَا"۔[39]

ترجمہ:"جب ہم سنت میں حکم نہیں پائیں گے تو ایک معاملہ کو دوسرے معاملہ پر قیاس کریں گے اور جو فیصلہ حق سے زیادہ قریب ہوگا، اسی پر عمل کریں گے۔اِس پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلمنے فرمایا تم دونوں کی رائے درست ہے"۔

نبی کریم ﷺ نے قیاس صحیح کی اجازت دی تھی اور اس پر اجر کا اعلان بھی فرمایا تھا۔ جیسا ایک حدیث میں ہے۔

"اذَا حَكَمَ الْحَاكِمُ فَاجْتَهَدَ ثُمَّ أصَابَ فَلَه أجْرَانِ وَاذَا حَكَمَ فَاجْتَهَدَ ثُمَّ أخْطَأَ فَلَه أجْرٌ"۔[40]

ترجمہ: "حاکم جب اجتہاد سے صحیح فیصلہ کرتا ہے تو اس کو دوہرا اجر ملتا ہے اور اگر غلط فیصلہ کرتا ہے تو ایک اجر ملتا ہے"۔

قیاس کی سب سے بڑی مثال حرمتِ شراب کے حکم پر باقی نشہ آور اشیاء کے حکم کو قیاس کرنا۔ چونکہ دونوں میں علتِ مشترکہ عقل کو موقوف کرنا ہے، جس کی وجہ سے باقی نشہ آور اشیاء پر بھی حُرمت کا حکم لگایا گیا۔

5-اجتہاد:۔"اجتہاد" عربی کے لفظ جُہد سے مأخوذ ہے، اِس کے معنیٰ "انتہائی درجہ کی کوشش کرنا" ہے۔ اِس سے مراد وہ کوشش ہے جو کسی شرعی حکم کو معلوم کرنے کے لئے کی جائے یا کسی درپیش مسئلہ کے حل کے بارے میں کوشش کی جائے۔ زمانہ کے گزر کے ساتھ دور بدلتا ہے، حالات بدلتے ہیں، معاشرہ میں نئے نئے مسائل درپیش آتے ہیں، اِن مسائل کا حل قرآن وسنت کی روشنی میں تلاش کرنے کو "اجتہاد" کہتے ہیں۔

اِس کی مشہور مثال حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کا وہ واقعہ ہے، جب حضور نبی کریم ﷺ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کو یمن کا گورنر مقرر کر کے روانہ کر رہے تھے، تو آپ ﷺ نے پوچھا۔ جیسا کہ اُوپر اس روایت کو نقل کیا ہے۔ اِس روایت سے "اجتہاد" کا جواز ثابت ہے۔

اجتہاد کا دروازہ تا قیامت کھلا رہے گا جس کی بدولت نت نئے مسائل کو قرآن وحدیث کی روشنی میں حل کیا جائے گا۔ اسی اجتہاد کی بدولت حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ اور دیگر خلفاء نے بڑے بڑے مسئلے حل کیے۔

6-عُرف:۔اسلامی نظامِ معیشت کا چھٹا مأخذ "عُرف" ہے، دوسرے معنوں میں اِس سے مراد "رسم ورواج" ہے۔ یعنی معاشرہ میں موجود رسم ورواج۔ اسلامی قانون کے لئے عرف کا بطورِ مأخذ کام کرنے کے فقہاءِ کرام نے کئی شرائط مقرر کئے ہیں، یعنی یہ کہ عُرف کی صحت کے لئے کونسی شرائط ہیں؟ تو فقہاء نے چند شرائط معین کئے ہیں۔

1- پہلی بات تو یہ ہے کہ اُس عُرف پر ایک صالح معاشرہ میں عمل ہو رہا ہو، کسی غیر صالح یا ظالمانہ نظام پر مبنی معاشرہ میں اگر کوئی غیر صالح عُرف/دستور پایا جائے تو وہ دلیل اور مأخذ کے طور پر شمار نہیں ہوگا۔

2- دوسری بات یہ کہ وہ عُرف عقلِ سلیم کے موافق ہو نہ کہ مخالف۔

3- تیسری بات یہ ہے کہ وہ دستور عدل وانصاف پر مبنی ہو نہ کہ ظلم پر مبنی ہو۔[41]

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے کئی معاشی مسائل اُس زمانہ میں موجود عُرف پر چھوڑ دیئے۔ مثلاً اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

"وَعَلى المَوْ لُوْدِ لَہٗ رِزْقُھُنَّ وَكِسْوَتُھُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ"۔[42]

ترجمہ:۔"اور بچہ (نومولود دودھ پینے والا) کے باپ پر دودھ پلانے والی عورت کے کھانے اور کپڑے کی ذمہ داری دستور (رسم ورواج) کے مطابق ہے"۔

ایک اور مقام پر ارشاد ہے۔"وَمَنْ كَانَ فَقِيْرًا فَلْيَاْ كُلْ بِالْمَعْرُوْفِ"۔[43]

ترجمہ:۔"اور جو غریب ہو تو وہ دستور کے مطابق اپنا خرچ لے"۔

اِسی طرح نبی کریم ﷺ نے بھی کئی معاشی فیصلے اُس وقت کے عُرف/دستور اور رسم ورواج کے مطابق کئے، مثلاً زمین کے لگان اور بٹائی کے فیصلے۔

7-مصلحت:۔"مصلحت" سے مراد یہ ہے کہ دور کا کیا تقاضا ہے؟دور اور حالات کے تقاضوں کے مطابق قانون سازی کرنا مصلحت کہلاتا ہے۔دینِ اسلام تاقیامت انسانیت کو مسائل حل کرتا رہے گا۔وہ اسی صورت میں حل کر سکتا ہے کہ دور کے تقاضوں کے مطابق نئی قانون سازی کی جائے۔حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا عراق کے مفتوحہ زمینوں کی تقسیم کا "مصلحت" کے مطابق فیصلہ کرنا، جس میں آنے والی مسلمان نسلوں کا مفاد تھا۔انسانی سماج اور مفادِ عامہ کی خاطر قرآن وحدیث کے مطابق نئی قانون سازی کرنا۔

8-اخلاقی اقدار:۔اخلاقی قدروں سے مراد دین اسلام کی بنیادی تعلیمات کی روشنی میں پیدا ہونے والی بنیادی اخلاقِ حسنہ ہیں،اِن اخلاقی قدروں کا اسلامی معاشی نظام کے بننے میں بڑا عمل دخل ہے،مثال کے طور پر انسانی ہمدردی کی بنیاد پر کسی غریب کی مدد کرنا۔یہ وہ اخلاقی قدر ہے جو کہ نفلی یا اختیاری ہے۔اسی طرح دیگر اخلاقی قدروں میں تقویٰ، سچائی،انسانیت دوستی،اخلاص،اکوت بھائی چارہ، عدل ومساوات،احسان، تعاونِ باہمی وغیرہ۔یہ وہ اخلاقی قدریں ہیں جن کی بنیاد پر اسلامی معاشی نظام کو دیگر معاشی نظاموں پر فوقیت حاصل ہے۔

4-قرآن مجید کی رو سے "معاشیات" کی اہمیت اور اس کے بنیادی ستون:۔

دینِ اسلام چونکہ ایک مکمل ضابطۂ حیات ہے،اسی لئے قرآن نے زندگی کے دیگر شعبوں مثلاً اعتقادات ،عبادات، اخلاقیات، معاشرتی معاملات اور سیاسیات کی طرح اس اہم شعبہ یعنی معاشیات میں بھی بنیادی اور اساسی اُصول وضوابط اور کلیات بیان کردیئے ہیں،اور پھر اِن کی تفصیل اور تشریح کو حضور نبی کریم ﷺ کی سیرت اور احادیث میں بیان کیا ہے جن پر بعد میں ماہرینِ فقہ نے فقہ کی صورت میں احکامات اَخذ کرنے کے طریقے وضع کئے ہیں۔

ماہرینِ عمرانیات کے نزدیک معیشت کے تین بنیادی ستون ہیں۔

1- زراعت **2-تجارت** **3-صنعت**

1-زراعت اور شجر کاری کی اہمیت:۔ "زراعت" انسانی زندگی کا سب سے اہم اور بنیادی جزو ہے۔زراعت کے بغیر انسانی زندگی کا تصور ناممکن ہے۔اِس لیے جنت میں بھی اللہ نے درختوں اور باغات کا ذکر فرمایا ہے۔"زراعت" ہی کی بنیاد پر معیشت کے باقی دو پہیے (تجارت اور صنعت) چلتے ہیں۔اسی لئے قرآن مجید نے "زراعت" سے متعلق رہنمائی کی ہے۔

" أَفَرَأَيْتُمْ مَّا تَحْرُثُونَ ۔ أَأَنْتُمْ تَزْرَعُوْنَهُ أَمْ نَحْنُ الزَّارِعُوْنَ"۔44

"بھلا دیکھو! جو بیج تم بوتے ہو تو اس سے کھیتی تم اگاتے ہو یا اگانے والے ہم ہیں"۔

اس سے زیادہ فضیلت اور کیا ہو گی کہ جو بیج ہم زمین میں لگائیں اسے اگانے کو اللہ تعالی نے اپنی طرف منسوب کیا ہے، یہ کام کسان کا اللہ پر توکل بھی ثابت کرتا ہے۔

وَلَقَدْ مَكَّنَّٰكُمْ فِي الْأَرْضِ وَجَعَلْنَا لَكُمْ فِيْهَا مَعَايِشَ قَلِيْلًا مَّا تَشْكُرُوْنَ"۔45

"ہم نے تمہیں زمین میں ٹھکانا دیا اور تمہارے لیے اس میں سامان معیشت بنایا، مگر تم لوگ کم ہی شکر ادا کرتے ہو"۔

"الذی جعل لکم الاَرْضّ مَهْدًا وَسَلَكَ لَكُمْ فِيْهَا سُبُلًا۔وَاَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَخْرَجْنَا بِهٖ اَزْوَاجًا مِّنْ نَّبَات شَتّٰی۔ كُلُوْا وَارْعَوااَنْعَامَكُم"۔46

ترجمہ:۔"اللہ وہ ذات ہے جس نے تمھارے لیے زمین کو فرش بنایا اور تمھارے لیے اِس میں راستے چلائے اور بادل سے پانی اتارا، پھر ہم نے اِس کے ساتھ مختلف اقسام کے نباتات پیدا کیے، تم خود بھی کھاؤ اور اپنے چوپایوں کو بھی چراؤ"۔

"فَلْيَنْظُرُ الاِنْسَانُ اِلیٰ طَعَامِہٖ اَنَّا صَبَبْنَاالْماَءَ صَبّاً ۔ ثُمَّ شَقَقْنَاالاَرْضَ شَقاً ۔ فَاَنْبَتْنَا فِيهَا حَبّاً وَّ عِنَباً وَّقَضْباً وَّ زَيْتُوْنًا وَّ نَخْلًا وّ حَدَائق غُلْبًا وَّ فَاكِهَةً وَّ اَبًّا مَّتَاعًا لَّكُمْ وَلِاَ نْعَامِكُمْ "۔47

ترجمہ:۔"پس انسان کو چاہیے کہ اپنے کھانے کی طرف دیکھے، پہلے ہم خوب پانی برساتے ہیں، پھر ہم زمین شق کرتے ہوئے پھاڑتے ہیں، پھر ہم اِس میں غلہ اُگاتے ہیں،اور انگور اور ترکاری اور زیتون اور کھجور اور گھنے باغات اور پھل اور چارہ تمھارے لیے اور تمھارے چار پایوں کے لیے سامان"۔

اسی طرح حضور نبی کریم ﷺ نے بھی "زراعت کے مفید عمل" کی اہمیت کو یوں بیان کیا ہے۔

"اُطْلِبُوْاالرِزْقَ فِی خَفَايَا الْاَرْضِ"۔48

ترجمہ:۔"رزق کو زمین کی پنہائیوں میں تلاش کرو"۔

فقہاء کے نزدیک اِس سے مراد "زراعت کا عمل اختیار کرنا" ہے۔جیسا کہ امام سرخسی فرماتے ہیں،"یعنی عمل الزراعۃ" کہ نبی کریم ﷺ کے اِس اِرشاد سے مراد "زراعت اور کاشتکاری کا عمل" ہے،اس لیے گویا یہ عمل سنت ہے،اِس کا حکم خود نبی کریم ﷺ نے دیا ہے۔

زراعت چونکہ معیشت کی ایک اہم بنیاد ہے اس لئے حضور نبی کریم ﷺ نے بھی زراعت کو خاص ترجیح دی ۔امام سرخسیؒ نے ایک روایت یہ بھی نقل کی ہے "أول من فعله آدم صلوات الله وسلامه عليه على

ما روي أنه لما أهبط إلى الأرض أتاه جبريل عليه السلام بحنطة وأمره بالزراعة وازرع رسول الله ﷺ بالجرف"۔[49]

ترجمہ:۔"حضرت آدم علیہ السلام نے سب سے پہلے جو کام کیا وہ یہ کہ جب اُس کو زمین پر اُتارا گیا تو آپ علیہ السلام کے پاس حضرت جبرئیل علیہ السلام گندم کا بیج لے کر آئے اور اُس کو کاشت کرنے کا حکم دیا۔اور رسول اللہ ﷺ نے جرف(علاقہ) میں خود کاشت کی ہے"۔

اِس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ خود نبی کریم ﷺ نے "زراعت" کا عمل اختیار کیا تھا،اور اِس سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ زراعت کا عمل انسانی معاشرے کے لیے کتنا اہم اور ضروری ہے جب حضرت آدم علیہ السلام کو حضرت جبرئیل علیہ السلام نے حکم دیا۔

ایک اور مقام پر نبی کریم ﷺ نے فرمایا۔"مَا مِنْ مُسْلِمٍ يَغْرِسُ غَرْسًا، أَوْ يَزْرَعُ زَرْعًا، فَيَأْكُلُ مِنْهُ طَيْرٌ، أَوْ إِنْسَانٌ، أَوْ بَهِيمَةٌ، إِلَّا كَانَ لَهُ بِهِ صَدَقَةٌ"۔[50]

ترجمہ:۔"جو مسلمان درخت بوتا ہے یا کھیتی کرتا ہے اور اس سے پرندے،انسان اور جانور اپنی خوراک حاصل کرتے ہیں تو یہ عمل اُس کے حق میں صدقہ بنتا ہے(یعنی اَجر و ثواب کا باعث ہوتا ہے)"۔

اِسی حدیث کو امام مسلمؒ نے یوں بیان کیا ہے۔

"أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ دَخَلَ عَلَى أُمِّ مُبَشِّرٍ الْأَنْصَارِيَّةِ فِي نَخْلٍ لَهَا، فَقَالَ لَهَا النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "مَنْ غَرَسَ هَذَا النَّخْلَ؟ أَمُسْلِمٌ أَمْ كَافِرٌ؟" فَقَالَتْ: بَلْ مُسْلِمٌ، فَقَالَ:"لَا يَغْرِسُ مُسْلِمٌ غَرْسًا، وَلَا يَزْرَعُ زَرْعًا، فَيَأْكُلَ مِنْهُ إِنْسَانٌ، وَلَا دَابَّةٌ، وَلَا شَيْءٌ، إِلَّا كَانَتْ لَهُ صَدَقَةً"۔[51]

ترجمہ:۔"رسول اللہ ﷺ نے اُم مبشر نامی انصاری صحابیہ کا لگایا ہوا کھجور کا درخت دیکھا،آپ ﷺ فرمایا کہ جو مسلمان کوئی درخت لگائے پھر اس سے آدمی یا جانور یا کوئی اور شئی کھائے، تو یہ سب کچھ اس کی طرف سے صدقہ میں لکھا جاتا ہے"۔

مذکورہ بالا روایت کردہ حدیث میں چونکہ لفظ"او يزرع زرعا"موجود ہے یعنی کچھ بھی زراعت کرے ،چاہے باغ لگائے یا کھیتی کرے۔تو اس سے جو بھی آدمی یا جانور فائدہ اٹھائیں اس کے مالک کے ثواب میں بطور صدقہ لکھا جاتا ہے۔علامہ حافظ ابن حجرؒ کے نزدیک اِس حدیث میں "زراعت،زمین کو آباد کرنے اور باغبانی" کی فضیلت مذکور ہے۔

صرف یہی نہیں بلکہ "زراعت" کا عمل بذاتِ خود ایک سنت عمل بھی ہے جیسا کہ امام سرخسیؒ فرماتے ہیں[52]۔

" أن النبي صلى الله عليه وسلم ازرع بالجرف"۔

ترجمہ:۔"اور رسول اللہ ﷺ نے جرف میں خود کاشت کی ہے"۔

اکثر فقہاءِ کرام کے نزدیک "زراعت" تجارت اور صنعت سے افضل عمل ہے، جیسا کہ امام سرخسیؒ فرماتے ہیں۔

"ولهذا قدم بعض مشايخنا رحمهم الله الزراعة على التجارة لأنها أعم نفعا وأكثر صدقة وقد باشرها رسول الله صلى الله عليه وسلم على ما روينا أنه ازرع بالجرف وفي الحديث رد على من يكره من المتعسفة الغرس والبناء".[53]

ترجمہ:۔"اور ان ہی روایات کے پیشِ نظر ہمارے مشائخ رحمہم اللہ "زراعت کے عمل" کو تجارت سے افضل قرار دیتے ہیں اِس لیے کہ زراعت کا نفع عام ہے اور اِس کی خیر کثیر ہے اور نبی کریم ﷺ کے ارشاد اور مبارک عمل میں اُن تنگ نظر لوگوں کا ردّ ہے جو کاشتکاری اور تعمیر کو بُرا سمجھتے ہیں"۔

آپ ﷺ نے مدینہ منورہ میں ایک صحابی حضرت سلمان فارسیؓ کی آزادی کے لئے کھجور کے 100 درخت لگائے۔اسی طرح آپ ﷺ نے اپنے دستِ مبارک سے عجوہ کھجور کا درخت بھی لگایا جو کہ آپ ﷺ کا محبوب ترین پھل تھا۔

جس طریقے سے نبی کریم ﷺ نے زراعت اور شجر کاری کو ایک ضروری اور قابلِ اَجر عمل قرار دیا ہے۔اسی طرح دین اسلام میں درختوں کی کٹائی کی ممانعت بھی کی گئی ہے۔چونکہ زراعت، درخت اور پودے بارش برسنے کا بنیادی ذریعہ ہے، درختوں سے کائنات کا قدرتی حسن دوبالا ہوتا ہے، درخت جانداروں کو آکسیجن فراہم کرنے کا اولین اور بنیادی ذریعہ ہے، درختوں سے ہواؤں کی رفتار میں اعتدال پیدا ہوتا ہے، نیز اِس سے درجۂ حرارت میں کمی واقع ہوتی ہے، اور فضائی آلودگی کا سبب بننے والے ہر طرح کے جراثیم کو اپنے اندر جذب کر لیتے ہیں۔عرب کے پہاڑی اور خشک علاقوں میں "بیری" کا درخت زیادہ دستیاب ہے اس لیے ایک روایت بھی بیان کی جاتی ہے جس میں نبی کریم ﷺ نے درخت (بیری) کی کٹائی سے منع کیا ہے۔

نبی کریم ﷺ نے بیری کے درخت کے بارے میں فرمایا۔

قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "مَنْ قَطَعَ سِدْرَةً صَوَّبَ اللَّهُ رَأْسَهُ فِي النَّارِ"۔[54]

ترجمہ:۔"جو بیری کا درخت کاٹے گا اسے اللہ تعالیٰ اوندھے منہ جہنم میں ڈالیں گے"۔

علماء نے اس حدیث کی وضاحت کرتے ہوئے لکھا ہے کہ جنگل کے ایسے درخت جن سے لوگوں کو سایہ حاصل ہوتا ہے یا جن سے چوپائے غذا حاصل کرتے ہیں انہیں جو کوئی ناحق کاٹے گا وہ جہنم رسید ہوگا۔اور اسی لیے آپ ﷺ نے جنگ جیسی ایمرجنسی کی حالت میں بھی میں کھیتیوں اور درختوں کے کاٹنے اور جلانے کو ممنوع قرار دیا گیا۔

چنانچہ امام بیہقیؒ نے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی روایت کو بیان کیا ہے، جب آپ رضی اللہ عنہ فوج کو شام کی طرف رخصت کرنے کے لیے ساتھ میں جا رہے تھے۔

" أَمَرَ أَبِي بَكْرٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ بِأَنْ يَكُفُّوا عَنْ أَنْ يَقْطَعُوا شَجَرًا مُثْمِرًا"۔[55]

ترجمہ:۔"حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے پھل دار درختوں کو کاٹنے سے منع فرمایا"۔

رسول اللہ ﷺ کی انہی ترغیبات کا نتیجہ تھا کہ حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہ صدقہ کی نیت سے شجرکاری کا خاص اہتمام فرماتے تھے۔ حضرت امام احمد ابن حنبلؒ نے حضرت ابودرداء رضی اللہ عنہ کی روایت کو نقل کیا ہے۔

" عَنْ أَبِي الدَّرْدَاءِ ، أَنَّ رَجُلاً ، مَرَّ بِهِ وَهُوَ يَغْرِسُ غَرْسًا بِدِمَشْقَ فَقَالَ لَهُ : أَتَفْعَلُ هَذَا وَأَنْتَ صَاحِبُ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ؟ فَقَالَ : لاَ تَعْجَلْ عَلَيَّ سَمِعْتُ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ : مَنْ غَرَسَ غَرْسًا لَمْ يَأْكُلْ مِنْهُ آدَمِيٌّ ، وَلاَ خَلْقٌ مِنْ خَلْقِ اللهِ عَزَّ وَجَلَّ إِلاَّ كَانَ لَهُ صَدَقَةً "۔[56]

ترجمہ:۔"حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں دمشق میں درخت لگا رہا تھا، اسی دوران ایک شخص وہاں سے گزرا اور وہ شخص مجھے کہنے لگا کہ آپ تو رسول اللہ ﷺ کے صحابی ہیں اور آپ درخت لگا رہے ہو (یعنی یہ کام ایک فالتو کام ہے) تو وہ کہنے لگا کہ جلدی مت کیجئے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا" کہ جو مسلمان کوئی درخت لگائے پھر اس سے آدمی یا پرندے یا جانور کھائے، تو یہ سب کچھ اس کی طرف سے صدقہ میں لکھا جاتا ہے"۔

اسی طرح شاہ ولی اللہ دہلویؒ "زراعت" کی اہمیت کے بارے میں اپنی مشہور کتاب "حجۃ اللہ البالغہ" میں فرماتے ہیں۔"فَإِنَّهُم إِن كَانَ أَكْثَرهم مكتسبين بالصناعات وسياسةالْبَلدة، والقليل مِنْهُم مكتسبين بالرعي والزراعة فسد حَالهم فِي الدُّنْيَا"۔[57]

ترجمہ:۔"اگر ملک کی باشندوں کی اکثریت صنعت و حرفت اور ملکی سیاست میں مصروف رہے اور زراعت اور مویشیوں کی حفاظت اور پرورش کی طرف بہت تھوڑے لوگ مشغول ہوں تو ان کی دنیوی حالت بہت خراب ہو جائے گی"۔

شاہ صاحبؒ مزید فرماتے ہیں۔"فَإِذا أقبل جم غفير مِنْهُم إِلَى هَذِه الأكساب أهملوامثلهَامن فِي الزراعات والتجارات، وَإِذا انفق عُظَمَاء الْمَدِينَة فِيهَا الْأَمْوَال أهملوا مثلهَا من مصَالح الْمَدِينَة، وجر ذَلِك إِلَى على التَّضْيِيق على القائمين بالاكساب الضرورية والزراع والتجار والصناع وتضاعف الضرائب عَلَيْهِم، وَذَلِكَ ضَرَر بِهَذِهِ الْمَدِينَة يتَعَدَّى من عضوا مِنْهَا إِلَى عُضْو حَتَّى يعم الْكل، ويتجارى فِيهَا كَمَا يتجارى الْكَلْب فِي بدن المكلوب "۔[58]

ترجمہ:۔"پس جب باشندگانِ ملک کی بڑی اکثریت اِس قسم کے (غیر طبعی اور غیر مفید) کسب واکتساب میں منہمک ہو جاتی ہے تو زراعت و تجارت جیسے کسب وہنر کو چھوڑ بیٹھتی ہے، اسی طرح جب شہر (ملک/قوم) کے امراء ایسے

فضول وبیکار وسائلِ معیشت پر خرچ کرتے ہیں تو ایسے لوگ شہری زندگی (ملکی نظام) کو برباد کرتے ہیں، اور آہستہ آہستہ یہ غلط انہماک اُن لوگوں کے لئے مصیبت کا باعث بن جاتا ہے جو لوگ اہم اور ضروری وسائلِ معیشت میں مشغول ہوتے ہیں مثلاً کاشتکار، تاجر اور صنعت کار۔ نیز یہ فاسد انہماک ان پیشہ ور افراد پر بھاری ٹیکسوں کا باعث بن جاتا ہے، اور یہ مدنی زندگی (ملکی نظام) کے لیے اِس قدر نقصان دہ بن جاتا ہے کہ اعضاءِ جماعت (معاشرہ کے افراد) کے ایک عضو سے متعدی ہو کر دوسرے عضو تک پہنچ جاتا ہے اور آہستہ آہستہ تمام اعضاءِ جماعت (معاشرہ کے افراد) میں ذاء الکلب (چیچڑی لگنے کا مرض) کی طرح متعدی ہو جاتا ہے"۔

الغرض "زراعت" کی اہمیت سے کوئی قوم وملک انکار نہیں کر سکتا۔ آج سے ہزاروں سال پہلے "زراعت" کی اہمیت اسی طرح اہم ومسلم تھی، اسی لیے حضرت یوسف علیہ السلام نے مصر کے سرزمین پر "زراعت" کو ترقی دی۔ آپ علیہ السلام نے نہری نظام، ہل اور کاشت کا موجودہ طریقہ وغیرہ ایجاد کیے اور جب پوری دنیا میں قحط پڑ گیا اور بارشیں نہ ہونے کی وجہ سے خشک سالی ہونے لگی، ایسے وقت میں آپ علیہ السلام نے مصر کی نظامِ حکومت میں ہوتے ہوئے پوری دنیا کی بھوکی انسانیت کی مدد کی۔

2- تجارت:- معیشت کے وسائل وذرائع میں "تجارت" کا بہت بڑا عمل دخل ہے۔ "تجارت" دوسرا اہم وسیلہ ہے۔ تجارت ہی کے ذریعہ کسی بھی ملک کی معیشت ترقی کر سکتی ہے، اکیلا کوئی بھی ملک زندگی اور معیشت کی تمام ضروریات میں خود کفیل نہیں ہو سکتا ہے۔ اِس لیے ہر ملک کے لیے دوسرے ملک کے ساتھ تجارت کرنا بہت ضروری ہوتا ہے۔ جیسا کہ الجزریؒ فرماتے ہیں۔" فالبيع والشراء من أكبر الوسائل الباعثة على العمل في هذه الحياة الدنيا، وأجل أسباب الحضارة والعمران"۔[59]

ترجمہ:۔ "تجارت اِس دنیا میں معاشی وسائل میں سے سب سے اہم وسیلہ ہے اور حضارت اور تمدن کے اسباب میں سب سے بڑا سبب ہے"۔

تجارت کی ترغیب:-

اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں کئی مقامات پر "تجارت" کی ترغیب بیان کی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے عرب کے اُس

جاہلیت

کے دور کی تجارتی سرگرمیوں کو سورۃ قریش میں ذکر فرما کر اُن پر اپنا احسان جتلایا ہے۔

"لِإِيلَافِ قُرَيْشٍ (1) إِيلَافِهِمْ رِحْلَةَ الشِّتَاءِ وَالصَّيْفِ (2) فَلْيَعْبُدُوا رَبَّ هَذَا الْبَيْتِ (3) الَّذِي أَطْعَمَهُم مِّن جُوعٍ وَآمَنَهُم مِّنْ خَوْفٍ (4)"۔[60]

ترجمہ:۔ "اس واسطے کہ مانوس کر رکھا قریش کو۔ مانوس کر رکھنا ان کو کوچ (تجارتی سفر) سے جاڑے کے اور گرمی کے ۔ تو چاہیے بندگی کریں اس گھر کے رب کی۔ جس نے ان کو کھانا دیا بھوک میں، اور امن دیا خوف میں"۔

اسی طرح ایک اور مقام پر ارشاد ہے۔
"اَحَلَّ اللہُ الْبَیْعَ وَحَرَّمَ الرِّ بٰو"۔[61]

ترجمہ:۔"اور اللہ تعالیٰ نے خرید و فروخت کو حلال کیا ہے اور سودی کاروبار کو حرام کیا ہے"۔

اللہ رب العزت نے جائز اور حلال تجارت کو اللہ تعالیٰ نے اپنا فضل کہا ہے۔
"فاذا قضیت الصلاۃ فانتشروا فی الارض وابتغوا من فضل اللہ واذکروا اللہ کثیراً لعلکم تفلحون"۔[62]

"ترجمہ:۔"پس جب نماز پوری ہو جائے تو زمین میں پھیل جاؤ اور اللہ کے فضل (حلال رزق) کو تلاش و حاصل کرو"۔

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے بحری تجارت کا ذکر یوں کیا ہے۔"وَتَرَی الْفُلْکَ مَوَاخِرَفِیْہِ لِتَبْتَغُوْا فَضْلِہٖ"۔[63]

ترجمہ:۔"اور تو کشتیوں کو دیکھتا ہے کہ وہ سمندر میں پانی پھاڑ کر چلتی ہیں تاکہ تلاش کرو اللہ کے فضل (تجارت) کو"۔

اسی طرح ماہر تاجر کے مقام کے بارے میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے۔
"رِجَالٌ لَّا تُلْهِيْهِمْ تِجَارَةٌ وَّلَا بَيْعٌ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ وَاِقَامِ الصَّلٰوةِ وَاِيْتَآءِ الزَّكٰوةِ يَخَافُوْنَ يَوْمًا تَتَقَلَّبُ فِيْهِ الْقُلُوْبُ وَالْاَبْصار"۔[64]

ترجمہ:۔"ایسے لوگ جن کو کاروبار اور خرید و فروخت اللہ کی یاد سے غافل نہیں کرتی اور نماز قائم کرنے اور زکوٰۃ دینے سے بھی (غافل نہیں کرتی) وہ ڈرتے رہتے ہیں اس دن سے جس میں الٹ جائیں گے دل اور آنکھیں"۔

ایک اور مقام پر ارشاد ہے۔
"يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَاْكُلُوْٓا اَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ اِلَّآ اَنْ تَكُوْنَ تِجَارَةً عَنْ تَرَاضٍ مِّنْكُمْ وَلَا تَقْتُلُوْٓا اَنْفُسَكُمْ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِكُمْ رَحِيْمًا "۔[65]

ترجمہ:۔"اے ایمان والو! آپس میں ایک دوسرے کا مال باطل طریقوں سے نہ کھاؤ۔ مگر یہ کہ باہمی رضامندی سے آپس میں لین دین ہو اور اپنے آپ کو قتل نہ کرو، بلاشبہ اللہ تم پر نہایت مہربان ہے"۔
"وَاٰخَرُوْنَ يَضْرِبُوْنَ فِي الْاَرْضِ يَبْتَغُوْنَ مِنْ فَضْلِ اللّٰهِ"۔[66]

ترجمہ:۔"کچھ دوسرے لوگ اللہ کے فضل (رزق) کی تلاش میں سفر کرتے ہیں"۔
"يَبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنْ رَّبِّهِمْ وَرِضْوَانًا"۔[67]

ترجمہ:۔"جو اپنے رب کی رضا اور اس کے فضل (رزق) کی تلاش میں بیت اللہ کے حج کے قصد سے جا رہے ہوں"۔

"یاَ یُّهَاالذِیْنَ اٰمنُوْا اَنْفِقُوْا مِنْ طَیِّبٰتِ مَا کَسَبْتُم"۔[68]

ترجمہ:۔"اے ایمان والو! خرچ کرو اُن پاک چیزوں سے جو تم نے کمائی ہیں"۔

اسلام نے انسان کو رزقِ حلال کے حصول میں کسی خاص ذریعۂ معاش کو اختیار کرنے کا حکم نہیں دیا، بلکہ صرف اِس بات کا پابند بنایا ہے کہ جو بھی پیشہ اختیار کیا جائے وہ حلال اور جائز ہو۔ حلال رزق کمانے کو اسلام نے عبادت قرار دیا ہے۔ چنانچہ ایک حدیث میں ارشاد ہے۔" طَلَبُ الْحَلَال فَرِیْضَة بَعْدِ الفَرِیْضَة "۔[69]

ترجمہ:۔"فرائض (نماز، روزہ، زکوٰۃ وغیرہ) کے بعد حلال کمائی حاصل کرنا بھی ایک فریضہ اور عبادت کا مقام اور حیثیت رکھتا ہے"۔

آپ ﷺ نبوت ملنے سے قبل حضرت خدیجۃ الکبری رضی اللہ عنہ کے لیے مضاربت کی بنیاد پر کام کیا کرتے تھے اور حضرت عبداللہ بن سائبؓ کے ساتھ پارٹنر شپ پر کاروبار فرمایا ہے۔ جیسا کہ وہ خود روایت کرتے ہیں۔

" عن السائب، قال: أتيت رَسُول اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فجعلوا يثنون علي، ويذكرونني، فقال رسول صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: " أنا أعلمكم به "، قلت: صدقت بأبي أنت وأمي، كنت شريكك فنعم الشريك، لا تداري ولا تماري"۔ [70]

ترجمہ:۔"حضرت عبداللہ بن سائب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں زمانۂ جاہلیت میں حضرت محمد ﷺ کا شریکِ تجارت تھا، میں جب مدینہ طیبہ حاضر ہوا، تو آپ ﷺ نے پوچھا۔ مجھے پہچانتے ہو؟ میں نے عرض کیا، کیوں نہیں۔ آپ ﷺ تو میرے بہت اچھے شریکِ تجارت تھے، نہ کسی بات کو ٹالتے اور نہ کسی بات پر جھگڑا کرتے"۔

حضور نبی کریم ﷺ نے حرام کمائی سے اپنے آپ کو بچانا اور حلال کمائی کا انتظام کرنا ہر مسلمان پر واجب اور ضروری قرار دیا ہے۔" طَلَبُ الْحَلَالِ وَاجِب على كل مسلم "۔[71]

ترجمہ:۔"حلال کسبِ معاش اختیار کرنا ہر مسلمان پر واجب ہے"۔

ایک اور حدیث میں نبی کریم ﷺ نے ایک سچے اور امانت دار تاجر کا قیامت کے مقام ذکر کرتے ہوئے فرمایا۔

" التَّاجِرُ الصَّدُوقُ الْأَمِينُ المسلم مَعَ الشُّهَدَاءِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ"۔[72]

ترجمہ:۔"سچا اور امانت دار مسلمان تاجر قیامت کے شہداء کے ساتھ ہوں گے"۔

ایک مرتبہ کسی صحابی نے رسول اللہ ﷺ سے اچھے ذریعۂ معاش کے بارے میں پوچھا۔ آپ ﷺ نے فرمایا۔

" تسعة أعشار الرزق في التجارة، والعشر في المواشي "۔[73]

ترجمہ:۔"رزق/روزی کا 9/10 حصہ تجارت میں ہے اور 10 واں حصہ مویشی چرانے میں ہے"۔

ایک حدیث میں ارشاد ہے۔"قَالَ رَسُول الله صلى الله عَلَيْهِ وَسلم إِن كَانَ خرج يسْعَى على وَلَده صغَارًا فَهُوَ فِي سَبِيل الله وَإِن كَانَ خرج يسْعَى على أبوين شيخين كبيرين فَهُوَ فِي سَبِيل الله وَإِن كَانَ خرج يسْعَى على نَفسه يعفها فَهُوَ فِي سَبِيل الله"۔[74]

ترجمہ:۔"جو شخص اپنے چھوٹے بچوں کا پیٹ پالنے کے لیے محنت مشقت کرتا ہے وہ اللہ کے راستے میں ہے اور جو شخص اپنے بوڑھے والدین کا پیٹ پالنے کے لیے محنت کرتا ہے وہ اللہ کے راستے میں ہے اور جو شخص اپنا پیٹ پالنے کے لیے محنت کرتا اور حلال کماتا ہے تاکہ کسی کے سامنے دستِ سوال دراز کرنے سے اپنے آپ کو بچائے تو وہ بھی اللہ کے راستے میں ہے"۔

خود حضور نبی کریم ﷺ نے کئی مرتبہ تجارتی سفر کیے۔ آپ ﷺ نے پہلا تجارتی سفر 13 سال کی عمر میں

اپنے چچاابو طالب کے ساتھ شام کی طرف کیا۔اسی طرح 16 سال کی عمر میں شام کی طرف دوسرا تجارتی سفر کیا،اور تیسرا تجارتی سفر 25 سال کی عمر میں آپ ﷺ نے حضرت خدیجہؓ کا مال لے کراُن کے غلام میسرہ کے ساتھ شام کی طرف کیا۔ بعض مفسرین نے یمن کی طرف چوتھے تجارتی سفر کو بھی تاریخ کی کتابوں میں ذکر کیا ہے۔ آپ ﷺ کے اِن تجارتی اسفار سے واضح ہوتا ہے کہ آپ ﷺ ایک بہترین، ماہر اور کامیاب تاجر ومعیشت دان تھے۔

اسی طرح خلفاءِراشدین نے بھی تجارت کا شعبہ اپنایا ہے۔ جیسا کہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کپڑوں کی تجارت کیا کرتے تھے۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ ریشم کی تجارت کیا کرتے تھے۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ عرب کے رئیس التجار تھے،آپ رضی اللہ عنہ سے بڑا تاجر نہ تو قریش میں کوئی تھا اور نہ ہی پورے عرب میں، جیسا کہ حضرت عثمانؓ خود فرماتے ہیں۔"وَاللَّهِ مَا آكُلُهُ مِنْ مَالِ الْمُسْلِمِينَ، وَلَكِنِّي آكُلُهُ مِنْ مَالِي، أَنْتَ تَعْلَمُ أَنِّي كُنْتُ أَكْثَرَ قُرَيْشٍ مَالا، وَأَجَدَّهُمْ فِي التِّجَارَةِ، وَلَمْ أَزَلْ آكُلُ مِنَ الطَّعَامِ مَا لانَ مِنْهُ"۔[75]

ترجمہ:۔"خدا کی قسم! میں نے مسلمانوں کے مال سے نہیں کھایا، میں نے اپنے ہی مال سے کھایا ہے،آپ لوگ جانتے ہو کہ میں قریش میں سب سے کثیر المال تھا اور ان سب سے زیادہ تجارت میں خوش بخت اور کامیاب تھا"۔

عرب کے لوگ بری اور بحری دونوں قسم کی تجارت کیا کرتے تھے۔ سونا، چاندی، تانبا، موتی، ہار، جواہرات، خوشبو، مصالحہ جات، چمڑا، کھال، بھیڑ، بکری اور اونٹ وغیرہ برآمدات میں شامل ہوا کرتے تھے۔اِس کے بدلے میں عرب کے درآمدات میں غلہ، اجناس، کپڑا،، آرائش کی اشیاء، مشک، عود، کافور، صندل، ناریل، لونگ اور ہتھیار وغیرہ شامل تھے۔

تجارت کے اہم اُصول:۔

تجارت کے اہم اُصولوں میں سے کچھ مندرجہ ذیل ہیں۔

1-رضامندی:۔"تجارت" دونوں فریقین کی باہم رضامندی پر ہونی چاہئے،دونوں جانب کی رضامندی ضروری ہے کسی ایک طرف کی مجبوری، عارضی اور اضطراری رضامندی معتبر نہیں ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

"يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَاْكُلُوْٓا اَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ اِلَّآ اَنْ تَكُوْنَ تِجَارَةً عَنْ تَرَاضٍ مِّنْكُمْ وَلَا تَقْتُلُوْٓا اَنْفُسَكُمْ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِكُمْ رَحِيْمًا "۔[76]

ترجمہ:۔"اے ایمان والو! آپس میں ایک دوسرے کے مال باطل طریقوں سے نہ کھاؤ۔ مگر یہ کہ باہمی رضامندی سے آپس میں لین دین ہو اور اپنے آپ کو قتل نہ کرو، بلاشبہ اللہ تم پر نہایت مہربان ہے"۔

2-باہمی تعاون:۔"تجارت" میں جانبین کا باہمی تعاون شامل ہو۔ جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے۔

"وَتَعَاوَنُوْا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوٰى وَلَاتَعَاوَنُوْا عَلَى الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ"۔[77]

ترجمہ:۔"بھلائی اور پرہیزگاری کے کاموں میں ایک دوسرے کے ساتھ تعاون کیا کرو اور گناہ اور ظلم پر ہرگز کسی کے ساتھ تعاون نہ کیا کرو"۔

3-اہلیتِ تجارت:۔ "تجارت اور لین دین" کرنے والے افراد میں اہلیت بھی ہو، یعنی عاقل ہو، بالغ ہو اور آزاد ہو۔ اِس لئے بے عقل اور نا سمجھ بچوں، مجنون، مجبور اور مکرہ نہ ہو۔ جیسا کہ حدیث میں ہے۔

"رُفِعَ الْقَلَمُ عَنْ ثَلَاثَةٍ، عَنِ الْمَجْنُونِ الْمَغْلُوبِ عَلَى عَقْلِهِ حَتَّى يَفِيقَ، وَعَنِ النَّائِمِ حَتَّى يَسْتَيْقِظَ، وَعَنِ الصَّبِيِّ حَتَّى يَحْتَلِ"۔[78]

ترجمہ:۔ "تین قسم کے لوگوں پر تکلیف شرعی عائد نہیں ہوتی۔ مجنون پر، سونے والے پر اور نا سمجھ بچہ پر"۔

حضور نبی کریم ﷺ نے فرمایا۔ "نَهٰى رَسُوْلُ اللهِ ﷺ عَنْ بَيعِ الْمُضْطَر"۔[79]

ترجمہ:۔ "رسول اللہ ﷺ نے مجبوری اور زبردستی کی بیع سے منع فرمایا"۔

شاہ ولی اللہ دہلویؒ جبری اور مجبور شخص کی رضامندی کے بارے میں یوں لکھتے ہیں۔ "فَإِن الْمُفلس يضْطَر إِلَى الْتزِام مَا لَا يقدر على إيفائه، وَلَيْسَ رِضَاهُ رضَا فِي الْحَقِيقَة، فَلَيْسَ من الْعُقُود المرضية وَلَا الْأَسْبَاب الصَّالِحَة، وَإِنَّمَا هُوَ بَاطِل وسحت"۔[80]

ترجمہ:۔ "اِس لئے کہ مفلس مضطر اور مجبور ہوتا ہے، کہ جس چیز کے پورا کرنے پر قدرت نہیں رکھتا اس کو اپنی بے چارگی کی وجہ سے اپنے ذمہ لازم کر لے اور یہ رضامندی ہر گز حقیقی رضامندی نہیں ہے، پس ربوا جیسا معاملہ نہ پسندیدہ معاملات میں سے ہے اور نہ کاروبار کے صالح اور درست معاملات میں سے ہے اور بلاشبہ اِس قسم کے ہر معاملہ باطل اور ظلم ہے"۔

4-جائز:۔ "تجارتی معاملہ" میں کسی قسم کی جعل سازی، دھوکہ، خیانت اور حرام کی اجازت نہیں ہے۔ جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے۔ "يَسْئَلُوْنَکَ عَنِ الخَمْرِوَالمَيْسِرِقُلْ فِيْهِمَا اِثْم كَبِيْروَمَنَافِعُ لِلناسِ وَاِثْمهُمَااَكْبَرُمِنْ نَفْعِهِمَا"۔[81]

ترجمہ:۔ "تجھ سے شراب اور جوئے کے متعلق پوچھتے ہیں، کہہ دو کہ اِن دونوں میں بُرائی ہے اور لوگوں کے لئے فائدے بھی ہیں اور ان کی برائی ان کے فائدے سے بڑھ کر ہے"۔

حدیث نبویؐ میں ارشاد ہے۔ "افضل الكسب بيع مبرور، وعمل الرجل بيده"۔[82]

ترجمہ:۔ "بہترین کسبِ "بیع مبرور" ہے اور دستکاری سے معاش پیدا کرنا"۔ اِس حدیث میں "بیع مبرور" کا ذکر کیا گیا ہے۔ علامہ جزریؒ نے "بیع مبرور" کی تعریف یوں لکھی ہے۔

" والبيع المبرور: هو الذي يبر فيه صاحبه فلم يغش ولم يخن ولم يعص الله فيه"۔[83]

ترجمہ:۔ "اور بیع مبرور ایسی بیع و شراء کو کہتے ہیں کہ جس میں جانبین (بائع اور مشتری) ایک دوسرے سے تعاون اور بھلائی کا معاملہ کریں۔ اور اِس بیع میں دھوکہ، خیانت اور اللہ تعالیٰ کی نافرمانی نہ ہو"۔

الغرض کوئی بھی ایسی تجارتی سر گرمی جو دینِ اسلام کی رُو سے "حرام" ہو اُس کی کلیتاً اجازت نہیں ہے، مثلاً شراب، خون، قمار، سٹہ بازی، سود، بت، مرداراور خنزیر وغیرہ کی تجارت اور بیع وغیرہ۔ اِن تمام ممنوعہ اشیاء کا حکم قرآن وحدیث میں بالکل واضح ہے۔

5-پیمانہ/وزن کا پوراہونا:- "تجارت" سرگرمیوں میں ناپ تول اور وزن کا پورا ہونا بہت ضروری ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا حکم ہے۔"وَاَوْفُوا الْكَيْلَ وَالْمِيْزَانَ بِالْقِسْطِ ۚ لَا نُكَلِّفُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا ۚ وَاِذَا قُلْتُمْ فَاعْدِلُوْا وَلَوْ كَانَ ذَا قُرْبٰي ۚ وَبِعَهْدِ اللّٰهِ اَوْفُوْا ذٰلِكُمْ وَصّٰىكُمْ بِهٖ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ"۔[84]

ترجمہ:۔"اور یہ کہ ناپ اور تول انصاف کے ساتھ پورا پورا دو، ہم کسی کو اس کے مقدور سے زیادہ تکلیف نہیں دیتے، اور جب کچھ کہو تو انصاف سے کہو خواہ وہ بات تمہارے کسی قریبی رشتے دار سے تعلق رکھتی ہو، اور اللہ کے عہد کو پورا کرو، یہ باتیں ہیں جن کا تمہیں اللہ نے حکم دیا ہے شاید کہ تم نصیحت قبول کرو۔"۔

حضرت شعیب علیہ السلام نے اپنی قوم والوں کو یوں ارشاد کیا۔"وَيٰقَوْمِ اَوْفُوْا الْمِكْيَالَ وَالْمِيزَانَ بِالْقِسْطِ وَلَا تَبْخَسُوا الَّناسَ اَشْيَائَهُمْ وَلَاتَعْثَوْا فِى الْاَرْضِ مُفْسِدِ يْن"۔[85]

ترجمہ:۔"اوراے میری قوم! تم ناپ تول انصاف کے ساتھ پورے کیا کرواور لوگوں کوان کی چیزیں گھٹا کر نہ دیا کرو اور فساد کرنے والے بن کر ملک میں تباہی مت مچاتے پھرو"۔

ایک اور مقام پر ارشاد ربانی ہے۔"وَاَقِيْمُوا الْوَزْنَ بِالْقِسْطِ وَلَاتُخْسِرُوا الْمِيْزَان۔[86]

ترجمہ:۔"اور انصاف کے ساتھ وزن کو ٹھیک رکھو اور تول کو کم نہ کرو"۔

3-صنعت وحرفت:۔ کسی بھی معاشی نظام کا تیسرا اہم ستون "صنعت وحرفت" شمار کیا جاتا ہے۔ کسی بھی معاشرہ میں تمدن اور معاشرتی زندگی کی ترقی کے پیچھے "صنعت وحرفت" کا بہت بڑا عمل دخل ہوتا ہے۔ صنعت وحرفت کا تجارت اور زراعت دونوں کے ساتھ گہرا ربط ہے۔ دوسرے معنوں میں معاشی نظام کے یہ تینوں ستون ایک دوسرے کے ساتھ جڑے ہوئے ہیں۔

قرآن مجید اور احادیث میں "صنعت وحرفت" کا ذکر کیا گیا ہے۔ اللہ رب العزت نے صنعت کی بنیادی اور اہم عنصر "لوہا/فولاد" کے نام سے باقاعدہ ایک سورۃ "الحدید" نازل کی ہے، جس میں اللہ تعالیٰ "لوہے" کی اہمیت اور فوائد کو بیان کرتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں۔" وَأَنزَلْنَا الْحَدِيدَ فِيهِ بَأْسٌ شَدِيدٌ وَمَنَافِعُ لِلنَّاسِ"۔[87]

ترجمہ:۔"اور ہم نے لوہا نازل (پیدا) کیا، جس میں بڑا زور ہے اور لوگوں کے لیے اور بھی فائدے ہیں"۔

اسلام "صنعت وحرفت" کا فروغ چاہتا ہے جیسا کہ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ حضرت داؤد علیہ السلام زرہیں بناتے تھے۔"وَعَلَّمْنٰهُ صَنْعَةَ لَبُوْسٍ لَّكُمْ لِتُحْصِنَكُمُ مِنْ بَاْسِكُمْ"۔[88]

ترجمہ:۔"اور ہم نے اِس (لوہے) سے تمہارے لئے زرہ بنانی سکھائی تاکہ تمہاری لڑائی میں تمہاری حفاظت کرے"۔

حضرت داؤد علیہ السلام کے اِس عمل کا ذکر اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں ایک اور مقام پر یوں فرمایا ہے۔

" وَلَقَدْ آتَيْنَا دَاوُودَ مِنَّا فَضْلاً يَا جِبَالُ أَوِّبِي مَعَهُ وَالطَّيْرَ وَأَلَنَّا لَهُ الْحَدِيدَ (10) أَنِ اعْمَلْ سَابِغَاتٍ وَقَدِّرْ فِي السَّرْدِ وَاعْمَلُوا صَالِحًا إِنِّي بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرٌ(11)"۔[89]

ترجمہ:۔"اور ہم نے داؤد علیہ السلام کو اپنے پاس سے بزرگی عطا کی تھی (اور پہاڑوں کو حکم دیا تھا کہ) اے پہاڑو! داؤد کے ساتھ (تسبیح میں) ہم آہنگ ہو جاؤ اور پرندوں کو بھی (یہ حکم دیا تھا) اور ہم نے اس کے لیے لوہے کو نرم کر دیا تھا۔ یہ کہ کشادہ زرہیں بنا اور کڑیاں جوڑنے میں اندازہ رکھ اور نیک عمل کرو، یقیناً میں اسے جو تم کرتے ہو خوب دیکھنے والا ہوں"۔

کسبِ معاش کی اہمیت اور فضیلت اس سے بھی معلوم ہوتی ہے کہ ہر نبی نے کوئی نہ کوئی ذریعہ معاش اختیار کیا ہے، جیساکہ حضور نبی کریم ﷺ نے مختلف انبیاءِ کرام کے پیشوں کے بارے میں فرمایا۔"كَانَ دَاوُدُ زَرَّادًا وَكَانَ آدَمُ حَرَّاثًا وَكَانَ نُوحٌ نَجَّارًا وَكَانَ إِدْرِيسُ خَيَّاطًا وَكَانَ مُوسَى رَاعِيًا"۔[90]

ترجمہ:۔"حضرت داؤد علیہ السلام زرہ بناتے تھے اور حضرت آدم علیہ السلام کاشتکاری کرتے تھے اور نوح علیہ السلام بڑھئی کا کام کرتے تھے اور حضرت ادریس علیہ السلام درزی کا کام کرتے تھے اور حضرت موسیٰ علیہ السلام بکریاں چرانے کا کام کرتے تھے"۔

آپ ﷺ نے حضرت داؤد علیہ السلام کے بارے میں فرمایا۔

" إِنَّ نَبِيَّ اللَّهِ دَاوُدَ عَلَيْهِ السَّلاَمُ، كَانَ يَأْكُلُ مِنْ عَمَلِ يَدِهِ"۔[91]

ترجمہ:۔"اللہ کے نبی حضرت داؤد علیہ السلام اپنے ہاتھ کی کمائی سے کھایا کرتے تھے"۔

تمام انبیاءِ کرام نے بکریاں چرائیں، خود آپ ﷺ نے بھی دس بارہ سال کی عمر میں بکریاں چرانا شروع کر دیا۔

" مَا بَعَثَ اللَّهُ نَبِيًّا إِلَّا رَعَى الغَنَمَ ، فَقَالَ أَصْحَابُهُ: وَأَنْتَ؟ فَقَالَ: نَعَمْ، كُنْتُ أَرْعَاهَا عَلَى قَرَارِيطَ لِأَهْلِ مَكَّةَ "۔[92]

ترجمہ:۔"کوئی نبی ایسے مبعوث نہیں ہوئے جنہوں نے بکریاں نہ چرائی ہوں، آپ ﷺ سے پوچھا گیا کہ کیا آپ ﷺ نے بھی بکریاں چرائی ہیں؟ فرمایا، ہاں! میں بھی اہل مکہ کی بکریاں قراریط پر چراتا تھا"۔

صنعت و حرفت کی فضیلت کے بارے ارشاد نبوی ﷺ ہے۔" اِنَّ اللّٰہ يُحِبُّ الْمُؤمِنُ الْمُحْتَرِف"۔[93]

ترجمہ:۔"اللہ تعالیٰ صنعت و حرفت کا پیشہ اختیار کرنے والے مسلمان کو پسند فرماتے ہیں"۔

طبرانی میں روایت ہے۔" إِنَّ اللهَ يُحِبُّ الْمُحْتَرِفَ "۔[94]

ترجمہ:۔"اللہ تعالیٰ صنعت و حرفت کا پیشہ اختیار کرنے والے شخص کو پسند فرماتے ہیں"۔

عرب کے معاشرے میں صنعت و حرفت نہ ہونے کے برابر تھی۔ عرب اور مکہ مکرمہ کے لوگ چونکہ گلہ بانی پر گزارا کرتے تھے۔اِس لئے جانوروں کے کھال وغیرہ کی دباغت کے کارخانے موجود تھے۔یہ لوگ کھالوں کو دباغت کے بعد محفوظ کرکے برآمد کرتے تھے۔اِس کے علاوہ وہاں کے لوگ گھروں کی سطح پر چھوٹی موٹی اشیاء مثلاً مٹی کے برتن،لوہے کے اوزار اور عام استعمال کے اشیاء تیار کرتے تھے۔

دوسری طرف مدینہ منورہ میں زراعت کی وجہ سے صنعت کے مواقع زیادہ تھے۔مدینہ میں شراب کشیدہ کرنے کے کارخانے، ہتھیار سازی کے کارخانے، خشت سازی، لکڑی کی صنعت،سونے چاندی کی کاریگری ترقی پر تھیں[95]۔

ہجرت کے بعد حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہ نے بھی صنعت و حرفت کے پیشے اختیار کئے۔ خلیفہ بننے سے پہلے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کپڑے کا کاروبار کیا کرتے تھے،آپ رضی اللہ عنہ کا مقامِ سنخ پر کپڑے کا اپنا کارخانہ اور گودام تھا۔حضرت زبیر رضی اللہ عنہ بھی کپڑے کا کاروبار کرتے تھے۔[96]

5-قرآن مجید کی روشنی میں اُصولِ معاشیات:۔

اللہ تعالیٰ نے قرآن میں معیشت سے متعلق بنیادی اصطلاحات بھی ذکر کئے ہیں۔

"نحن قسمنا بینھم معیشتھم فی الحیٰوۃ الدنیا ورفعنا بعضھم فوق بعض درجٰت لیتخذ بعضھم بعضا سخریا"۔[97]

ترجمہ:۔"ہم ان کے درمیان دنیوی زندگی میں ان کے (اسباب) کی معیشت کو تقسیم کرتے ہیں اور ہم ہی ان میں سے بعض کو بعض پر (وسائل و دولت میں) درجات کی فوقیت دیتے ہیں (کیا ہم یہ اس لئے کرتے ہیں) کہ ان میں سے بعض (جو امیر ہیں) بعض (غریبوں) کا مذاق اڑائیں"۔

"وَمَنْ اَعْرَضَ عَنْ ذِكْرِيْ فَاِنَّ لَهٗ مَعِيْشَةً ضَنْكًا وَّنَحْشُرُهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ اَعْمٰى"۔[98]

ترجمہ:۔"اور جس نے میرے ذکر (یعنی میری یاد اور نصیحت) سے روگردانی کی تو اس کے لئے دنیاوی معاش (بھی) تنگ کردیا جائے گا اور ہم قیامت کے دن (بھی) اندھا اٹھائیں گے"۔

مختلف ماہرینِ معاشیات نے قرآن و حدیث کی روشنی میں اسلامی معاشی اصولوں کو بیان کیا ہے۔مولانا حفظ الرحمٰن سیوہاریؒ نے قرآن مجید کے احکامات کی روشنی میں چار بنیادی اُصول بیان کیے ہیں، چنانچہ آپؒ لکھتے ہیں[99]۔

"یہ بات بھی فراموش نہیں کرنی چاہئے کہ قرآن عزیز نے اپنی اساسی روش کے مطابق عبادات،معاشرتی معاملات، سیاسیات اور دیگر شعبۂ ہائے زندگی کی طرح معاشیات میں بھی صرف اساسی اُصول اور معجزانہ اختصار کے ساتھ اُصول

وکلیات کا بھی ذکر کیاہے اوراِن کی تفصیلات و تشریحات کوارشاداتِ نبوی ﷺ(احادیث) اور ان سے مستنبط احکام(فقہ)کے حوالے کر دیاہے"۔

1-حقِ معیشت میں مساوات۔ 2-درجاتِ معیشت میں تفاوت

3-احتکار واکتناز کی حُرمت 4-فاسد نظامِ معیشت کاانسداداور سرمایہ اور محنت میں عادلانہ توازن

1-حقِ معیشت میں مساوات:۔انسانی معاشروں کے معاشیات سے متعلق قرآن مجید نے واضح طورپر یہ بات بیان کی ہے کہ رزق اور معاش کا حقیقی تعلق صرف اللہ تعالیٰ کی ذات کے ساتھ خاص ہے اور وہی تمام جانداروں کے لئے وسائلِ رزق و معاش پیدا کرنے والا ہے اگرچہ مصلحتِ عامہ کا تقاضہ یہ ہے کہ دنیا کے اس نظام میں معیشت کے درجات کے اندر فرق پایاجائے، لیکن اِس فرق کو بڑا خلیج نہ بننے دیاجائے کہ ایک طبقہ تو عیش پرستی کا شکار ہو جائے اور اپنے حقیقی مقصد کو بھول جائے اور اکثریتی طبقہ بنیادی انسانی ضروریات سے محروم ہو جائے،اسی لئے قرآن نے حقِ معیشت کو تمام انسانیت کے لئے یکساں اور برابر متعین کیاہے۔قرآن مجید کی رو سے حقِ معیشت سے مراد "اسباب اور وسائلِ معیشت" ہے۔یعنی اللہ تعالیٰ نے کلِ انسانیت(اللہ کی مخلوق) کے لیے اِس کائنات میں بہت سارے وسائلِ رزق پیدا کئے ہیں،اِن وسائلِ رزق میں کل انسانیت کا حق شامل ہے۔یہ نہیں ہو سکتا کہ کچھ افراد مل کر اِن وسائلِ رزق پر زبردستی قبضہ کرلیں اور اللہ کی باقی مخلوق(اکثریتی) کو اُن وسائلِ رزق سے محروم کردے، حتی کہ بعض دفعہ لوگ بھوک اور افلاس کی وجہ سے خودکشی پر مجبور ہو جائیں۔

اللہ رب العزت اپنی مخلوق کی معاشی زندگی کے خود کفیل ہیں اور اسی نے تمام مخلوقات کی پیدائش کے ساتھ وعدہ کیا کہ زمین پر چلنے والے ہر ایک جاندار کا رزق اِس کے ذمے ہے جیسا کہ قرآن مجید میں ہے۔

1- وَ مَا مِنۡ دَآبَّۃٍ فِی الۡاَرۡضِ اِلَّا عَلَی اللّٰہِ رِزۡقُہَا۔[100]

ترجمہ:۔اور زمین پر کوئی چلنے پھرنے والا نہیں مگر اس کا رزق خدا کے ذمے ہے۔

2- وَ فِی السَّمَآءِ رِزۡقُکُمۡ وَ مَا تُوۡعَدُوۡنَ۔ [101]

ترجمہ:۔اور تمہارا رزق اور جس چیز کا تم سے وعدہ کیا جاتاہے آسمان میں ہے۔

3- وَ لَا تَقۡتُلُوۡۤا اَوۡلَادَکُمۡ مِّنۡ اِمۡلَاقٍ ؕ نَحۡنُ نَرۡزُقُکُمۡ وَ اِیَّاہُمۡ۔ [102]

ترجمہ:۔اور ناداری(کے اندیشے) سے اپنی اولاد کو قتل نہ کرنا(کیونکہ) تم کو اور ان کو ہم رزق دیتے ہیں۔

4- وَ مَنۡ یَّرۡزُقُکُمۡ مِّنَ السَّمَآءِ وَ الۡاَرۡضِ ؕ [103]

ترجمہ:۔اور(کون) تم کو آسمان اور زمین سے رزق دیتاہے(یہ سب کچھ خدا ہی کرتاہے)۔

5- اِنَّ اللّٰہَ ہُوَ الرَّزَّاقُ ذُو الۡقُوَّۃِ الۡمَتِیۡنُ۔ [104]

ترجمہ:۔خدا ہی تو رزق دینے والا زور آور اور مضبوط ہے۔

6- وَ جَعَلۡنَا لَکُمۡ فِیۡہَا مَعَایِشَ وَ مَنۡ لَّسۡتُمۡ لَہٗ بِرٰزِقِیۡنَ ۔ [105]

ترجمہ :۔اور ہم ہی نے تمہارے لئے اوران لوگوں کے لئے جن کو تم روزی نہیں دیتے اس میں معاش کے سامان پیدا کئے۔7-هُوَالَّذِىْ خَلَقَ لَكُمْ مَّا فِى الْاَرْضِ جَمِيْعًا"۔ 106

ترجمہ :۔وہی تو ہے جس نے سب چیزیں جو زمین میں ہیں تمہارے لئے پیدا کیں۔

7-"والله یرزق من یشآءبغیر حساب"۔107

ترجمہ :۔"اوراللہ جسے چاہتا ہے بغیر حساب کے رزق سے نوازتا ہے"۔

8-"الله یبسط الرزق لمن یشآ من عباده ویقدر "۔108

ترجمہ :۔"کتنا عجیب ہے کہ اللہ اپنے بندوں میں سے جس کے لئے چاہتا ہے رزق کشادہ فرماتااور (جس کے لئے چاہتا ہے) تنگ فرماتاہے"۔

9-"وَلَقَدْ مَكَّنٰكُمْ فِيْ الاَرْضِ وَجَعَلْنَا لَكُم فيها معايش"۔109

ترجمہ :۔"اور بیشک ہم نے تم کو زمین میں تمکن وتصرف عطاکیااور ہم نے اس میں تمہارے لئے اسباب معیشت پیدا کئے"۔

مندرجہ بالا تمام آیاتِ کریمہ میں بغیر کسی تخصیص کے ہر فرد کو شامل کیاگیاہے،اِن آیاتِ کریمہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اسباب ووسائلِ معیشت میں تمام انسانیت برابر ہے،اِن وسائل سے فائدہ اُٹھانا ہر جاندار کا بنیادی حق ہے، کسی ایک طبقہ کواِن وسائل پر قبضہ کر کے باقی انسانیت کواُن سے محروم کرنا جائز نہیں۔اور یہی مؤقف علامہ آلوسیؒ نے اپنی تفسیر"روح المعانی"میں بیان کیاہے۔

" هذا وجواز أن يكون معنى الآية أن الله تعالى فضل بعضا على بعض في الرزق وأن المفضلين لا يردون من رزقهم على من دونهم شيئا وإنما أنا رازقهم فالمالك والمملوك في أصل الرزق سواء وإن تفاوتا كما وكيفا، والمراد النهي عن الإعجاب والمن اللذين هما مقدمتا الكفران۔ والعطف على مقدر أيضا أي أيعجبون ويمنون فيجحدون نعمة الله تعالى عليهم، وقيل: التقدير ألا يفهمون فيجحدون واختار في الكشاف أن المعنى أنه سبحانه جعلكم متفاوتين في الرزق فرزقكم أفضل مما رزق مماليككم وهم بشر مثلكم وإخوانكم وكان ينبغي أن تردوا فضل ما رزقتموه عليهم حتى تساووا في الملبس والمطعم كما يحكى عن أبي ذر رضي الله تعالى عنه أنه سمع رسول الله يقول: إنما هم إخوانكم فاكسوهم مما تلبسون وأطعموهم مما تطعمون"۔110

ترجمہ :۔"اور یہ اِس آیت کے معنی کے لیے جواز بن جاتاہے کہ آیت میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ اُس نے رزق میں بعض کو بعض پر فوقیت دی ہے پس جن کے پاس رزق زائد ہو وہ کم رزق والوں پر اپنے زائد رزق کو نہ روکے، کہ بیشک رزق دینے والا میں ہوں، پس مالک اور مملوک اصلِ رزق (وسائلِ رزق) میں برابر ہے۔اور تقدیر کے بارے میں یوں کہنا کہ یہ اللہ کی تقسیم ہے، یہ تقدیر کو نہ سمجھنے والی بات ہے جیسا کہ (علامہ زمخشریؒ نے) کشاف میں

لکھاہے کہ تقدیر کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے رزق (کے درجات) میں فرق تو پیدا کیا ہے لیکن بحیثیت بشر (انسان) سب برابر ہیں، اور سب بھائی بھائی ہیں، تو چاہیئے کہ حق دار کو اُس کا پورا پورا رزق مل جائے، اور جس کے پاس زائد ہے اُن کو چاہیئے کہ وہ زائد مال اوروں پر خرچ کرے تاکہ لباس اور کھانے (بنیادی ضروریات) میں سب برابر ہو جائے، جیسا کہ حضرت ابی ذر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ: وہ بھی تمھارے ہی طرح انسان ہیں پس اُن کو لباس پہناؤ جو تم خود پہنتے ہو اور وہی کھلاؤ جو تم خود کھاتے ہو"۔

صرف یہی نہیں بلکہ مزید ان آیاتِ کریمہ سے بھی اِس مؤقف کی تائید ہوتی ہے۔

10- وَ جَعَلَ فِیْہَا رَوَاسِیَ مِنْ فَوْقِہَا وَ بٰرَکَ فِیْہَا وَ قَدَّرَ فِیْہَاۤ اَقْوَاتَہَا فِیْۤ اَرْبَعَۃِ اَیَّامٍ ؕ سَوَآءً لِّلسَّآئِلِیْنَ۔[111]

ترجمہ:۔ اور اسی نے زمین میں اس کے اوپر پہاڑ بنائے اور زمین میں برکت رکھی اور اس میں سب سامانِ معیشت مقرر کیا (سب) چار دن میں (اور تمام) طلبگاروں کے لئے یکساں۔

11- وَ اللّٰہُ فَضَّلَ بَعْضَکُمْ عَلٰی بَعْضٍ فِی الرِّزْقِ ۚ فَمَا الَّذِیْنَ فُضِّلُوْا بِرَآدِّیْ رِزْقِہِمْ عَلٰی مَا مَلَکَتْ اَیْمَانُہُمْ فَہُمْ فِیْہِ سَوَآءٌ ؕ اَفَبِنِعْمَۃِ اللّٰہِ یَجْحَدُوْنَ۔ [112]

ترجمہ:۔ اور خدا نے رزق (ودولت) میں بعض کو بعض پر فضیلت دی ہے۔ وہ اپنا رزق اپنے مملوکوں کو تو دے ڈالنے والے ہی نہیں کہ (سب) اس میں برابر ہو جائیں۔ تو کیا یہ لوگ نعمت الٰہی کے منکر ہیں؟

اِس آیتِ کریمہ کی تشریح میں علامہ شوکانیؒ یوں لکھتے ہیں۔"اَفَبِنِعمَۃِ اللہِ یَجحَدُون"، ویکون المعنی علی قرآۃ الخطاب ان المالکین لیسوا برادی رزقھم علی ممالیکھم بل اناالذی ارزقھم فی الرزق فوزتکم افضل رزق مما بدلکم وھم بشر مثلکم واخوانکم ----- "۔[113]

ترجمہ:۔"پس کیا تم اللہ کی نعمتوں کے بارے میں جھگڑتے ہو"، پس اِس کا معنی بحیثیت مخاطب کے یہ ہے، کہ اللہ نے جن لوگوں کو مال کا مالک بنایا ہے وہ اپنے ماتحتوں پر وہ نعمتیں بند نہ کریں بلکہ اللہ تعالیٰ رزق دینے والے ہیں، وہ ماتحت بھی تمہارے طرح کے انسان ہیں۔

امام شوکانیؒ فرماتے ہیں کہ بحیثیتِ انسان ہم سب برابر ہیں اور اللہ تعالیٰ نے پیدا کیا ہے، اور یہ رزق کے اسباب بھی اللہ تعالیٰ نے پیدا کئے ہیں، اسلئے یہ اسباب وسائل ہم سب کے لئے ہیں۔ اِن آیاتِ کریمہ سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ حق معیشت میں تمام انسان بلا تفریق رنگ، نسل و مذہب کے برابر ہیں۔

بات یہاں پر ختم نہیں ہوئی بلکہ اصل مسئلہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے اِن خزانوں کو کون عدل وانصاف کے ساتھ کل انسانیت میں تقسیم کرے اور یہ کس کی ذمہ داری ہے؟ اِن سارے سوالات کے جوابات تب ہمیں سمجھ میں آتی ہے جب ہم اسلام کو بحیثیت نظامِ زندگی تسلیم کریں، زندگی کے مختلف شعبہ جات کو مربوط کرنے والے نظاموں کو تشکیل دیں تو اُن میں یہ نظامِ معیشت بھی شامل ہوتا ہے۔ پھر یہی نظامِ معیشت انہی مندرجہ بالا تمام سوالات کا ضامن

ہوتا ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ نے اِس وجودِ کائنات میں موجود "تشریعی نظام" کو اپنے خلیفہ انسان کے حوالہ کیا ہے، کہ مملکت میں کوئی شخص محروم المعیشت یعنی حقِ معیشت سے محروم نہ ہو۔ اسی لئے حضرت مولانا شیخ الہندؒ اِس آیتِ کریمہ "هُوَ الَّذِيْ خَلَقَ لَكُمْ مَّا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا" کی تفسیر میں یوں رقم طراز ہیں۔

"جملہ اشیائے عالم بدلیلِ فرمانِ واجب الاذعان۔ خلق لکم ما فی الارض جمیعا۔ تمام بنی آدم کی مملوک معلوم ہوتی ہیں یعنی عرض خداوندی تمام اشیاء کی پیدائش سے رفع حوائج جملہ ناس (انسان) ہے اور کوئی شئے فی حد ذاتہ کسی کی مملوکِ خاص نہیں بلکہ ہر شئے اصلِ خلقت میں جملہ ناس میں مشترک ہے اور من وجہ سب کی مملوک ہے، ہاں بوجہ رفع نزاع و حصولِ انتفاع قبضہ کو علتِ ملک مقرر کیا گیا اور جب تک کسی شئے پر ایک شخص کا قبضہ تامہ مستقلہ باقی رہے اُس وقت تک کوئی اور اس میں دست درازی نہیں کر سکتا، ہاں خود مالک و قابض کو چاہئے کہ اپنی حاجت سے زائد پر قبضہ نہ رکھے بلکہ اوروں کے حوالے کردے کیونکہ باعتبارِ اصل اوروں کے حقوق اس کے ساتھ متعلق ہو رہے ہیں، یہی وجہ ہے کہ مال کثیر حاجت سے بالکل زائد جمع رکھنا بہتر نہ ہوا گرز کوٰۃ بھی ادا کردی جائے، اور انبیاء اور صلحاء اس سے بغایت مجتنب رہے، چنانچہ احادیث سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ بعض صحابہ وتابعین نے حاجت سے زائد رکھنے کو حرام ہی فرمادیا، بہر کیف غیر مناسب و خلافِ اولیٰ ہونے میں کسی کو کلام ہی نہیں، اِس کی وجہ یہی ہے کہ زائد علی الحاجت سے تو کوئی غرض متعلق نہیں اور اوروں کی ملک "من وجہٍ" اس میں موجود، تو گویا شخصِ مذکور من وجہٍ مالِ غیر پر قابض ومتصرف ہے اور اس کا حال بعینہ مالِ غنیمت کا سا تصور کرنا چاہئے، وہاں بھی قبلِ تقسیم یہی قصہ ہے کہ کل مالِ غنیمت تمام مجاہدین کا مملوک سمجھا جاتا ہے مگر بوجہ ضرورت و حصولِ انتفاع "بقدرِ حاجت" ہر کوئی مالِ مذکورہ سے منتفع ہو سکتا ہے، ہاں حاجت سے زائد جو رکھنا ہے اس کا حال آپ کو بھی معلوم ہے کہ کیا ہونا چاہئے، (یعنی خائن شمار ہو گا)"۔ 114

حضرت شیخ الہندؒ کی مذکورہ بالا تفصیلی عبارت سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ زمین اور غیر زمین اِن سب کی پیدائش سے اللہ تعالیٰ اپنی تمام مخلوق کے حوائج اور ضروریات کو رفع کرنا چاہتا ہے۔ اِن تمام آیاتِ قرآنیہ اور رسول اللہ ﷺ کے ارشادات اور صحابی کے طرزِ عمل سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ لوگوں کے فاضل اور زائد اَز ضرورت اموال جمع کرنے اور بڑے بڑے خزانے بنانے اور دولت مند بننے کے لئے نہیں ہیں بلکہ اللہ تعالیٰ نے امیروں اور دولت مندوں کو فاضل اموال غریبوں اور حاجت مندوں کی ضروریات میں خرچ کرنے کے لئے مامور کیا ہے، اور یہی ذمہ داری اور فرض اول درجہ میں نظامِ حکومت اور امیرِ وقت کی ہے۔

کئی محدثین نے بھی اِس مؤقف کی تائید کی ہے، مثلاً علامہ ابن حزم ظاہریؒ نے اس سلسلے میں اپنی کتاب "المحلیٰ" کے اندر اس پر تفصیلاً بحث کی ہے۔

" وَفُرِضَ عَلَى الأَغْنِيَاءِ مِنْ أَهْلِ كُلِّ بَلَدٍ أَنْ يَقُومُوا بِفُقَرَائِهِمْ،وَيُجْبِرُهُمْ السُّلْطَانُ عَلَى ذَلِكَ, إنْ لَمْ تَقُمْ الزَّكَوَاتُ بِهِمْ, وَلاَ فِي سَائِرِ أَمْوَالِ الْمُسْلِمِينَ, فَيُقَامُ لَهُمْ بِمَا يَأْكُلُونَ مِنْ الْقُوتِ الَّذِي لاَ بُدَّ مِنْهُ, وَمِنْ اللِّبَاسِ لِلشِّتَاءِ وَالصَّيْفِ بِمِثْلِ ذَلِكَ, وَبِمَسْكَنٍ يَكُنُّهُمْ مِنْ الْمَطَرِ, وَالصَّيْفِ وَالشَّمْسِ, وَعُيُونِ الْمَارَّةِ. وَبُرْهَانُ ذَلِكَ: قَوْلُ اللَّهِ تعالى:"وَآتِ ذَا الْقُرْبَى حَقَّهُ وَالْمِسْكِينَ وَابْنَ السَّبِيلِ". وَقَالَ تعالى:"وَبِالْوَالِدَيْنِ إحْسَانًا وَبِذِي الْقُرْبَى وَالْيَتَامَى وَالْمَسَاكِينِ وَالْجَارِ ذِي الْقُرْبَى وَالْجَارِ الْجُنُبِ وَالصَّاحِبِ بِالْجَنْبِ وَابْنِ السَّبِيلِ وَمَا مَلَكَتْ أَيْمَانُكُمْ".

فَأَوْجَبَ تَعَالَى حَقَّ الْمَسَاكِينِ، وَابْنِ السَّبِيلِ، وَمَا مَلَكَتْ الْيَمِينُ مَعَ حَقِّ ذِي الْقُرْبَى وَافْتَرَضَ الإِحْسَانَ إلَى الأَبَوَيْنِ، وَذِي الْقُرْبَى، وَالْمَسَاكِينِ، وَالْجَارِ، وَمَا مَلَكَتْ الْيَمِينُ، وَالإِحْسَانُ يَقْتَضِي كُلَّ مَا ذَكَرْنَا، وَمَنْعُهُ إسَاءَةٌ بِلاَ شَكٍّ"۔[115]

ترجمہ:۔"اور ہر ایک بستی کے دولت مندوں پر یہ فرض کیا گیا ہے کہ وہ فقراء کی معاشی زندگی کے کفیل ہوں اور ملک کا سربراہ فرمانروا دولت مندوں کو فقراء کی معاشی زندگی کی کفالت کے لیے مجبور کرے اگر بیت المال کی آمدنی ان کی معاشی کفالت نہیں کر سکتی تو مسلمان بادشاہ کو یہ حق حاصل ہے کہ دولت مندوں کو فقراء کی ضروریات کی تکمیل کے لیے اپنے اموال سے خرچ کرنے پر مجبور کردے۔ فقراء کے اسباب زندگی میں کم از کم اتنا انتظام ضروری ہے کہ ان کے لیے ضروری حاجت (بنیادی ضروریاتِ زندگی) کے مطابق روٹی مہیا ہو اور سردی اور گرمی دونوں موسموں کے لحاظ سے گرمی اور سردی کا لباس فراہم ہو اور رہنے کے لیے ایک ایسا مکان ہو جو اُن کو بارش ، گرمی ،دھوپ اور سیلاب سے محفوظ رکھے۔

اوراِس پر دلیل یہ آیاتِ کریمہ ہیں:"وَآتِ ذَا الْقُرْبَى حَقَّهُ وَالْمِسْكِينَ وَابْنَ السَّبِيلِ". وَقَالَ تعالى:"وَبِالْوَالِدَيْنِ إحْسَانًا وَبِذِي الْقُرْبَى وَالْيَتَامَى وَالْمَسَاكِينِ وَالْجَارِ ذِي الْقُرْبَى وَالْجَارِ الْجُنُبِ وَالصَّاحِبِ بِالْجَنْبِ وَابْنِ السَّبِيلِ وَمَا مَلَكَتْ أَيْمَانُكُمْ"۔

علامہ ابنِ حزمؒ نے اِس کے علاوہ دلیل کے طور پر کئی احادیث ذکر کی ہیں جو کہ مندرجہ ذیل ہیں،یہی وجہ ہے کہ علامہ ابن حزمؒ اور حضرت شیخ الہندؒ کی موَقف میں یکسانیت پائی جاتی ہے،جیسا کہ حدیث میں ہے۔

عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صلى الله عليه وسلم قَالَ: "مَنْ كَانَ مَعَهُ فَضْلُ ظَهْرٍ فَلْيَعُدْ بِهِ عَلَى مَنْ لاَ ظَهْرَ لَهُ, وَمَنْ كَانَ لَهُ فَضْلٌ مِنْ زَادٍ فَلْيَعُدْ بِهِ عَلَى مَنْ لاَ زَادَ لَهُ, قَالَ: فَذَكَرَ مِنْ أَصْنَافِ الْمَالِ مَا ذَكَرَ, حَتَّى رَأَيْنَا أَنَّهُ لاَ حَقَّ لِاَحَدٍ مِنَّا فِي فَضْلٍ"۔[116]

ترجمہ:۔"حضرت ابی سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا، جس شخص کے پاس قوت وطاقت کے سامان اپنی حاجت سے زائد ہوں اُس کو چاہیئے کہ اِس فاضل سامان کو کمزور کو دیدے،اور جس شخص کے پاس سامانِ خوردونوش حاجت سے زائد ہو اُس کو چاہیئے کہ فاضل سامان نادار اور حاجت مند کو دیدے۔ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ اسی طرح مختلف انواعِ مال

کا ذکر فرماتے رہے حتی کہ ہم نے یہ گمان کر لیا کہ ہم میں سے کسی شخص کو اپنے فاضل مال پر کسی بھی قسم کا کوئی حق حاصل نہیں ہے"۔

علامہ ابنِ حزمؒ یوں لکھتے ہیں۔

"قَالَ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ رضي الله عنه: لَوْ اسْتَقْبَلْتُ مِنْ أَمْرِي مَا اسْتَدْبَرْت لَأَخَذْت فُضُولَ أَمْوَالِ الأَغْنِيَاءِ فَقَسَّمْتُهَا عَلَى فُقَرَاءِ الْمُهَاجِرِينَ"۔[117]

ترجمہ:۔ "حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے فرمایا، جس بات کا آج مجھے اندازہ ہوا ہے، اگر اِس کا پہلے سے اندازہ ہو جاتا تو میں اِس میں کبھی تاخیر نہ کرتا اور بلاشبہ اربابِ ثروت کی فاضل دولت لے کر فقراء مہاجرین میں بانٹ دیتا"۔

ایک اور موقع پر علامہ ابنِ حزمؒ ایک اور روایت نقل کرتے ہیں۔

"وَصَحَّ عَنْ أَبِي عُبَيْدَةَ بْنِ الْجَرَّاحِ وَثَلاَثِمِائَةٍ مِنْ الصَّحَابَةِ، رضي الله عنهم، أَنَّ زَادَهُمْ فَنِيَ فَأَمَرَهُمْ أَبُو عُبَيْدَةَ فَجَمَعُوا أَزْوَادَهُمْ فِي مِزْوَدَيْنِ, وَجَعَلَ يَقُوتُهُمْ إيَّاهَا عَلَى السَّوَاءِ"۔[118]

ترجمہ:۔ "حضرت ابو عبیدۃ رضی اللہ عنہ اور تین سو صحابہ رضی اللہ عنہ سے متعلق یہ روایت صحت کو پہنچ چکی ہے، کہ ایک موقع پر ان کا سامانِ خورد و نوش ختم کے قریب آ گا، پس حضرت ابو عبیدۃ رضی اللہ عنہ نے حکم دیا کہ جس جس کے پاس جس قدر سامانِ خورد و نوش موجود ہے وہ حاضر کر دو، اور پھر سب کو اکٹھا کر کے ان سب میں برابر تقسیم کر کے قوت لایموت کا سامان کر دیا"۔

<u>**2-درجاتِ معیشت میں تفاوت:۔**</u> معیشت اور رزق کے بنیادی وسائل میں تمام انسان برابر کے شریک ہیں، لیکن چونکہ اللہ تعالیٰ نے ہر انسان کے اندر صلاحیتیں الگ الگ پیدا کی ہیں، کوئی انسان زیادہ قابل ہے کوئی کم صلاحیتوں کا مالک ہے، اسی لیے اِن صلاحیتوں کی بنیاد پر درجاتِ معیشت میں فرق کا ہونا ایک فطری اَمر ہے۔ یعنی یہ بات ضروری نہیں کہ رزق اور معیشت کے وسائل سب کے لیے ایک جیسے ہوں، اِن وسائل کا حصول اور پھر اِن وسائلِ رزق کو اپنے لیے قابلِ استعمال بنانا انسان کی اپنی ذمہ داری ہے، تو صلاحیتوں میں فطری تفاوت اور فرق ہونے کی وجہ سے درجات میں بھی فرق رہے گا۔ لیکن یہ فرق اور تفاوت خلیج کی صورت اختیار نہ کرے کہ انسانیت کا ایک طبقہ تو آقا کی صورت اختیار کرے اور دوسرا طبقہ غلام بن جائے۔ شاہ ولی اللہ دہلویؒ نے معاشرت اور معیشت سے متعلق تین درجات لکھے ہیں۔

1- رفاہیت ناقصہ 2-رفاہیت متوسطہ 3-رفاہیت بالغہ

اسلام میں رفاہیت ناقصہ اور بالغہ ممنوع ہے، چونکہ اِن کی وجہ سے انسانیت کا ایک طبقہ (اقلیت) تعیشات کا شکار ہو جاتا ہے اور دوسرا طبقہ (اکثریت) بنیادی حقوق اور ضروریاتِ زندگی سے بھی محروم ہو کر غربت کی لکیر سے نیچے کی زندگی گزارنے پر مجبور ہو جاتا ہے۔ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے "درجاتِ معیشت" کو یوں بیان کیا ہے۔

1- "نحن قسمنا بینہم معیشتھم فی الحیٰوۃ الدنیا ورفعنا بعضھم فوق بعض درجٰت لیتخذ بعضھم بعضا سخریا"۔[119]

ترجمہ:۔"ہم ان کے درمیان دنیوی زندگی میں ان کے (اسباب) کی معیشت کو تقسیم کرتے ہیں اور ہم ہی ان میں سے بعض کو بعض پر (وسائل ودولت میں) درجات کی فوقیت دیتے ہیں (کیا ہم یہ اس لئے کرتے ہیں) کہ ان میں سے بعض (جو امیر ہیں) بعض (غریبوں) کا مذاق اڑائیں"۔

2-"اللہ یبسط الرزق لمن یشاء ویقدر"۔[120]

ترجمہ:۔"اللہ جس کے لیے چاہتا ہے رزق میں فراخی دیتا ہے اور جس کے لیے چاہتا ہے تنگی ڈالتا ہے"۔

3-"وھوالذی جعلکم خلائف الارض ورفع بعضکم فوق بعض درجت لیبلوکم فی ماآتٰکم"۔[121]

ترجمہ "اور اللہ تعالیٰ وہ ذات ہے جس نے تمہیں زمین میں ایک دوسرے کا جانشین بنایا اور بعض کو بعض پر مرتبے دیئے، تاکہ جو کچھ تمہیں دیا ہے اُس میں تمہیں آزمائے"۔

3-"واللہ فضل بعضکم علی بعض فی الرزق فماالذین فضلوابرادی رزقھم علی ما ملکت ایمانھم فھم فیہ سواء ط افبنعمۃ اللہ یجحدون"۔[122]

ترجمہ "اللہ تعالیٰ نے تم میں بعض کو بعض پر رزق میں برتری دی پھر ایسا نہیں ہوتا کہ جس کسی کو زیادہ روزی دی ہے وہ اپنی روزی کو اپنے زیردستوں پر لوٹا دیں کہ اس روزی میں سب برابر ہو جائیں، پھر کیا یہ لوگ اللہ کی نعمتوں کے صریح منکر نہیں ہو رہے"۔

مولانا امین الحق اپنی کتاب "اسلام کا معاشی نظام اور معاشی نظریات" میں اسی آیت کی ذیل میں لکھتے ہیں۔

"علامہ آلوسیؒ اِس آیت کی تفسیر میں یہ فرماتے ہیں کہ جن لوگوں کو حق تعالیٰ نے رزق میں برتری دی ہے وہ اپنے سے نیچے والوں کو رزق میں بڑائی نہیں دینا چاہتے کہ وہ ان کے برابر ہو جائیں لیکن حق تعالیٰ اُن کو رزق دینے والے ہیں۔ اصل رزق (وسائل رزق) میں دونوں برابر ہیں۔۔۔۔ حافظ ابن کثیرؒ اِس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں۔ زمین میں ودیعت کی ہوئی خوراکیں (وسائلِ معیشت ورزق) سب کے لیے برابر ہیں اور تمام حاجت مندوں کو زمین سے استفادہ کرنے کا مساوی حق دیا گیا ہے"۔[123]

3-احتکار واکتناز کی حُرمت:۔ اسلام نے معاشی نظام میں وہ تمام اصول وضابطے ممنوع اور حرام قرار دیئے ہیں جن کے ذریعے "احتکار اور اکتناز" کی کوئی بھی شکل وجود میں آجائے، جن کی وجہ سے دولت اور سرمایہ سمٹ کر ایک خاص طبقہ تک محدود ہو جائے اور اکثریتی طبقہ اِس سے محروم رہ کر افلاس کا شکار ہو جائے۔ "احتکار" کا مطلب ہے وسائلِ رزق پر قبضہ کرنا یعنی دولت کا سمٹ کر ایک طبقہ میں محدود ہونا، اور فقہ کی اصطلاح میں احتکار سے مراد یہ ہے کہ کوئی شخص

"غلہ "وغیرہ کو بہت بڑی مقدار میں اِس لئے خریدے کہ کہ بازار گراں ہو جائےاور پبلک میں اس چیز کی مانگ کا "مرکز"صرف وہی بن جائےاور پبلک اِس کے مقررہ نرخ پر مجبور ہو جائےاور وہ من مانی گراں فروشی کرے۔[124]

"اکتناز"کا مطلب ہے سرمایہ اور دولت کے خزانوں کا ایک طبقہ کے پاس جمع ہونا۔ "احتکار اور اکتناز" کی حرمت سے متعلق اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں صاف آیاتِ کریمہ نازل کی ہیں۔

"وَالَّذِ یْنَ یَکْنِزُوْنَ الذَّھَبَ والفضۃ ولا ینفقونھافی سبیل اللہ فبشرھم بعذاب الیم ۔ یوم یحمیٰ علیھا فی نارجھنم فتکویٰ بھاجباھھم وجنوبھم وظھورھم ھٰذاماکنزتم لانفسکم فذوقوا ماکنتم تکنزون"۔[125]

ترجمہ:۔ "اور جولوگ خزانہ بنا کر رکھتے ہیں سونے اور چاندی کو۔اور اُس کو اللہ کی راہ میں خرچ نہیں کرتے سواُن کو دردناک عذاب کی خوش خبری دے دو۔ جس روز کہ اس مال پر جہنم کی آگ دھکائی جائے گی۔ پھر اُس سے داغی جائیں گی اُن کی پیشانیاں، پہلو، اُن کے پیٹھ (اور کہا جائے گا) یہ ہے وہ خزانہ جو تم نے اپنے واسطے گاڑھ رکھا تھا اور چکھو مزہ اپنے گاڑھنے کا"۔

ایک اور مقام پر ارشاد ہے۔" کَیْ لَا یَکُوْنَ دُوْلَۃ بَیْنَ الْاَغْنِیّاءِ مِنْکُمْ"۔[126]

ترجمہ:۔ "تاکہ ایسا نہ ہو کہ مال و دولت صرف دولت مندوں میں محدود ہو کر رہ جائے"۔

ایک اور مقام پر اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔"انماالصدقات للفقراءوالمساکین والعاملین علیھا والمؤلفۃ قلوبھم وفی الرقاب والغارمین وفی سبیل اللہ وابن السبیل فریضۃ من اللہ واللہ علیم حکیم"۔[127]

ترجمہ:۔ "صدقات اور کسی کے لیے نہیں ہے صرف فقیروں اور مسکینوں کے لیے اور عاملینِ کے لئے اور اُن کے لیے جن کے دلوں میں کلمۂ حق کی اُلفت پیدا کرنی ہے، اور اُن کے لیے جن کی گردنیں (غلامی سے) آزاد کرانی ہیں اور قرضداروں کے لیے جو قرض کے بوجھ سے دبے ہوئے ہیں اور اللہ کی راہ میں صرف کرنے کے لیے (یعنی مجاہدین اور اعلاء کلمۃ اللہ میں مصروف رہنے والوں کے لیے) اور مسافروں کے لیے۔ یہ اللہ کی جانب سے ٹھیرائی ہوئی بات ہے اور اللہ سب کچھ جاننے والا اور حکمت والا ہے"۔

"وَاَقِیمُوالصَّلٰوۃَ وَاٰتُوالزَّکوٰۃ"۔[128]

ترجمہ:۔ "اور نماز کو قائم کرو اور زکوۃ دیتے رہو"۔

"واوحینا الیھم فعل الخیرات واقام الصلوۃ وایتاء الزکوۃ وکانوالنا عابدین"۔[129]

ترجمہ:۔ "اور ہم نے ان کی جانب (انبیاء علیھم السلام کی جانب) وحی کی نیک کاموں کے کرنے کی اور نماز قائم کرنے کی اور زکوۃ دینے کی اور وہ ہمارے عبادت گزار تھے"۔

"لن تنالو االبر حتیٰ تنفقوامما تحبون وماتنفقوامن شیئ فان اللہ بہ علیم"۔[130]

ترجمہ:۔"تم ہر گز نیکی کو نہیں پہنچ سکو گے جب تک تم (اللہ کی راہ میں) اپنی محبوب چیزوں میں سے خرچ نہ کرو، اور تم جو کچھ بھی خرچ کرتے ہو بیشک اللہ اسے خوب جاننے والا ہے"۔

"وانفقوا ممارزقکم من قبل ان یأ تی احدکم الموت"۔[131]

ترجمہ:۔"اور جو ہم نے تم کو دیا ہے اس میں سے پہلے ہی خرچ کر لو کہ تم میں سے کسی کے پاس موت آموجود ہو"۔

"وانفقوا فی سبیل اللہ ولا تلقوا بایدیکم الی التھلکۃ"۔[132]

ترجمہ:۔"اور اللہ کی راہ میں خرچ کرو اور اپنے ہاتھوں سے اپنے آپ کو ہلاکت میں نہ ڈالو (یعنی انفاق فی سبیل اللہ سے رُکنا خود کو ہلاکت میں ڈالنا ہے)"۔

"ولاتجعل یدک مغلولۃ الی عنقک ولاتبسطھا کل البسط فتقعد ملوما محسورا"۔[133]

ترجمہ:۔"اور نہ اپنا ہاتھ اپنی گردن سے باندھا ہوا رکھو (کہ کسی کو کچھ نہ دو) اور نہ ہی اسے سارا کا سارا کھول دو (کہ سب کچھ ہی دے ڈالو) کہ پھر تمہیں خود ملامت زدہ (اور) تھکا ہارا بن کر بیٹھنا پڑے گا"۔

مندرجہ بالا تمام آیاتِ کریمہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ رب العزت نے زکوۃ، صدقات اور انفاق فی سبیل اللہ کے ذریعے مال خرچ کرنے کا حکم دیا ہے۔اِن آیاتِ کریمہ سے یہ بھی معلوم ہوتا کہ سرمایہ، مال و دولت جمع کرنے کے لیے نہیں بلکہ خرچ کرنے کے لیے ہے۔ذات پر خرچ کرنے کے ساتھ اللہ کی مخلوق پر خرچ کرنے کو اللہ نے بہت بڑی نیکی کا درجہ دیا ہے۔

حضور نبی کریم ﷺ نے بھی "احتکار" کی سخت ممانعت فرمائی ہے۔

" قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَحْتَكِرُ إِلَّا خَاطِئٌ"۔[134]

ترجمہ:۔رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "احتکار نہیں کرتا مگر گناہ گار"۔

"قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم "الْمُحْتَكِرُ مَلْعُونٌ"۔[135]

ترجمہ:۔"ذخیرہ اندوزی کرنے والا ملعون ہے"۔

اسی لیے جمہور علماء کا مؤقف یہی ہے کہ کھانے پینے کے جتنے بھی بنیادی وسائل ہیں اُن میں کسی بھی صورت میں ذخیرہ اندوزی جائز نہیں ہے۔ چونکہ اِس سے براہِ راست دوسرے انسان متاثر ہوتے ہیں۔اِس کے علاوہ اگر کسی مال سے زکوۃ اور دیگر مالی فرائض ادا نہ کیے جائیں تو وہ مال "احتکار اور اکتناز" کے زمرے میں شمار ہوتا ہے جو کہ وبالِ جان و آخرت ہے۔اور یہی "سرمایہ داری" ہے جو کہ بالکل حرام ہے۔

جمہور علماء کا یہ بھی مؤقف ہے کہ اگر کسی شخص کے پاس حلال اور جائز کمائی کا مال و دولت ہے اور وہ اُس سے مالی فرائض، حقوق، واجبات اور صدقات ادا کرے، اور اپنی ضروریات اور حاجاتِ اصلیہ بھی پوری کرے تو اِس سے زائد کا مال اپنے پاس جمع کرنا اُس شخص کے لیے اگرچہ جائز ہے مگر خلافِ اولیٰ ہے۔اِس کے برخلاف کچھ حضرات کا

مؤقف سخت ہے، جن میں حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ وغیرہ شامل ہیں،اِن کا مؤقف یہ ہے کہ یہ مال جمع کرنا بھی حرام ہے چونکہ اِس میں اَب اجتماعی حقوق وابستہ ہو چکے ہیں،اِس لیے اِس کا مصرف اجتماعیت ہے نہ کہ انفرادی طور پر جمع کرنا۔علامہ ابن کثیرؒ نے حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ کے مؤقف کو یوں نقل کیا ہے۔

"كان من مذهب أبي ذر رضي الله عنه تحريم ادخار ما زاد على نفقة العيال وكان يفتي بذلك ويحثهم عليه ويأمرهم به "۔[136]

ترجمہ:۔"حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ کا مذہب یہ تھا کہ اہل وعیال کے نفقہ سے زیادہ روپیہ (سرمایہ) جمع رکھنا حرام ہے،وہ اِسی کا فتویٰ دیتے،اِسی کی تبلیغ کرتے،اور اِسی کا سب کو حکم دیتے تھے"۔

دینِ اسلام نے مال دولت اور سرمایہ کی گردش کو برقرار رکھنے اور "احتکار واکتناز" کی روک تھام کے لیے زکوٰۃ وصدقات کے علاوہ "قانونِ میراث" کو مقرر کیا ہے، جس کا بنیادی مقصد سرمایہ کی گردش ہے۔

4-فاسد نظامِ معیشت کا انسداد اور سرمایہ اور محنت میں عادلانہ توازن:۔ دینِ اسلام نے ہر اُس معاشی قانون اور ضابطہ پر پابندی لگادی ہے جس کی وجہ سے فاسد نظامِ معیشت وجود میں آئے یا ظلم پر مبنی نظامِ معیشت کو تقویت ملے،اور محنت اور سرمایہ میں توازن قائم نہ رہے۔اِس لیے دینِ اسلام نے سود اور جوا،احتکار واکتناز کے تمام اقسام کو ناجائز قرار دیا ہے، تاکہ کسی بھی صورت میں انسانی معاشرے میں فاسد نظام معیشت وجود میں نہ آسکے،چنانچہ قرآن مجید میں بہت ساری آیاتِ کریمہ اِس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ محنت سرمایہ پر فوقیت کا درجہ رکھتی ہے۔

"احل الله البيع وحرم الربو"۔[137]

ترجمہ:۔"اللہ تعالیٰ نے خرید وفروخت کے معاملات کو حلال کیا ہے اور سودی کاروبار کو حرام کردیا ہے"۔

"يمحق الله الربو ويربی الصدقات۔والله لا يحب كل كفار اثيم"۔[138]

ترجمہ:۔"اللہ تعالیٰ سودی کاروبار کو مٹاتا ہے اور صدقات وخیرات کو ترقی دیتا ہے،اور اللہ تعالیٰ کسی ناشکر گزار گناہگار کو دوست نہیں رکھتا"۔

"انما الخمر والميسر والانصاب والازلام رجس من عمل الشيطن فاجتنبوه"۔[139]

ترجمہ:۔"بے شک شراب، جُوا،بُت اور پانسے ناپاک ہیں، شیطان کے کام ہیں، پس اِن سے بچو"۔

"ويل للمطففين الذين اذاكتالوا على الناس يستوفون واذاكالوهم اووزنوهم يخسرون"[140]۔

ترجمہ:۔"خرابی ہے کمی کرنے والوں کے لیے،ان لوگوں کے لیے کہ جب ماپ تول کرلیں تو لوگوں سے تو پورا پورا بھر کرلیں اور جب ان کو ماپ کر یا تول کر دیں تو گھٹا کر دیں"۔

"وزنوابالقسطاس المستقيم"[141]۔

ترجمہ:۔"اور تول کر دو برابر وزن کے ساتھ"۔

"يايهاالذين آمنواالاتاكلوااموالكم بينكم بالباطل الا ان تكون تجارة عن تراض منكم"[142]۔

ترجمہ:۔"اے ایمان والو! آپس میں ایک دوسرے کامال باطل (ناجائز طریقہ) سے نہ کھاؤ،ہاں! اگر آپس کی رضامندی سے تجارت ہو تو اس طرح کھاسکتے ہو(گویاہر شخص اپنے حصہ کے مطابق اپناحق لے)"۔

اِن تمام آیاتِ کریمہ سے یہ معلوم ہوتاہے کہ معاشی نظام میں محنت کو بنیادی مقام حاصل ہے۔

شاہ ولی اللہ دہلویؒ نے محنت کی عظمت اور اہمیت وفضیلت کے بارے میں"حجۃ اللہ البالغہ"میں"باب ابتغاء الرزق"کے نام سے مستقل ایک باب لکھاہے۔جس میں آپؒ معاشی نظام میں محنت کی عظمت کو اُجاگر کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔"اعلم أن اللّٰه تعالى لما خلق الخلق ، وجعل معايشهم في الأرض ، وأباح لهم الانتفاع بما فيها وقعت بينهم المشاحة والمشاجرة . فكان حكم اللّٰه عند ذلك تحريم أن يزاحم الإنسان صاحبه فيما اختص به لسبق يده إليه ، أو يد مورثه ، أو لوجه من الوجوه المعتبرة عندهم إلا بمبادلة أو تراض معتمد على علم من غير تدليس وركوب غرر .

وأيضاً لما كان الناس مدنيين بالطبع لا تستقيم معايشهم إلا بتعاون بينهم نزل القضاء بإيجاب التعاون،وألا يخلو أحد منهم مما له دخل في التمدن إلا عند حاجة لايجد منهابداً .

وأيضاً فأصل التسبب حيازة الأموال المباحة أو استنماء ما اختص به مما يستمد من الأموال المباحة كالتناسل بالرعي ، والزراعة بإصلاح الأرض وسقي الماء .

من شروط ابتغاء الرزق :

ويشترط في ذلك ألا يضيق بعضهم على بعض بحيث يفضي إلى فساد التمدن ، ثم الاستنماء في أموال الناس بمعونة في المعاش يتعذر أويتعسر استقامة حال المدينة بدونها كالذي يجلب التجارة من بلد إلى بلد ، ويعتني بحفظ الجلب إلى أجل معلوم أو يسمسر بسعي وعمل ، أو يصلح مال الناس بإيجاد صفة مرضية فيه وأمثال ذلك ، فإن كان الاستنماء فيها بما ليس له دخل في التعاون كالميسر ، أو بما هو تراض يشبه الاقتضاب كالربا ، فإن المفلس يضطر إلى التزام ما لا يقدر على إيفائه ، وليس رضعاه رضاً في الحقيقة ، فليس من العقود المرضية ولا الأسباب الصالحة ، وإنما هو باطل وسحت بأصل الحكمة المدنية "۔[143]

ترجمہ:۔"رزق طلبی کے سلسلہ کی اُصولی باتیں:

جان لیں کہ جب اللہ تعالٰی نے مخلوق پیدا کی،اور ان کاسامانِ زندگانی زمین میں رکھا،اوران کے لئے اُن چیزوں سے فائدہ اٹھاناجائز کیاجوزمین میں ہیں،توان میں باہمی نزاع اور لڑائی جھگڑاپیداہوا۔پس ایسی صورت میں اللہ کا حکم ہواکہ انسان اپنے ساتھی سے اس چیز میں مزاحمت نہ کرے جس کے ساتھ وہ مختص کیاگیاہے۔اس یااس کے مورث کے قبضہ کے اس چیز کی طرف سبقت کرنے کی وجہ سے،یالوگوں کے نزدیک معتبروجوہ میں سے کسی وجہ

سے، مگر مبادلہ یا ایسی باہمی رضامندی کے ذریعہ جو علم پر تکیہ کرنے والی ہو، دھوکہ دئے بغیر اور فریب پر سواری کئے بغیر— اور نیز، جب لوگ ایسے مدنی الطبع تھے جن کا سامان زندگی درست نہیں ہو سکتا مگر باہمی تعاون کے ذریعہ تو تعاون کو واجب کرنے کا فیصلہ اترا، اور یہ (فیصلہ اترا) کہ لوگوں میں سے کوئی خالی نہ ہو اُس (پیشہ) سے جس کا تمدن میں دخل ہے، مگر ایسی حاجت کی صورت میں جس سے وہ چارہ نہ پائے—اور نیز پس کمائی کی بنیاد: (1) مباح اموال پر قبضہ کرنا ہے (2) یا اُس مال کو بڑھانا ہے جس کے ساتھ وہ خاص کیا گیا ہے، مباح اموال سے استمداد کے ذریعہ، جیسے: (1) چرائی کے ذریعہ نسل بڑھانا (2) اور کھیتی کرنا زمین کو سدھارنے اور آب پاشی کے ذریعہ —اور اس (طرح مال بڑھانے) میں شرط ہے کہ بعض بعض پر ایسی تنگی نہ کریں کہ وہ تمدن کے فساد تک پہنچا دے۔

پھر لوگوں کے اموال میں اپنا مال شامل کر کے اس کو بڑھانا ضروریاتِ زندگی میں معاونت کے ذریعہ ہوتا ہے معاونت کے بغیر مملکت کی حالت کی درستگی معتذر یا دشوار ہے۔ جیسے (1) وہ شخص جو ایک شہر سے دوسرے شہر تجارتی سامان لے جاتا ہے، اور وقتِ معلوم یعنی ضرورت پیش آنے تک رسد کی حفاظت کا اہتمام کرتا ہے (2) یا سعی و عمل کے ذریعے دلالی کرتا ہے (3) یا لوگوں کا مال سنوارتا ہے اِس میں پسندیدہ حالت پیدا کرنے کے ذریعہ، اور اس کی مانند کمائی کی اور صورتیں— پھر اگر لوگوں کے اموال میں ملا کر اپنا مال بڑھانا ایسے طریقہ سے ہو جس کا تعاون میں کوئی دخل نہیں جیسے جُوا یا ایسے طریقہ سے ہو جو کہ شکستگی کے مشابہ ہو جیسے سود— کیونکہ کنگال اس چیز کو یعنی سود کو سر لینے کی طرف مجبور ہے جس کے ایفاء پر وہ قادر نہیں (پس وہ سود چند در چند ہو جائے گا) اور اس کی رضامندی حقیقی رضامندی نہیں ہے— تو وہ پسندیدہ معاملات میں سے نہیں، اور نہ نیک ذرائع آمدنی میں سے ہے۔ اور وہ باطل اور حرام ہے حکمتِ مدنی کی رو سے"۔

6-معیشت کے مندرجہ بالا قرآنی اُصولِ معاشیات کی روشنی میں بننے والے ضابطے:۔

مندرجہ بالا قرآنی اُصولِ معاشیات کی روشنی میں بننے والے معاشی نظام میں درجہ ذیل ضابطے کارفرما ہوتے ہیں۔

1-عاجزی وشکر گزاری:۔"وَكَمْ اَهْلَكْنَا مِنْ قَرْيَةٍ بَطِرَتْ مَعِيْشَتَهَا. فَتِلْكَ مَسٰكِنُهُمْ لَمْ تُسْكَنْ مِنْ بَعْدِهِمْ اَلَّا قَلِيلًا وَكُنَّا نَحْنُ الْوٰرِثِيْنَ"[144]۔

ترجمہ:۔"اور ہم نے کتنی ہی (ایسی) بستیوں کو برباد کر ڈالا جو اپنی خوشحال معیشت پر غرور و ناشکری کر رہی تھیں تو یہ ان کے (تباہ شدہ) مکانات ہیں جو ان کے بعد کبھی آباد ہی نہیں ہوئے مگر بہت کم، اور ہم ہی وارث و مالک ہیں"۔

اس آیت کریمہ میں معیشت کی خوشحالی پر غرور کرنے والوں کو اور کثرت رزق ودولت پر اترانے والوں کے لئے وعید سنائی گئی ہے۔ اسی طرح ایک اور آیتِ کریمہ میں شکر گزاری کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

"لَئِنْ شَكَرْتُمْ لَاَزِيْدَنَّكُمْ وَلَئِنْ كَفَرْتُمْ اِنَّ عَذَابِی لَشَدِيْد"۔[145]

ترجمہ:۔"اگر شکر کروگے تو میں تمہیں زیادہ دوں گا اور اگر ناشکری کروگے تو (یاد رکھو کہ) میرا عذاب بھی سخت ہے"۔

گویا کہ جتنے وسائل دستیاب ہوں اُن کو استعمال میں لا کر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنا باعثِ اضافہ ہے۔

2۔معاشی انصاف:۔ دینِ اسلام مسلمانوں کو زندگی کے تمام شعبوں میں انصاف سے کام لینے کی تعلیم دیتا ہے، بالخصوص معیشت میں۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔"اِعْدِ لُوْا هُوَاَقْرَبُ لِلتَّقْوٰی"۔[146]

ترجمہ:۔"عدل کیا کرو (کہ) وہ پرہیزگاری کے قریب ہے"۔

دوسری جگہ ارشاد ربانی ہے۔"قُلْ اَمَرَ رَبِّی بِالْقِسْطِ "۔[147]

ترجمہ:۔"فرما دیجئے! میرے رب نے انصاف کرنے کا حکم دیا ہے"۔

حضرت شعیب علیہ السلام نے اپنے قوم والوں کو مخاطب کرکے فرمایا۔"وَيٰقَوْمِ اَوْفُوْا الْمِكْيَالَ وَالْمِيزَانَ بِالْقِسْطِ وَلَا تَبْخَسُوا النَّاسَ اَشْيَائَهُمْ وَلَاتَعْثَوْا فِی الْاَرْضِ مُفْسِدِ يْن"۔[148]

ترجمہ:۔"اور اے میری قوم! تم ناپ تول انصاف کے ساتھ پورے کیا کرو اور لوگوں کو ان کی چیزیں گھٹا کر نہ دیا کرو اور فساد کرنے والے بن کر ملک میں تباہی مت مچاتے پھرو"۔

ایک اور مقام پر انصاف کے بارے میں ارشاد ربانی ہے۔وَاَ قِيْمُوا الْوَزْنَ بِالْقِسْطِ وَلَاتُخْسِرُوا الْمِيْزَان۔[149]

ترجمہ:۔"اور انصاف کے ساتھ وزن کو ٹھیک رکھو اور تول کو کم نہ کرو"۔

3۔سرمایہ پرستی اور بخل:۔ اللہ تعالیٰ نے سرمایہ پرستی جیسی بری چیز سے یوں منع فرمایا۔"وَتُحِبُّوْنَ الْمَالَ حُبّا جَمّا"۔[150]

ترجمہ:۔"اور تم مال و دولت سے حد درجہ محبت رکھتے ہو"۔

انسان کی ناشکری کا سبب بھی حب دولت کو قرار دیا گیا ہے۔"وَاِنَّه لِحُبِّ الْخَيْرِ لَشَدِ يْد"۔[151]

ترجمہ:۔"اور بیشک وہ (انسان) مال کی محبت میں بہت سخت ہے"۔

ایسے لوگ جن کی زندگی مقصد بس صرف مال جمع کرنا ہوتا ہے اُن کے لئے کی تباہی و بربادی کی خبر دی گئی ہے۔

"وَيْل لِّكُلّ هُمَزَة لُّمَزَة ۔ اَلَّذِیْ جَمَعَ مَالاوَّعَدَّ دَه" ۔[152]

ترجمہ:۔"ہر اس شخص کے لئے ہلاکت ہے جو (روبرو) طعنہ زنی کرنے والا ہے (اور پس پشت) عیب جوئی کرنے والا ہے۔(خرابی و تباہی ہے اس شخص کے لئے) جس نے مال جمع کیا اور اسے گن گن کر رکھتا ہے"۔

یہ مال و دولت اُس کے کام نہیں آئے گا جن کو وہ جمع کرتا رہتا ہے۔

"وَمَا يُغْنِیْ عَنْہ مَالُہ اِذَا تَرَدّٰی"۔[153]

ترجمہ:۔"اور اُس کا مال اُس کے کسی کام نہیں آئے گا جب وہ ہلاکت (کے گڑھے) میں گرے گا"۔

بخل اور کنجوسی کے بارے میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے۔"وَلَا یَحْسَبَنَّ الَّذِیْنَ یَبْخَلُوْنَ بِمَآ اٰتٰـھُمُ اللّٰہُ مِنْ فَضْلِہٖ هُوَ خَیْرًا لَّھُمْ ؕ بَلْ هُوَ شَرٌّ لَّھُمْ"۔[154]

ترجمہ:۔"اور جو لوگ اس (مال و دولت) میں سے دینے میں بخل کرتے ہیں جو اللہ نے انہیں اپنے فضل سے عطا کیا ہے وہ ہرگز اس بخل کو اپنے حق میں بہتر خیال نہ کریں، بلکہ یہ ان کے حق میں برا ہے"۔

ایک اور مقام پر بخل اور کنجوسی کے بارے میں فرمان ہے۔

"الَّذِیْنَ یَبْخَلُوْنَ وَیَاْمُرُوْنَ النَّاسَ بِالْبُخْلِ وَیَکْتُمُوْنَ مَآ اٰتٰـھُمُ اللّٰہُ مِنْ فَضْلِہٖ ؕ وَاَعْتَدْنَا لِلْکٰفِرِیْنَ عَذَابًا مُّھِیْنًا "۔[155]

ترجمہ:۔"جو لوگ (خود بھی) بخل کرتے ہیں اور لوگوں کو (بھی) بخل کا حکم دیتے ہیں اور اُس (نعمت) کو چھپاتے ہیں جو اللہ نے انہیں اپنے فضل سے عطا کی ہے، اور ہم نے کافروں کے لئے ذلت انگیز عذاب تیار کر رکھا ہے"۔

4۔ نجی ملکیت کی حد بندی:۔دینِ اسلام نے انسان کی فطرت کو مد نظر رکھ کر محدود نجی ملکیت کی اجازت دے کر لا محدود نجی ملکیت سے منع فرما ہے۔ قرآن مجید میں ارشادِ ربانی ہے۔"یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْفِقُوْا مِمَّا رَزَقْنٰکُمْ"۔[156]

ترجمہ:۔"اے ایمان والو! جو مال ہم نے تم کو دیا ہے اُس میں سے خرچ کرو"۔

"وَفِیْٓ اَمْوَالِھِمْ حَقٌّ لِّلسَّآئِلِ وَالْمَحْرُوْمِ"۔[157]

ترجمہ:۔"اور ان کے اموال میں سوال کرنے والوں اور تنگدستوں کا حق ہے"۔

اِن آیاتِ کریمہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ رب العزت نے انسان کو مال پر انفرادی ملکیت کا حق دیا ہے۔ ذاتی ملکیت کی اجازت کے ساتھ ساتھ اِس کی حد بندی بھی کرتا ہے۔ جیسا کہ ارشادِ ربانی ہے۔"هُوَ الَّذِیْ خَلَقَ لَکُمْ مَّا فِی الْاَرْضِ جَمِیْعًا"۔[158]

ترجمہ:۔"اللہ وہ ذات ہے جس نے تمہارے لئے وہ سب کچھ پیدا کیا جو زمین میں موجود ہے"۔

اِس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ معیشت کے تمام وسائل کل انسانیت کے لئے پیدا کئے گئے ہیں۔ کسی ایک شخص کو اجازت نہیں کہ وہ کل وسائلِ معیشت پر قبضہ کر بیٹھ جائے اور اکثریت انسانیت بھوک افلاس کا شکار ہو جائے۔ جیسا کہ یحیٰ بن آدم نے اپنی کتاب "الخراج" میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا ایک واقعہ نقل کیا ہے۔"عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ أَبِي بَكْرٍ، قَالَ: " جَاءَ بِلَالُ بْنُ الْحَارِثِ الْمُزَنِيُّ إِلَى رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَاسْتَقْطَعَهُ أَرْضًا، فَأَقْطَعَهَا لَهُ طَوِيلَةً عَرِيضَةً "، فَلَمَّا وُلِّيَ عُمَرُ قَالَ لَهُ: يَا بِلَالُ إِنَّكَ اسْتَقْطَعْتَ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَرْضًا طَوِيلَةً عَرِيضَةً،

فَقَطَعَهَا لَكَ، وَإِنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَمْ يَكُنْ يَمْنَعُ شَيْئًا يُسْأَلُهُ، وَأَنْتَ لَا تُطِيقُ مَا فِي يَدَيْكَ، فَقَالَ: أَجَلْ، فَقَالَ: فَانْظُرْ مَا قَوِيتَ عَلَيْهِ مِنْهَا، فَأَمْسِكْهُ، وَمَا لَمْ تُطِقْ، وَمَا لَمْ تَقْوَ عَلَيْهِ، فَادْفَعْهُ إِلَيْنَا نَقْسِمْهُ بَيْنَ الْمُسْلِمِينَ، فَقَالَ: لَا أَفْعَلُ وَاللَّهِ شَيْئًا أَقْطَعَنِيهِ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَقَالَ عُمَرُ: وَاللَّهِ لَتَفْعَلَنَّ، فَأَخَذَ مِنْهُ مَا عَجَزَ عَنْ عِمَارَتِهِ، فَقَسَمَهُ بَيْنَ الْمُسْلِمِينَ"۔[159]

ترجمہ:۔"حضرت عبداللہ بن ابی بکرؓ سے روایت ہے کہ حضرت بلال بن حارث مزنیؓ رسول اللہ ﷺ کے پاس آئے اور زمین کے ٹکڑے کی درخواست کی، آپ ﷺ نے اُس کو ایک زمین کا ایک بڑا ٹکڑا دیا۔ پس جب حضرت عمرؓ کا زمانۂ خلافت آیا تو انہوں نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ سے فرمایا، اے بلال رضی اللہ عنہ! تم نے رسول اللہ ﷺ سے طویل و عریض علاقہ کو بطورِ عطیہ حاصل کیا تھا اور رسول اللہ ﷺ کی عادتِ مبارکہ تھی کہ وہ کسی سائل کے سوال کو رد نہیں فرماتے تھے، اور کیفیت یہ ہے کہ آپ اُس پورے علاقہ کو نہیں سنبھال سکے (یعنی اُس کا کافی حصہ غیر آباد پڑا ہے) لٰہذا جس قدر حصہ تم کام میں لا سکتے ہو اُس کو اپنے پاس رکھ کر باقی حصہ کو میرے حوالہ کر دو تا کہ میں مسلمانوں میں اِس فالتو زمین کو حسبِ ضرورت تقسیم کر دوں۔ حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے فرمایا، اللہ کی قسم! جو چیز مجھ کو تو رسول اللہ ﷺ نے دی ہے میں اُس میں سے کچھ بھی واپس نہیں کروں گا۔ پس حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا، اللہ کی قسم! میں تو ایسا کروں گا (یعنی فالتو زمین آپ سے واپس لوں گا) پس حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اُن سے وہ زمین واپس لے لی جس کو حضرت بلال رضی اللہ عنہ کاشت کرنے سے قاصر تھے۔ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اُس زمین کو باقی مسلمانوں میں تقسیم کر دیا"۔

اِس واقعہ سے معلوم ہوا کہ انسان کو اتنی جائیداد کی نجی ملکیت کی اجازت ہے جتنا اُس کو ضرورت ہو اور وہ خود اُس کی خدمت کر کے برقرار بھی سکے۔ اسلام لامحدود نجی ملکیت کی اجازت نہیں دیتا۔

5-فضول خرچی:۔ اللہ تعالیٰ نے اسراف اور فضول خرچی سے منع کیا ہے۔"كُلُوْا وَاشْرَبُوْا وَلَاتُسْرِفُوْا اِنَّہٗ لَايُحِبُّ الْمُسْرِفِيْنَ"۔[160]

ترجمہ:۔"کھاؤ اور پیو اور حد سے زیادہ خرچ نہ کرو کہ بیشک وہ بے جا خرچ کرنے والوں کو پسند نہیں فرماتا"۔

ایک اور مقام پر فرمایا۔"وَاٰتِ ذَا الْقُرْبٰى حَقَّهٗ وَالْمِسْكِيْنَ وَابْنَ السَّبِيْلِ وَلَا تُبَذِّرْ تَبْذِيْرًا۔[161]

ترجمہ:۔"اور قرابت داروں کو اُن کا حق ادا کرو، محتاجوں اور مسافروں کو بھی اور (اپنا مال) فضول خرچی سے مت اڑاؤ"۔

ایک اور مقام پر فضول خرچی کرنے والوں کو شیاطین کا بھائی کہا گیا ہے۔"اِنَّ الْمُبَذِّرِيْنَ كَانُوْٓا اِخْوَانَ الشَّيٰطِيْنِ"۔[162]

ترجمہ:۔"بیشک فضول خرچی کرنے والے شیطان کے بھائی ہیں"۔

6-معیشت میں میانہ روی اختیار کرنا:۔ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ انسان کو اپنی زندگی میں (معیشت میں بالخصوص) میانہ روی اختیار کرنے کا حکم دیتا ہے۔

"وَالَّذِيْنَ اِذَآ اَنْفَقُوْا لَمْ يُسْرِفُوْا وَلَمْ يَقْتُرُوْا وَكَانَ بَيْنَ ذٰلِكَ قَوَامًا "۔[163]

ترجمہ:۔"اور (یہ) وہ لوگ ہیں کہ جب خرچ کرتے ہیں تو نہ بے جا اڑاتے ہیں اور نہ تنگی کرتے ہیں اور ان کا خرچ کرنا (زیادتی اور کمی کی) ان دو حدوں کے درمیان اعتدال پر (مبنی) ہوتا ہے"۔

حضور نبی کریم ﷺ نے فرمایا۔"اَلْاِقْتِصَادُ فِيْ الْنَفَقة نِصْفُ الْمَعِيْشَة"۔[164]

ترجمہ:۔"خرچ میں اعتدال آدھی معیشت ہے"۔

ایک اور مقام پر ارشادِ نبوی ﷺ ہے۔"مَاعَالَ مَنِ اقْتَصَدَ"۔[165]

ترجمہ:۔"جس نے میانہ روی اختیار کی وہ محتاج نہیں ہوگا"۔

7-سُود کی حرمت و ممانعت:۔ اللہ تعالیٰ ہر انسان کو حلال ذرائع سے روزی حاصل کرنے کی تلقین کرتا ہے اسی لئے ہر وہ ذریعہ اور سبب جو حرام ہو اُس سے رزق کمانا اسلام کے نزدیک ممنوع اور حرام ہے۔اسی لئے اللہ تعالیٰ نے واضح الفاظ میں سود کو حرام قرار دیا ہے۔

"واحل الله البيع وحرم الربوٰا"۔[166]

ترجمہ:۔"اور اللہ نے تجارت (سوداگری) کو حلال فرمایا ہے اور سود کو حرام کیا ہے"۔

ایک اور مقام پر ارشاد ہے۔"یٰآیہا الذین اٰمنوا لا تاکلوا الربوٰا اضعافا مضٰعفة واتقوا الله لعلکم تفلحون"۔[167]

ترجمہ:۔"اے ایمان والو! دوگنا اور چوگنا کر کے سود مت کھایا کرو، اور اللہ سے ڈرا کرو تاکہ تم فلاح پاؤ"۔

سود کھانے والے قیامت کے دن ایسے حواس باختہ ہوں گے جیسے اُن کو شیطان نے چُھوا ہو۔اسی لئے اللہ تعالیٰ نے جنگ کا چیلنج دیا ہے۔"فَاِنْ لَمْ تَفْعَلُوْا فَاْذَنُوْا بِحَرْبٍ مِّنَ اللهِ وَرَسُوْلِه"۔[168]

ترجمہ:۔"پھر اگر تم نے ایسا نہ کیا تو اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی طرف سے اعلان جنگ پر خبردار ہو جاؤ"۔

8-دوسروں کی مال کی حفاظت:۔ دوسروں کے مال کو غصب کرنے کو دینِ اسلام نے حرام قرار دیا ہے جیسا کہ

حدیث مبارک میں ہے۔"كُلُّ الْمُسْلِمِ عَلَى الْمُسْلِمِ حَرَامٌ : دَمُهُ ، وَمَالُهُ ، وَعِرْضُهُ"۔[169]

ترجمہ:۔"ایک مسلمان کا خون، مال اور آبرو (عزت) دوسرے مسلمان پر حرام ہے"۔

9-انفاق فی سبیل اللہ:۔ اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں انفاق فی سبیل اللہ کی تلقین کرتا ہے، اسلامی معیشت مسلمانوں میں انفاق فی سبیل اللہ کا اخلاقی ضابطہ پیدا کرتی ہے۔جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔"الَّذِينَ يُنفِقُونَ فِي السَّرَّاءِ وَالضَّرَّاءِ وَالْكَاظِمِينَ الْغَيْظَ وَالْعَافِينَ عَنِ النَّاسِ ۗ وَاللَّهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِينَ"۔[170]

ترجمہ:۔"یہ وہ لوگ ہیں جو فراخی اور تنگی (دونوں حالتوں) میں خرچ کرتے ہیں اور غصہ ضبط کرنے والے ہیں اور لوگوں سے (ان کی غلطیوں پر) درگزر کرنے والے ہیں اور اللہ احسان کرنے والوں سے محبت فرماتا ہے"۔

10-حلال رزق کی تلاش:۔قرآن مجید حلال و پاکیزہ رزق کمانے اور کھانے کی تلقین کرتا ہے اور حرام، ناپاک اور مردار کھانے سے روکتا ہے۔ارشاد باری تعالیٰ ہے۔" إِنَّمَا تَعْبُدُونَ مِن دُونِ اللَّهِ أَوْثَانًا وَتَخْلُقُونَ إِفْكًا ۚ إِنَّ الَّذِينَ تَعْبُدُونَ مِن دُونِ اللَّهِ لَا يَمْلِكُونَ لَكُمْ رِزْقًا فَابْتَغُوا عِندَ اللَّهِ الرِّزْقَ "۔[171]

ترجمہ:۔"بیشک تم اللہ کے سوا جن کی پوجا کرتے ہو وہ تمہارے لئے رزق کے مالک نہیں ہیں پس تم اللہ کی بارگاہ سے رزق طلب کیا کرو"۔

ایک اور مقام پر ہے۔"وَاللہ خَیرُ الرٰزِقین"۔[172]

ترجمہ:۔"اور اللہ سب سے بہتر رزق دینے والا ہے"۔

حصولِ حلال رزق کو اللہ نے اپنا فضل قرار دیا ہے۔"وَاٰخَرُوْنَ یضرِبُونَ فِیْ الْاَرْضِ یبتَغُوْنَ مِنْ فَضْلِ اللہ"۔[173]

ترجمہ:۔"اور (بعض) دوسرے لوگ زمین میں سفر کریں گے تاکہ اللہ کا فضل تلاش کریں"۔

ایک اور جگہ ارشاد ہے۔"یٰآیہا الناسُ کُلُوْا مِمَّا فِی الْاَرْض حَلٰلا طَیِّبا وَّلَاتتبِعُوا خُطُوٰتِ الشَّیْطٰنِ ،اِنَّہ لَکُمْ عَدُوّ مُبِیْن"۔[174]

ترجمہ:۔"اے لوگو! زمین کی چیزوں میں سے جو حلال اور پاکیزہ ہے کھاؤ، اور شیطان کے راستوں پر نہ چلو، بیشک وہ تمہارا کھلا دشمن ہے"۔

حلال اور حرام کو یوں ذکر کیا ہے۔"وَیُحِلُّ لَھُم الطَّیبٰتِ وَیُحَرِّمُ علیھمُ الْخَبائِث"۔[175]

ترجمہ:۔"اور ان کے لئے پاکیزہ چیزوں کو حلال کرتے ہیں اور ان پر پلید چیزوں کو حرام کرتے ہیں"۔

آپ ﷺ نے فرمایا۔"طَلَبِ کَسْبِ الْحَلَال فَرِیْضَۃ بَعْدِ الْفَرِیْضَۃ"۔[176]

ترجمہ:۔"رزق حلال کی تلاش فرض عبادات کے بعد (سب سے بڑا) فریضہ ہے"۔

ایک اور مقام پر حضور نبی کریم ﷺ نے فرمایا۔"اِذَا صَلَّیْتمْ الصُّبْحَ فَلَاتنَامُوْاعَنْ طَلَبِ رِزْقِکُمْ ، فَاِنَّ نَوْمَۃُ الصُّبْحَۃِ یَمنع الرزق"۔[177]

ترجمہ:۔"جب صبح کی نماز ادا کرلو تو اپنے رزق کی طلب سے غافل ہو کر سو نہ جاؤ، کیونکہ صبح کی نیند رزق کو روکتی ہے"۔

11-حرام سے بچاؤ:۔قرآن مجید جہاں ایک طرف حلال کھانے اور کمانے کی تلقین کرتا ہے وہاں دوسری طرف حرام ذرائع اختیار کرنے سے بھی روکتا ہے اور ان کی شدت کے ساتھ ممانعت فرماتا ہے۔قرآن مجید میں صریح

الفاظ میں حرام و ممنوع اشیاء کا ذکر موجود ہے۔ ان میں مردار، خون، خنزیز یا ایسے جانور کا گوشت جس پر اللہ تعالیٰ کا نام نہ لیا گیا ہو یا بتوں کے نام پر ذبح کیا ہو۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

"اِنَّمَا حَرَّمَ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةَ وَالدَّمَ وَلَحْمَ الْخِنْزِيْرِ وَمَآ اُهِلَّ بِهٖ لِغَيْرِ اللّٰهِ ۚ فَمَنِ اضْطُرَّ غَيْرَ بَاغٍ وَّلَا عَادٍ فَلَآ اِثْمَ عَلَيْهِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ"۔[178]

ترجمہ:۔"اس نے تم پر صرف مردار اور خون اور سور کا گوشت اور وہ جانور جس پر ذبح کے وقت غیر اللہ کا نام پکارا گیا ہو حرام کیا ہے، پھر جو شخص سخت مجبور ہو جائے نہ تو نافرمانی کرنے والا ہو اور نہ حد سے بڑھنے والا تو اس پر (زندگی بچانے کی حد تک کھا لینے میں) کوئی گناہ نہیں، بیشک اللہ نہایت بخشنے والا مہربان ہے"۔

ایک اور مقام پر ارشاد ہے۔"وَلَا تَاْكُلُوْٓا اَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ وَتُدْلُوْا بِهَآ اِلَى الْحُكَّامِ لِتَاْكُلُوْا فَرِيْقًا مِّنْ اَمْوَالِ النَّاسِ بِالْاِثْمِ وَاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ"۔[179]

ترجمہ:۔"اور تم ایک دوسرے کے مال آپس میں ناحق نہ کھایا کرو اور نہ مال کو (بطور رشوت) حاکموں تک پہنچایا کرو کہ یوں لوگوں کے مال کا کچھ حصہ تم (بھی) ناجائز طریقے سے کھا سکو حالانکہ تمہارے علم میں ہو (کہ یہ گناہ ہے)"۔

شراب اور جُوا کے بارے میں ارشاد ہے۔"يٰٓاَيُّهَاالَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَيْسِرُ وَالْاَنْصَابُ وَالْاَزْلَامُ رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّيْطٰنِ فَاجْتَنِبُوْهُ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ"۔[180]

ترجمہ:۔"اے ایمان والو! بیشک شراب اور جوا اور (عبادت کے لئے) نصب کئے گئے بت اور (قسمت معلوم کرنے کے لئے) فال کے تیر (سب) ناپاک شیطانی کام ہیں۔ سو تم ان سے پرہیز کرو تاکہ تم فلاح پاجاؤ"۔

12-مساکین، غرباء اور یتیموں کے حقوق:۔ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے خیرات کے ذریعے مساکین اور یتیموں کے حقوق کی ادائیگی کا حکم دیتا ہے۔"اَرَءَيْتَ الَّذِيْ يُكَذِّبُ بِالدِّيْنِ۔فَذٰلِكَ الَّذِيْ يَدُعُّ الْيَتِيْمَ۔وَلَا يَحُضُّ عَلٰي طَعَامِ الْمِسْكِيْنِ۔فَوَيْلٌ لِّلْمُصَلِّيْنَ۔ الَّذِيْنَ هُمْ عَنْ صَلَاتِهِمْ سَاهُوْنَ۔ الَّذِيْنَ هُمْ يُرَاۗءُوْنَ۔ وَيَمْنَعُوْنَ الْمَاعُوْنَ"۔[181]

ترجمہ:۔"کیا آپ نے اُس شخص کو دیکھا جو دین کو جھٹلاتا ہے۔ تو یہ وہ شخص ہے جو یتیم کو دھکے دیتا ہے (یعنی یتیموں کی حاجات کو رد کرتا اور انہیں حق سے محروم رکھتا ہے)۔ اور محتاج کو کھانا کھلانے کی ترغیب نہیں دیتا (یعنی معاشرے سے غریبوں اور محتاجوں کے معاشی استحصال کے خاتمے کی کوشش نہیں کرتا)۔ پس افسوس (اور خرابی) ہے ان نمازیوں کے لئے۔ جو اپنی نماز (کی روح) سے بے خبر ہیں (یعنی انہیں محض حقوق اللہ یاد ہیں حقوق العباد بھلا بیٹھے ہیں)۔ وہ لوگ (عبادت میں) دکھلاوا کرتے ہیں (کیونکہ وہ خالق کی رسمی بندگی بجالاتے ہیں اور پسی ہوئی مخلوق سے بے پرواہی برت رہے ہیں) اور وہ برتنے کی معمولی سی چیز بھی مانگے نہیں دیتے"۔

ایک اور مقام پر ارشاد ہے۔"وَمَالَكُمْ اَلَّاتُنْفِقُوْافِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَلِلّٰهِ مِيْرَاثُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ"۔[182]

ترجمہ:۔"اور تمہیں کیا ہو گیا ہے کہ تم اللہ کی راہ میں خرچ نہیں کرتے حالانکہ آسمانوں اور زمین کی ساری ملکیت اللہ ہی کی ہے (تم تو فقط اس مالک کے نائب ہو)"۔

13- بھوک کے خوف سے اولاد کو قتل کرنے کی ممانعت:۔ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ میں ہی رزق دینے والا ہوں، اِس لئے واضح طور پر بتادیا گیا ہے کہ اپنی اولاد کو روزی اور بھوک کے خوف وڈر کے وجہ سے قتل نہ کرو۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔"وَلَا تَقْتُلُوْا اَوْلَادَكُمْ مِّنْ اِمْلَاقٍ نَحْنُ نَرْزُقُكُمْ وَاِيَّاهُمْ"۔[183]

ترجمہ:۔"اور مفلسی کے باعث اپنی اولاد کو قتل مت کرو، ہم ہی تمہیں رزق دیتے ہیں اور انہیں بھی (دیں گے)"۔

ایک اور مقام پر ارشاد ہے۔"وَلَا تَقْتُلُوْا اَوْلَادَكُمْ خَشْيَةَ اِمْلَاقٍ نَحْنُ نَرْزُقُهُمْ وَاِيَّاكُمْ "۔[184]

ترجمہ:۔"اور غربت کی ڈر سے اپنی اولاد کو قتل نہ کرو، ہم انہیں بھی رزق دیں گے، اور تمہیں بھی"۔

14- محنت کی کمائی و تجارت:۔ اسلامی معاشی نظام کی وجہ سے ہر شخص کے لئے محنت کرنا ضروری ہوتا ہے، جیسا کہ ارشاد نبوی ﷺ ہے۔" عَنْ رَافِعِ بْنِ خَدِيجٍ ، قَالَ : قِيلَ : يَا رَسُولَ اللهِ ، أَيُّ الْكَسْبِ أَطْيَبُ ؟ قَالَ : عَمَلُ الرَّجُلِ بِيَدِهِ وَكُلُّ بَيْعٍ مَبْرُورٍ "۔[185]

ترجمہ:۔"حضرت رافع بن خدیجؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے پوچھا گیا: یارسول اللہ ﷺ! کون سی کمائی سب سے پاکیزہ ہے؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا: آدمی کا اپنے ہاتھ سے کمانا اور ہر جائز تجارت"۔

ایک اور مقام پر حضور نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا۔"مَا أَكَلَ أَحَدٌ طَعَامًا قَطُّ، خَيْرًا مِنْ أَنْ يَأْكُلَ مِنْ عَمَلِ يَدِهِ، وَإِنَّ نَبِيَّ اللَّهِ دَاوُدَ عَلَيْهِ السَّلَامُ، كَانَ يَأْكُلُ مِنْ عَمَلِ يَدِهِ"۔[186]

ترجمہ:۔"بہترین کھانا وہ ہے جو انسان اپنے ہاتھ سے کما کر کھائے اور اللہ کے نبی حضرت داؤد علیہ السلام اپنے ہاتھ سے کما کر کھایا کرتے تھے"۔

15- قربانی کا جذبہ اور اجتماعیت کی سوچ:۔ اسلامی معاشی نظام ہمیں قربانی کا جذبہ اور اجتماعیت کی سوچ دیتا ہے، آپ ﷺ نے فرمایا۔"طَعَامُ الْوَاحِدِ يَكْفِي الِاثْنَيْنِ،وَطَعَامُ الِاثْنَيْنِ يَكْفِي الْأَرْبَعَةَ،وَطَعَامُ الْأَرْبَعَةِ يَكْفِي الثَّمَانِيَةَ"۔[187]

ترجمہ:۔"ایک آدمی کا کھانا دو آدمیوں کے لئے کافی ہوتا ہے اور دو آدمیوں کا کھانا چار آدمیوں کے لئے کافی ہوتا ہے اور چار آدمیوں کا کھانا آٹھ آدمیوں کے لئے کافی ہوتا ہے"۔

حضور نبی اکرم ﷺ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہ کو فرمایا۔" مَنْ كَانَ عِنْدَهُ فَضْلُ ظَهْرٍ، فَلْيَعُدْ بِهِ عَلَى مَنْ لَا ظَهْرَ لَهُ، وَمَنْ كَانَ عِنْدَهُ فَضْلُ زَادٍ، فَلْيَعُدْ بِهِ عَلَى مَنْ لَا زَادَ لَهُ، حَتَّى ظَنَنَّا أَنَّهُ لَا حَقَّ لِأَحَدٍ مِنَّا فِي الْفَضْلِ"۔[188]

ترجمہ:۔"تم میں سے جس شخص کے پاس ضرورت سے زائد سواری ہے وہ اس کو لوٹادے جس کے پاس نہیں ہے ،جس کے پاس ضرورت سے زائد سامان خورد ونوش ہے وہ اسے لوٹادے جس کے پاس نہیں ہے، اسی طرح نبی اکرم

ﷺ مختلف اصناف مال کا ذکر فرماتے رہے یہاں تک کہ ہم نے سمجھا کہ ضرورت سے زائد کسی بھی شے میں ہمارا حق نہیں رہا"۔

16-قناعت پسندی:۔رزق جتنا میسر ہے اُس پر قناعت کرنی چاہیئے، جیسا کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا ۔

" طُوبَى لِمَنْ هُدِيَ إِلَى الإِسْلاَمِ ، وَكَانَ عَيْشُهُ كَفَافًا وَقَنَعَ "۔[189]

ترجمہ:۔" قابل رشک ہے وہ شخص جس کو اسلام کی ہدایت نصیب ہوئی، اسے بقدر کفایت زندگی کے ذرائع ووسائل ملے اور اس نے اس پر قناعت کی"۔

اس حدیث میں "عیشۃ" سے مراد سامان زیست، زندگی کا ذریعہ اور کھانے پینے کی چیزیں ہیں جن پر زندگی بسر کی جاتی ہے۔ صحیح مسلم میں عیشۃ کے مترادف لفظ "رزق "استعمال ہوا ہے، جیسا کہ ارشاد نبوی ﷺ ہے۔

"قَدْ أَفْلَحَ مَنْ أَسْلَمَ، وَرُزِقَ كَفَافًا، وَقَنَّعَهُ اللهُ بِمَا آتَاهُ"۔[190]

ترجمہ:۔"جس نے اسلام قبول کیا اور اسے بقدر کفایت رزق عطا کیا گیا اور اللہ نے اپنے عطا کردہ مال پر قناعت عطا کردی تو وہ شخص کامیاب ہوا"۔

17- مال کو ضائع کرنے کی ممانعت:۔اسلامی معاشی نظام کل انسانیت کو اِس بات کی ترغیب دیتا ہے کہ معیشت کے دستیاب وسائل کو احتیاط سے استعمال کیا جائے، اِن وسائل کو ضائع نہ کیا جائے، اِس لئے حضور نبی اکرم ﷺ نے مال ضائع کرنے سے منع فرمایا ہے۔

" إِنَّ اللَّهَ كَرِهَ لَكُمْ : قِيلَ وَقَالَ ، وَإِضَاعَةَ الْمَالِ ، وَكَثْرَةَ السُّؤَالِ"۔[191]

ترجمہ:۔"اللہ تعالٰی نے قیل و قال، مال کے ضیاع سے اور کثرتِ سوال سے منع کیا ہے"۔

18-گداگری کی ممانعت:۔اسلامی معاشی نظام معاشرہ سے غربت اور گداگری کو ختم کرتا ہے۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا۔

"مَا يَزَالُ الرَّجُلُ يَسْأَلُ النَّاسَ، حَتَّى يَأْتِيَ يَوْمَ القِيَامَةِ لَيْسَ فِي وَجْهِهِ مُزْعَةُ لَحْمٍ"۔[192]

ترجمہ:۔"آدمی ہمیشہ لوگوں سے مانگتا رہتا ہے یہاں تک کہ قیام کے دن جب وہ حاضر ہوگا تو اس کے چہرے پر گوشت کا ٹکڑا نہ ہوگا"۔

حوالہ جاتِ بابِ سوم

1 ۔ابن منظور، محمد بن مکرم بن علی-1414ھ،لسان العرب(بیروت،دار صادر)ص321،ج6

2 ۔الفیروز آبادی، مجد الدین ابو طاہر محمد بن یعقوب-2005ء،القاموس المحیط(بیروت،مؤسسة الرسالة)ص599

3 ۔الاصفہانی،ابوالقاسم الحسین بن محمد-1412ھ، المفردات في غریب القرآن(بیروت،دار القلم)ص596

4 -ابن خلدون،عبدالرحمن بن محمد-س ن،مقدمہ ابن خلدون(بیروت،المکتبۃ العلمیہ)ص215

Encyclopedia of Social Sciences ,page 168.-5

6 - الدہلوی،احمد بن عبدالرحیم المعروف بہ شاہ ولی اللہ الدہلوی-2005ء،حجۃ اللہ البالغۃ(بیروت،دار الجیل)ص90،ج1

7 - چیمہ،غلام رسول،پروفیسر—2007ء،اسلام کا معاشی نظام(لاہور،علم و عرفان پبلشر)ص19

8 ۔الاصفہانی،ابوالقاسم الحسین بن محمد-1412ھ، المفردات في غریب القرآن(بیروت،دار القلم)ص672

9 -سیوہاروی،حفظ الرحمٰن-س ن،اسلام کا اقتصادی نظام(لاہور،مکتبۂ رحمانیہ)ص17

10 ۔ابن اثیر،مجد الدین ابوالسعادات المبارک بن محمد الجزری-1979ء،النھایۃ(بیروت،المکتبۃ العلمیہ)ص677،ج4

11 ۔جوہری،ابو نصر اسماعیل بن حماد-1987ء،الصحاح تاج اللغۃ وصحاح العربیۃ(بیروت،دار العلم للملایین)ص525،ج2

12 - ابن منظور، محمد بن مکرم بن علی-1414ھ،لسان العرب(بیروت،دار صادر)ص354،ج3

13 ۔فیروز الدین-2010ء،فیروز اللغات(اردو)،(لاہور،فیروز سنز)ص1260

14 ۔شر باصی،احمد،ڈاکٹر-1981ء،المعجم الاقتصادی الاسلامی(بیروت،دار الجیل)ص36

www.dictionary.cambridge.org - 15

www.britannica.com - 16

Jane Jacobs,Nature and Significance of Economic Science(New - 17
York ,Vintage Books)Page 78

18 -چیمہ،غلام رسول،پروفیسر—2007ء،اسلام کا معاشی نظام(لاہور،علم و عرفان پبلشر)ص389

19 - اسلام کا معاشی نظام،ص389

20 ۔الماوردی،ابوالحسن علی بن محمد-س ن،الاحکام السلطانیۃ(قاہرہ،دار الحدیث)ص180

21 -الغزالی،محمد بن محمد،ابو حامد-س ن،کیمیاء السعادۃ(بیروت،مکتبۃ العلمیہ)ص266

22 ۔ابن خلدون،عبدالرحمن بن محمد-س ن،مقدمہ ابن خلدون(بیروت،المکتبۃ العلمیہ)ص215

23 ۔الدہلوی،احمد بن عبدالرحیم المعروف بہ شاہ ولی اللہ الدہلوی-2005ء،حجۃ اللہ
البالغۃ(بیروت،دار الجیل)ص90،ج1

Twining Hardley,Economic (London, G.P Putnams Sons)P.10- 24

Alfred Marshall,Principles of Economics(New York, - 25
Prometheus Books)Page 32

Alfred Marshall,Principles of Economics(New York, - 26
Prometheus Books)Page6

Jane Jacobs,Nature and Significance of Economic Science(New - 27
York ,Vintage Books)Page 78

28-ڈار،عبدالحمید،پروفیسر – 2014ء،اسلامی معاشیات(لاہور،علمی کتاب خانہ)ص85

29 - قادری،محمد طاہر-2007ء،اقتصادیات اسلام(لاہور،منہاج القرآن پبلیکیشنز)ص64

Journal of Research in Islamic Economics Vol-1, No-2 , 1984.- 30

31 -القرآن90:9

32 - القرآن7:59

33 - القرآن29:4

34 - القرآن2:2

35 - القرآن89:16

36 - القرآن21:33

37 - مؤطاامام مالک،کتاب الرھن،حدیث نمبر267

38 - القرآن159:3

39 -الرازی،محمد بن عمرالحسین-1418ھ،المحصول فی علم الاصول(بیروت،مؤسسۃ الرسالۃ)ص52،ج5

40 - عبدالباقی،محمد فواد-1407ا،اللؤلؤوالمرجان(قاہرہ،دار الحدیث)ص446،ج1

41 - چیمہ،غلام رسول،پروفیسر–2007ء،اسلام کا معاشی نظام(لاہور،علم وعرفان پبلشر)ص96

42 - القرآن233:2

43 - القرآن6:3

44 - القرآن56:64

45 - القرآن44:7

46 - القرآن54:20

47 - القرآن31:80

48 -الھیثمی،ابوالحسن نورالدین علي بن ابي بکر-1414ھ، مجمع الزوائد (قاہرہ،مکتبۃ القدسی)حدیث نمبر6237
49 -السرخسی، محمد بن احمد بن ابی سھل– 1421ھ،المبسوط للسرخسی (بیروت،دار لفکر)ص23،ج2
50 - صحیح مسلم، باب فصل الغرس والزرع، حدیث نمبر1553
51 - صحیح مسلم، باب فصل الغرس والزرع، حدیث نمبر1552
52 -السرخسی، محمد بن احمد بن ابی سھل– 1421ھ،المبسوط للسرخسی (بیروت،دار لفکر)ص30،ج2
53 -المبسوط للسرخسی، ص23،ج2
54 -الھیثمي،ابوالحسن نورالدین علي بن ابي بکر-1994ء، مجمع الزوائد (قاہرۃ،مکتبۃ القدسی)حدیث نمبر6237
55 - بیہقی، شعب الایمان، باب من اختار الکف عن القطع التحریق، حدیث نمبر18127
56 -احمد بن حنبل-1419ھ، مسند احمد بن حنبل (بیروت، عالم الکتب)حدیث نمبر28055
57 -الدہلوی،احمد بن عبدالرحیم المعروف بہ شاہ ولی اللہ الدہلوی-2005ء، حجۃ اللہ البالغۃ(بیروت،دار الجیل)ص163،ج2
58 - حجۃ اللہ البالغۃ، ص164،ج2
59 -الجزری، عبدالرحمن بن محمد-1424ھ،الفقہ علی المذاہب الاربعہ (بیروت،دار لکتب العلمیہ)ص141،ج2
60 -القرآن106
61 - القرآن275:2
62 - القرآن10:62
63 - القرآن12:35
64 - القرآن37:24
65 - القرآن29:4
66 - القرآن20:73
67 - القرآن2:5
68 - القرآن267:2
69 -ہندی، علاءالدین علي بن حسام الدین-1401ھ، کنزالعمال (بیروت، مؤسسہ الرسالۃ)حدیث نمبر9204
70 -ابن اثیر، علي بن ابي الکرم محمد بن محمد-1415ھ،اسد الغابہ (بیروت،دار لکتب العلمیہ)ص393،ج2
71 -ہندی، علاءالدین علي بن حسام الدین-1401ھ، کنزالعمال (بیروت، مؤسسہ الرسالۃ)حدیث نمبر9204
72 - سنن بیہقی-1424ھ(بیروت،دار الکتب العلمیۃ) باب کراھیۃ الیمین فی البیع، حدیث نمبر10416
73 -ہندی، علاءالدین علي بن حسام الدین-1401ھ، کنزالعمال (بیروت، مؤسسہ الرسالۃ)حدیث نمبر9342

74 -المنذری، عبدالعظیم بن عبدالقوی-1417ھ، الترغیب والترہیب (بیروت، دارالکتب العلمیہ) ص235، ج2

75 -الطبری، محمد بن جریر-1387ھ، تاریخ الطبری (بیروت، دارالتراث) ص401، ج4

76 - القرآن29:4

77 - القرآن2:5

78 -ابی داؤد، باب فی المجنون یسرق، حدیث نمبر4401

79 - ابی داؤد، باب بیع المضطر، حدیث نمبر3382

80 -الدہلوی، احمد بن عبدالرحیم المعروف بہ شاہ ولی اللہ الدہلوی-2005ء، حجۃ اللہ البالغۃ (بیروت، دارالجیل) ص
160، ج2

81 -القرآن90:2

82 -الجزری، عبدالرحمن بن محمد-1424ھ، الفقہ علی المذاہب الاربعہ (بیروت، دارلکتب العلمیہ) ص140، ج2

83 - الفقہ علی المذاہب الاربعہ، ص140، ج2

84 -القرآن152:6

85 ـالقرآن85:11

86 ـالقرآن9:55

87 -القرآن25:57

88 -القرآن80:51

89 -القرآن10:34

90 -العسقلاني، احمد بن علي بن محمد بن احمد بن حجر العسقلاني – 1379ھ، فتح الباری (بیروت، دارلمعرفۃ) ص306، ج4

91 - صحیح بخاری، باب کسب الرجل، حدیث نمبر2072

92 - صحیح بخاری، باب رعی الغنم، حدیث نمبر2262

93 -المنذری، عبدالعظیم بن عبدالقوی-1417ھ، الترغیب والترہیب (بیروت، دارالکتب العلمیہ) ص335، ج2

94 -الطبرانی، سلیمان بن احمد-1415ھ، المعجم الکبیر (قاہرہ، مکتبہ ابن تیمیہ) حدیث نمبر13200، ج12

95 -غفاری، نور محمد، ڈاکٹر– 2008ء، نبی کریم ﷺ کی معاشی زندگی (کراچی، ادارۃ الانوار) ص56

96 -سیوہاروی، حفظ الرحمٰن– س ن، اسلام کا اقتصادی نظام (لاہور، مکتبہ رحمانیہ) ص255

97 ـالقرآن32:43

98 ـالقرآن124:20

99 -سیوہاروی، حفظ الرحمٰن– س ن، اسلام کا اقتصادی نظام (لاہور، مکتبہ رحمانیہ) ص39

100 -القرآن11:11

101 -القرآن22:51

102 -القرآن51:6

103 -القرآن64:27

104 -القرآن58:51

105-القرآن20:15

106 -القرآن29:2

107 ۔القرآن38:24

108 ۔القرآن82:28

109 ۔القرآن10:7

110 -آلوسی، شہاب الدین محمود بن عبداللہ- تفسیر روح المعانی (بیروت، دارالکتب العلمیہ) ص427،ج7

111-القرآن10:41

112 -القرآن71:16

113 -الشوکانی، محمد بن علی بن علی،-1994، فتح القدیر (الریاض، لجنۃ التحقیق)، ص151،ج3

114 - شیخ الہند، محمود الحسن،-س ن، ایضاح الادلہ (دیوبند، کتب خانہ رحیمیہ)، ص268

115 -ابن حزم، ابو محمد علي بن احمد بن سعید بن حزم الاندلسی،-1352ھ، المحلیٰ (دمشق، ادارۃ الطباعۃ المنیریہ) ص156،ج6

116 - المحلیٰ، ص157،ج6

117 - المحلیٰ، ص158،ج6

118 - المحلیٰ، ص158،ج6

119 ۔القرآن3:43

120 -القرآن3:13

121 -القرآن20:6

122 -القرآن10:16

123 -امین الحق،-1970ء، اسلام کا معاشی نظام اور معاشی نظریات (لاہور، محکمہ اوقاف) ص27

124 - سیوہاروی، حفظ الرحمٰن — س ن، اسلام کا اقتصادی نظام (لاہور، مکتبہ رحمانیہ) ص262

125 -القرآن34:9

126 -القرآن7:59
127 -القرآن60:9
128 -القرآن43:2
129 -القرآن73:21
130 -القرآن92:3
131 -القرآن10:63
132 -القرآن24:2
133 ۔القرآن29:17
134 - صحیح مسلم، باب ماجاء فی الاحتکار، حدیث نمبر1267
135 -ہندی، علاء الدین علی بن حسام الدین-1401ھ، کنز العمال (بیروت، مؤسسہ الرسالۃ) حدیث نمبر9722
136 -ابن کثیر، اسماعیل بن عمر بن کثیر-1414ھ، تفسیر القرآن العظیم (بیروت، دار الفکر)، ص429، ج2
137 -القرآن275:2
138 -القرآن276:2
139 -القرآن90:5
140 -القرآن1:83
141 -القرآن35:17
142 -القرآن188:2
143 -الدہلوی، احمد بن عبد الرحیم-2005ء، حجۃ اللہ البالغۃ (بیروت، دار الجیل) ص160، ج2
144 ۔القرآن85:28
145 ۔القرآن7:14
146 ۔القرآن8:5
147 ۔القرآن29:7
148 ۔القرآن85:11
149 ۔القرآن9:55
150 ۔القرآن20:89
151 ۔القرآن8:100
152 ۔القرآن1:104

153 ۔القرآن 11:92

154 ۔القرآن 180:3

155 ۔القرآن 37:4

156 ۔القرآن 254:2

157 ۔القرآن 19:51

158 ۔القرآن 29:2

159 ۔القرشی، یحیٰ بن آدم-1384ھ، الخراج (لاہور، المطبعۃ السلفیہ) ص89

160 ۔القرآن 31:7

161 ۔القرآن 26:17

162 ۔القرآن 27:17

163 ۔القرآن 67:25

164 ۔الھیثمی، ابوالحسن نورالدین علي بن ابي بکر-1414ھ، مجمع الزوائد (قاہرہ، مکتبۃ القدسی) حدیث نمبر 727

165 ۔الطبرانی، سلیمان بن احمد-1415ھ، المعجم الکبیر (قاہرہ، مکتبہ ابن تیمیہ) ج10، حدیث نمبر 10118

166 ۔القرآن 275:2

167 ۔القرآن 130:3

168 ۔القرآن 279:2

169 ۔احمد بن حنبل-1419ھ، مسند احمد بن حنبل (بیروت، عالم الکتب) حدیث نمبر 7710

170 ۔القرآن 134:3

171 ۔القرآن 17:29

172 ۔القرآن 11:62

173 ۔القرآن 20:73

174 ۔القرآن 168:2

175 ۔القرآن 157:7

176 ۔سنن بیہقی-1424ھ (بیروت، دارالکتب العلمیۃ) باب کسب الرجل، حدیث نمبر 11695

177 ۔ہندی، علاءالدین علي بن حسام الدین-1401ھ، کنزالعمال (بیروت، مؤسسہ الرسالۃ) حدیث نمبر 9299

178 ۔القرآن 173:2

179 ۔القرآن 188:2

180 ۔القرآن90:5

181 ۔القرآن107:1-7

182 ۔القرآن10:57

183 ۔القرآن151:6

184 ۔القرآن31:17

185 ۔احمد بن حنبل-1419ھ، مسند احمد بن حنبل (بیروت، عالم الکتب) حدیث نمبر17265

186 ۔ صحیح بخاری، باب کسب الرجل و عملہ بیدہ، حدیث نمبر1966

187 ۔ صحیح مسلم، باب فضیلۃ المواساۃ فی الطعام القلیل، حدیث نمبر2059

188 ۔ابوداؤد، السنن، باب فی حقوق المال، حدیث نمبر1663

189 ۔احمد بن حنبل-1419ھ، مسند احمد بن حنبل (بیروت، عالم الکتب) حدیث نمبر23944

190 ۔ صحیح مسلم، باب فی الکفاف والقناعۃ، حدیث نمبر1054

191 ۔احمد بن حنبل-1419ھ، مسند احمد بن حنبل (بیروت، عالم الکتب) حدیث نمبر18179

192 ۔ صحیح بخاری، باب من سال الناس تکثرا، حدیث نمبر1405

بابِ چہارم

دورِرسالت کےاِسلامی معاشی نظام کاتجزیہ

فصلِ اول

دورِ رسالت کااجتماعی نظام

1-دورِ رسالت کااجتماعی نظام:۔

دورِ رسالت کے معاشی نظام کو سمجھنے کے لئے اُس دور کے اجتماعی حالات کا سمجھنا ضروری ہے،اِس لئے یہاں پر سب سے پہلے عرب کی اجتماعی حالات کوبیان کرنے کے بعد دورِ رسالت کے دونوں ادوار نبوت سے پہلے اور بعد کے معاشی نظام کو بیان کیاجائے گا۔

حضور نبی کریم ﷺ جس زمانے میں تشریف لائے اُس وقت پوری دنیا دو عالمی طاقتوں میں بٹی ہوئی تھی،روم اور فارس۔اِن دو عظیم سلطنتوں نے کم و بیش دنیا کو دو حصوں میں تقسیم کیا ہوا تھا،اِن دونوں طاقتوں کے درمیان عرب کاایک ایساخطہ تھاجو آزاد تھا،یہاں پر قبائلی نظام تھا،عرب میں مختلف قبائل تھے،ہر قبیلے کااپنا سردار ہوتا تھاجواُس قبیلے کے معاملات کو دیکھتا تھا۔عرب کے اِن قبائل میں "قریش" کاایک بڑاقبیلہ تھاجو کہ تقریباً بارہ مختلف چھوٹے قبیلوں پر مشتمل تھا۔قریش کی حیثیت نہ صرف عرب میں بلکہ پوری دنیامیں مسلم تھی،اُس کی بنیادی وجہ یہ تھی کہ قریش دراَصل حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اولاد میں سے تھا،اور اللہ تعالیٰ کے گھر یعنی "خانہ کعبہ" کے مجاور بھی تھے جس کی وجہ سے عرب کے علاوہ باقی دنیاکے لوگ بھی قریش کواحترام کی نگاہ سے دیکھتے تھے۔

عرب کے اُس معاشرے میں اللہ تعالیٰ نے قریش کوایک امتیازی شان دی تھی چونکہ مستقبلِ قریب میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعاؤں کے مصداق آخری نبی حضرت محمد ﷺ کی بعثت بھی اسی قبیلے میں ہی ہونی تھی،اوراسی قریش کے لوگوں نے بعد میں اسلام قبول کرکے پوری دُنیامیں اسلام کو پھیلاکر غالب بھی کرناتھا،اِس لئے قریش کی سردارانہ حیثیت پورے عرب میں مسلم تھی۔ چنانچہ مولاناعبیداللہ سندھیؒ لکھتے ہیں۔

"مکہ کے قریش کے بارے میں یہ سمجھناکہ وہ عرب کے دیگر بدو قبائل کی طرح ایک قبیلہ تھا، صحیح نہیں ،صحرائی وبدوی زندگی اور اس کے لوازمات وخصائل جو دوسرے بدوی قبائل میں موجود تھے قریش اِن سے بہرہ وَرتوضرورتھے،لیکن عرب کے بدوی ذہنیت کانمونہ نہ تھے،قریش کی اپنی خاص روایات تھیں اور قُصی کے زمانے سے مکہ کی اجتماعی اور سیاسی زندگی میں ایک نظم چلاآرہاتھا،نیز تجارتی قافلوں کی وجہ سے قریش کو ہمسایہ ملکوں میں آنے جانے کاموقع ملتاتھااورحج اور عکاظ کے میلے کے موقعوں پر عرب قبائل سے بھی ان کے راہ رسم پیداہو جاتے تھے۔یہ اسباب تھے جن کی وجہ سے قریش ایک طرف مشرق قریب کے تمدنی سرمایہ اورذہنی روایات سے واقف تھے اور دوسری طرف قبائل کی بدویانہ خصائل سے بھی نابلد نہ تھے"۔[1]

2-قریش کے ذیلی قبائل:۔

قریش کے متعدد ذیلی قبائل تھے۔ بعض مؤرخین نے 25 تک شاخیں لکھیں ہیں۔ابن عبدربہ نے العقدالفرید میں قریش کے دس بڑے اور معروف ذیلی شاخوں کی یوں تفصیل بیان کی ہے۔

" **نسب قريش** قال أبو المذر هشام بن محمد بن السائب الكلبي: تسمية من انتهى إليه الشرف من قريش في الجاهلية فوصله بالإسلام، عشرة رهط من عشرة أبطن، وهم:1-هاشم و2-أمية و3- نوفل و4- عبد الدار و5- أسد و6- تيم و7- مخزوم و8-عدي و 9- جمح و10- سهم"-[2]

شاہ معین الدین احمد ندوی نے قریش کے 10 ذیلی شاخوں کا ذکر کیا ہے، جن میں مشہور قبائل درج ذیل ہیں۔

1-بنوہاشم	2-بنوامیہ	3-بنوعباس	4-بنونوفل	5-بنوحارث	6-بنواسد
7-بنوعبدالدار	8-بنومخزوم	9-بنوتیم/تمیم	10-بنوعدی	11-بنوعبدمناف	12-بنوسہم

اِن قبائل نے مکہ شہر اور آس پاس کا اجتماعی نظام آپس میں تقسیم کیاہوا تھا، ذمہ داریوں کے عہدے انہی شاخوں میں بٹے ہوئے تھے، مشہور قبائل کی حوالے درج ذیل اہم ذمہ داریاں تھیں۔

1۔**سدانہ**:۔یعنی خانہ کعبہ کی خدمت اور حفاظت کی ذمہ داری۔ یہ عہدہ بنی ہاشم کے خاندان کے پاس تھااور نبی کریم اللہ علیہ وسلم کی پیدائش کے زمانہ میں آپ ﷺ کے دادا عبدالمطلب کے پاس یہ عہدہ تھا،اسی طرح خانہ کعبہ کی کنجی بھی اسی قبیلے کے پاس تھی۔اور یہی لوگوں کو اس کی زیارت کراتا تھا۔

2۔**سقایہ**:۔یعنی پانی کا انتظام کرنا،مکہ معظمہ میں پانی کی قلت ہوا کرتی تھی اور خاص کر حج کے موسم میں ہزاروں زائرین کے جمع ہو جانے کی وجہ سے پانی کے خاص انتظام کی ضرورت پڑتی تھی۔ سقایہ کی ذمہ داری بھی بنی ہاشم اور بنوعبد مناف کے پاس تھی۔

3۔**رفادہ زائرین**:۔ خانہ کعبہ کے زائرین کی مہمان نوازی کے لیے قریش کے تمام قبائل حسبِ استطاعت چندہ ادا کرتے تھے ،اور پھر اس چندہ سے غریب زائرین کے کھانے پینے کا انتظام کرتے تھے۔ یہ خدمت پہلے بنی نوفل کے پاس تھی، پھر بنی ہاشم کے پاس منتقل ہوئی۔

4۔**عُقاب**:۔ یہ قریش کے قومی جھنڈے/عَلَم کا نام تھا، جنگ اور لڑائی کے زمانے میں اِس جھنڈے کو لہرایاجاتا تھا۔یہ جھنڈا عموماً بنوامیہ کے پاس ہوتا تھا، مگر اتفاق رائے سے اگر کوئی معزز شخص جھنڈا اُٹھانے کے لیے تجویز کیاجاتاتواُس کے حوالے کیاجاتا۔

5 ۔**دارالندوہ:۔** یہ مکہ معظمہ کی مشورہ گاہ تھی۔قریش کے ذیلی قبائل اہم اُمور کے بارے میں مشورہ کرنے کے لیے یہاں جمع ہوتے تھے،یہیں جنگ و صلح اور دوسرے بڑے بڑے معاملات کے فیصلے ہوا کرتے تھے۔قریش کی خوشی اور شادیوں کے پروگرام بھی یہاں پر ہوا کرتے تھے۔دارالندوہ کا انتظام بنی عبدالدار کے پاس تھا۔[3]

6۔**قیادہ:**۔اس کا مبلب ہے قافلہ کی راہنمائی کرنا،جس شخص کے پاس یہ ذمہ داری ہوتی تھی اُس سے اہم امور اور معاملات میں مشورہ لیا جاتا تھا۔یہ ذمہ داری اور منصب بنی اَسد کے پاس تھا۔

7۔**قبہ:**۔جب مکہ والے کسی جنگ یا لڑائی کے لیے نکلنے کا ارادہ کرتے تھے تو ایک بڑا خیمہ نصب کیا جاتا تھا،اور اُس خیمہ میں لڑائی کے لئے ساز وسامان کو جمع کیا جاتا تھا۔یہ ذمہ داری قریش کے کسی بھی خاندان کے حوالے کی جاتی تھی۔

8 ۔**حکومہ:**۔اس کا مطلب ہے آپس کے لڑائی جھگڑوں کا فیصلہ کرنا۔

9۔**سفارہ:**۔اِس کا مطلب ہے سفارت کاری۔قریش جب کسی قبیلہ یا ملک کے ساتھ مذاکرات کرتے تھے تو اِس ذمہ داری سے متعلق ایک سمجھ دار شخص کا انتخاب کیا جاتا۔یہ ذمہ داری بنوامیہ کے پاس ہوا کرتی تھی۔

مندرجہ بالا تفصیل سے یہ معلوم ہو گیا کہ عرب کے ہاں ایک باقاعدہ منظم اجتماعی نظام تھا،سارے عرب میں قریش کو ایک خاص مقام حاصل تھا،سب سے زیادہ معزز قبیلہ تھا۔پھر قریش میں بھی بنی ہاشم کا خاندان سب سے زیادہ ممتاز تھا کیونکہ اکثر بڑے بڑے عہدا نہی سے متعلق تھے۔

حضور نبی کریم ﷺ جب تشریف لائے تو آپ ﷺ نے بھی عرب کے اُس معاشرے میں ایک اہم کردار ادا کیا۔آپ ﷺ نے زندگی کے ہر شعبے میں کردار ادا کیا،چاہے زمانہ جنگ ہو مثلاً حربِ فُجار،یا زمانہ اَمن ہو جیسا خانہ کعبہ کی تعمیر کے بعد حجرِ اَسود کی تنصیب کا معاملہ ہو،آپ ﷺ کا کردار نمایاں طور پر ہمیں معاہدہ "حلف الفضول" میں نظر آتا ہے۔[4]

فصلِ دوم

مکی دور (دورِ جاہلیت) کا معاشی نظام

1-مکی دور (دورِ جاہلیت) کا معاشی نظام:-

مکۃ المکرمہ عرب کی وادی غیر آباد اور بے آب و گیاہ تھی۔ یہاں پر کسی قسم کی زراعت اور کھیتی باڑی کا نام و نشان تک نہیں تھا۔ جس کی وجہ سے انسانی آبادی بھی بہت کم تھی۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے حکم دیا کہ اپنے شیر خوار بچے حضرت اسماعیل کو والدہ حضرت ہاجرہ علیہا السلام سمیت مکہ کے اِس غیر آباد وادی میں چھوڑ دو۔ حضرت ابرہیم علیہ السلام نے حکم کی تعمیل کی اور خود واپس شام چلے گئے۔ شام جاتے ہوئے ابراہیم علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے یہ دعا کی۔

" رَّبَّنَا إِنِّي أَسْكَنتُ مِن ذُرِّيَّتِي بِوَادٍ غَيْرِ ذِي زَرْعٍ عِندَ بَيْتِكَ الْمُحَرَّمِ رَبَّنَا لِيُقِيمُوا الصَّلَاةَ فَاجْعَلْ أَفْئِدَةً مِّنَ النَّاسِ تَهْوِي إِلَيْهِمْ وَارْزُقْهُم مِّنَ الثَّمَرَاتِ لَعَلَّهُمْ يَشْكُرُونَ"۔[5]

ترجمہ:۔"اے پروردگار میں نے اپنی اولاد کو میدان (مکہ) میں جہاں کھیتی نہیں۔ تیرے عزت (وادب) والے گھر کے پاس لابسائی ہے۔اے پروردگار! تاکہ یہ نماز پڑھیں تو لوگوں کے دلوں کو ایسا کر دے کہ ان کی طرف جھکے رہیں اور ان کو پھلوں سے روزی دے تاکہ (تیرا) شکر کریں"۔

اِس دعا میں حضرت ابرہیم علیہ السلام نے مکہ کی وادی کو "وادی غیر ذی زرع" کہا ہے۔ (جس کے معنی ہے بنجر اور چٹیل)۔ دوسری طرف اِس دعا پر اگر غور کیا جائے تو ابرہیم علیہ السلام کو بھی یہ معلوم تھا کہ انسان کا زراعت اور معیشت کے بغیر رہنا اور زندگی گزارنا ناممکن ہے۔ اِس لئے آپ علیہ السلام نے اللہ رب العزت سے اپنی اولاد کے زراعت کے وسائل کی پیدائش اور بندوبست کی دعا کی۔ علامہ شبیر احمد عثمانیؒ اِس آیت کریمہ کی تفسیر میں لکھتے ہیں۔

"حضرت ابراہیم علیہ السلام گاہے بگاہے ملک شام سے تشریف لایا کرتے تھے۔ اور اس شہر اور شہر کے باشندوں کے لئے دعا فرماتے، کہ خداوندا! میں نے اپنی ایک اولاد کو اس بنجر اور چٹیل آبادی میں تیرے حکم سے تیرے معظم و محترم گھر کے پاس لا کر بسایا ہے تاکہ یہ اور اس کی نسل تیرا اور تیرے گھر کا حق ادا کریں تو اپنے فضل سے کچھ لوگوں کے دل ادھر متوجہ کر دے کہ وہ یہاں آئیں جس سے تیری عبادت ہو اور شہر کی رونق بڑھے، نیز ان کی روزی اور دلجمعی کے لئے غیب سے ایسا سامان فرمادے کہ (غلہ اور پانی جو ضروریات زندگی ہیں ان سے گذر کر) عمدہ میوے اور پھلوں کی یہاں افراط ہو جائے تاکہ یہ لوگ اطمینان قلب کے ساتھ تیری عبادت اور شکر گذاری میں لگے رہیں"۔[6]

گویا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنی اولاد اور نسل کے لئے زراعت اور معیشت کی دعا کی تھی۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعا قبول کی اور وہاں پر زم زم کے پانی کا چشمہ جاری کیا۔ جس کی وجہ سے آس پاس کا علاقہ آباد ہو گیا اور قبیلہ بنو جرہم کے لوگ وہاں پر آباد ہو گئے اور یوں مکہ مکرمہ کا شہر بسنا شروع ہو گیا۔

شروع میں عرب کی معاشی حالت بھی اجتماعی حالت کی طرح اَبتر تھی۔ مولانا صفی الرحمٰن مبارک پوریؒ "الرحیق المختوم" میں لکھتے ہیں۔ "اقتصادی حالت اجتماعی حالت کے تابع تھی، اِس کا اندازہ عرب کے ذرائع معاش پر نظر ڈالنے سے ہو سکتا ہے کہ تجارت ہی اُن کے نزدیک ضروریاتِ زندگی حاصل کرنے کا سب سے اہم ذریعہ تھی"۔[7]

آپ مزید لکھتے ہیں۔ "جہاں تک صنعتوں کا معاملہ ہے تو عرب اِس میدان میں ساری دُنیا سے پیچھے تھے۔ کپڑے کی بُنائی اور چمڑے کی دباغت وغیرہ کی شکل میں جو چند صنعتیں پائی بھی جاتی تھیں وہ زیادہ تر یمن، حیرہ اور شام کے متصل علاقوں میں تھیں۔ البتہ اندرونِ عرب کھیتی باڑی اور گلہ بانی کا کسی قدر رواج تھا"۔

خلاصہٴ کلام یہ کہ عرب کے معاشرے میں گلہ بانی اور جانوروں کو پالنے کے ساتھ ساتھ مدینہ اور طائف جیسے سرسبز علاقوں میں کھیتی باڑی اور باغبانی کا رواج بھی تھا۔ اور عرب کے اکثر لوگ اِسی پر گزارہ کرتے تھے۔ اِس کے علاوہ قریش تجارت بھی کیا کرتے تھے جیسا کہ اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں ارشاد فرماتے ہیں۔ "لِإِيلَافِ قُرَيْشٍ (1) إِيلَافِهِمْ رِحْلَةَ الشِّتَاءِ وَالصَّيْفِ (2) فَلْيَعْبُدُوا رَبَّ هَٰذَا الْبَيْتِ (3) الَّذِي أَطْعَمَهُم مِّن جُوعٍ وَآمَنَهُم مِّنْ خَوْفٍ(4)۔[8]

ترجمہ:۔ "اس لیے کہ قریش کو مانوس کر دیا۔ ان کو جاڑے اور گرمی کے سفر سے مانوس کرنے کے باعث۔ ان کو اس گھر کے مالک کی عبادت کرنی چاہیے۔ جس نے ان کو بھوک میں کھلایا اور ان کو خوف سے امن دیا"۔

اِس سورۃ مبارکہ سے معلوم ہوتا ہے کہ قریش کے لوگ تجارت جیسے اہم پیشہ سے بھی اپنی معاشی ضروریات کو پورا کرتے تھے۔ وہ سردی کے موسم میں جزیرۂ عرب کے جنوب میں یمن کی بندرگاہوں میں پہنچتے۔ یہاں سے ہندوستان اور جنوبی ایشیا کے دوسرے ممالک کی مصنوعات وغیرہ موجود ہوتیں۔ انہیں خریدتے اور اونٹوں پر لاد کر رومی مملکت کے علاقے شام میں لے جا کر فروخت کرتے۔ اسی طرح گرمی کے موسم میں شام وفلسطین کے ٹھنڈے اور خنک علاقوں میں لے جاتے۔ وہاں سے مغربی دنیا کی درآمدات ومصنوعات خرید کر یمن میں لے جا کر فروخت کرتے۔ جو خرید وفروخت کی سکت نہیں رکھتے تھے۔ وہ بار برداری میں کافی اجرت کما لیتے۔ یمن اور شام کے درمیان ایک وسیع صحرا ہے۔ یہ لوگ ہی اس کے نشیب وفراز سے واقف تھے۔ اس کو طے کرنے کا حوصلہ بھی انہی کو تھا۔ اس زمانے میں عرب میں کوئی متمدن حکوت نہ تھی۔ افراتفری کا دور دورہ تھا۔ تجارتی قافلوں کو قدم قدم پر صحرائی بدوؤں اور رہزنوں سے واسطہ پڑتا تھا۔ لیکن قریش مکہ ان تمام خطرات اور راہزنی کی وارداتوں سے محفوظ تھے۔ عرب کا کوئی باشندہ ان کے قافلے کی طرف للچائی ہوئی نظر سے نہیں دیکھ سکتا تھا۔ اور نہ ان پر دست درازی کی کسی میں ہمت تھی، یہ

بھی ان پر اللہ تعالیٰ کا عظیم احسان تھا کہ اپنے گھر کی برکت سے جزیرۂ عرب کے تمام باشندوں کے دلوں میں اللہ تعالیٰ نے قریش کا عزت و احترام پیدا کیا۔اسی طرح غزوۂ بدر کا سبب قریش کا وہ تجارتی قافلہ تھا جس میں ہر امیر و غریب نے سرمایہ لگایا ہوا تھا۔اور جس کے سربراہ ابوسفیان (رضی اللہ عنہ) تھے۔ان تمام واقعات سے معلوم ہوتا ہے کہ قریش تجارت بھی کیا کرتے تھے۔

2-نبی کریم ﷺ کی معاشی سرگرمیاں:-

حضور بنی کریم ﷺ بچپن ہی میں حضرت حلیمہ سعدیہ کے پاس تقریباً 5 سال تک رہے۔حضرت حلیمہ سعدیہ فرماتی ہیں کہ ان دنوں میں ہمارے قبیلہ بنی سعد کی زمینیں وغیرہ غیر آباد اور خشک تھیں، بکریوں کی چراہ گاہیں بھی خشک ہونے کی وجہ سے بکریوں میں دودھ نہ ہونے کے برابر تھا۔لیکن جب حضرت حلیمہ سعدیہ نے حضرت محمد ﷺ کو گود لیا تو آپ فرماتی ہیں کہ اُسی دن سے ہمارے گھر اور پورے قبیلہ کی بکریوں، جانوروں، گلہ بانی اور زراعت میں برکت پیدا ہو گئی[9]۔

حضور نبی کریم ﷺ نے اسی زمانے میں اپنے رضاعی بھائی کے ساتھ بکریاں چرائیں۔حضور نبی کریم ﷺ نے اپنے دور میں معاشی اور معاشرتی سرگرمیوں میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔آپ ﷺ نے اِس سلسلہ میں شام اور یمن کی طرف تجارتی سفر بھی کئے۔

الف- بکریاں چرانا:- اِس کے علاوہ آپ ﷺ نے بکریاں بھی چرائیں، جو کہ اُس زمانے میں عرب کی نظامِ معیشت کا اہم حصہ تھا۔اِس سلسلے میں صحیح بخاری کی مشہور حدیث ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا۔"ما بَعَثَ الله نبياً إلاَّ رَعَى الغَنَمَ". فقالَ أصحابُهُ: وأنتَ؟ فقال:"نَعَمْ، كُنْتُ أرعاها على قَراريطَ لأهلِ مكّةَ"۔[10]

ترجمہ:- نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: اللہ نے جو بھی نبی بھیجا، اُس نے بکریاں ضرور چرائیں۔صحابہ نے پوچھا کہ یا رسول اللہ! کیا آپ ﷺ نے بھی بکریاں چرائیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ہاں! میں بھی مکہ والوں کی بکریاں قراریط پر چراتا تھا"۔

طبقات ابن سعد میں ایک اور روایت ہے۔"اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ، قَالَ: بعث موسى. ع . وهو راعي غنم وبعث داود. ع. وَهُوَ رَاعِي غَنَمٍ. وَبُعِثْتُ وَأَنَا أَرْعَى غَنَمَ أَهْلِي بِأَجْيَادٍ "۔[11]

ترجمہ:-"نبی کریم ﷺ نے فرمایا: موسیٰ علیہ السلام مبعوث ہوئے وہ بھی بکریاں چرایا کرتے تھے، داؤد علیہ السلام مبعوث ہوئے تو وہ بھی بکریاں چرایا کرتے تھے۔میں مبعوث ہوا تو میں اجیاد میں اپنے لوگوں کی بکریاں چرایا کرتا تھا"۔

ب-پہلا تجارتی سفر:۔ آپ ﷺ نے پہلا تجارتی سفر 13 سال کی عمر میں ملکِ شام کی طرف کیا، جیسا کہ مولانا حفظ الرحمٰن سیوہارویؒ لکھتے ہیں۔ "جب عمر مبارک تیرہ (مطابق 582ء) سال کو پہنچی تو آپ ﷺ نے ابو طالب (چچا) کے ساتھ شام کا سفر کیا۔ یہ پہلا سفر تھا جو اپنے چچا کے ساتھ آپ نے اختیار کیا"۔ [12]

ج-دوسرا تجارتی سفر:۔ حضور نبی کریم ﷺ کے دوسرے تجارتی سفر کے بارے میں اختلاف ہے۔ بعض مؤرخین جیسے علامہ واقدیؒ نے لکھا ہے کہ آپ ﷺ نے سولہ سال کی عمر میں یمن کا تجارتی سفر کیا۔

پروفیسر ڈاکٹر نور محمد غفاری لکھتے ہیں۔ "آپ ﷺ حضرت خدیجۃ الکبریٰؓ کا سامانِ تجارت لے کے جرش (یمن) دوبار تشریف لے گئے۔ علامہ ذہبیؒ نے اِس کی تصدیق کی ہے"۔ [13]

اکثر مؤرخین نے اِس بات کو رد کیا ہے یا پھر بالکل سیرت کی کتابوں میں ذکر ہی نہیں کیا ہے۔

د-تیسرا تجارتی سفر:۔ آپ ﷺ نے تیسرا تجارتی سفر بھی ملک شام کی طرف کیا، اُس وقت آپ ﷺ کی عمر 25 سال تھی۔ چنانچہ مولانا حفظ الرحمٰن سیوہارویؒ لکھتے ہیں۔ "پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر مبارک جب پچیس سال کی ہوئی تو آپ ﷺ نے دوبارہ شام کے سفر کا قصد کیا۔ (595ء) جس کا مطلب یہ تھا کی ابو طالب بوجہ کثیر العیال اور قلیل المال ہونے کے سخت پریشان تھے، ابو طالب کو معلوم ہوا کہ خدیجہ بنت خویلد کا ارادہ ہے کہ سامانِ تجارت دے کر اور منافع میں نصف کا شریک بنا کر کسی کو شام بھیجے، ابو طالب نے اِس موقع کو غنیمت جانا، اور نبی کریم ﷺ سے ذکر کیا۔ آپ ﷺ نے بخوشی اِس کو قبول کیا۔ خدیجہ رضی اللہ عنہ جو کہ عرب کے معزز خاندان کی تعلیم یافتہ خاتون تھیں، آپ ﷺ کو اپنا مالِ تجارت حوالہ کیا اور اپنے غلام میسرہ کو بھی ساتھ کر دیا۔ اِس سفر میں بھی آپ ﷺ کی ملاقات ایک راہب سے ہوئی جس کا نام "نسطورا" تھا، اور اُس نے بھی "بحیرا (راہب)" کی طرح آپ ﷺ کے متعلق کچھ پیشن گوئیاں کیں۔ آپ ﷺ چند روز شام میں قیام فرما رہے اور بیش اَز بیش نفع کے ساتھ مال کو فروخت کر کے مکہ واپس تشریف لائے"۔ [14]

اُس زمانے میں معیشت کے بنیادی ذرائع میں سے تجارت اور زراعت سرِ فہرست تھے، حضور نبی کریم ﷺ نے اِن دونوں میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ آپ ﷺ نے کامیاب تاجر کا نمونہ پیش کر دیا۔

ہ-چوتھا تجارتی سفر:۔ آپ ﷺ نے ایک اور تجارتی سفر بحرین کی طرف بھی فرمایا۔ غالباً آپ ﷺ نے اِس تجارتی سفر میں حضرت خدیجہؓ کا سامان لے کر بحرین جا کر "دبا" کے بین الاقوامی تجارتی میلہ میں شرکت کی تھی۔

و-قریش کا نبی کریم ﷺ اور بنو ہاشم سمیت معاشرتی بائیکاٹ کے معاشی اثرات:۔ 7 نبوی میں قریش کے تمام قبائل نے مل کر حضور نبی کریم ﷺ اور آپ ﷺ کے ہمنوا بنو ہاشم کا معاشرتی بائیکاٹ کیا۔ مؤرخین کے نزدیک یہ معاشرتی بائیکاٹ کے ساتھ ساتھ "معاشی بائیکاٹ" تھا۔ اِس معاہدہ کی وجہ سے آپ ﷺ بنو ہاشم سمیت مکہ

کے پہاڑیوں کے درمیان "خیف بنی کنانہ" میں پناہ لینے پر مجبور ہو گئے۔ قریش کے سرداروں نے ایک عہد نامہ لکھا کہ محمد ﷺ اور بنوہاشم کے ساتھ ہر قسم کے تعلقات رکھنا ممنوع ہے۔ شادی بیاہ، خرید وفروخت، خوشی و غم میں شرکت ،کاروبار وغیرہ ہر قسم کے لین دین پر پابندی لگا دی۔ مؤرخین نے چند الفاظ کے اختلاف کے ساتھ اِس کو نقل کیا ہے۔ معاہدہ کے الفاظ تقریباً تمام کتبِ تاریخ میں ملتی ہے۔

"بنوہاشم سے نہ کوئی میل جول کرے گا، نہ اُن کے ہاتھ خرید وفروخت کرے گا، نہ اُن کے پاس کھانے پینے کا سامان دیا جائے گا"۔[15]

اہل مکہ اور باہر کے تمام قبائل کو اِس معاہدہ کی پاسداری کا پابند بنادیا گیا۔ یہ معاہدہ لکھ کر خانہ کعبہ میں آویزاں کیا گیا۔ تین سال تک نبی کریم ﷺ اور بنی ہاشم نے دین کی خاطر اِس معاہدے کے ظلم وستم پر مبنی بُرے اثرات برداشت کئے ۔ آخرکار اللہ تعالیٰ کی رحمت نے دیمک جیسے کمزور کیڑے کو حکم دیا جس نے "باسمک اللھم" اور "محمد" کے بابرکت ناموں کے علاوہ معاہدہ کا سارا چمڑا کھا لیا۔ اور اِس طریقہ سے اللہ تعالیٰ نے اِس معاہدہ کو ختم کرنے کا انتظام کیا۔[16]

3-دورِ جاہلیت میں رائج تجارتی شکلیں:۔

دورِ جاہلیت میں مکہ ،مدینہ اور طائف سمیت تمام عرب میں فرسودہ اور ظالمانہ قسم کی تجارتی شکلیں رائج تھیں، جس سے امیر طبقہ کو فائدہ ہوتا تھا اور غریب کو ہمیشہ خسارہ ہوتا تھا۔ اسلام نے ان تمام یک طرفہ تجارتی شکلوں کو ممنوع اور حرام قرار دے دیا۔ اُن میں سے چند ایک مشہور شکلیں مندرجہ ذیل تھیں۔

"1-بیع منابذہ 2-بیع ملامسہ 3-بیع حبل الحبلۃ 4-بیع صفقہ 5-بیع محاقلہ 6-بیع مزابنۃ 7-بیع مصراۃ 8-بیع عریان 9-بیع نجش 10-بیع مضطر 11-بیع الکالی 12-بیع غرر"۔[17]

اِن شکلوں کے علاوہ عرب میں سود پر مبنی نظام کی مختلف شکلیں موجود تھیں۔ جن کا بنیادی مقصد غریب کا استحصال اور معاشی ناانصافی اور غلامی۔ رسول اللہ ﷺ نے آکر سود اور ظلم پر مبنی استحصالی سرمایہ دارانہ نظام کا خاتمہ کر دیا۔

4-دورِ جاہلیت میں رائج سکے:۔

دورِ جاہلیت میں مختلف قسم کے مندرجہ ذیل سکے رائج تھے۔ اِن سکوں کا ذکر احادیث کی کتابوں میں بھی ملتا ہے۔

1- **دینار:۔** دینار کا سکہ عرب کے علاوہ دنیا کے کئی دیگر اقوام میں بھی بہت مشہور اور رائج تھا۔ یہ سکہ سونے کا بنا ہوتا تھا۔

2- **درہم:۔** درہم دوسرا عام سکہ تھا۔ یہ سکہ چاندی کا بنا ہوتا تھا۔ اِن کے مختلف اوزان تھے جیسے 10 قیراط، 12 قیراط اور 20 قیراط وغیرہ۔

5-دورِ جاہلیت میں رائج اَوزان:۔

دورِ جاہلیت میں عربوں کے ہاں مندرجہ ذیل مختلف اَوزان استعمال ہوا کرتے تھے۔

1- **دینار:۔** یہ سونے کو وزن کرنے کے لئے استعمال ہوتا تھا۔

2- **درہم:۔** یہ چاندی کو وزن کرنے کے لئے استعمال ہوتا تھا۔

3- **شعیر:۔** یہ درہم کے 1/60 کے برابر تھا۔

4- **اوقیہ:۔** یہ 40 درہم کے برابر ہوتا تھا۔

5- **نواۃ:۔** یہ 5 درہم کے برابر تھا۔

6- **مثقال:۔** یہ 22 قیراط کے برابر ہوتا تھا۔

7- **رطل:۔** 12 اوقیہ کے برابر تھا۔

6-دورِ جاہلیت کے مشہور تجارتی بازار اور میلے:۔

دورِ جاہلیت میں جزیرۂ عرب میں مختلف مقامات پر مختلف بڑے تجارتی میلے منعقد ہوتے تھے، جن کو مختلف مؤرخین نے ذکر کیا ہے۔ مشہور مؤرخ یعقوبی یوں لکھتے ہیں۔

"كَانَتْ أَسْوَاقِ الْعَرَبِ عَشَرَةَ أَسْوَاق يَّجْتمعون بهافي تجاراتهم،ويجتمع فيهاسائر الناس"۔[18]

ترجمہ:۔ "عرب کے ہاں دس تجارتی بازار/میلے لگتے تھے، جس میں لوگ تجارت کے لئے اکھٹے ہوتے تھے"۔

1- **دومۃ الجندل:۔** یہ علاقہ شام، حجاز، اور عراق کے درمیان ہے۔ اِس مقام پر تجارتی میلہ یکم ربیع الاول تا پندرہ ربیع الاول ہوا کرتا تھا۔

2- **مشقر:۔** یہ حضرِ موت کا علاقہ ہے، یہاں پر تجارتی میلہ جمادی الاولیٰ کے مہینہ میں لگتا تھا۔

3- **صحار:۔** یہ بھی حضرِ موت کا علاقہ ہے، یہاں پر میلہ رجب کے مہینہ میں لگتا تھا۔

4- **دبا:۔** یہ مشہور میلہ رجب کے اواخر میں لگتا تھا۔

5- **شحر:۔** یہاں پر موجود پہاڑ پر قبر حضرت ہود علیہ السلام سے منسوب ہے، یہاں پر تجارتی میلہ وسط، شعبان میں لگتا تھا۔

6- **صنعاء:۔**یہ یمن کا علاقہ ہے، یہاں پر تجارتی میلہ رمضان کے مہینہ میں لگتا تھا۔

7- **ربیعہ:۔** حضرِ موت کا یہ میلہ ذوالحجہ کے مہینہ میں لگتا تھا۔

8- **عکاظ:۔**یہ عرفات کے میدان میں واقع ہے، یہاں پر مشہور میلہ ایام حج میں لگتا تھا۔

9- **ذوالمجاز:۔**یہ بھی مکہ کے پاس کا علاقہ ہے، جس میں میلہ حجاج کرام کی آمد کے دنوں میں لگتا تھا۔

10- **یمامہ:۔**کا تجارتی میلہ ہر سال 10 محرم کو منعقد ہوتا تھا۔

فصلِ سوم

مدنی دور کا معاشی نظام اور نبی کریم ﷺ کی معاشی سرگرمیاں

نبی کریم ﷺ نے ہجرتِ مدینہ کے بعد مدینہ منورہ میں دس سال زندگی کے گزارے۔اِن دس سالوں میں آپ ﷺ نے جو معاشی سرگرمیاں سرانجام دیں۔اُن کی تفصیل مندرجہ ذیل ہے۔

1-"میثاقِ مدینہ" کا دستور:۔ حضور نبی کریم ﷺ نے جب مدینہ منورہ ہجرت کی تو آپ ﷺ نے سب سے پہلے مدینے کے رہنے والے قبائل کے ساتھ ایک معاہدہ کیا جس کو"میثاقِ مدینہ" کہا جاتا ہے۔"میثاقِ مدینہ"ایک ایسا جامع دستور تھا جس میں سیاسی، معاشرتی، عمرانی، معاشی اور مذہبی تمام حقوق کو ذکر کیا گیا تھا۔ذیل میں "میثاقِ مدینہ" کے معاشی پہلو پیش ہیں۔

الف۔میثاقِ مدینہ کے معاشی پہلو:۔ حضور نبی کریم ﷺ نے ہجرت کے فوراً بعد سب سے اولین کام یہ کیا کہ آپ ﷺ نے مدینہ کے قبائل کے ساتھ ایک معاہدہ لکھا جس کے تقریباً 52 دفعات تھے۔مؤرخین نے اِس معاہدہ کو نقل کیا ہے۔علامہ ابنِ ہشام نے "سیرتِ ابن ہشام" میں اِس کے بارے میں یوں لکھا ہے۔

" وَكَتَبَ رَسُوْلِ اللهِ صَلىَّ اللهُ عليه وسلم كتابا بين المهاجرين والأنصار وادع فيه يهود وعاهدهم وأقرهم على دينهم وأموالهم وشرط لهم واشترط عليهم"۔[19]

ترجمہ:۔اور رسول اللہ ﷺ نے مہاجر و انصار اور (مدینہ کے) یہودیوں کے درمیان ایک معاہدہ لکھوایا۔جس میں آپ ﷺ نے عوام اور حکمران کے دین اور مال (دنیا) سے متعلق شرائط (حقوق) اور ذمہ داریوں کا تفصیلاً تعین کر کے لکھا۔

"میثاق مدینہ" کے معاشی دفعات مندرجہ ذیل ہیں۔

1-مہاجرین قریش کے بجائے خود ایک جماعت ہے،اِس لئے مہاجرین اپنے مجرمین کی طرف سے خون بہا اور قیدیوں کی آزادی کے لئے فدیہ کے خود ہی ذمہ دار ہوں گے۔

2-مسلمان اپنے غریب مسلمان بھائیوں کی مدد کریں گے،اگر کسی جرم کا ارتکاب کرے یا اُس پر دیت واجب ہو جائے یا اُس کو قیدی ہونے کی صورت میں آزادی کے لئے فدیہ کی ضرورت پڑے،تو دوسرے مسلمان باہمی ہمدردی کی بنیاد پر اُس کی مدد کریں گے۔

3-مسلمانوں میں سے جو لوگ جہاد میں شہید ہو جائے،اُن کے لواحقین کی کفالت کی ذمہ داری دیگر مسلمانوں دوسرے الفاظ میں نظامِ حکومت پر عائد ہو گی۔

4- بنی عوف، بنی حارث، بنی ساعدہ، بنی نجار، بنی عمرو اور بنی اوس کے قبائل اپنی خون بہا اور فدیہ کے خود ذمہ دار ہوں گے۔

5- مسلمان اگر حالتِ جنگ میں ہوں تو مدینہ کے یہودی قبائل پر لازم ہو گا کہ وہ مسلمانوں کی مدد کریں۔

6- مسلمان اور یہود جنگ کے اخراجات اکٹھے برداشت کریں گے جب دونوں حالتِ جنگ میں ہوں۔

ب۔ میثاقِ مدینہ کے معاشی نتائج و ثمرات:۔ "میثاقِ مدینہ" ایسا معاہدہ تھا جس میں مسلمانوں کو بحیثیت ایک منظم جماعت کے تسلیم کر کے اُن کے تمام جائز انسانی حقوق کو تحفظ دیا گیا، جس کی وجہ سے انصار اور بالخصوص مہاجرین کو بڑی حد تک معاشی تحفظ اور خود کفالت میسر ہوا۔

1- اِس معاہدے کی رو سے مہاجرینِ مکہ کے لئے انصار کے ساتھ معاشی تعلقات استوار کرنے کے مواقع پیدا ہوئے۔ اور اِس کو ایک قانونی شکل ملی۔

2- مسلمانوں کی جماعت کے مدینہ کے یہود اور دیگر قبائل کے ساتھ معاشی تعلقات طے پا گئے۔ مسلمانوں کے لئے دیگر قبائل کے ساتھ تجارت اور تبادلۂ اشیاء آسان ہو گیا۔

3- اِس میثاق کی وجہ سے مدینہ ایک امن کا معاشرہ بن گیا اور جنگ کی کیفیت ختم ہو گئی اور یوں معاشی ترقی و خوشحالی کا ذریعہ بن گیا۔

4- مدینہ کے تمام قبائل کے اتحاد اور باہر کے دشمنوں کے مسلط کردہ حملوں اور جنگوں کا مل کر مقابلہ کرنا، اور تمام قبائل کا مل کر جنگی اور دفاعی اخراجات برداشت کرنا نبی کریم ﷺ کی معاشی بصیرت کی دلیل ہے۔

ج۔ مدینہ میں پہلے اسلامی تجارتی مرکز کا قیام:۔ ہجرت کے وقت مدینہ منورہ میں تین قسم کے لوگ آباد تھے۔ مدینہ چونکہ باغات کی وجہ سے مشہور تھا اِس لئے وہاں پر کسان اور کاشت کار طبقہ کی بڑی تعداد موجود تھی۔ یہ لوگ کھجور، انگور کے باغات کے ساتھ ساتھ دیگر اناج اور سبزیاں بھی کاشت کرتے تھے اور اِس طرح اپنی گزر اوقات کرتے تھے۔ مدینہ منورہ میں دوسرا بڑا طبقہ تاجروں کا تھا، یہاں کے مشہور بازار "قینقاع" وغیرہ میں سونا، چاندی، جواہرات، عطر، مختلف قسم کی ملبوسات وغیرہ کی تجارت ہوتی تھی، اِس تجارت پر یہودیوں کا قبضہ تھا اور یہ لوگ مصنوعی قلت کے ذریعے استحصال کرتے تھے۔ مدینہ کے معیشت پر قابض تیسرا اہم طبقہ سرمایہ داروں کا تھا۔ اِس طبقہ کا اہم کاروبار سودی کاروبار تھا، جس کے ذریعے انہوں نے کسانوں اور دیگر کمزور و غریب طبقات کو غلام بنا رکھا تھا اور اِن کا استحصال کیا کرتے تھے۔ یہ اپنے آپ کو اہلِ کتاب (یہودی) کہتے تھے۔ چنانچہ قرآن مجید میں بھی اللہ تعالیٰ نے اِن لوگوں کا ذکر یوں کیا ہے۔" فَبِظُلْمٍ مِّنَ الَّذِينَ هَادُوا حَرَّمْنَا عَلَيْهِمْ طَيِّبَاتٍ أُحِلَّتْ لَهُمْ وَبِصَدِّهِمْ عَن سَبِيلِ اللَّهِ كَثِيرًا(160) وَأَخْذِهِمُ الرِّبَا وَقَدْ نُهُوا عَنْهُ وَأَكْلِهِمْ أَمْوَالَ النَّاسِ بِالْبَاطِلِ ۚ وَأَعْتَدْنَا لِلْكَافِرِينَ مِنْهُمْ عَذَابًا أَلِيمًا "۔[20]

ترجمہ:۔"پس ہم نے یہودیوں کے ظلموں کے سبب بہت سی پاکیزہ چیزیں جوانکو حلال تھیں ان پر حرام کردیں۔اور اس سبب سے بھی کہ وہ اکثر اللہ کے رستے سے لوگوں کو روکتے تھے۔اور اس سبب سے بھی کہ باوجود منع کئے جانے کے سود لیتے تھے اور اس سبب سے بھی کہ لوگوں کا مال ناحق کھاتے تھے۔اور ان میں سے جو کافر ہیں ان کے لئے ہم نے درددینے والا عذاب تیار کرر کھاہے"۔

معیشت کے اِس طبقاتی اور استحصالی نظام نے لوگوں کو فقر اور افلاس میں جکڑ کرر کھا تھا۔آپ ﷺ جب مدینہ منورہ تشریف لائے تو آپ ﷺ کا اولین مقابلہ اِن استحصالی قوتوں کے ساتھ تھا۔

چنانچہ "میثاقِ مدینہ" کے بعد مسلمانوں کو معاشی سرگرمیاں شروع کرنے کے مواقع ملے۔مدینہ منورہ کے تمام بازاروں اور تجارتی مراکز پر یہودیوں کا تسلط تھا، یہاں پر تمام کاروبار سود اور دیگر حرام اصولوں پر چلتا تھا جس کی وجہ سے مسلمانوں کی وہاں پر شرکت مشکل تھی۔نبی کریم ﷺ نے مسلمانوں کے لئے ایک علیحدہ تجارتی مرکز اور بازار کا قیام فرمایا، جس میں تمام کاروبار اسلام کے شرعی اور عادلانہ اُصولوں پر مبنی ہوتا تھا۔اِس بازار کا محلِّ وقوع بقیع کے قریب تھا۔[21]

2۔نبی کریم ﷺ کی معاشی سرگرمیاں:۔ مدینہ میں آپ ﷺ حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ کے پاس تقریباً 7 ماہ تک قیام پذیر رہے،اِس دوران آپ ﷺ نے اپنے لئے معاش کا بندوبست کر لیا۔آپ ﷺ چند بکریاں خریدیں اور اِسی کے ساتھ ساتھ آپ ﷺ نے ذاتی اونٹ اور گھوڑے بھی رکھ لیے۔اور یوں اِن جانوروں کی تعداد بڑھنے لگی جِس پر آپ ﷺ کا گزر بسر ہونے لگا۔ہدایا اور مالِ غنیمت سے بھی مال آنے لگا اور اِس طرح آپ ﷺ دیگر لوگوں پر بوجھ بننے کی بجائے خود کفیل ہونے لگے۔

3۔عقدِ مواخاۃ اور معاشی تکافل:۔ حضور نبی کریم ﷺ ہجرتِ مدینہ کے بعد 1ھ میں مدینہ کے انصار اور مہاجرین کے درمیان ایک عقد کروایا، جس کو "عقدِ مواخاۃ" کہتے ہیں۔تمام مؤرخین نے اِس کا ذکر کیا ہے۔علامہ ابنِ قیم جوزیؒ نے اِس کا ذکر یوں کیا ہے۔" ثُمَّ آخَى رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَيْنَ الْمُهَاجِرِينَ وَالْأَنْصَارِ فِي دَارِ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ، وَكَانُوا تِسْعِينَ رَجُلًا نِصْفُهُمْ مِنَ الْمُهَاجِرِينَ، وَنِصْفُهُمْ مِنَ الْأَنْصَارِ، آخَى بَيْنَهُمْ عَلَى الْمُوَاسَاةِ"۔[22]

ترجمہ:۔"پھر رسول اللہ ﷺ نے مہاجرین اور انصار کو حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کے گھر میں بھائی بھائی بنایا اور یہ لوگ 90 تھے، جس میں آدھے مہاجر تھے اور آدھے انصار تھے،اور یہ بھائی چارہ کا معاہدہ تھا"۔

اِس عقد کو اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں یوں بیان کیا ہے۔" إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَهَاجَرُوا وَجَاهَدُوا بِأَمْوَالِهِمْ وَأَنْفُسِهِمْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَالَّذِينَ آوَوْا وَنَصَرُوا أُولَٰئِكَ بَعْضُهُمْ أَوْلِيَاءُ بَعْضٍ ۚ"۔[23]

ترجمہ :۔ "جو لوگ ایمان لائے اور وطن سے ہجرت کر گئے اور خدا کی راہ میں اپنے مال اور جان سے لڑے وہ اور جنہوں نے (ہجرت کرنے والوں کو) جگہ دی اور ان کی مدد کی وہ آپس میں ایک دوسرے کے رفیق ہیں"۔

آپ ﷺ نے اِس معاہدہ کے تحت انصار اور مہاجرین کو بھائی بھائی بنادیا، اور یوں انصار صحابہ نے بے یار و مددگار مہاجرین کو اپنے معاشی وسائل میں حصہ دار بنادیا۔ اِس سے یہ سبق ملتا ہے کہ بوقتِ ضرورت مالداروں کے معاشی وسائل کو مشترک ذرائع معاش قرار دیا جاسکتا ہے۔ ذیل میں چند اُن مشہور صحابہ کے نام ہیں جن کو آپ ﷺ نے آپس میں بھائی بھائی بنایا[24]۔

مہاجر	انصار
حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ	حضرت خارجہ بن زید رضی اللہ عنہ
حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ	حضرت عتبان بن مالک رضی اللہ عنہ
حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ	حضرت اوس بن ثابت رضی اللہ عنہ
حضرت جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ	حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ
حضرت عبد الرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ	حضرت سعد بن ربیع رضی اللہ عنہ
حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ	حضرت ابو ایوب خالد بن زید رضی اللہ عنہ
حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ	حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ
حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ	حضرت محمد ﷺ

یہ ایک وقتی بندھن تھا۔ انصار صحابہ کرامؓ نے اپنی تجارت، زمین، باغات، گھر بار اور حتیٰ کہ بعض انصار نے دو بیویوں میں سے ایک بیوی کی بھی پیش کش کر کے سب کچھ مہاجرین کے سامنے پیش کر دیا۔ یہ انصار کا اخلاص، ایثار اور نبی کریم ﷺ کی تربیت کا نتیجہ تھا۔ دوسری طرف مہاجرین صحابہ بھی خودداری اور اخلاص کے پہاڑ تھے۔ مہاجرین نے انصار کو کہا کہ ہمیں بازار کا راستہ دکھائیں۔ اگلے دِن سے مہاجرین نے تجارتی سرگرمیاں شروع کر کے قلیل مدت میں اپنے آپ کو خود کفیل بنالیا۔

4-بیت المال / سرکاری خزانے کا قیام :۔

ہجرتِ مدینہ کے بعد نبی کریم ﷺ نے سب سے پہلے "میثاقِ مدینہ" کی بنیاد پر ایک ریاست قائم کی۔ جب ریاست وجود میں آگئی تو اُس معاشرے کے بنیادی تین ستون "(1) دستور یا آئین (2) سیاست اور (3) معیشت" بھی وجود میں آگئے جو کہ کسی بھی معاشرے کی ترقی کے لئے بہت ضروری ہوتے ہیں۔ آپ ﷺ اُس ریاست کے امیر تھے۔ آپ ﷺ نے اُس فلاحی ریاست کے معاشی نظام کو چلانے کے لئے "بیت المال" کا ایک ادارہ قائم کیا۔ جس

میں آمدنی اور خرچ تمام اسباب وذرائع کا خیال رکھا جاتا تھا۔بیت المال کسی عمارت یا بلڈنگ کا نام نہیں بلکہ اُس پورے نظام یا اُصولوں اور ضابطہ کار کو کہتے ہیں جس پر معاشی اور مالیاتی نظام چلتا ہے۔

بعض مؤرخین کے ہاں آپ ﷺ کے دورِ مبارک میں بیت المال کی باقاعدہ کوئی عمارت نہیں تھی چونکہ آمدنی کے ذرائع محدود تھے۔جو کچھ بھی اجتماعی مال کی صورت میں آپ ﷺ کے پاس آتا۔آپ ﷺ موقع پر مستحقین کے درمیان تقسیم فرماتے۔چنانچہ علامہ ذہبیؒ لکھتے ہیں۔

"لم یکن بیت المال معروفاً عندالعرب فی عصرالجاھلیۃ عصرِ الرسول اللہ(صلی اللہ علیہ وسلم)و ابی بکر رضی اللہ عنہ ،حیث اَنّ الدولۃ فی بدء تکوینھا مع قلۃ الموارد ضعف الایرادات واَنّ سیسۃ الرسول(صلی اللہ علیہ وسلم) کانت تقضی بتوزیع المال بفورہ اَن جآء غدوۃ لم ینتصف النھار اَو عشیتہ لم یبت حتیٰ یُقسِمُہ"۔[25]

ترجمہ:۔"زمانہ جاہلیت کے عرب سرکاری خزانہ(بیت المال)کے نام سے متعارف نہیں تھے۔نبی کریم ﷺ اور حضرت ابو بکرؓ کے زمانہ میں بیت المال کی عمارت کا وجود نہیں تھا۔اِس کی بنیادی وجہ یہ تھی کہ اسلامی ریاست کا آغاز ابھی ہی ہوا تھا،وسائلِ معیشت کم تھے اور آمدنی نہایت قلیل تھی۔آپ ﷺ کے پاس جو مال آتا فوراً تقسیم فرماتے،یہاں تک کہ صبح کے وقت اگر مال آتا تو دوپہر نہ ڈھلنے دیتے اور شام کو مال آتا،تورات نہ بیتنے دیتے"۔

دوسری طرف یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اتنی بڑی سلطنت کا اگر بیت المال کی کوئی عمارت نہیں تھی تو اتنے وسیع مالیاتی نظام کو کیسے منظم کرتے اور کیسے چلاتے؟

اس سلسلے میں ڈاکٹر حمید اللہؒ نے تحقیق کر کے اِس بات کو ثابت کیا ہے۔کہ مسجدِ نبوی کے ساتھ متصل ایک کمرہ تھا،اس کمرہ میں سرکاری اموال اور اجناس رکھے جاتے تھے،اور حضرت بلال رضی اللہ عنہ کی ذمہ داری لگادی گئی تھی کہ وہ اِس کمرہ کی نگرانی کرے۔اِس سے معلوم ہوا کہ یہ پہلا بیت المال تھا اور حضرت بلال رضی اللہ عنہ اُس ریاست کے پہلے وزیرِ مال تھے۔[26]

اسی طرح علامہ ابن قیم جوزیؒ بھی لکھتے ہیں۔" کَانَ بلال عَلَی نَفَقَاتِہِ"۔[27]

ترجمہ:۔"حضرت بلال رضی اللہ عنہ آپ ﷺ کے اخراجات کے نگران تھے"۔

5-بیت المال/سرکاری خزانے کے ذرائع آمدنی:۔

حضور نبی کریم ﷺ کے زمانے میں بیت المال کی آمدنی کے ذرائع مندرجہ ذیل تھے۔

1-زکوۃ 2-عُشر 3-خراج 4-جزیہ 5-مالِ غنیمت 6-مالِ فئی

7-صدقاتِ نافلہ اور ہنگامی چندے 8-قرضِ حسنہ 9-اَوقاف 10-تحفے اور ہدایا 11-لگان/اجارہ

1-زکوۃ:۔زکوۃ اسلامی ریاست کے معاشی نظام اور بیت المال کا ایک اہم اور بنیادی ستون ہے۔زکوۃ تمام انبیاء کی تعلیمات اور شریعتوں کا بنیادی رکن اور حصہ رہا ہے۔سابقہ شریعتوں میں بھی زکوۃ مشروع تھی چنانچہ قرآن مجید میں حضرت ابراہیم، حضرت اسحاق اور حضرت یعقوب علیہم السلام کا تذکرہ کرتے ہوئے فرمایا گیا ہے۔

"وَاَوْحَیْنَا اِلَیْھِمْ فِعْلَ الْخَیْرَاتِ وَاِقَامَ الصَّلٰوۃِ وَاِیْتَآءِ الزَّکٰوۃ"۔[28]

ترجمہ:۔"'اور ہم نے ان کو نیک کام کرنے کا نماز قائم کرنے کا اور زکوۃ دینے کا حکم دیا"۔

اسی طرح حضرت اسماعیل علیہ السلام کے متعلق ارشاد فرمایا ہے۔" وَکَانَ یَاْمُرُ اَھلَہٗ بِالصَّلٰوۃِ وَالزَّکٰوۃ"۔[29]

ترجمہ:۔"وہ(حضرت ابراہیم علیہ السلام)اپنے گھر والوں کو نماز اور زکوۃ کا حکم دیا کرتے تھے"۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا۔" وَجَعَلَنِي مُبَارَكًا أَيْنَ مَا كُنتُ وَأَوْصَانِي بِالصَّلَاةِ وَالزَّكَوةِ مَا دُمْتُ حَيًّا(31) "۔[30]

ترجمہ:۔"اور میں جہاں ہوں(اور جس حال میں ہوں)مجھے صاحب برکت کیا ہے اور جب تک زندہ ہوں مجھ کو نماز اور زکوۃ کا ارشاد فرمایا ہے"۔

ان آیاتِ کریمہ سے معلوم ہوتا ہے کہ سابقہ شریعتوں میں زکوۃ کا حکم موجود تھا اس کی نوعیت کیا تھی اور طریقہ کار کیا تھا اس سلسلے میں حتمی طور پر کچھ بھی نہیں کہا جاسکتا،اسلام نے زکوۃ کے حکم کو نہ صرف یہ کہ باقی رکھا ہے بلکہ اسے ایک باضابطہ شکل بھی دی ہے۔دین اسلام میں بھی زکوۃ کی فرضیت کسی سے ڈھکی چھپی نہیں،زکوۃ کی فرضیت کی تاریخ مختلف فیہ ہے۔

ایک قول کے مطابق زکوۃ کی فرضیت مکی دور میں ہو چکی تھی۔چنانچہ سورۂ مزمل کی آخری آیت میں "وآتوا الزکوۃ" یعنی زکوۃ دینے کا حکم بھی موجود ہے، مشہور اور راجح قول یہی ہے کہ زکوۃ 2ھ میں فرض ہوئی،اسی لیے بعض علماء کہتے ہیں کہ اگرچہ سورۂ مزمل مکی ہے مگر یہ آخری آیت مدنی ہے۔

اسی طرح سورۃ المؤمنون میں ارشادِ ربانی ہے۔"قَدْأَفْلَحَ الْمُؤْمِنُونَ(1)الَّذِينَ هُمْ فِي صَلَاتِهِمْ خَاشِعُونَ (2)وَالَّذِينَ هُمْ عَنِ اللَّغْوِ مُعْرِضُونَ (3) وَالَّذِينَ هُمْ لِلزَّكَاةِ فَاعِلُونَ(4) "۔[31]

ترجمہ:۔"بے شک ایمان والے فلاح پا گئے۔جو نماز میں عجزو نیاز کرتے ہیں۔اور جو بیہودہ باتوں سے منہ موڑے رہتے ہیں۔اور جو زکوۃ ادا کرتے ہیں"۔

اور سورۃ لقمان مکی سورۃ ہے۔اِس میں بھی یوں ذکر ہے۔

" الَّذِينَ يُقِيمُونَ الصَّلَاةَ وَيُؤْتُونَ الزَّكَوةَ وَهُم بِالْآخِرَةِ هُمْ يُوقِنُونَ"۔[32]

ترجمہ:۔"وہ لوگ جو نماز کی پابندی کرتے ہیں اور زکوۃ ادا کرتے ہیں اور آخرت پر یقین رکھتے ہیں"۔

اِن سورتوں میں زکوۃ کا حکم موجود ہے جب کہ یہ تینوں سورتیں بھی مکی ہیں،اِن آیتوں کے متعلق بھی یہی کہنا پڑے گا کہ یہ سورتیں اگرچہ مکی ہیں لیکن زکوۃ سے متعلق یہ آیاتِ کریمہ مدینہ میں نازل ہوئیں۔

دوسرا جواب یہ بھی ہے کہ مکہ میں زکوۃ کی ادائیگی فرض نہیں تھی، یہ حکم صرف نفلی صدقہ کی حد تک تھا، یہ حکم تدریجاً تھا۔ چونکہ مسلمانوں نے جب حبشہ کی طرف دوسری ہجرت فرمائی، جس میں حضرت جعفر طیار رضی اللہ عنہ بھی شامل تھے، تو مشرکین مکہ کے ایک وفد نے نجاشی شاہِ حبشہ کی خدمت میں حاضر ہو کر مسلمانوں کے خلاف شکایت کی تاکہ مسلمانوں کو حبشہ سے نکلوا کر ملک بدر کیا جاسکے، اِس موقع پر نجاشی کے سامنے حضرت جعفر طیار رضی اللہ عنہ نے جو تقریر کی اُس میں آپ رضی اللہ عنہ نے کہا:"وَأَمَرَنَا بِالصَّلاةِ ، وَالزَّكَاةِ ، وَالصِّيَامِ "۔[33]

ترجمہ:۔"وہ نبی کریم ﷺ ہمیں نماز پڑھنے، زکوۃ ادا کرنے اور روزہ رکھنے کا حکم دیتے ہیں"۔

اِس سے معلوم ہوا کہ مکی دور میں زکوۃ کا حکم فرض نہیں تھا بلکہ نفلی حد تک تھا۔ زکوۃ مدنی دور میں فرض ہو گئی۔ اگرچہ سن ہجری میں اختلاف ہے۔ اِس سلسلے میں مشہور مفسر حافظ ابن کثیرؒ کی رائے قرین عقل ہے کہ شاید زکوۃ تو مکہ مکرمہ میں اوائل اسلام میں ہی فرض ہو گئی ہو مگر اس کے نصاب اور مقدار واجب کی تفصیلات مدینہ طیبہ میں ہجرت کے دوسرے سال میں بیان کی گئیں ہوں، تفسیر روح المعانی میں علامہ آلوسیؒ نے بھی یہی قول اختیار کیا ہے۔

"خُذْ مِنْ اَمْوَالِهِمْ صَدَقَۃ تُطَهِّرُ هُمْ وَتُزكيهم بها"۔[34]

ترجمہ:۔"ان کے اموال سے زکوۃ وصول کریں اور اس طرح انہیں پاک اور صاف کریں"۔

بعض فقہاء کے نزدیک 2ھ میں زکوۃ فرض ہو گئی۔ حافظ ابنِ حجر عسقلانیؒ کے نزدیک زکوۃ 5ھ میں فرض ہوئی[35]۔ جب کہ مولانا سعید احمد اکبر آبادیؒ نے لکھا ہے کہ سب سے پہلے 2ھ میں صدقۃ الفطر کے وجوب ہونے کا حکم آیا[36]۔ چونکہ اُس وقت باقاعدہ اسلامی ریاست وجود میں نہیں آئی تھی، اس لئے زکٰوۃ کا حکم بعد میں نازل ہوا جب اسلامی ریاست وجود میں آگئی۔ اگرچہ صدقہ فطر بھی زکٰوۃ کی ایک قسم ہے لیکن اِس کا درجہ فرض سے کم واجب کا ہے۔ جمہور فقہاء کا اِس بات پر اتفاق ہے کہ زکوۃ کی فرضیت کا حکم 8ھ میں مکہ مکرمہ کے فتح ہونے کے بعد نازل ہوا۔ گویا کہ قومی سطح پر دینِ اسلام کا نظام غالب ہو گیا۔ اِس کے 8ھ بعد سورۃ التوبہ کی یہ آیت نازل ہوئی، جس میں زکٰوۃ کے مصارف کو بھی تفصیلاً ذکر کیا گیا۔" إِنَّمَا الصَّدَقَاتُ لِلْفُقَرَاءِ وَالْمَسَاكِينِ وَالْعَامِلِينَ عَلَيْهَا وَالْمُؤَلَّفَةِ قُلُوبُهُمْ وَفِي الرِّقَابِ وَالْغَارِمِينَ وَفِي سَبِيلِ اللَّهِ وَابْنِ السَّبِيلِ ۖ فَرِيضَةً مِّنَ اللَّهِ ۗ وَاللَّهُ عَلِيمٌ حَكِيمٌ "۔[37]

ترجمہ:۔"صدقات (یعنی زکٰوۃ و خیرات) تو مفلسوں اور محتاجوں اور کارکنان صدقات کا حق ہے اور ان لوگوں کا جن کی تالیف قلوب منظور ہے اور غلاموں کے آزاد کرانے میں اور قرضداروں (کے قرض ادا کرنے میں) اور خدا کی راہ

میں اور مسافروں (کی مدد) میں (بھی یہ مال خرچ کرنا چاہیئے یہ حقوق) خدا کی طرف سے مقرر کر دیئے گئے ہیں اور خدا جاننے والا (اور) حکمت والا ہے"۔

اگلے سال نبی کریم ﷺ نے محرم 9ھ میں زکوٰۃ کو وصول کرنے کے لئے عاملین زکوٰۃ کا تقرر کیا۔ پروفیسر یسین مظہر صدیقی نے "عہدِ نبوی ﷺ کا نظامِ حکومت" میں رسول اللہ ﷺ کے متعین کردہ عاملین کا تفصیلاً ذکر کیا ہے جس کا عنقریب ہم ذکر کریں گے۔ الغرض دینِ اسلام نے اسلامی معاشرہ کے معاشی کفالت کے لئے زکوٰۃ کا ایک مکمل نظام دیا۔

2- **عُشر:-** "عُشر" بھی بیت المال کی آمدن کا ایک بنیادی اور اہم ذریعہ ہے۔ "عُشر" کے لغوی معنیٰ "دسواں حصہ" کے ہے اور اصطلاحی معنیٰ یہ ہے کہ "مسلمانوں کی زرعی پیداوار پر واجب کردہ مالی فریضہ یا زمین کی پیداوار کی زکوٰۃ"۔ اسی لیے فقہاءِ کرام رحمہم اللہ "عشر" کو "کھیتیوں اور پھلوں کی زکوٰۃ" کے نام سے بھی تعبیر کرتے ہیں۔ البتہ اِس کے احکام زکوٰۃ کے احکام سے کچھ مختلف ہیں۔ زکوٰۃ اور عشر میں فرق یہ ہے کہ زکوٰۃ کے مال میں بنیادی طور پر دو شرطوں کا پایا جانا ضروری ہے۔ (1) نصاب کا ہونا یعنی اموالِ زکوٰۃ کی ایک مخصوص مقدار کا مالک ہو، (2) اس مال پر سال گزر جائے۔ جبکہ عشر کے وجوب کے لیے ان میں سے کسی شرط کا پایا جانا لازمی نہیں۔ اس لئے اگر کسی کاشت کار/زمیندار کو کم مقدار میں فصل حاصل ہوئی اور اس پر سال بھی نہیں گزرا، تب بھی شریعت کے مطابق اُس پر "عشر" واجب ہوگا۔ اسی طرح "عشر" کے لیے اپنی ذاتی زمین کا ہونا بھی ضروری نہیں، بلکہ اگر کسی نے کاشتکاری کے لئے مزارعت، عاریتاً یا ٹھیکہ پر زمین لی، تو اس کی پیداوار پر بھی "عشر" واجب ہوگا۔

مزارعت اور بٹائی کی زمین کا "عشر" بھی دینا فرض ہے۔ جس کے حصہ میں جتنی پیداوار آئے گی اس کے مطابق اس کی زکوٰۃ (یعنی عشر یا نصف عشر) ادا کرنا ضروری ہے۔ مثلاً زمین مالک اور کھیتی کرنے والے کے درمیان آدھی آدھی پیداوار تقسیم ہوئی تو دونوں کو حاصل شدہ پیداوار پر زکوٰۃ (یعنی عشر یا نصف عشر) ادا کرنا ضروری ہے۔

پیداوار کی زکاۃ (یعنی عشر یا نصف عشر) تمام پیداوار سے نکالی جائے گی، خرچہ اور مزدوری کے نکالنے سے پہلے۔ اس میں کٹائی وغیرہ کے مصارف شامل نہیں کیے جاتے ہیں، مثلاً سو بوری گندم پیدا ہوئے، پانچ بوری گندم کٹائی میں اور دس بوری تھریشر میں دے دیا گیا، تو بقایا پچاسی بوری پر نہیں، بلکہ پوری پیداوار یعنی سو بوری پر زکوٰۃ (یعنی عشر یا نصف عشر) ادا کرنی ہوگی۔

"عُشر" اور "زکوٰۃ" میں فرق:- زمین کی پیداوار کی زکوٰۃ (یعنی عشر یا نصف عشر) ہر پیداوار پر دی جائے گی، خواہ سال میں ایک سے زائد کئی مرتبہ پیداوار ہوئی ہو، یعنی اگر ایک سے زیادہ مرتبہ پیداوار ہوئی ہے تو ہر مرتبہ عشر یا نصف عشر دیا جائے گا۔ مال یا سونے و چاندی کی زکوٰۃ کے وجوب کے لیے ضروری ہے کہ وہ ضروریات سے بچا ہوا ہو، نصاب کو

پہنچا ہوا ہو اور اس پر ایک سال گزر گیا ہو، لیکن پیداوار کی زکوۃ (عشر یا نصف عشر) کے لیے یہ تمام شرطیں ضروری نہیں ہیں۔ بلکہ مال یا سونے و چاندی پر سال میں ایک ہی بار زکاۃ واجب ہوتی ہے، جب کہ سال میں دو پیداوار ہونے پر دو مرتبہ زکاۃ ادا کی جائے گی۔

زمین کی پیداوار پر زکوۃ (یعنی عشر یا نصف عشر) کی ادائیگی کے بعد اگر غلہ کئی سال تک بھی رکھا رہے تو اُس پر دوبارہ زکوۃ ضروری نہیں ہے۔ ہاں! اگر غلہ بیچ دیا گیا تو اس سے حاصل شدہ مال پر ایک سال گزرنے اور نصاب کو پہنچنے پر زکوۃ واجب ہوگی۔ عشر کا وجوب قرآن و حدیث دونوں سے ثابت ہے۔ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

"يٰأَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوْا أَنْفِقُوْا مِنْ طَيِّبَاتِ مَا كَسَبْتُمْ وَمِمَّا أَخْرَجْنَا لَكُمْ مِنْ الْأَرْضِ"۔[38]

ترجمہ۔ ایمان والو! خرچ کرو ستھری چیز اپنی کمائی میں سے اور اس چیز میں سے جو ہم نے پیدا کیا تمہارے واسطے زمین سے۔

"وَآتُواْ حَقَّهُ يَوْمَ حَصَادِه"۔[39]

"اور تم اپنی کھیتی کی کٹائی کے وقت اس کا حق (عشر) ادا کیا کرو"۔

نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا۔" فِيمَا سَقَتِ السَّمَاءُ وَالعُيُونُ أَوْ كَانَ عَثَرِيًّا العُشْرُ، وَمَا سُقِيَ بِالنَّضْحِ نِصْفُ العُشْرِ "۔[40]

ترجمہ:۔ "جو زمین بارش اور چشمہ /ندی کے پانی سے سیراب کی جائے، اس کی پیداوار کا دسواں حصہ (1/10) اور جو زمین ڈول (کنویں) کے پانی سے سیراب کی جائے، اس کی پیداوار میں عشر کا نصف/ بیسواں حصہ (1/20) (زکوۃ کے طور پر نکالا جائے)"۔

" فِيمَا سَقَتِ الْأَنْهَارُ، وَالْغَيْمُ الْعُشُورُ، وَفِيمَا سُقِيَ بِالسَّانِيَةِ نِصْفُ الْعُشْرِ "۔[41]

ترجمہ:۔ "جو زمین دریا اور بادل سے سینچی جائے، اس کی پیداوار کا دسواں حصہ اور جو زمین کنویں سے سینچی جائے اس کی پیداوار کا بیسواں حصہ (زکوۃ کے طور پر نکالا جائے)"۔

<u>**عُشر کی مقدار:۔**</u> رسول اللہ ﷺ نے زمین کی پیداوار کی زکوۃ کے متعلق جو تفسیر بیان کی ہے، اُس میں زمین کی دو قسمیں قرار دی ہیں۔

1-اگر زمین بارانی ہو، یعنی بارش یا ندی کے مفت پانی سے سیراب ہوتی ہے تو پیداوار میں "عشر" یعنی دسواں حصہ زکوۃ کے طور پر دینا فرض ہے۔

2-اگر زمین کو ٹیوب ویل یا نہر (پانی پر خرچہ کیا جائے) وغیرہ سے سیراب کیا جاتا ہے تو "نصف عشر" (پانچ فیصد) یعنی بیسواں حصہ زکوۃ کے طور پر دینا فرض ہے۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ اگر مفت پانی سے سیراب ہو کر پیداوار حاصل ہوئی ہے تو دسواں حصہ (دس فیصد) اور

اگرچہ پانی پر خرچہ کیا جائے تو بیسواں حصہ (پانچ فیصد)۔ اگر زمین دونوں پانی (یعنی بارش وغیرہ اور ٹیوب ویل) سے سیراب ہوئی ہے تو اکثریت کا اعتبار ہو گا۔ فقہاء کی اصطلاح میں دونوں قسم پیداوار پر عائد ہونے والی زکوۃ کو "عشر" ہی کے عنوان سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

عُشر کا مصرف:۔ "عشر" کے مصارف وہی ہیں جو زکوۃ کے مصارف ہیں۔۔ نظامِ حکومت /بیت المال میں جمع ہو گی اور پھر نظامِ حکومت قرآن کے بیان کردہ آٹھ مصارف پر خرچ کرے گی۔ مثلاً ہر ایسا شخص جس کی ملکیت میں ساڑھے باون تولہ چاندی کی مالیت کے بقدر سونا، چاندی، نقدی، مال تجارت اور ضرورت سے زائد سامان نہ ہو، وہ مستحقِ عشر ہے، اس کو عشر دیا جا سکتا ہے۔ البتہ کسی ایسے شخص کو عشر دینا جو مستحق ہونے کے ساتھ ساتھ کسی دینی خدمت میں بھی مشغول ہو، زیادہ بہتر ہے کیونکہ اس کو دینے سے عشر کی ادائیگی اور دینی خدمت میں تعاون، دونوں کا اجر ملے گا۔ اسی طرح کسی رشتہ دار کو دینے کی صورت میں بھی عشر کی ادائیگی اور صلہ رحمی دونوں کا اجر ملے گا۔

زکوٰۃ کا نصاب فقہ کی کتابوں میں تفصیلاً درج ہے۔

3- خراج:۔ جیسا کہ اوپر گزر چکا ہے کہ مسلمانوں کی زرعی پیداوار پر زکوۃ کو "عُشر" کہتے ہیں۔ جبکہ "خراج" غیر مسلموں کے اُن زمینوں کی پیداوار سے وصول کیا جاتا ہے جہاں مسلمانوں کا غلبہ ہو۔ جیسا کہ مولانا حفظ الرحمن سیوہارویؒ لکھتے ہیں۔

"اور جن ممالک پر اسلام کا غلبہ ہو گیا اور خلیفہ نے وہاں کی زمینیں مفتوحین کفار ہی کے قبضہ میں رہنے دیں اور جب ممالکِ کفار سے صلح ہو گئی اور وہ حکومتِ اسلامی کے ذمہ اور عہد میں داخل ہو کر ذمی بن گئے، ان کی زمین "خراجی" کہلاتی ہے اور خلیفہ ان زمینوں پر جو محصول (مال گزاری) مقرر کر دیتا ہے اُس کو "خراج" کہا جاتا ہے"۔[42]

امام ابو یوسفؒ فرماتے ہیں۔"فاماالفئی یاامیر االمؤمنین فھو الخراج عند نا"۔[43]

ترجمہ:۔"امیر المؤمنین! فئی ہمارے نزدیک خراج ہے"۔

اسلامی نظامِ حکومت میں "خراج" بیت المال میں جمع ہوتا ہے اور پھر رعایا کی فلاح و بہبود میں صرف ہوتا ہے۔

4- جزیہ:۔ نبی کریم ﷺ کے دور میں سرکاری بیت المال کی آمدن کا دوسرا بڑا ذریعہ "جزیہ" تھا۔ "جزیہ" سے مراد وہ رقم ہے جو اسلامی ریاست غیر مسلم شہریوں سے وصول کرتی ہے اور اِس کے بدلے میں وہ اسلامی ریاست اُن غیر مسلموں کو وہ تمام حقوق اور مراعات دیتی ہیں جو اُس اسلامی ریاست کے مسلمان باشندوں کو حاصل ہوتی ہیں۔

مولانا حفظ الرحمن سیوہارویؒ نے "جزیہ" کی تعریف یوں بیان کی ہے۔"اہلِ کتاب اور مشرکین عجم (عرب کے مشرکین یا تو سارے مسلمان ہوگئے اور جنہوں نے اسلام قبول نہیں کیا اُن کو جزیرۃ العرب سے بدر کر دیا گیا) اگر مغلوب و مقہور ہو کر اسلامی اقتدار کو تسلیم کرلیں اور سالانہ تھوڑا سا ٹیکس ادا کر کے اِس شرط پر اسلامی حکومت کے زیرِ اقتدار آجائیں کہ حکومت اُن کے جان، مال اور آبرو کی محافظ ہے تو ایسے ٹیکس کو "جزیہ" کہتے ہیں"۔[44]

پروفیسر ڈاکٹر نور محمد غفاریؒ لکھتے ہیں۔"جزیہ اُس معمولی رقم کا نام تھا جو اسلامی ریاست کے غیر مسلم شہری اسلامی ریاست کی طرف سے اُن کے جان و مال اور آبرو کی حفاظت کے معاوضہ کے طور پر دیا کرتے تھے"۔[45]

قرآن مجید میں اللہ تعالی نے "جزیہ "کا ذکر یوں کیا ہے۔" قَاتِلُوا الَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَلَا بِالْيَوْمِ الْآخِرِ وَلَا يُحَرِّمُونَ مَا حَرَّمَ اللَّهُ وَرَسُولُهُ وَلَا يَدِينُونَ دِينَ الْحَقِّ مِنَ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ حَتَّىٰ يُعْطُوا الْجِزْيَةَ عَن يَدٍ وَّهُمْ صَاغِرُونَ"۔[46]

ترجمہ:۔"جو لوگ اہلِ کتاب میں سے اللہ پر ایمان نہیں لاتے اور نہ روز آخرت پر (یقین رکھتے ہیں) اور نہ ان چیزوں کو حرام سمجھتے ہیں جو اللہ اور اس کے رسول نے حرام قرار کی ہیں اور نہ دین حق کو قبول کرتے ہیں، اِن سے جنگ کرو یہاں تک کہ ذلیل ہو کر اپنے ہاتھ سے جزیہ دیں"۔

جزیہ کی نوعیت:۔ حضور بنی کریم ﷺ کے زمانے میں "جزیہ" کے طور پر مختلف اَجناس وصول کی جاتی تھیں۔ جو کہ تین شکلوں پر مشتمل ہوتی تھیں۔[47]

1-اُس دور میں تجارتی لین دین کے بنیادی اجناس سونا اور چاندی کی صورت میں ہوا کرتی تھیں۔اِس لئے کبھی سونے کی صورت میں جزیہ وصول کیا گیا۔ مثلاً یمن، ایلہ اور تبوک کے یہودیوں سے وصول کیا گیا۔

2-اُس زمانے میں لوگوں کی آمدن کا سب سے بڑا ذریعہ مویشی پالنا تھا، اس لئے کبھی بھیڑ بکریوں، ایندھن، کپڑوں اور زیورات کی صورت میں بھی جزیہ وصول کیا گیا۔ جیسا کہ اہلِ مقنا اور عیسائیوں سے وصول کیا گیا۔

3-اسی طرح بعض اَوقات جزیہ کے بدلہ میں کمائی اور پیداوار کا ایک خاص حصہ وصول کیا گیا۔ مثلاً اہلِ مقنا کے یہودیوں کو آپ ﷺ نے یہ خط لکھا۔"وَكَتَبَ لَهُمْ كِتَابًا، وَصَالَحَ أَهْلَ مَقْنَا عَلَى رُبُعِ عُرُوكِهِمْ وَغُزُولِهِمْ وَالْعُرُوكُ خَشَبٌ يُصْطَادُ عَلَيْهِ وَرُبُعُ كُرَاعِهِمْ وَحَلَقَتِهِمْ وَعَلَى رُبُعِ ثِمَارِهِمْ، وَكَانُوا يهودا"۔[48]

ترجمہ:۔"اور آپ ﷺ نے اُن کی طرف ایک خط لکھا، کہ تم لوگوں پر کھجور کے باغوں کی پیداوار، بحری شکار اور کاتے ہوئے سوت کے ایک چوتھائی حصہ کی ادائیگی واجب ہے۔اِس کی ادائیگی کے بعد تم ہر قسم کے جزیہ اور بے گار سے مستثنیٰ ہوں گے"۔

جزیہ سے متعلقہ اہم اُمور:۔ جزیہ سے متعلق اہم اُمور مندرجہ ذیل ہیں۔

1۔ دینِ اسلام میں جزیہ صرف اُن افراد پر عائد کرنے کا حکم دیا گیا ہے جو جنگ اور لڑائی کے صلاحیت رکھتے ہوں، مثلاً جوان لوگ۔ غیر مقاتل افراد مثلاً بچے، بوڑھے، خواتین، معذور لوگ، مذہبی پیشوا اور صوفی جیسے لوگ "جزیہ" کی ادائیگی سے مستثنیٰ ہوتے ہیں۔ جزیہ ادا کرنے کے بعد یہ لوگ اُس اسلامی ریاست کی دفاع کرنے کی ذمہ داریوں سے سبکدوش ہو جاتے ہیں۔ بنی کریم ﷺ نے اسلامی ریاست کو اہل الذمہ کے حقوق کو پورا کرنے کی سخت تاکید فرمائی ہے۔

2۔ جزیہ اُن غیر مسلموں کی مالی حالت کو دیکھ کر عائد کیا جاتا ہے۔ جیسا کہ صحیح بخاری میں روایت ہے۔
" وَقَالَ ابْنُ عُيَيْنَةَ، عَنْ ابْنِ أَبِي نَجِيحٍ قُلْتُ: لِمُجَاهِدٍ، مَا شَأْنُ أَهْلِ الشَّأْمِ، عَلَيْهِمْ أَرْبَعَةُ دَنَانِيرَ، وَأَهْلُ الْيَمَنِ عَلَيْهِمْ دِينَارٌ، قَالَ:جُعِلَ ذَلِكَ مِنْ قِبَلِ الْيَسَارِ "۔[49]

ترجمہ:۔"سفیان بن عیینہ کہتے ہیں کہ "میں نے مجاہد سے پوچھا کہ شام کے کافروں سے تو سالانہ چار دینار لیے جاتے ہیں اور یمن کے کافروں سے صرف ایک دینار لیا جاتا ہے اس کی کیا وجہ ہے ؟ انہوں نے کہا کہ اس لیے کہ شام کے کافر زیادہ مالدار ہیں"۔

3۔ دینِ اسلام نے "جزیہ" کی وصولی میں انتہائی شفقت و نرمی اختیار کرنے کا حکم دیا ہے۔ اسی لئے حضرت عمر رضی اللہ عنہ جزیہ کو وصول کرنے میں دو باتوں کا بہت زیادہ خیال رکھا کرتے تھے۔ پہلا یہ کہ جزیہ کی شرح آسان ہو جسے لوگ بآسانی سے اَدا کر سکیں۔ اور دوسرا یہ کہ ہر سال جب عراق کا خراج آتا تو آپ رضی اللہ عنہ کوفہ اور بصرہ سے دس دس افراد کو بلاتے اور اُن سے قسم لے کر پوچھتے کہ جزیہ کی وصولی میں کسی ذمی پر ظلم یا زیادتی تو نہیں کی گئی[50]۔

4۔ جو اہل الذمہ اسلامی ریاست کی دفاع کی ذمہ داری میں حصہ لیتے تھے ایسے افراد کا جزیہ معاف ہوتا تھا۔ جزیہ چونکہ دفاعی ذمہ داریوں کے عوض لیا جاتا ہے لہذا جو لوگ ایسی خدمات خود قبول کرتے ان سے جزیہ نہیں لیا جاتا تھا۔

5۔ جزیہ دے کر اہل الذمہ اسلامی ریاست کی طرف سے دفاعی و فوجی خدمات، ملک کی نگہداشت اور دوسرے ریاست اُمور سے بری الذمہ ہو جاتے اور انہیں مسلمانوں کے برابر حقوق حاصل ہو جاتے۔ اگرچہ مسلمانوں کئی قسم کے مالی ٹیکس زکوٰۃ و صدقات اور عشر و خراج کی صورت میں اسلامی ریاست کو دیتے تھے، اِس کے باوجود مسلمانوں کی یہ ذمہ داری ہوتی ہے کہ وہ ہمہ وقت ملک کی دفاعی، سلامتی اور جہاد کے لئے تیار رہے۔

6- جزیہ دینے والے غیر مسلم قوم کے بوڑھوں کے لئے روزینہ کا بندوبست بیت المال کے ذمہ ہوگا۔ چنانچہ حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی طرف سے اہلِ حیرہ کے ساتھ یہ معاہدہ لکھا، اُس میں یہ دفعات بھی شامل تھے۔"أَيُّمَا شَيْخٍ ضَعُفَ عَنِ الْعَمَلِ أَوْ أَصَابَتْهُ آفَةٌ مِنَ الآفَاتِ أَوْ كَانَ غَنِيا فَافْتَقَرَ وَصَارَ أَهْلُ دِينِهِ يَتَصَدَّقُونَ عَلَيْهِ طَرَحْتُ جِزْيَتَهُ وَعِيلَ مِنْ بَيْتِ مَالِ الْمُسْلِمِينَ،وَعِيَالُهُ مَا أَقَامَ بِدَارِ الْهِجْرَةِ وَدَارِ الإِسْلامِ؛ فَإِنْ خَرَجُوا إِلَى غَيْرِ دَارِ الْهِجْرَةِ وَدَارِ الإِسْلامِ"۔

ترجمہ:۔"جو کوئی (غیر مسلم) بوڑھا از کار رفتہ ہو جائے، یا جس غیر مسلم کو کوئی آفت پہنچے، یا وہ مالدار ہو اور پھر فقیر ہو جائے اور اُس کے اہل مذہب اُس کو خیرات دینے لگیں تو اُس کا جزیہ معاف ہو جائے گا اور مسلمانوں کے بیت المال میں سے اُس کا اور اُس کے متعلقین کا اُس وقت تک برابر تکفل کیا جائے گا جب تک کہ یہ لوگ اسلامی ملک اور مدینہ میں رہیں گے"۔

آخر میں یہ بھی لکھا تھا۔"فَإِنْ طَلَبُوا عَوْنًا مِنَ الْمُسْلِمِينَ أُعِينُوا بِهِ وَمَئُونَةُ الْعَوْنِ مِنْ بَيْتِ مَالِ الْمُسْلِمِينَ"۔[51]

ترجمہ:۔"یہ لوگ مسلمانوں سے اگر کوئی مدد طلب کریں گے تو ان کی مدد کی جائیگی اور اِس مدد کے سلسلے میں جو اخراجات ہوں گے وہ بیت المال کے ذمے ہوں گے"۔

5-مالِ غنیمت:۔"مالِ غنیمت" حضور نبی کریم ﷺ کے زمانے میں بیت المال کی آمدنی کا بہت اہم ذریعہ تھا۔

علامہ قرطبیؒ نے یوں "مالِ غنیمت" کی لغوی تعریف یوں لکھی ہے۔

" الْغَنِيمَةُ فِي اللُّغَةِ مَا يَنَالُهُ الرَّجُلُ أَوِ الْجَمَاعَةُ بِسَعْيٍ"۔[52]

ترجمہ:۔"مالِ غنیمت" سے مراد وہ مال ہے جو کوئی ایک فرد یا جماعت کوشش کر کے حاصل کرے"۔

علامہ قرطبیؒ نے شرعی اصطلاح میں "مالِ غنیمت" کی تعریف یوں بیان کی ہے۔

"مَالُ الْكُفَّارِ إِذَا ظَفِرَ بِهِ الْمُسْلِمُونَ عَلَى وَجْهِ الْغَلَبَةِ وَالْقَهْرِ"۔[53]

ترجمہ:۔"وہ مال جو کفار سے جنگ، قوت اور غلبہ کی وجہ سے حاصل ہو"۔

"مالِ غنیمت" کی تعریف یحیٰ بن آدم قرشی "کتاب الخراج" میں یوں کرتے ہیں۔

"أَنَّ الْغَنِيمَةَ مَا غَلَبَ عَلَيْهِ الْمُسْلِمُونَ بِالْقِتَالِ حَتَّى يَأْخُذُوهُ عَنْوَةً"۔[54]

ترجمہ:۔"پس "مالِ غنیمت" سے مراد وہ مال ہے جب مسلمان غیر مسلموں پر جنگ کے وجہ سے غلبہ پانے کے بعد حاصل کرے"۔

مالِ غنیمت کے بارے میں اللہ تعالیٰ قرآن میں فرماتے ہیں۔

"وَاعْلَمُوا أَنَّمَا غَنِمْتُم مِّن شَيْءٍ فَأَنَّ لِلَّهِ خُمُسَهُ وَلِلرَّسُولِ وَلِذِي الْقُرْبَىٰ وَالْيَتَامَىٰ وَالْمَسَاكِينِ وَابْنِ السَّبِيلِ إِن كُنتُمْ آمَنتُم بِاللَّهِ وَمَا أَنزَلْنَا عَلَىٰ عَبْدِنَا يَوْمَ الْفُرْقَانِ يَوْمَ الْتَقَى الْجَمْعَانِ ۗ وَاللَّهُ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ(41)"۔[55]

ترجمہ:۔"اور جان رکھو کہ جو چیز تم (کفار سے) لوٹ کر لاؤ اس میں سے پانچواں حصہ خدا کا اور اس کے رسول کا اور اہل قرابت کا اور یتیموں کا اور محتاجوں کا اور مسافروں کا ہے۔ اگر تم خدا پر اور اس (نصرت) پر ایمان رکھتے ہو جو (حق و باطل

میں)فرق کرنے کے دن (یعنی جنگ بدر میں) جس دن دونوں فوجوں میں مڈھ بھیڑ ہو گئی۔ اپنے بندے (محمد ﷺ) پر نازل فرمائی۔ اور خدا ہر چیز پر قادر ہے"۔

حضور نبی کریم ﷺ کے زمانے سے پہلے دورِ جاہلیت میں بھی جنگ کا یہی دستور تھا کہ جنگ کے بدلے میں ملنے والے اموال کو لشکر کے امیر اور فوجیوں کے درمیان تقسیم کیا جاتا تھا، جس میں امیر 1/4 حصہ وصول کرتا تھا وہ بھی قیمتی اشیاء کا انتخاب اپنی مرضی سے کیا کرتا تھا باقی بچا کچا فوجیوں میں تقسیم ہوتا تھا۔ مگر دینِ اسلام نے "مالِ غنیمت" کی تقسیم میں میں اصلاح کر لی۔ جس سے پورے معاشرے کو فائدہ ہونے لگا۔

مالِ غنیمت کی تقسیم:۔ "مالِ غنیمت" کی تقسیم کار کچھ یوں مقرر تھا۔

1-سب سے پہلے کل مالِ غنیمت کے 5 حصے کئے جاتے۔

2-ایک حصہ اللہ اور اُس کے رسول ﷺ کے لئے خاص ہوتا۔ اللہ تعالیٰ کا نام محض برکت اور تعظیم کے لیے تھا۔ اِس پانچویں/خُمس حصہ کے اندر مندرجہ بالا آیتِ کریمہ کی روشنی میں مندرجہ ذیل افراد نبی کریم ﷺ کے ساتھ اِس حصہ میں شامل ہوتے تھے۔

1-اللہ تعالیٰ　　2-رسول کریم ﷺ　　3-آپ ﷺ کے رشتہ دار　　4-یتیم

5-مساکین　　6-مسافر

3-اللہ اور اُس کے رسول ﷺ کا 1/5 حصہ نکالنے کے بعد باقی 4/5 حصہ اُس لڑائی اور جنگ میں شامل فوجیوں کے درمیان اِس طرح تقسیم کیا جاتا تھا۔

4-گھوڑا سوار مجاہدین کو تین حصے ملتے تھے، جن میں سے دو حصے گھوڑے اور ایک حصہ مجاہد کا ہوتا تھا۔

5-پیادہ مجاہدہ کا حصہ ایک ہوتا تھا۔

6-جو بزرگ صحابہ کرام رضی اللہ عنہ نظامِ حکومت کی ذمہ داریوں کی وجہ سے شہروں میں مصروف ہوتے تھے اور جہاد میں شرکت نہ کر سکتے تھے، جیسا کہ کسی شہر کا گورنر، مسجد کا امام وغیرہ جو کہ اجتماعی ذمہ داری اور عوام کی خدمت کی وجہ سے جنگ میں شرکت نہ کر سکتے تھے، ایسے بزرگ صحابہ کرام رضی اللہ عنہ کا حصہ بھی شمار ہوتا تھا۔

6-مالِ فئی:۔ حضور نبی کریم ﷺ کے زمانے میں بیت المال کے ذریعہ آمدن میں "مالِ فئی" کا بھی شمار ہوتا تھا۔ "مالِ فئی" سے مراد یہ ہے کہ۔ "وہ اموال جو مسلمانوں اور غیر مسلموں کے درمیان لڑائی و جنگ کے بغیر مسلمانوں کو حاصل ہوتا تھا۔ یا یہ کہ غیر مسلموں کی وہ زرعی زمینیں اور باغات جو جنگ کے بعد اُن ہی کے قبضہ میں اِس شرط پر رہنے دی جاتیں کہ اُن سے اِن کے آمدنی کا ایک مقرر حصہ اسلامی ریاست وصول کرتی، یا یہ کہ اُن غیر مسلموں پر خراج یا جزیہ مقرر کیا جاتا۔ اِن تمام صورتوں میں حاصل شدہ اموال کو "مالِ فئی" کہتے تھے"۔

علامہ قرطبیؒ کے نزدیک "مالِ فئی" سے مراد یہ ہے کہ۔

"وَهُوَ كُلُّ مَالٍ دَخَلَ عَلَى الْمُسْلِمِينَ مِنْ غَيْرِ حَرْبٍ وَلَا إِيجَافٍ"۔[56]

ترجمہ:۔"مالِ فیئ سے مراد کفار کا وہ مال جو بغیر اُن سے لڑے مسلمانوں کے ہاتھ میں آجائے"۔

یحیٰ بن آدم قرشی "کتاب الخراج" میں یوں تعریف لکھتے ہیں۔

"وَالْفَيْءُ مَا صَالَحَ عَلَيْهِ الْمُسْلِمُونَ بِغَيْرِ قِتَالٍ"۔[57]

ترجمہ:۔"اور "مالِ فئی" سے مراد وہ مال ہے جس پر مسلمان غیر مسلموں کے ساتھ بغیر جنگ کے صلح کر لیتے ہیں"۔

"مالِ فئی" کے بارے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔"وَمَا أَفَاءَ اللَّهُ عَلَىٰ رَسُولِهِ مِنْهُمْ فَمَا أَوْجَفْتُمْ عَلَيْهِ مِنْ خَيْلٍ وَلَا رِكَابٍ وَلَٰكِنَّ اللَّهَ يُسَلِّطُ رُسُلَهُ عَلَىٰ مَن يَشَاءُ ۚ وَاللَّهُ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ (6) مَا أَفَاءَ اللَّهُ عَلَىٰ رَسُولِهِ مِنْ أَهْلِ الْقُرَىٰ فَلِلَّهِ وَلِلرَّسُولِ وَلِذِي الْقُرْبَىٰ وَالْيَتَامَىٰ وَالْمَسَاكِينِ وَابْنِ السَّبِيلِ كَيْ لَا يَكُونَ دُولَةً بَيْنَ الْأَغْنِيَاءِ مِنكُمْ ۚ وَمَا آتَاكُمُ الرَّسُولُ فَخُذُوهُ وَمَا نَهَاكُمْ عَنْهُ فَانتَهُوا ۚ وَاتَّقُوا اللَّهَ ۖ إِنَّ اللَّهَ شَدِيدُ الْعِقَابِ (7) لِلْفُقَرَاءِ الْمُهَاجِرِينَ الَّذِينَ أُخْرِجُوا مِن دِيَارِهِمْ وَأَمْوَالِهِمْ يَبْتَغُونَ فَضْلًا مِّنَ اللَّهِ وَرِضْوَانًا وَيَنصُرُونَ اللَّهَ وَرَسُولَهُ ۚ أُولَٰئِكَ هُمُ الصَّادِقُونَ (8) وَالَّذِينَ تَبَوَّءُوا الدَّارَ وَالْإِيمَانَ مِن قَبْلِهِمْ يُحِبُّونَ مَنْ هَاجَرَ إِلَيْهِمْ وَلَا يَجِدُونَ فِي صُدُورِهِمْ حَاجَةً مِّمَّا أُوتُوا وَيُؤْثِرُونَ عَلَىٰ أَنفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ ۚ وَمَن يُوقَ شُحَّ نَفْسِهِ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ(9) وَالَّذِينَ جَاءُوا مِن بَعْدِهِمْ يَقُولُونَ رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا وَلِإِخْوَانِنَا الَّذِينَ سَبَقُونَا بِالْإِيمَانِ وَلَا تَجْعَلْ فِي قُلُوبِنَا غِلًّا لِّلَّذِينَ آمَنُوا رَبَّنَا إِنَّكَ رَءُوفٌ رَّحِيمٌ (10)"۔[58]

ترجمہ:" اور جو (مال) اللہ نے اپنے پیغمبر کو ان لوگوں سے (بغیر جنگ و لڑائی کے) دلوایا ہے اس میں تمہارا کچھ حق نہیں ، کیونکہ اس کے لئے نہ تم نے گھوڑے دوڑائے نہ اونٹ لیکن اللہ اپنے پیغمبروں کو جن پر چاہتا ہے مسلط کر دیتا ہے۔ اور اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔ جو مال اللہ نے اپنے پیغمبر کو دیہات والوں سے دلوایا ہے وہ اللہ کے اور پیغمبر کے اور (پیغمبر کے) قرابت والوں کے اور یتیموں کے اور حاجت مندوں کے اور مسافروں کے لئے ہے۔ تاکہ جو لوگ تم میں دولت مند ہیں ان ہی کے ہاتھوں میں نہ پھرتا رہے۔ سو جو چیز تم کو پیغمبر دیں وہ لے لو۔ اور جس سے منع کریں (اس سے) باز رہو۔ اور اللہ سے ڈرتے رہو۔ بے شک اللہ سخت عذاب دینے والا ہے۔ (اور) ان غریب تارک الوطن کے لئے بھی جو اپنے گھروں اور مالوں سے خارج (اور جدا) کر دیئے گئے ہیں (اور) اللہ کے فضل اور اس کی خوشنودی کے طلبگار اور اللہ اور اس کے پیغمبر کے مددگار ہیں۔ یہی لوگ سچے (ایماندار) ہیں۔ اور (ان لوگوں کے لئے بھی) جو مہاجرین سے پہلے (ہجرت کے) گھر (یعنی مدینے) میں مقیم اور ایمان میں (مستقل) رہے (اور) جو لوگ ہجرت کر کے ان کے پاس آتے ہیں ان سے محبت کرتے ہیں اور جو کچھ ان کو ملا اس سے اپنے دل میں کچھ خواہش (اور خلش) نہیں پاتے اور ان کو اپنی جانوں سے مقدم رکھتے ہیں خواہ ان کو خود احتیاج ہی ہو۔ اور جو شخص حرص نفس سے بچا لیا گیا تو ایسے لوگ مراد پانے

والے ہیں۔اور (ان کے لئے بھی) جو ان (مہاجرین) کے بعد آئے (اور) دعا کرتے ہیں کہ اے پروردگار ہمارے اور ہمارے بھائیوں کے جو ہم سے پہلے ایمان لائے ہیں گناہ معاف فرما اور مومنوں کی طرف سے ہمارے دل میں کینہ (وحسد) نہ پیدا ہونے دے۔اے ہمارے پروردگار تو بڑا شفقت کرنے والا مہربان ہے"۔

مالِ فئ کی تقسیم:۔ مندرجہ بالا آیتِ کریم کی روشنی میں "مالِ فئ" دراصل صرف اللہ اور رسول اللہ ﷺ کے لیے خاص تھا۔چونکہ اِس مال کے حصول میں اللہ تعالیٰ نے خود ہی بیان کر دیا ہے کہ اِس میں مجاہدین کی محنت شامل نہیں ہوتی،اِس لیے یہ صرف اور صرف اللہ اور اُس کے رسول ﷺ کے لیے خاص ہوگا۔اور پھر اُس کے ساتھ معاشرہ کے غریب طبقات کو بھی شامل کیا،اِس لحاظ سے "مالِ فئ" کی تقسیم یوں ہوگی۔

1-اللہ تعالیٰ　　2-رسول اللہ ﷺ　　3-رسول اللہ ﷺ کے رشتہ دار

4-یتیم　　5-حاجت مند　　6-مسافر۔

"مالِ فئ" کو حضور نبی کریم ﷺ اُسی دن تقسیم فرماتے تھے۔اِس مال سے غرباء کی کفالت،قرضداروں کی قرض کی ادائیگی،غیر شادی شدہ نوجوانوں کے لئے شادی کا بندوبست کرنا،مؤلفۃ القلوب،یتیموں اور بیواؤں کی مدد کی جاتی تھی۔نبی کریم ﷺ کے بعد یہ براہِ راست بیت المال میں جمع ہوتا تھا۔

7-صدقاتِ نافلہ اور ہنگامی چندے:۔ "صدقاتِ نافلہ اور ہنگامی چندے "اُس وقت کیے جاتے تھے جب بیت المال میں موجود سرمایہ کم پڑ جاتا تھا۔آپ ﷺ ایسے مواقع پر صحابہ کرام رضی اللہ عنہ کو اکٹھا کر کے چندے کی ترغیب دیتے تھے۔ایسے چندے ہنگامی حالات یا جنگی صورتحال میں کیے جاتے تھے۔اِس کی بہت ساری مثالیں ہمیں ملتی ہیں مثلاً غزوۂ تبوک کے موقع پر مدینہ منورہ کے مسلمان معاشی بدحالی کے شکار تھے،اور بیت المال کی آمدنی بھی بہت کم تھی،ایسے وقت میں نبی کریم ﷺ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہ کو غزوہ کے لیے تیاری اور مالی تعاون کیے لیے "ہنگامی چندے" کی ترغیب دی۔جیسا کہ ترمذی میں غزوۂ تبوک سے متعلق روایت ہے۔"عَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ خَبَّابٍ،قَالَ:شَهِدْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ يَحُثُّ عَلَى جَيْشِ العُسْرَةِ فَقَامَ عُثْمَانُ بْنُ عَفَّانَ فَقَالَ: يَا رَسُولَ اللهِ عَلَيَّ مِائَةُ بَعِيرٍ بِأَحْلَاسِهَا وَأَقْتَابِهَا فِي سَبِيلِ اللَّهِ، ثُمَّ حَضَّ عَلَى الجَيْشِ فَقَامَ عُثْمَانُ بْنُ عَفَّانَ فَقَالَ: يَا رَسُولَ اللهِ عَلَيَّ مِائَتَا بَعِيرٍ بِأَحْلَاسِهَا وَأَقْتَابِهَا فِي سَبِيلِ اللهِ، ثُمَّ حَضَّ عَلَى الجَيْشِ فَقَامَ عُثْمَانُ بْنُ عَفَّانَ فَقَالَ:يَا رَسُولَ اللهِ عَلَيَّ ثَلَاثُ مِائَةِ بَعِيرٍ بِأَحْلَاسِهَا وَأَقْتَابِهَا فِي سَبِيلِ اللهِ، فَأَنَا رَأَيْتُ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَنْزِلُ عَنِ المِنْبَرِ وَهُوَ يَقُولُ:"مَا عَلَى عُثْمَانَ مَا عَمِلَ بَعْدَ هَذِهِ، مَا عَلَى عُثْمَانَ مَا عَمِلَ بَعْدَ هَذِهِ"۔[59]

ترجمہ:۔"حضرت عبدالرحمن بن خباب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے،کہ (وہ) حضور نبی کریم ﷺ کی خدمت میں ایسے وقت حاضر ہوا جب کہ آپ ﷺ (منبر پر تشریف فرما تھے اور) جیشِ عُسرہ (غزوۂ تبوک) کے لئے مدد کرنے کی

لوگوں کو ترغیب دے رہے تھے تو عثمان رضی اللہ عنہ کھڑے ہوئے اور کہا کہ یارسول اللہ ﷺ میرے ذمے ہیں سو اُونٹ مع نمدوں اور کجاوؤں کے (یعنی میری طرف سے سواونٹ مع ساز وسامان کے) فی سبیل اللہ،اِس کے بعد رسول اللہ ﷺ نے پھر لوگوں کو لشکر کی مدد کی ترغیب دی، تو عثمان رضی اللہ عنہ پھر کھڑے ہو گئے اور کہا کہ یارسول اللہ ﷺ میرے ذمے ہیں (مزید) دوسواونٹ مع نمدوں اور کجاوؤں کے فی سبیل اللہ،اِس کے بعد رسول اللہ ﷺ نے لشکر کی امداد کے لئے ترغیب فرمائی تو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ (تیسری مرتبہ) پھر کھڑے ہو گئے اور کہا یارسول اللہ ﷺ میرے ذمے تین سواونٹ مع نمدوں اور کجاوؤں کے فی سبیل اللہ،(حضرت عبدالرحمن بن خباب رضی اللہ عنہ کہتے ہیں) میں نے دیکھا کہ رسول اللہ ﷺ منبر سے اُتر رہے تھے اور فرماتے تھے،"عثمان رضی اللہ عنہ اپنے اِس عمل اوراِس مالی قربانی کے بعد جو بھی کریں اس سے اُن کو کوئی نقصان نہیں پہنچے گا"یہ بات آپ ﷺ نے مکرر ارشاد فرمائی"۔

اسی طرح غزوۂ تبوک کے لئے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کا گھر کا پورا مال لے حاضر ہونا، حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا گھر کا آدھا مال پیش کرنا، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا ایک ہزار دینار اور حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ کا دوسواوقیہ چاندی بطورِ چندہ پیش کرنا۔ لیکن یہ ضروری نہیں تھا، چونکہ کبھی کبھاراِس قسم کے چندے اور صدقات اُس اسلامی معاشرے میں موجود غرباء، مسافر اور دیگر مصالح عالمہ کے لیے بھی کیے جاتے تھے۔ جیساکہ صحیح مسلم میں روایت ہے۔"عَنْ جَرِيرٍ، قَالَ: كُنَّا عِنْدَ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي صَدْرِ النَّهَارِ، قَالَ: فَجَاءَهُ قَوْمٌ حُفَاةٌ عُرَاةٌ مُجْتَابِي النِّمَارِ أَوِ الْعَبَاءِ، مُتَقَلِّدِي السُّيُوفِ، عَامَّتُهُمْ مِنْ مُضَرَ، بَلْ كُلُّهُمْ مِنْ مُضَرَ فَتَمَعَّرَ وَجْهُ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِمَا رَأَى بِهِمْ مِنَ الْفَاقَةِ، فَدَخَلَ ثُمَّ خَرَجَ، فَأَمَرَ بِلَالًا فَأَذَّنَ وَأَقَامَ، فَصَلَّى ثُمَّ خَطَبَ فَقَالَ: (يَا أَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوا رَبَّكُمُ الَّذِي خَلَقَكُمْ مِنْ نَفْسٍ وَاحِدَةٍ- سورة النساء: 1) إِلَى آخِرِ الْآيَةِ، (إِنَّ اللهَ كَانَ عَلَيْكُمْ رَقِيبًا - سورةالنساء: 1) وَالْآيَةَ الَّتِي فِي الْحَشْرِ: (اتَّقُوا اللهَ وَلْتَنْظُرْ نَفْسٌ مَا قَدَّمَتْ لِغَدٍ وَاتَّقُوا اللهَ - سورةالحشر: 18) "تَصَدَّقَ رَجُلٌ مِنْ دِينَارِهِ، مِنْ دِرْهَمِهِ، مِنْ ثَوْبِهِ، مِنْ صَاعِ بُرِّهِ، مِنْ صَاعِ تَمْرِهِ - حَتَّى قَالَ - وَلَوْ بِشِقِّ تَمْرَةٍ" قَالَ: فَجَاءَ رَجُلٌ مِنَ الْأَنْصَارِ بِصُرَّةٍ كَادَتْ كَفُّهُ تَعْجِزُ عَنْهَا، بَلْ قَدْ عَجَزَتْ، قَالَ: ثُمَّ تَتَابَعَ النَّاسُ، حَتَّى رَأَيْتُ كَوْمَيْنِ مِنْ طَعَامٍ وَثِيَابٍ، حَتَّى رَأَيْتُ وَجْهَ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَتَهَلَّلُ، كَأَنَّهُ مُذْهَبَةٌ، فَقَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "مَنْ سَنَّ فِي الْإِسْلَامِ سُنَّةً حَسَنَةً، فَلَهُ أَجْرُهَا، وَأَجْرُ مَنْ عَمِلَ بِهَا بَعْدَهُ، مِنْ غَيْرِ أَنْ يَنْقُصَ مِنْ أُجُورِهِمْ شَيْءٌ، وَمَنْ سَنَّ فِي الْإِسْلَامِ سُنَّةً سَيِّئَةً، كَانَ عَلَيْهِ وِزْرُهَا وَوِزْرُ مَنْ عَمِلَ بِهَا مِنْ بَعْدِهِ، مِنْ غَيْرِ أَنْ يَنْقُصَ مِنْ أَوْزَارِهِمْ شَيْءٌ "۔[60]

ترجمہ:۔ حضرت جریر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ہم دن کے ابتدائی حصے میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر تھے کہ آپ کے پاس کچھ لوگ ننگے پاؤں ننگے بدن سوراخ کرکے دن کی دھاری دار چادریں بائیں گلے میں ڈالے

اور تلواریں لٹکائے ہوئے آئے ان میں سے اکثر بلکہ سب کے سب مضر قبیلے سے تھے ان کی فاقہ زدگی کو دیکھ کر رسول اللہ ﷺ کا رُخِ انور غمزدہ ہو گیا آپ اندر تشریف لے گئے پھر باہر نکلے تو بلال رضی اللہ عنہ کو حکم دیا انھوں نے اذان دی اور اقامت کہی آپ نے نماز ادا کی، پھر خطبہ دیا اور فرمایا: "اے لوگو! اپنے رب سے ڈرو جس نے تمہیں ایک جان سے پیدا کیا۔۔ آیت کے آخر تک "بیشک اللہ تم پر نگران ہے اور وہ آیت جو سورۃ حشر میں ہے اللہ سے ڈرو اور ہر جان دیکھے کہ اس نے کل کے لیے آگے کیا بھیجا ہے (پھر فرمایا) آدمی پر لازم ہے کہ وہ اپنے دینار سے اپنے درہم سے اپنے کپڑے سے اپنی گندم کے ایک صاع سے اپنی کھجور کے ایک صاع سے۔ حتیٰ کہ آپ نے فرمایا:۔۔۔ چاہے کھجور کے ایک ٹکڑے کے ذریعے سے صدقہ کرے (جریر نے) کہا: تو انصار میں سے ایک آدمی ایک تھیلی لایا اس کی ہتھیلی اس (کو اٹھانے) سے عاجز آنے لگی تھی بلکہ عاجز آگئی تھی کہا: پھر لوگ ایک دوسرے کے پیچھے آنے لگے یہاں تک کہ میں نے کھانے اور کپڑوں کے دو ڈھیر دیکھے حتیٰ کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کا چہرہ مبارک دیکھا وہ اس طرح دمک رہا تھا جیسے اس پر سونا چڑھا ہوا ہو۔ پھر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا" جس نے اسلام میں کوئی اچھا طریقہ رائج کیا تو اس کے لیے اس کا (اپنا بھی) اجر ہے اور ان کے جیسا اجر بھی جنھوں نے اس کے بعد اس (طریقے) پر عمل کیا اس کے بغیر کہ ان کے اجر میں کوئی کمی ہو اور جس نے اسلام میں کسی برے طریقے کی ابتدا کی اس کا بوجھ اسی پر ہے اور ان کا بوجھ بھی جنھوں نے اس کے بعد اس پر عمل کیا اس کے بغیر کہ ان کے بوجھ میں کوئی کمی ہو"۔

اسی طرح مدینہ منورہ میں حضور نبی کریم ﷺ کی ترغیب پر حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کا یہودی سے کنواں خرید کر سب لوگوں کے لئے وقف کرنا، جیسا کہ طبرانی میں یہ روایت ہے۔"عَنْ أَبِي سَلَمَةَ بِشْرِ بْنِ بَشِيرٍ الْأَسْلَمِيِّ، عَنْ أَبِيهِ، قَالَ: لَمَّا قَدِمَ الْمُهَاجِرُونَ الْمَدِينَةَ اسْتَنْكَرُوا الْمَاءَ، وَكَانَتْ لِرَجُلٍ مِنْ بَنِي غِفَارٍ عَيْنٌ يُقَالُ لَهَا رُومَةُ، وَكَانَ يَبِيعُ مِنْهَا الْقِرْبَةَ بِمُدٍّ فَقَالَ لَهُ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ:"بِعْنِيها بِعَيْنٍ فِي الْجَنَّةِ"، فَقَالَ:يَا رَسُولَ اللهِ لَيْسَ لِي،وَلَا لِعِيَالِي غَيْرُهَا، لَا أَسْتَطِيعُ ذَلِكَ، فَبَلَغَ ذَلِكَ عُثْمَانَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ فَاشْتَرَاهَا بِخَمْسَةٍ وَثَلَاثِينَ أَلْفَ دِرْهَمٍ، ثُمَّ أَتَى النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ: يَا رَسُولَ اللهِ أَتَجْعَلُ لِي مِثْلَ الَّذِي جَعَلْتَهُ له عَيْنًا فِي الْجَنَّةِ إِنِ اشْتَرَيْتُهَا؟ قَالَ: نَعَمْ ، قَالَ: قَدِ اشْتَرَيْتُهَا، وَجَعَلْتُهَا لِلْمُسْلِمِينَ "۔[61]

ترجمہ:۔"حضرت ابو سلمہ بشر بن بشیر اسلمی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں، انہوں نے فرمایا، جب مہاجرین مدینہ منورہ آئے تو پانی کو ناموافق پایا، اور قبیلہ بنو غفار کے ایک شخص کے پاس ایک کنواں تھا جسے "رومہ" کہا جاتا تھا، وہ شخص اس کنویں سے ایک مشک پانی ایک مُد کے بدلہ فروخت کرتا تھا، تو حضور اکرم ﷺ نے اِس شخص سے فرمایا: تم اس کنویں کو مجھے جنت کے ایک چشمہ کے عوض بیچ دو! تو اس نے عرض کیا: یارسول اللہ ﷺ! میرے اور میرے گھر والوں کے لئے اس کے سوا (کمائی کا) کوئی اور ذریعہ نہیں ہے لہذا میں اسے بیچنے کی

استطاعت نہیں رکھتا۔جب یہ بات حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کو معلوم ہوئی تو آپ نے اسے پینتیس ہزار درہم کے عوض خرید لیا، پھر حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا: یارسول اللہ ﷺ !اگر میں اس کنویں کو خرید لوں تو کیا آپ ﷺ جنت کا چشمہ میرے لئے مقرر کر دیں گے جس طرح آپ ﷺ نے اس شخص کے لئے جنت کا چشمہ مقرر کیا تھا، آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ہاں !انہوں نے عرض کیا: یقیناً میں نے اس کو خرید لیا اور مسلمانوں کے لئے وقف کر دیا"۔

8-قرضِ حسنہ:۔بیت المال کے آمدنی کا ایک اہم ذریعہ "قرضِ حسنہ" بھی تھا۔اِس قسم کے قرضے حضور نبی کریم ﷺ ہنگامی صورتحال کے موقع پر لیتے تھے۔حضور نبی کریم ﷺ اِس قسم کے قرضے امیر افراد سے لیتے تھے ،چاہے مسلمانوں سے ہو یا مدینہ کے یہودیوں سے یا کفار سے ،مثلاً حضور نبی کریم ﷺ نے غزوہ حنین کے موقع پر صفوان بن اُمیہ سے قرض لیا۔اسی طرح ابو جہل کے مادر زاد بھائی عبداللہ بن ربیعہ سے تیس ہزار کا قرض لیا۔[62]

واقدیؒ نے یہ بھی لکھا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت ابو بکر صدیقؓ سے قرض لے کر دو اونٹ بھی خریدے تھے جن کو اپنے اہل و عیال کو مکہ مکرمہ سے لانے کے لیے بھیجا تھا۔ایک غزوہ میں حضرت جابر سے بھی ایک اونٹ چالیس درہم کا خریدا تھا جو انھیں کو دے دیا۔امام بخاریؒ نے یہ روایت " صحیح بخاری" میں ذکر کیا ہے۔[63]

9-اَوقاف:۔"اوقاف"کامال بھی رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں بیت المال کا ایک اچھا ذریعۂ آمدن تھا۔"اوقاف "کا مطلب ہے فلاح انسانیت کے لئے اپنے جائیداد میں سے کچھ وقف کرنا۔جیسا کہ مولانا حفظ الرحمن سیوہارویؒ نے لکھا ہے۔

"جو جائیداد یا کوئی شئے خدا کے نام پر وقف ہو،اُس کی آمدنی فقراء، مساکین، مسافر،قرض خواہوں،ذوی القربیٰ، یتامیٰ وغیرہ پر صرف کی جائے اور اِس کو نہ کوئی فروخت کر سکتا ہے اور نہ واقف کے ورثاء میں تقسیم ہو سکتی ہے"۔[64]

نبی کریم ﷺ کے زمانے میں اوقاف دو طرح کا تھا۔

1-اِس قسم کے اوقاف کا مال صحابہ کرام رضی اللہ عنہ اُس وقت وقف کرتے تھے جب نبی کریم ﷺ ترغیب فرماتے تھے۔مثلاً ایک موقع پر آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا۔" إِذَا مَاتَ الْإِنْسَانُ انْقَطَعَ عَنْهُ عَمَلُهُ إِلَّا مِنْ ثَلَاثَةٍ: إِلَّا مِنْ صَدَقَةٍ جَارِيَةٍ، أَوْ عِلْمٍ يُنْتَفَعُ بِهِ، أَوْ وَلَدٍ صَالِحٍ يَدْعُو لَهُ "۔[65]

ترجمہ:۔"جب انسان مر جاتا ہے تو اُس کے تمام اعمال ختم ہو جاتے ہیں ،مگر تین اعمال اِس سے مستثنیٰ ہیں:ایک صدقہ جاریہ،دوسرا علم نافع اور تیسرا نیک اولاد جو اُس (میت) کے لئے ہر وقت دعا مانگتا رہتا ہے"۔

آپ ﷺ کی اِن ترغیبات کی بدولت صحابہ کرام رضی اللہ عنہ نے اپنی قیمتی جائیدادوں کو اللہ کے راستے میں وقف کر دیا۔ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کا جب مال خرچ کرنے کے بارے میں حکم نازل ہوا تو اس موقع پر حضرت ابو طلحہ رضی اللہ عنہ کے عمل کو اِس حدیث میں یوں بیان کیا گیا ہے۔"أَنَسَ بْنَ مَالِكٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ، يَقُولُ: كَانَ أَبُو طَلْحَةَ أَكْثَرَ أَنْصَارِيٍّ بِالْمَدِينَةِ مَالًا مِنْ نَخْلٍ، أَحَبُّ مَالِهِ إِلَيْهِ بَيْرُحَاءَ، مُسْتَقْبِلَةَ المَسْجِدِ وَكَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَدْخُلُهَا وَيَشْرَبُ مِنْ مَاءٍ فِيهَا طَيِّبٍ، قَالَ أَنَسٌ: فَلَمَّا نَزَلَتْ: ("لَنْ تَنَالُوا البِرَّ حَتَّى تُنْفِقُوا مِمَّا تُحِبُّونَ – سورة آل عمران: 92)، قَامَ أَبُو طَلْحَةَ فَقَالَ: يَا رَسُولَ اللَّهِ، إِنَّ اللَّهَ يَقُولُ: "لَنْ تَنَالُوا البِرَّ حَتَّى تُنْفِقُوا مِمَّا تُحِبُّونَ – سورة آل عمران: 92) وَإِنَّ أَحَبَّ أَمْوَالِي إِلَيَّ بَيْرُحَاءَ، وَإِنَّهَا صَدَقَةٌ لِلَّهِ أَرْجُو بِرَّهَا وَذُخْرَهَا عِنْدَ اللَّهِ، فَضَعْهَا حَيْثُ أَرَاكَ اللَّهُ، فَقَالَ: "بَخْ، ذَلِكَ مَالٌ رَابِحٌ أَوْ رَايِحٌ - شَكَّ ابْنُ مَسْلَمَةَ - وَقَدْ سَمِعْتُ مَا قُلْتَ، وَإِنِّي أَرَى أَنْ تَجْعَلَهَا فِي الأَقْرَبِينَ "، قَالَ أَبُو طَلْحَةَ: أَفْعَلُ ذَلِكَ يَا رَسُولَ اللَّهِ، فَقَسَمَهَا أَبُو طَلْحَةَ فِي أَقَارِبِهِ، وَفِي بَنِي عَمِّهِ"۔[66]

ترجمہ:۔"حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ابو طلحہ رضی اللہ عنہ مدینہ کے انصار صحابہ میں امیر ترین شخص تھے۔اُن کا کھجور کا ایک باغ تھا، جس میں ٹھنڈا اور میٹھا پانی تھا، مسجدِ نبوی کے بالکل قریب تھا، نبی کریم ﷺ اِس باغ میں تشریف لے جاتے تھے اور اِس کا ٹھنڈا پانی نوش فرمایا کرتے تھے، جب قرآن مجید کی یہ آیت "ترجمہ: تم اُس وقت تک نیکی اور بھلائی کو ہرگز نہیں پہنچ سکتے جب تک تم اپنی وہ چیز خرچ نہ کردو جو تمہیں سب سے زیادہ عزیز ہے (سورۃ آل عمران:92)" نازل ہوئی تو حضرت ابو طلحہ رضی اللہ عنہ کھڑے ہوئے اور عرض کیا: یا رسول ﷺ! مجھے سب سے زیادہ عزیز اپنا باغ بیر حاء ہے۔ وہ آج سے اللہ کے لئے صدقہ (وقف) ہے۔ آپ ﷺ کو اختیار ہے جہاں اور جیسے چاہے اِس میں تصرف فرمائیں۔ چنانچہ آپ ﷺ نے اِس باغ کی آمدن کو انہی کے اعزہ اور اقرباء کے لئے وقف فرمادیا"۔

2-دوسری قسم کا اوقاف کا مال وہ تھا جو کہ نبی کریم ﷺ کے ذاتی اوقاف تھے۔اِس قسم کا مال آپ ﷺ اپنی صوابدید پر خرچ کیا کرتے تھے۔ جیسا کہ سیرتِ ابن ہشام میں "مخریق کی جائیداد" کے واقعہ کو نقل کیا گیا ہے۔"وكان رجلا غنيا كثير الاموال من النخل وكان يعرف رسول الله صلى الله عليه وسلم بصفته وما يجد في علمه وغلب عليه دينه فلم يزل على ذلك حتى إذا كان يوم احد وكان يوم أحد يوم السبت قال يا معسر يهود والله إنكم لتعلمون أن نصر محمد عليكم لحق قالوا إن اليوم يوم السبت قال لا سبت لكم ثم اخذ سلاحه فخرج حتى أتى رسول الله صلى الله عليه وسلم بأحد وعهد إليه من وراءه من قومه إن قتلت هذا اليوم فأموالي لمحمد صلى الله عليه وسلم يصنع فيها ما أراه الله فلما اقتتل الناس قاتل حتى قتل فكان رسول الله صلى الله عليه وسلم فيما بلغني يقول مخريق خير يهود وقبض

رسول الله صلى الله عليه وسلم أمواله فعامة صدقات رسول الله صلى الله عليه وسلم بالمدينة منها "۔[67]

مخریق بنو قینقاع قبیلہ کا ایک یہودی تھا،بہت امیر اورمالدار تھا۔اِن کے سات باغات تھے،حضور نبی کریم ﷺ سے بہت محبت کیا کرتے تھے۔غزوۂ اُحد میں شرکت کرکے مسلمانوں کی طرف سے لڑے۔آپ نے یہ وصیت کی کہ اِس غزوہ میں مرنے کے بعد میرے سارے اموال رسول اللہ ﷺ کے لئے وقف ہیں۔چنانچہ وہ اِسی غزوہ میں قتل کئے گئے،چنانچہ اُس کے ساتوں باغات حضور نبی کریم ﷺ کے قبضہ میں آئے۔اور پھر آپ ﷺ نے اِن تمام باغات کوعام مسلمانوں کی فلاح وبہبود کے لئے وقف کردیا۔

10-تحفےاورہدایا:۔ حضور نبی کریم ﷺ کے زمانے میں بیت المال کی آمدن کاایک اورذریعہ آپ ﷺ کو ملنے والے "ہدایااور تحائف"کا تھا۔یہ ہدایاعام صحابہ کرام رضی اللہ عنہ سے لے کر بڑے بڑے بادشاہوں کی طرف سے پیش کئے جاتے تھے۔آپ ﷺ اِن ہدایا کو عام فقیر اور غریب مسلمانوں میں فوراً تقسیم فرماتے تھے۔اِن ہدایا میں کھانے پینے کی اشیاء سے لے کر نقدی،کپڑے،جانوراورلونڈی غلام شامل ہوتے تھے۔

جب رسول اللہ ﷺ نے حبشہ کے بادشاہ نجاشی کواسلام قبول کرنے کے لیے خط لکھاتو نجاشی نے آپ ﷺ کے قاصد کا بہت احترام کیااور قاصد کورسول اللہ ﷺ کے لیے کئی قیمتی تحفے تحائف دے کرروانہ کیا،جن میں قیمتی کپڑے بھی شامل تھے۔اسی طرح شاہِ حبشہ نے حضرت اُمّ حبیبہ رضی اللہ عنہ بنتِ ابوسفیان کا نکاح حضور ﷺ سے کروایااور400دینار حق مہراپنی طرف سے بطورِ ہدیہ اداکیا۔[68]

اسی طرح شاہِ مقوقس نے آپ ﷺ کی خدمت میں100دینار،2عدد لونڈیاں،مشہور قبطی کپڑوں کے20جوڑے،بنہاکاشہد،خوشبو،شیشے کاپیالہ اور سواری کے لیے دُلدل نامی خچر بھیجا۔[69]

نبی کریم ﷺ صدقہ قبول نہیں کرتے تھے،ہدایااور تحائف بخوشی قبول فرماتے تھے اوراکثر اَوقات تحفہ بھیجنے والے کواُس سے بہتر تحفہ روانہ کیا کرتے تھے۔اِن تحائف میں مسلمانوں کے تحائف کے علاوہ مدینہ کے غیر مسلموں کی طرف سے ہدایاکے ساتھ ساتھ غیر ملکی حکمرانوں کے تحائف بھی شامل تھے۔

11-لگان/اجارہ:۔ بیت المال کی آمدنی کاایک ذریعہ لگان اجارہ یاٹھیکہ بھی ہوتا تھا۔اِس سے مرادیہ ہے کہ زمین کا کوئی ٹکڑاکاشت کے لئے/کاروبار کے لئے کسی شخص کودینا،اِس شرط پر کہ وہ اِس کے منافع کاایک متعین اور خاص حصہ بیت المال میں جمع کرے گا۔جیساکہ رسول اللہ ﷺ سے بنو متعان کے ایک شخص ہلال نے درخواست کی کہ وہ وادی سلبہ میں شہد کی مکھیاں پالناچاہتاہے۔آپ ﷺ نے اِس شرط پر دی کہ وہ اِس کا عشر بیت المال میں جمع کرے گا۔حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے بھی اِس اجارہ کو قائم رکھا۔[70]

6-عاملین کا تقرر:۔ کسی بھی حکومت کے معاشی ومالی نظام کو چلانے کے لئے ماہرینِ معیشت کا ہونا بہت ضروری ہے ۔اول تو رسول اللہ ﷺ بذاتِ خود بہت بڑے ماہرِ معیشت تھے۔آپ ﷺ نے اپنے ساتھ ایک جماعت بھی تیار کی جو مدینہ منورہ کے اُس اسلامی ریاست کے معاشی وبیت المال کے نظام کو چلاتے تھے۔اللہ تعالی نے قرآن مجید میں عاملین کا ذکر کیا۔

حضور نبی کریم ﷺ نے اِس پورے مالی نظام کو چلانے کے لئے عاملین اور مالی آفسروں کا تقرر کیا۔ان عاملین کا بنیادی کام زکوۃ،صدقات اور دیگر بیت المال کے آمدنی کے ذرائع کو وصول کرنا،کنڑول کرنا اور تقسیم کرنا تھا۔اِن کی باقاعدہ تنخواہ مقرر ہوتی تھی۔اِن عاملین میں اکثریتی ذمہ داران قبائل کی سطح پر وصولی کرتے تھے اور پھر مرکزی عاملین کے حوالے کرتے تھے۔پروفیسر یسین مظہر صدیقی نے "عہدِ نبوی ﷺ کا نظام حکومت" میں رسول اللہ ﷺ کے مختلف قبائل وعلاقوں میں متعین کردہ عاملین صحابہ کرام رضی اللہ عنہ کا تفصیلاً یوں ذکر کیا ہے۔[71]

نمبر شمار	نام	علاقہ/قبیلۂ تقرری
1	حضرت اُبی بن کعب خزرجی رضی اللہ عنہ	سعد ہذیم/جذام
2	حضرت عنبی خزرجی رضی اللہ عنہ	--"--
3	حضرت ولید بن عقبہ اموی رضی اللہ عنہ	بنو مصطلق
4	حضرت عباد بن بشر اوسی رضی اللہ عنہ	--"--
5	حضرت عمرو بن عاص سہمی رضی اللہ عنہ	ہوازن/حنین/غطفان/فزارہ/قضاعہ اور عمان
6	حضرت کلاب بن امیہ لیثی رضی اللہ عنہ	ثقیف
7	سالف بن عثمان بن معتب ثقفی رضی اللہ عنہ	--"--
8	حضرت بسر بن سفیان عدوی قریشی رضی اللہ عنہ	خزاعہ/کعب
9	حضرت بریدہ بن حصیب اسلمی رضی اللہ عنہ	غفار واسلم
10	حضرت رافع بن مکیث جہنی رضی اللہ عنہ	جہینہ
11	حضرت عباد بن بشر اوسی رضی اللہ عنہ	مزینہ اور سُلیم
12	حضرت ضحاک بن سفیان کلابی رضی اللہ عنہ	کلاب/عامر بن صعصعہ
13	حضرت معاذ بن جبل خزرجی رضی اللہ عنہ	قریٰ عربیہ
14	حضرت عکرمہ رضی اللہ عنہ بن ابو جہل مخزومی	ہوازن

15	حضرت حذیفہ بن یمان ازدی رضی اللہ عنہ	اَزد
16	حضرت معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ	اقیال حضرِ موت
17	حضرت عیینہ بن حصن فزاری رضی اللہ عنہ	تمیم
18	ابن اللبتیہ ازدی رضی اللہ عنہ	بنوظبیان
19	سنان بن ابی سنان اسدی رضی اللہ عنہ	بنومالک
20	حضرت قضاعی بن عمرو عذری رضی اللہ عنہ	بنوحارث
21	حضرت عکرمہ بن خصفہ ہوازنی رضی اللہ عنہ	بدی/بسر وحلیف قبائل
22	حضرت عبادہ بن صامت خزرجی رضی اللہ عنہ	--"--
23	حضرت ارقم بن الارقم مخزومی رضی اللہ عنہ	--"--
24	حضرت زیاد بن حنظلہ تمیمی رضی اللہ عنہ	--"--
25	حضرت عمر بن خطاب عدوی قریشی رضی اللہ عنہ	--"--
26	عبداللہ بن خطل ادرم بن غالب [72]	--"--

7-"سُود" کی حرمت اور ممانعت:۔سُود کو عربی زبان میں "رِبوا" کہتے ہیں جس کے لغوی معنٰی ہے "نفع، فائدہ، بھلائی، بہتری اور اضافہ "۔جب کہ شرعی اصطلاح میں سُود "اُس متعین اور طے شدہ اضافی رقم کو کہا جاتا ہے جو مقروض قرض دینے والے کو اصل سرمائے کے ساتھ واپس کرتا ہے یا وہ اضافی رقم جو بیع کے نتیجے میں واجب ہونے والی رقم کی ادائیگی میں تاخیر کی بناپر وصول کی جائے" یا "قرض دیے ہوئے روپے پر نفع"۔[73]

امام سرخسیؒ نے "ربوا/سُود" کی تعریف یوں لکھی ہے۔" فَأَمَّا الرِّبَا فِي اللُّغَةِ هُوَ الزِّيَادَةِ"۔[74]

ترجمہ:۔"پس "ربوا" لغت میں زیادتی کو کہتے ہیں"۔

"فَالْفَضْلُ الْخَالِي عَنْ الْعِوَضِ إذَا دَخَلَ فِي الْبَيْعِ"۔

ترجمہ:۔"وہ مشروط اضافہ جو معاہدۂ لین دین میں بغیر کسی حق کے حاصل کیا جائے"۔

مولانا حفظ الرحمن سیوہارویؒ کے نزدیک "ربوا" مال میں ایک خاص قسم کے نفع(اضافہ) کا نام ہے۔[75]

انگریزی زبان میں سُود/ربوا کے لئے "Interest and Usury" کے الفاظ استعمال ہوتے ہیں۔سُود خواہ کسی غریب و مسکین سے لیا جائے یا کسی سرمایہ دار وامیر سے لیا جائے، حرام و منع ہے۔ یہ ایک ایسی لعنت ہے جس سے معاشرے میں نہ صرف معاشی استحصال، مفت خوری، خود غرضی، حرص، لالچ و طمع، شقاوت و سخت دِلّی، سرمایہ پرستی

، مفاد پرستی، زر پرستی اور کنجوسی و بخل جیسے بُرے اخلاقیات پیدا ہوتی ہیں، اِس کی وجہ سے معاشی اور اقتصادی تباہ کاریاں پیدا ہوتی ہیں اس لیے دینِ اسلام سُود کو کسی صورت میں برداشت نہیں کرتا۔ قرآن مجید نے نہ صرف اِسے قطعی حرام قرار دیا ہے بلکہ اِسے اللہ اور اُس کے رسول ﷺ کے ساتھ جنگ جیسے حرام و ممنوع عمل قرار دیا ہے۔ سُود کی تاریخ بھی بہت پرانی ہے۔ جاہلیت کے دور کا اگر مطالعہ کیا جائے تو عرب کے معاشرے میں سُود کو صرف قرض اور دَین تک ہی محدود سمجھتے تھے، تجارت اور بیع میں سُود کو جائز سمجھتے تھے۔ عرب کے ہاں مختلف قسم کے سودی لین ہوا کرتے تھے۔

1- عرب کے ہاں سُود کا ایک یہ طریقہ عام رائج تھا کہ صاحبِ سرمایہ کسی ضرورت مند کو نقد رقم دیتا تھا اور اِس پر خاص تناسب سے معین مدت کے لئے کچھ مقدار سُود کے طور پر وصول کرتا تھا۔

2- پہلی صورت میں اگر قرض لینے والا معین مدت تک اصلی رقم اور سُود واپس نہ کر پاتا تو اگلے مرحلے میں اصلی رقم اور سودی رقم کو اکٹھا کر کے اصلی رقم قرار دے کر اس مجموعہ پر نئے سرے سے معاہدہ کے تحت سود مقرر کرتے۔

3- تیسری صورت یہ ہوا کرتی تھی کہ کوئی ضرورت مند اپنے پاس موجود زیور، لباس، ہتھیار یا قیمتی اشیاء کسی امیر / سرمایہ دار شخص کے پاس رہن کے طور پر رکھ لیتا اور معین مدت کے لئے اُس امیر سے قرض لیتا۔ پھر اگر وہ معین مدت میں قرض کو واپس نہ کر پاتا تو اُس قرض پر سود لگا لیتے۔ پھر بھی اگر مقروض شخص قرض واپس نہ کر پاتا تو قرض دینے والا شخص رہن کے طور پر رکھنے والے اشیاء کو ضبط کر لیتا۔

اسلام نے سُود کے مذکورہ بالا تمام اقسام کو حرام قرار دیا، چنانچہ ارشادِ ربانی ہے۔

"وَمَا آتَيْتُم مِّنْ رِّباً لِّيَرْبُوَ فِيْ أَمْوَالِ النَّاسِ فَلَا يَرْبُوْ عِنْدَ اللهِ وَمَا آتَيْتُمْ مِّنْ زَكَاةٍ تُرِيْدُوْنَ وَجْہَ اللهِ فَأُوْلَئِکَ ہُمُ الْمُضْعِفُوْنَ"۔[76]

"تم جو سود دیتے ہو تا کہ وہ لوگوں کے اموال میں مزید بڑھ جائے، تو یہ اللہ کے نزدیک نہیں بڑھتا اور جو زکوٰۃ تم اللہ کے لیے دیتے ہو تو انہی لوگوں کو دوہرا اَجر ملے گا"۔

ارشادِ ربانی ہے۔"يٰأَيُّهَا الَّذينَ ءامَنوا لا تَأكُلُوا الرِّبوٰا أَضعٰفًا مُضٰعَفَةً ۖ وَاتَّقُوا اللَّهَ لَعَلَّكُم تُفلِحونَ"۔[77]

ترجمہ۔"اے ایمان والو! سُود کو دُگنا چوگنا کر کے مت کھاؤ اور اللہ سے ڈرتے رہو تا کہ تم (آخرت میں) نجات پا سکو"۔

ایک اور مقام پر ارشاد ہے۔"يٰأَيُّهَا الَّذينَ ءامَنُوا اتَّقُوا اللهَ وَذَروا ما بَقِيَ مِنَ الرِّبوٰا إِن كُنتُم مُؤمِنينَ ۔ فَإِن لَم تَفعَلوا فَأذَنوا بِحَربٍ مِنَ اللهِ وَرَسولِهِ ۖ وَإِن تُبتُم فَلَكُم رُءوسُ أَموٰلِكُم لا تَظلِمونَ وَلا تُظلَمونَ"۔[78]

"اے ایمان والو! اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور جو سُود باقی رہ گیا ہے، اُسے چھوڑ دو اگر تم مؤمن ہو۔ اور اگر تم نے سُود نہ چھوڑا تو

اللہ تعالیٰ اوراس کے رسول ﷺ کے ساتھ لڑنے کے لیے تیار ہو جاؤ۔ہاں اگر توبہ کرلو تو تمہارا اصل مال تمہارا ہی ہے،نہ ظلم کرو،نہ تم پر ظلم کیا جائے"۔

اللہ تعالیٰ نے مزید فرمایا۔"وَأَخْذِ هِمُ الرِّبَا وَقَدْ نُهُوْا عَنْہُ "۔[79]

"اوران کاسود لیناحالانکہ ان کو منع کردیا گیاہے۔"

ایک اور مقام پر فرمایا۔"الَّذينَ يَأكُلونَ الرِّبوٰا لا يَقومونَ إِلّا كَما يَقومُ الَّذى يَتَخَبَّطُهُ الشَّيطـٰنُ مِنَ المَسِّ ۚ ذٰلِكَ بِأَنَّهُم قالوا إِنَّمَا البَيعُ مِثلُ الرِّبوٰا ۗ وَأَحَلَّ اللهُ البَيعَ وَحَرَّمَ الرِّبوٰا ۚ فَمَن جاءَهُ مَوعِظَةٌ مِن رَبِّهِ فَانتَهىٰ فَلَهُ ما سَلَفَ وَأَمرُهُ إِلَى اللهِ ۖ وَمَن عادَفَأُولـٰئِكَ أَصحـٰبُ النّارِ ۖ هُم فيهاخـٰلِدونَ"۔[80]

ترجمہ:۔"جولوگ سُود کھاتے ہیں وہ یوں کھڑے ہوں گے جیسے شیطان نے کسی شخص کو چھوکر مخبوط الحواس بنادیا ہو۔اس کی وجہ ان کا یہ قول ہے کہ تجارت بھی توآخر سُود کی طرح ہے،حالانکہ اللہ نے تجارت کو حلال قرار دیاہے اور سُود کو حرام،جس شخص کواس کے ربّ کی طرف سے یہ نصیحت پہنچ گئی اور وہ سُود سے رک جائے توپہلے جو سُود کھاچکااس کا معاملہ اللہ کے سپرد ہے مگر جو پھر بھی سُود کھائے تویہی لوگ دوزخی ہیں، جس میں ہمیشہ رہیں گے"۔

حضرت علیؓ سے مروی ہے کہ حضور نبی کریم ﷺ نے فرمایا۔"كُلُّ قَرْضٍ جَرَّ مَنْفعَةً فَهُوَ رِبًا"۔[81]

ترجمہ:۔"ہر وہ قرض جو فائدے کا باعث بنے،وہ سُود ہے۔"

حضرت ابوہریرۃ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا۔

"اجْتَنِبُوا السَّبْعَ الْـمُوْبِقَاتِ قَالُوْا يَا رَسُوْلَ اللهِ وَمَا هُنَّ؟ قَالَ: الشِّرْكُ بِاللهِ وَالسِّحْرُ وَقَتْلُ النَّفْسِ الَّتِیْ حَرَّمَ اللهُ إِلَّا بِالْحَقِّ وَأَكْلُ الرِّبٰوا وَأَكْلُ مَالِ الْيَتِيْمِ وَالتَّوَلِّیْ يَوْمَ الزَّحْفِ وَقَذْفُ الْـمُحْصَنَاتِ الْـمُؤْمِنَاتِ الْغَافِلَاتِ"۔[82]

"سات مہلک گناہوں سے بچو۔صحابہ نے پوچھا:اللہ کے نبی ﷺ ! وہ کون سے گناہ ہیں؟آپ ﷺ نے فرمایا:اللہ کے ساتھ شرک کرنا،جادو کرنا،جس نفس کواللہ نے حرام کیاہے،اس کوناحق قتل کرنا،سود کھانا،یتیم کامال کھانا،جنگ کے دن پیٹھ دکھا کر بھاگنا،پاک دامن اور بھولی بھالی عورتوں پر تہمت لگانا"۔

حضرت عبداللہ بن حنظلہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضور نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا۔

" دِرْهَمٌ رِبًا يَأْكُلُهُ الرَّجُلُ وَهُوَ يَعْلَمُ ، أَشَدُّ مِنْ سِتَّةٍ وَثَلَاثِينَ زَنْيَةً "۔[83]

ترجمہ:۔"ربوا کا ایک درہم جو انسان علم ہونے کے باوجود کھاتا ہے36(چھتیس) زناؤں سے زیادہ سخت ہے"۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا۔

" الرِّبَا ثَلاَثَةٌ وَسَبْعُونَ بَابًا ، أَيْسَرُهَا مِثْلُ أَنْ يَنْكِحَ الرَّجُلُ أُمَّهُ "۔[84]

ترجمہ:۔"سود کے ستّر دروازے ہیں، سب سے کم تر یہ ہے کہ انسان اپنی ماں کے ساتھ نکاح کرے۔"

یہی وجہ ہے کہ نبی ﷺ نے سُود میں ملوث تمام لوگوں کو لعنتی قرار دیا ہے جیسا کہ حضرت جابرؓ سے روایت ہے۔

" لَعَنَ رَسُولُ اللهِ ﷺ آكِلَ الرِّبَا، وَمُؤْكِلَهُ، وَكَاتِبَهُ، وَشَاهِدَيْهِ، وَقَالَ:هُمْ سَوَاءٌ "۔[85]

ترجمہ:۔"نبی کریم ﷺ نے سود کھانے،سود کھلانے،لکھنے والے اور اس کے گواہوں پر لعنت فرمائی ہے اور فرمایا، یہ سب گناہ میں برابر کے شریک ہیں"۔

"سُود" اور دیگر آسمانی مذاہب:۔ "سُود" جیسا قبیح عمل ہر آسمانی مذہب میں ممنوع و حرام رہا ہے۔چونکہ سُود ہر دور میں بنی نوع انسان کے استحصال کا ذریعہ رہا ہے۔اسی لئے ہر دین و مذہب نے "سُود" حرام قرار دیا گیا ہے۔قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے یہودیوں کی بداعمالیوں کا ذکر کرتے ہوئے سُود خوری کا بھی ذکر کیا ہے۔

"فَبِظُلمٍ مِنَ الَّذينَ هادوا حَرَّمنا عَلَيهِم طَيِّبٰتٍ أُحِلَّت لَهُم وَبِصَدِّهِم عَن سَبيلِ اللَّهِ كَثيرًا ۔ وَأَخذِهِمُ الرِّبوٰا وَقَد نُهوا عَنهُ وَأَكلِهِم أَموٰلَ النّاسِ بِالبٰطِلِ ۚ وَأَعتَدنا لِلكٰفِرينَ مِنهُم عَذابًا أَليمًا "۔[86]

ترجمہ:۔"یہودیوں کے ظلم کی وجہ سے ہم نے ان پر کچھ پاک چیزیں حرام کر دی تھیں جو ان کے لیے حلال تھیں اور ان کے اللہ کے راستے سے بہت زیادہ روکنے اور اُن کے سُود لینے کی وجہ سے حالانکہ اُنہیں اس سے منع کیا گیا تھا اور ان کا لوگوں کا ناجائز طریقے کے ساتھ مال کھانے کی وجہ سے اور ہم نے ان میں سے کافروں کے لیے دردناک عذاب تیار کر رکھا ہے۔"

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی تعلیمات اور یہودیت میں سُود لینا حرام تھا۔چنانچہ تورات میں کئی جگہ سُود کی حرمت و ممانعت کے احکامات موجود ہیں۔چنانچہ تورات کی کتاب "استثنا" میں لکھا ہوا ہے۔

"اپنے ہم وطنوں سے قرض نہ لینا: اگر کوئی اسرائیلی بھائی تجھ سے قرض لے تو اُس سے سُود نہ لینا، خواہ وہ روپے کا سُود ہو، یا کھانے کی اشیاء پر، یا کسی ایسی چیز کا جو بیاج پر دی جاتی ہو"۔[87]

اسی طرح تورات کی کتاب "خروج" میں لکھا ہے۔

"اگر تو نے میرے لوگوں میں سے کسی محتاج کو جو تیرے پاس رہتا ہو کچھ قرض دے تو اس سے قرض خواہ کی طرح سلوک نہ کرنا اور نہ اس سے سُود لینا"۔[88]

تورات کی کتاب "احبار" میں بھی لکھا ہوا ہے۔

"اور اگر تیرا کوئی بھائی مفلس ہو جائے اور وہ تیرے سامنے تنگ دست ہو تو تو اسے سنبھالنا۔وہ پردیسی اور مسافر کی طرح تیرے ساتھ رہے۔تو اس سے سُود یا نفع مت لینا بلکہ اپنے خدا کا خوف رکھنا تاکہ تیرا بھائی تیرے ساتھ زندگی بسر

کر سکے۔ تو اپنا روپیہ اسے سُود پر مت دینا اور اپنا کھانا بھی اسے نفع کے خیال سے نہ دینا"۔[89]

حضرت حزقیل علیہ السلام کے "صحیفہ حزقیل" میں لکھا ہوا ہے۔

""وہ کسی پر ظلم نہیں کرتا، اگر کوئی اُس سے قرض لے تو پیسے واپس ملنے پر ضمانت واپس کر دیتا ہے۔ وہ چوری نہیں کرتا بلکہ بھوکوں کو کھانا کھلاتا ہے اور ننگوں کو کپڑے پہناتا ہے۔ وہ کسی سے سُود بھی نہیں لیتا"۔[90]

اسی طرح ایک اور مقام پر ارشاد ہے۔

"وہ سُود بھی لیتا ہے، کیا ایسا آدمی زندہ رہے گا؟ ہر گز نہیں۔ اِن تمام مکروہ حرکتوں کی بناء پر اُسے سزائے موت دی جائے گی"۔[91]

اسی طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تعلیمات میں بھی سُود حرام تھا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا۔

"یہ نہ سمجھو کہ میں موسوی شریعت/ توریت یا نبیوں کی باتوں/ کتابوں کو منسوخ کرنے آیا ہوں۔ میں منسوخ کرنے نہیں بلکہ پورا کرنے آیا ہوں"۔[92]

فصلِ چہارم

احادیثِ نبوی ﷺ کی رُو سے معاشیات کے بنیادی اُصول

احادیثِ نبوی ﷺ کی رو سے معاشیات کے بنیادی اُصول:۔

احادیثِ نبوی ﷺ کی روشنی میں معیشت کے بنیادی اُصول درج ذیل ہیں۔

1۔میانہ روی واعتدال:۔ معیشت کے سلسلے میں آپ ﷺ نے سب سے بنیادی اور اہم اُصول یہ بتلایا، کہ معیشت میں فضول خرچی یا کنجوسی کی بجائے میانہ روی اکو اختیار کیا جائے، چاہے انفرادی معیشت ہو اجتماعی معاشی نظام ہو۔اسی لئے آپ ﷺ نے فرمایا۔

1- "اَلْاِقْتِصَادُ فِی النَّفَقَۃِ نِصْفُ الْمَعِیْشَۃِ"۔[93]

ترجمہ:۔ "خرچ میں اعتدال (میانہ روی) نصف معیشت ہے"۔

ایک اور مقام پر آپ ﷺ نے فرمایا۔

2-"مَاعَالَ مَنِ اقْتَصَدَ"۔[94]

ترجمہ:۔ "جس نے (معیشت میں) میانہ روی اختیار کی، وہ محتاج نہیں ہوگا"۔

2۔طلبِ حلال کا فریضہ:۔ معیشت کے بارے میں آپ ﷺ نے دوسرا اہم اُصول یہ بتلایا ہے کہ حلال روزگار اور کمائی کی تلاش ہر انسان کی بنیادی ذمہ داری ہے، اگرچہ یہ ذمہ داری اولاً نظامِ حکومت کی ہے کہ وہ عوام الناس کے لئے روزگار کے مواقع پیدا کرے۔اسی لئے آپ ﷺ نے دین کے بنیادی اور اہم فرائض کے بعد اِس کو فریضہ مقرر کیا ہے۔

1-"طَلَبِ کَسْبِ الْحَلَالِ فَرِیْضَۃ بَعْدِ الْفَرِیضَۃ"۔[95]

ترجمہ:۔ "رزقِ حلال کی تلاش فرض عبادت کے بعد (سب سے بڑا) فریضہ ہے"۔

حضور نبی کریم ﷺ نے فرمایا۔

2-"اِذَا صَلَّیْتُمُ الصُّبْحَ فَلَاتَنَامُوْاعَنْ طَلَبِ رِزْقِکُمْ ، فَاِنَّ نَوْمَۃَ الصُّبْحَ یَمْنَعُ الرِّزْقَ"۔[96]

ترجمہ:۔ "جب صبح کی نماز ادا کرلو تو اپنے رزق کی طلب سے غافل ہو کر سونہ جاؤ، کیونکہ صبح کی نیند رزق کو روکتی ہے"۔

ایک اور مقام پر ارشادِ نبوی ﷺ ہے۔

3-" طَلَبِ الْحَلَالِ وَاجِب عَلٰی کُلِّ مُسْلِم"۔ [97]

ترجمہ:۔"حلال کمائی ہر مسلمان پر واجب ہے"۔

دینِ اسلام نے انسانی معاشرہ میں ہمیشہ مثبت تجارتی سرگرمی کو اختیار کرنے اور فروغ دینے پر زور دیا ہے۔اسلام ہر منفی اور ناجائز تجارتی سرگرمی کی نفی کرتا ہے جو خلافِ فطرت ہو۔چنانچہ ایک روایت میں ہے کہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا۔

4-"قال رَسُوْلُ اللهِ ﷺ نِعْمَ الْمَالُ الصَالِحُ للمرئ الصالح"۔[98]

ترجمہ:۔"اچھا مال اچھے آدمی کے لئے اچھی چیز ہے"۔

3-محنت کی کمائی:۔ حضور نبی کریم ﷺ نے معیشت کے ایک اہم اصول محنت کے بارے میں فرمایا۔

1-حضرت مقدام بن معد یکرب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا۔

"مَا أَكَلَ أَحَدٌ طَعَامًا قَطُّ، خَيْرًا مِنْ أَنْ يَأْكُلَ مِنْ عَمَلِ يَدِهِ، وَإِنَّ نَبِيَّ اللَّهِ دَاوُدَ عَلَيْهِ السَّلاَمُ، كَانَ يَأْكُلُ مِنْ عَمَلِ يَدِهِ"۔[99]

ترجمہ:۔"بہترین کھانا وہ ہے جو انسان اپنے ہاتھ سے کما کر کھائے اور اللہ کے نبی حضرت داؤد علیہ السلام اپنے ہاتھ سے کما کر کھایا کرتے تھے"۔

2-حضور نبی کریم ﷺ ایک اور مقام پر فرمایا۔

"عن رَافِعِ بْنِ خَدِيجٍ ، قَالَ : قِيلَ : يَا رَسُولَ اللهِ ، أَيُّ الْكَسْبِ أَطْيَبُ ؟ قَالَ : عَمَلُ الرَّجُلِ بِيَدِهِ وَكُلُّ بَيْعٍ مَبْرُورٍ"۔[100]

ترجمہ:۔ "حضرت رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے پوچھا گیا: یارسول اللہ ﷺ! کون سی کمائی سب سے پاکیزہ ہے؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا: آدمی کا اپنے ہاتھ سے کمانا اور ہر جائز تجارت"۔

ایک اور مقام پر ارشادِ نبوی ﷺ ہے۔

3- "قال رسول اللہ ﷺ :رَحِمَ اللهُ عَبْدًاسَمْحًاإِذَا بَاعَ،سَمْحًاإِذَااشْتَرَى، سَمْحًا إِذَا اقْتَضَى"۔[101]

ترجمہ:۔ "حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ ایسے شخص پر رحم کرتا ہے جو بیچے تو نرمی سے بیچے، خریدے تو نرمی سے خریدے اور فیصلہ کرے تو نرمی سے کرے"۔

صبح کے ساتھ کام کے آغاز و برکت کے بارے میں آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا۔

4-" عَنْ صَخْرٍ الْغَامِدِي، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ - صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ -: "اللَّهُمَّ بَارِكْ لِأُمَّتِي فِي بُكُورِهَا". قَالَ: وَكَانَ إِذَا بَعَثَ سَرِيَّةً أَوْ جَيْشًا، بَعَثَهُمْ فِي أَوَّلِ النَّهَارِ.قَالَ: وَكَانَ صَخْرٌ رَجُلًا تَاجِرًا، فَكَانَ يَبْعَثُ تِجَارَتَهُ فِي أَوَّلِ النَّهَارِ فَأَثْرَى وَكَثُرَ مَالُه "۔[102]

ترجمہ:۔ "رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: اے اللہ! میری امت کو اس کی صبح میں برکت دے"۔ حضرت صخر غامدی کہتے ہیں کہ جب آپ ﷺ نے کوئی چھوٹا یا بڑا لشکر روانہ فرمانا ہوتا تو شروع دن میں روانہ فرماتے"۔ محدثین

نے لکھا ہے کہ حضرت صخر تاجر آدمی تھے وہ اپنے تجارتی قافلے شروع دن میں روانہ کرتے تو وہ بہت مالدار ہو گئے اوران کا مال بہت بڑھ گیا"۔

اس سے معلوم ہوا کہ صبح کی نماز کے بعد ہی لین دین میں مشغول ہونااور تجارت کرنا برکت کا ذریعہ ہے۔

4-وسائلِ معیشت اوراجتماعیت:۔ حضور نبی کریم ﷺ نے اجتماعی سوچ اپنانے کی ترغیب دی ہے، کہ معیشت میں دوسروں کا بھی خیال رکھنا چاہیئے۔آپ ﷺ نے فرمایا۔

1-" طَعَامُ الْوَاحِدِ يَكْفِي الِاثْنَيْنِ، وَطَعَامُ الِاثْنَيْنِ يَكْفِي الْأَرْبَعَةَ، وَطَعَامُ الْأَرْبَعَةِ يَكْفِي الثَّمَانِيَةَ"۔[103]

ترجمہ:۔"ایک آدمی کا کھانادو آدمیوں کے لئے کافی ہوتا ہے،دو آدمیوں کا کھاناچار کے لئے اور چار آدمیوں کا کھاناآٹھ آدمیوں کے لئے کافی ہوتا ہے"۔

حضور نبی اکرم ﷺ نے صحابہ کرام سے فرمایا۔

2-" مَنْ كَانَ عِنْدَهُ فَضْلُ ظَهْرٍ، فَلْيَعُدْ بِهِ عَلَى مَنْ لَا ظَهْرَ لَهُ، وَمَنْ كَانَ عِنْدَهُ فَضْلُ زَادٍ، فَلْيَعُدْ بِهِ عَلَى مَنْ لَا زَادَ لَهُ، حَتَّى ظَنَنَّا أَنَّهُ لَا حَقَّ لِأَحَدٍ مِنَّا فِي الْفَضْلِ "۔[104]

ترجمہ:۔"تم میں سے جس شخص کے پاس ضرورت سے زائد سواری ہے وہ اس کو لوٹادے جس کے پاس نہیں ہے ،جس کے پاس ضرورت سے زائد سامان خورد ونوش ہے وہ اسے لوٹادے جس کے پاس نہیں ہے،اسی طرح نبی اکرم ﷺ مختلف اصناف مال کا ذکر فرماتے رہے یہاں تک کہ ہم نے سمجھا کہ ضرورت سے زائد کسی بھی شے میں ہمارا حق نہیں رہا"۔

5۔قناعت پسندی:۔ حضور نبی اکرم ﷺ نے اس بات کی ترغیب دی ہے کہ انسان کے پاس جتنا مال ہو اُسی پر قناعت کرنی چاہئے۔آپ ﷺ کا فرمان مبارک ہے۔

"طُوبَى لِمَنْ هُدِيَ إِلَى الإِسْلاَمِ،وَكَانَ عَيْشُهُ كَفَافًا وَقَنَعَ"۔[105]

ترجمہ:۔" قابل رشک ہے وہ شخص جس کو اسلام کی ہدایت نصیب ہوئی،اسے بقدر کفایت زندگی کے ذرائع ووسائل ملے اوراس نے اس پر قناعت کی"۔

اِس حدیث میں عیشۃ سے مراد سامان زیست،ذریعہ زندگی اور کھانے پینے کی چیزیں ہیں جن پر زندگی بسر کی جاتی ہے۔ صحیح مسلم میں عیشۃ کے مترادف لفظ رزق استعمال ہوا ہے۔ارشاد نبوی ﷺ ہے۔

"قَدْ اَفْلَحَ مَنْ اَسْلَمَ ،وَرَزَقَ كِفَافا،وَقَنَعَہُ اللهُ بِمَاآتاهُ"۔[106]

ترجمہ:۔"جس نے اسلام قبول کیا اور اسے بقدر کفایت رزق عطا کیا گیا اور اللہ نے اپنے عطا کردہ مال پر قناعت عطا کردی تو وہ شخص کامیاب ہوا"۔

6-مجبوری،افلاس اور غربت ذریعۂ کفر:۔انسان غربت، بھوک،افلاس اور مجبوری کی وجہ سے اخلاق اور ایمان کا بھی خیال نہیں رکھتا۔اسی لئے حضور نبی کریمﷺ نے محنت کرنے کا حکم دیا ہے،اور بھوک افلاس سے بچنے کے بارے میں ارشاد فرمایا۔"كَادَ الْفَقْرُ اَنْ يَّكُونَ كُفْرًا "۔[107]

ترجمہ:۔"ممکن ہے غربت وافلاس (کارد عمل) کفر کی حد تک پہنچ جائے"۔

بنیادی معاشی ضروریات ہر انسان کا بنیادی حق ہے، بھوک، غربت وافلاس کی وجہ سے لوگ اپنے اخلاقیات ،عزت نفس اور ایمان تک بیچنے سے نہیں رکتے۔اسی لئے دین اسلام نے ہر شخص کو بنیادی معیشت کا حق دیا ہے۔

7-وسائل کی ضیاع کی ممانعت:۔حضور نبی کریمﷺ نے اسلامی معیشت کا اہم اصول یہ بھی بتلایا کہ جتنے وسائل دستیاب ہوں اسی کو بروئے کار لا کر ضائع کرنے سے منع فرمایا ہے۔

" إِنَّ اللّٰهَ كَرِهَ لَكُمْ : قِيلَ وَقَالَ ، وَإِضَاعَةَ الْمَالِ ، وَكَثْرَةَ السُّؤَالِ"۔[108]

ترجمہ:۔"اللہ تعالی نے قیل و قال،ضیاع مال اور کثرت سوال سے منع کیا ہے"۔

8-گداگری اور بھیک مانگنے کی ممانعت:۔اسلامی نظام معیشت کا ایک یہ بھی اُصول ہے کہ اِس نظام میں معاشرہ کے تمام افراد کے لئے روزگار کے مواقع فراہم کئے جاتے ہیں۔کسی کو بھیک مانگنے کا اجازت نہیں ہوتی۔حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ حضور نبی اکرمﷺ نے فرمایا۔

"مَا يَزَالُ الرَّجُلُ يَسْأَلُ النَّاسَ، حَتَّى يَأْتِيَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ لَيْسَ فِي وَجْهِهِ مُزْعَةُ لَحْمٍ"۔[109]

ترجمہ:۔"آدمی ہمیشہ لوگوں سے مانگتا رہتا ہے یہاں تک کہ قیامت کے دن جب وہ حاضر ہوگا تو اُس کے چہرے پر گوشت کا ٹکڑا نہ ہوگا(یعنی چہرہ خالی ہوگا)"۔

9-دوسروں کے مال کی حفاظت کرنا:۔اسلام ہمیں دوسروں کے مال کی حفاظت کرنے کا حکم دیتا ہے،اسلام نے اِس بات کی تعلیم دی ہے کہ دوسروں کی ملکیت کا احترام کیا جائے۔اُس پر ناجائز طریقہ سے قبضہ نہیں کیا جائے۔چنانچہ حدیث مبارک میں ہے۔"كُلُّ الْمُسْلِمِ عَلَى الْمُسْلِمِ حَرَامٌ : دَمُهُ ، وَمَالُهُ ، وَعِرْضُهُ "۔[110]

ترجمہ:۔"ایک مسلمان کا خون،مال اور آبرو دوسرے مسلمان پر حرام ہے"۔

حوالہ جاتِ بابِ چہارم

1 - سندھی، عبید اللہ-2009ء، شعور وآگہی (لاہور، رحیمیہ مطبوعات) ص105

2 - ابن عبد ربہ، شہاب الدین احمد بن محمد-1404ھ، العقد الفرید (بیروت، دار الکتب العلمیہ) ص267، ج3

3 - ہیکل، محمد حسین-س ن، ابو بکر صدیق (لاہور، طاہر سنز) ص34

4 - ندوی، معین الدین احمد، شاہ، -2013ء، تاریخ اسلام (لاہور، مکتبہ اسلامیہ) ص13، ج1

5 - القرآن14:37

6 - عثمانی، شبیر احمد، علامہ، تفسیر عثمانی، سورۃ ابراہیم، آیت نمبر37

7 - مبارک پوری، صفی الرحمٰن-2000ء، الرحیق المختوم (لاہور، المکتبۃ السلفیہ) ص71

8 - القرآن4:106

9 - ابن سعد، ابو عبد اللہ محمد بن سعد-1410ھ، الطبقات الکبری (بیروت، دار الکتب العلمیہ) ص90، ج1

10 - صحیح بخاری، باب رعی الغنم، حدیث نمبر1061

11 - ابن سعد، ابو عبد اللہ محمد بن سعد-1410ھ، الطبقات الکبری (بیروت، دار الکتب العلمیہ) ص101، ج1

12 - سیوہاروی، حفظ الرحمٰن-2011ء، نور البصر فی سیرت خیر البشر (لاہور، رحیمیہ مطبوعات) ص72

13 - غفاری، نور محمد-2008ء، نبی کریم ﷺ کی معاشی زندگی (کراچی، شیخ الہند اکیڈمی) ص86

14 - سیوہاروی، حفظ الرحمٰن-2011ء، نور البصر فی سیرت خیر البشر (لاہور، رحیمیہ مطبوعات) ص75

15 - میاں، سید محمد – 1436ھ، محمد رسول اللہ (لاہور، جمیعت پبلیکیشنز) ص323

16 - غفاری، نور محمد-2008ء، نبی کریم ﷺ کی معاشی زندگی (کراچی، شیخ الہند اکیڈمی) ص112

17 - نبی کریم ﷺ کی معاشی زندگی (کراچی، شیخ الہند اکیڈمی)، ص39

18 - یعقوبی، احمد بن ابي يعقوب-س ن، تاریخ الیعقوبي (بیروت، دار الجیل) ص105، ج1۔

19 - ابن ہشام، عبد الملک بن ہشام-1411ھ، سیرت ابن ہشام (بیروت، دار الجیل) ص31، ج3

20 - القرآن4:161

21 - غفاری، نور محمد-2008ء، نبی کریم ﷺ کی معاشی زندگی (کراچی، شیخ الہند اکیڈمی)194

22 - ابن قیم جوزی، محمد بن ابي بکر-1415ھ، زاد لمعاد (کویت، مکتبۃ المنار الاسلامیۃ) ص56، ج3

23 - القرآن8:72

24 - غفاری، نور محمد-2008ء، نبی کریم ﷺ کی معاشی زندگی (کراچی، شیخ الہند اکیڈمی) ص179

25 -الذھبی، شمس الدین ابی عبداللہ-1337ھ، کتاب دول الاسلام فی التاریخ،(حیدرآباد، ھند، دائرۃ المعارف)ص8،ج1

26 -ڈاکٹر، حمید اللہ-2007ء، خطباتِ بہاولپور(اسلام آباد، ادارہ تحقیقات اسلامی)ص183

27 - ابن قیم جوزی، محمد بن ابي بکر-1415ھ، زادلمعاد(کویت، مکتبۃ المنارالاسلامیۃ)ص124، ج1

28 -القرآن73:21

29 -القرآن55:19

30 -القرآن31:19

31 -القرآن4:23

32 -القرآن3:31

33 - مسند احمد-1419ھ،(بیروت، عالم الکتب)حدیث نمبر1740

34 - القرآن103:9

35 -ابن حجر، احمد بن علي بن حجر عسقلاني-1379ھ، فتح الباری(بیروت، دارالمعرفہ)کتاب الزکاۃ

36 -اکبر آبادی، سعید احمد-1410ھ، صدیق اکبر(لاہور، ادارہ اسلامیات)ص338

37 - القرآن60:9

38 - القرآن267:2

39 - القرآن141:6

40 - صحیح بخاری، باب العشر، حدیث نمبر1483

41 - صحیح مسلم، باب مافیہ العشر اونصف العشر، حدیث نمبر781

42 - سیوہاروی، حفظ الرحمٰن-س ن، اسلام کا اقتصادی نظام(لاہور، مکتبۃ رحمانیہ)ص118

43 -ابویوسف، یعقوب بن ابراھیم-2010ء، کتاب الخراج(قاہرہ، المکتبۃ الازھریۃ للتراث)ص34

44 - سیوہاروی، حفظ الرحمٰن-س ن، اسلام کا اقتصادی نظام(لاہور، مکتبۃ رحمانیہ)ص119

45 - غفاری، نور محمد-2008ء، نبی کریم ﷺ کی معاشی زندگی(کراچی، شیخ الہند اکیڈمی)ص276

46 -القرآن29:9

47 -غفاری، نور محمد-2008ء، نبی کریم ﷺ کی معاشی زندگی(کراچی، شیخ الہند اکیڈمی)ص277

48 -البلاذری، احمد بن یحیی بن جابر-1988ء، فتوح البلدان(بیروت، دارومکتبۃ الہلال)ص67

49 - صحیح بخاری، کتاب الجزیہ، باب الجزیہ، حدیث نمبر3156

50 - نعمانی، شبلی-2010ء،الفاروق(کراچی،دارالاشاعت)ص282

51 - ابویوسف،یعقوب بن ابراھیم-2010ء،کتاب الخراج(قاہرہ،المکتبۃالازھریۃللتراث)ص156

52 -القرطبی، محمد بن احمد بن ابی بکر– 1384ھ،الجامع لاحکام القرآن(قاہرۃ،دارلکتب المصریۃ)ص1،ج8

53 -الجامع لاحکام القرآن،ص1،ج8

54 -القرشی،یحی بن آدم– 1384ھ،کتاب الخراج(قاہرۃ،المطبعۃالسلفیۃ)ص19

55 -القرآن8:41

56 -القرطبی، محمد بن احمد بن ابی بکر– 1384ھ،الجامع لاحکام القرآن(قاہرۃ،دارلکتب المصریۃ)ص2،ج8

57 -القرشی،یحی بن آدم– 1384ھ،کتاب الخراج(قاہرۃ،المطبعۃالسلفیۃ)ص19

58 - القرآن10:59

59 -ترمذی،باب فی مناقب عثمان،حدیث نمبر3700

60 - صحیح مسلم،کتاب الزکوۃ،حدیث نمبر1017

61 -طبرانی،سلیمان بن احمد-1415ھ،المعجم الکبیر للطبرانی(قاہرہ،مکتبہ ابن تیمیہ)ص41،ج2

62 -غفاری،نور محمد-2008ء،نبی کریم ﷺ کی معاشی زندگی(کراچی،شیخ الہند اکیڈمی)ص291

63 - صحیح بخاری،کتاب الشروط،حدیث نمبر2718

64 -سیوہاروی،حفظ الرحمٰن-س ن،اسلام کا اقتصادی نظام(لاہور،مکتبۃ رحمانیہ)ص276

65 - صحیح مسلم،کتاب الوصیہ،حدیث نمبر1631

66 - صحیح بخاری،کتاب الوصایا،حدیث نمبر2769

67 -ابن ہشام،عبدالملک بن ہشام-1411ھ،سیرت ابن ہشام(بیروت،دارلجیل)ص51،ج3

68 -سیرت ابن ہشام،ص52،ج2

69 -مبارک پوری،صفی الرحمٰن-2000ء،الرحیق المختوم(لاہور،المکتبۃالسلفیہ)ص481

70 - اکبرآبادی،سعید احمد-1410ھ،صدیق اکبر(لاہور،ادارہ اسلامیات)ص340

71 -صدیقی،یسین مظہر،پروفیسر-1994ء،عہد نبوی کا نظام حکومت(علی گڑھ،ادارۂ تحقیق و تصنیف اسلامی)ص68

72 - عبداللہ بن خطل ادرم بن غالب۔یہ عامل بعد میں مرتد ہو گیا تھا۔فتح مکہ کے موقع پر قتل ہوا۔

73 -فیروزالدین-2010ء،فیروزاللغات(اردو)،(لاہور،فیروزسنز)ص818

74 -السرخسی،محمد بن احمد،شمس الائمہ-1421ھ،المبسوط للسرخسی(بیروت،دارلفکر)ص192،ج12

75 -سیوہاروی،حفظ الرحمٰن-س ن،اسلام کا اقتصادی نظام(لاہور،مکتبۃ رحمانیہ)ص267

76 - القرآن39:30

77 -القرآن130:3

78 - القرآن278:2

79 - القرآن161:4

80 - القرآن275:30

81 -الشیبانی، محمد بن حسن-1406ھ،الجامع الصغیر(بیروت،عالم الکتب)ص461

82 - صحیح بخاری، کتاب الوصایا، حدیث نمبر2766

83 - مسند احمد-1419ھ،(بیروت،عالم الکتب)حدیث نمبر20951

84 -الحاکم، محمد بن عبداللہ-س ن، مستدرک حاکم(بیروت،دار لمعرفۃ)ص37،ج2

85 - صحیح مسلم، باب لعن اکل الربوا، حدیث نمبر1598

86 -القرآن160:4

87 -توریت-2015ء(ورجینیا، جیو لنکس)کتاب استثناء، ص272

88 -توریت، ص112

89 -توریت، ص180

90 -صحیفہ حزقیل-2015ء(ورجینیا، جیو لنکس)ص210

91 -صحیفہ حزقیل، ص210

92 -انجیل متی،-2015ء(ورجینیا، جیو لنکس)ص12

93 ۔ بیہقی، شعب الایمان، باب الاقتصاد فی النفقۃ، حدیث نمبر6568

94 ۔مسند احمد-1419ھ،(بیروت،عالم الکتب)حدیث نمبر4269

95 ۔مشکاۃ المصابیح، باب الکسب وطلب الحلال، حدیث نمبر2781

96 ۔ہندی، علاءالدین علي بن حسام الدین-1401ھ، کنزالعمال(بیروت، مؤسسہ الرسالۃ)حدیث نمبر9297

97 -الطبرانی، المعجم الأوسط، حدیث نمبر8610

98۔ صحیح بخاری، کتاب البیوع، حدیث نمبر299

99 ۔ صحیح بخاری، باب کسب الرجل وعملہ بیدہ، حدیث نمبر1966

100 ۔مسند احمد-1419ھ،(بیروت،عالم الکتب)حدیث نمبر17265

101 ۔سنن ابن ماجہ، باب السماحۃ فی البیع، حدیث نمبر2203

102 ۔ سنن ابن ماجہ، حدیث 2236

103 ۔ صحیح مسلم، کتاب الاشربۃ، حدیث نمبر 2059

104 ۔ سنن ابی داؤد، کتاب الزکاۃ، باب فی حقوق المال، حدیث نمبر 1663

105 ۔ مسند احمد-1419ھ، (بیروت، عالم الکتب) حدیث نمبر 23944

106 ۔ صحیح مسلم، کتاب الزکاۃ، ، حدیث نمبر 1054

107 ۔ بیہقی، شعب الایمان، حدیث نمبر 6612

108 ۔ مسند احمد-1419ھ، (بیروت، عالم الکتب) حدیث نمبر 18179

109 ۔ صحیح بخاری، باب من سال الناس تکثرا، حدیث نمبر 1474

110 ۔ مسند احمد-1419ھ، (بیروت، عالم الکتب) حدیث نمبر 7727

بابِ پنجم

خلافتِ راشدہ کے اِسلامی معاشی نظام کا تجزیہ

فصلِ اول

حضرت ابو بکر صدیقؓ کے دور کا اسلامی معاشی نظام

1-حضرت ابو بکر صدیقؓ کے حالاتِ زندگی:-

آپ رضی اللہ عنہ کا نام عبداللہ، کنیت ابو بکر، القاب عتیق اور صدیق تھے۔آپ رضی اللہ عنہ کے والد کا نام حضرت عثمان ابو قحافہ رضی اللہ عنہ تھا۔آپ رضی اللہ عنہ کا تعلق قریش کے قبیلہ تیم سے تھا۔آپ رضی اللہ عنہ کا شجرۂ نسب آٹھویں پشت پر جا کر رسول اللہ ﷺ سے ملتا ہے۔آپ رضی اللہ عنہ کا شجرۂ نسب یوں ہے۔

" عَبْدُ اللهِ بْنُ عُثْمَانَ بْنِ عَامِرِ بْنِ عَمْرِو بْنِ كَعْبِ بْنِ سَعْدِ بْنِ تَيْمِ بْنِ مُرَّةَ بْنِ كَعْبِ بْنِ لُؤَيِّ بْنِ غَالِبِ بْنِ فِهْرٍ "۔[1]

حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ سے عمر میں دو سال اور ایک ماہ چھوٹے تھے۔جیسا کہ علامہ سیوطیؒ نے لکھا ہے۔" ولد بعد مولد النبي صلى الله عليه و سلم بسنتين وشهر "۔[2]

ترجمہ:۔"آپ رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ کی پیدائش کے دو سال اور ایک ماہ بعد پیدا ہوئے"۔

آپ رضی اللہ عنہ کی سیرت جوانی اور بچپن میں ہر قسم کی شرک اور بُرے اعمال سے پاک تھی۔جیسا کہ علامہ سیوطیؒ نے "تاريخ الخلفاء" میں آپ رضی اللہ عنہ کے بارے میں لکھا ہے۔

" كَانَ أعَف النَّاس فِي الْجَاهِلِيةِ ۔ لَقَدْ كَانَ حَرَّمَ أبُوْ بَكر الْخَمر عَلٰى نَفْسِه فِي الْجَاهِلِيَّةِ"۔[3]

ترجمہ:۔"آپ رضی اللہ عنہ دورِ جاہلیت میں بھی سب سے زیادہ پاک تھے۔تحقیق حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے دورِ جاہلیت میں اپنے اوپر شراب کو حرام قرار دیا تھا"۔

آپ رضی اللہ عنہ شروع سے دینِ حق کی طرف مائل تھے۔آپ رضی اللہ عنہ کپڑے کی تجارت کرتے تھے۔رسول اللہ ﷺ سے عمر میں تقریباً دو سال چند ماہ چھوٹے تھے۔جوانی کی عمر سے ہی رسول اللہ ﷺ کے ساتھ خاص دوستی تھی۔اسی لئے نبی کریم ﷺ نے سب سے پہلے آپ رضی اللہ عنہ کو ایمان کی دعوت دی اور آپ رضی اللہ عنہ نے بغیر کسی پس و پیش کے ایمان کو قبول کیا۔آپ رضی اللہ عنہ کی کوشش، محنت اور دعوت سے کئی نامور افراد مشرف بایمان ہوئے، جن میں حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ، عبدالرحمن بن عوف، طلحہ بن عبیداللہ، سعد بن ابی وقاص اور زبیر بن عوام رضی اللہ عنہم اجمعین شامل تھے۔آپ رضی اللہ عنہ وہ عظیم صحابی ہیں جنہوں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ مدینہ منورہ کی طرف ہجرت کی۔جیسا کہ مستدرک حاکم میں سعید بن المسیبؒ کی روایت ہے۔

" عَنْ سَعِيدِ بْنِ الْمُسَيَّبِ قَالَ : كَانَ أَبُو بَكْرٍ الصِّدِّيقُ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ مِنَ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَكَانَ الْوَزِيرِ ، فَكَانَ يُشَاوِرُهُ فِي جَمِيعِ أُمُورِهِ ، وَكَانَ ثَانِيَةً فِي الإِسْلاَمِ ،

وَكَانَ ثَانِيَةً فِي الْغَارِ ، وَكَانَ ثَانِيَةً فِي الْعَرِيشِ يَوْمَ بَدْرٍ ، وَكَانَ ثَانِيَةً فِي الْقَبْرِ ، وَلَمْ يَكُنْ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُقَدِّمُ عَلَيْهِ أَحَدًا"۔[4]

ترجمہ:۔"حضرت سعید بن المسیبؒ سے روایت ہے: حضرت ابو بکر صدیقؓ رسول اللہ ﷺ کے وزیر کی طرح تھے، رسول اللہ ﷺ تمام اُمور میں آپ رضی اللہ عنہ کے ساتھ مشورہ کیا کرتے تھے، اور آپؓ اسلام (میں داخل ہونے) میں دوسرے شخص تھے، اور آپؓ غار (ثور) میں بھی دوسرے تھے، اور غزوۂ بدر والے دن آپ رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ کے لئے چھت تھے، اور آپ رضی اللہ عنہ قبر میں بھی ساتھ ہے، اور رسول اللہ ﷺ نے آپؓ عنہ پر کسی کو مقدم نہیں کیا"۔

2-حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے دور کا سیاسی نظام:۔

12 ربیع الاول 11ھ کو حضور نبی کریم ﷺ انتقال فرما کر خالقِ حقیقی سے جا ملے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہ حضور نبی کریم ﷺ کے جُدا ہونے کے بارے میں سوچ بھی نہیں سکتے تھے۔ اِس لئے حضرت عمر رضی اللہ عنہ جیسے عظیم صحابی رضی اللہ عنہ نے کھڑے ہو کر اعلان کیا کہ جس نے بھی کہا کہ حضرت محمد ﷺ وفات پا گئے ہیں اُن کو قتل کیا جائے گا۔ اِسی دوران حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ مسجدِ نبوی میں منبرِ رسول ﷺ پر چڑھ گئے اور یہ خطبہ دیا۔

" فَحَمِدَ اللهَ أَبُو بَكْرٍ وَأَثْنَى عَلَيْهِ، وَقَالَ: أَلا مَنْ كَانَ يَعْبُدُ مُحَمَّدًا صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَإِنَّ مُحَمَّدًا قَدْ مَاتَ، وَمَنْ كَانَ يَعْبُدُ اللهَ فَإِنَّ اللَّهَ حَيٌّ لاَ يَمُوتُ، وَقَالَ: "إِنَّكَ مَيِّتٌ وَإِنَّهُمْ مَيِّتُونَ"(الزمر: 30)، وَقَالَ:"وَمَا مُحَمَّدٌ إِلَّا رَسُولٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ أَفَإِنْ مَاتَ أَوْ قُتِلَ انْقَلَبْتُمْ عَلَى أَعْقَابِكُمْ وَمَنْ يَنْقَلِبْ عَلَى عَقِبَيْهِ فَلَنْ يَضُرَّ اللهَ شَيْئًا وَسَيَجْزِي اللهُ الشَّاكِرِينَ" (آل عمران: 144)"۔[5]

ترجمہ:۔"اللہ کی تعریف اور ثناء بیان کرنے کے بعد حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اما بعد! تم میں سے جو کوئی محمد ﷺ کی پوجا کرتا تھا، تو محمد ﷺ وفات پا گئے، اور جو کوئی اللہ کی عبادت کرتا تھا، تو اللہ تعالیٰ ہمیشہ زندہ ہے کبھی مرنے والا نہیں ہے۔ پھر آپ رضی اللہ عنہ نے سورۃ الزمر کی آیت نمبر 30 اور سورۃ آل عمران کی آیت نمبر 144 تلاوت کیں، پھر لوگ خاموش ہو گئے اور رونے لگے"۔

غم کے اِس موقع پر حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے نہایت جرأت، استقلال اور عزم کا مظاہرہ کرتے ہوئے اُمت کو انتشار سے بچایا۔ رسول اللہ ﷺ کی تدفین سے پہلے خلیفہ کا انتخاب نہایت ضروری امر تھا۔ خلیفہ کے انتخاب میں انصار کے لوگ ایک طرف تھے اور جید صحابہ کرام رضی اللہ عنہ دوسری طرف تھے۔ ظاہر ہے اختلاف رائے دینِ اسلام کی خوبصورتی اور شان ہے۔ ایسے موقع پر حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ اور حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ دونوں کے ہاتھ پکڑ کر صحابہ کرام رضی اللہ عنہ کو فرمایا، کہ اِن دونوں

حضرات میں سے کسی ایک کا مسلمانوں کے لئے بطورِ خلیفہ انتخاب کرلو۔انصار نے حباب بن منذر رضی اللہ عنہ کا نام پیش کیا،لیکن حضرت عمرفاروق رضی اللہ عنہ نے پیش قدمی کی اور اور حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کا ہاتھ پکڑ کر فرمایا،نہیں،آپ رضی اللہ عنہ ہم میں سب سے بہتر ہیں اور آپ رضی اللّٰہ عنہ ہمارے سردار ہیں،یہ کہتے ہوئے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے آپ رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر فوراً بیعت کی،اور پھراِس کے بعد وہاں پر موجود سب مہاجرین وانصار صحابہ نے بیعت کرلی۔

حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ 12 ربیع الاول 11ھ کو خلیفہءاوّل کے طور پر منتخب ہوئے،اور 22 جمادی الثانی 13ھ کو آپ رضی اللہ عنہ کا انتقال ہوگیا۔مستدرک حاکم میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت میں ہے۔

" وَكَانَ مَرَضُهُ خَمْسَةَ عَشَرَ يَوْمًا ، وَكَانَ سَبَبُ مَرَضِهِ أَنَّهُ اغْتَسَلَ فِي يَوْمٍ بَارِدٍ ، فَحُمَّ خَمْسَةَ عَشَرَ لَيْلَةً لَمْ يَخْرُجْ إِلَى الصَّلَاةِ "۔[6]

ترجمہ:۔"اور آپ رضی اللہ عنہ پندرہ دن تک بیمار رہے۔اور آپ رضی اللہ عنہ سردی میں نہانے کی وجہ سے بیمار ہو گئے تھے۔پس آپ رضی اللہ عنہ پندرہ راتوں تک بخار میں مبتلا رہنے کی وجہ سے نماز کے لئے (مسجدِ نبوی) نہیں نکلے"۔

طبقات ابن سعد میں آپ رضی اللہ عنہ کی کل مدتِ خلافت کے بارے میں ہے۔

" فَكَانَتْ خِلافَتُهُ سَنَتَيْنِ وَثَلاثَةَ أَشْهُرٍ وَعَشْرَ لَيَالٍ"۔[7]

ترجمہ:۔"پس آپ رضی اللہ عنہ کی کل مدتِ خلافت 2 سال 3 ماہ اور 10 رات رہی"۔

آپ رضی اللہ عنہ نے اندرونی اور بیرونی طور پر سیاسی نظام اور خلافت کو درپیش چیلنجز کو انتہائی خوش اسلوبی سے ختم کیا۔پہلے اندرونی چیلنجز کو ختم کیا اور پھر بیرونی فتوحات کی طرف متوجہ ہوئے۔

الف۔ مجلسِ مشاورت:۔حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کا نظامِ خلافت قرآن مجید کے حکم کے عین مصداق تھا۔آپؓ کی نظامِ حکومت کوئی شخصی یا آمرانہ نہیں تھی۔"وَأَمْرُهُمْ شُورَىٰ بَيْنَهُمْ وَمِمَّا رَزَقْنَاهُمْ يُنفِقُونَ"۔[8]

ترجمہ:۔"اور اپنے کام آپس کے مشورے سے کرتے ہیں۔اور جو مال ہم نے ان کو عطا فرمایا ہے اس میں سے خرچ کرتے ہیں"۔

حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ اہل الرائے اور کبار صحابہ رضی اللہ عنہ سے مشورہ لے کر سیاسی نظام کو مشاورت سے چلاتے تھے۔جیسا کہ طبقات ابن سعد میں ہے۔"أَنَّ أَبَا بَكْرٍ الصِّدِّيقَ كَانَ إِذَا نَزَلَ بِهِ أَمَرٌ يُرِيدُ فِيهِ مُشَاوَرَةَ أَهْلِ الرأي وأهل الفقه ودعا رِجَالا مِنَ الْمُهَاجِرِينَ وَالأَنْصَارِ

دَعَا عُمَرَ وَعُثْمَانَ وَعَلِيًّا وَعَبْدَ الرَّحْمَنِ بْنَ عَوْفٍ وَمُعَاذَ بْنَ جبل وأبي بن كعب وزيد بن ثابت. وَكُلُّ هَؤُلاءِ كَانَ يُفْتِي فِي خِلافَةِ أَبِي بَكْرٍ"۔[9]

ترجمہ:۔"جب کوئی اَمر پیش آتا تھا تو حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ اہل الرائے وفقہاء صحابہ سے مشورہ لیتے تھے اور مہاجرین وانصار میں سے چند ممتاز صحابہ حضرت عمر، عثمان، علی، عبدالرحمن بن عوف، معاذ بن جبل، ابی بن کعب اور زید بن ثابت رضی اللہ عنھم اجمعین کو بلاتے تھے۔یہ سب صحابہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے دور میں فتوے بھی دیتے تھے"۔

ب۔حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کا آئین ودستورِ حکومت:۔ کوئی بھی نظامِ حکومت دستور اور آئین کے بغیر نہیں چل سکتی۔سب سے پہلی چیز آئین اور دستور ہے جس کی بنیاد پر نظامِ حکومت کے قوانین اور ضابطے مرتب ہوتے ہیں اور عوام کے مسائل حل کئے جاتے ہیں۔حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے نظامِ خلافت کا دستور اور آئین قرآن اور حدیث کی روشنی میں موجود تھا۔آپ رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ کی وفات کے بعد جمعِ قرآن کی صورت میں اُمت پر بہت بڑا اِحسان کیا۔

آپ رضی اللہ عنہ کے سامنے جب کوئی مسئلہ درپیش آتا تو آپ رضی اللہ عنہ۔

1-سب سے پہلے قرآن کی طرف رجوع فرماتے۔

2-اگر وہاں مسئلہ کا حل نہ پاتے تو دوسرے نمبر پر حدیثِ رسول ﷺ کی طرف رجوع فرماتے۔

3-اگر وہاں نہ پاتے تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہ کو اکٹھا کر کے متعلقہ مسئلہ کے بارے میں سیرتِ رسول ﷺ کے بارے میں دریافت کرتے۔

4-اگر کوئی حل نہ پاتے تو مشاورتی بورڈ سے رائے/مشورہ طلب کرتے۔اور پھر آخر میں اللہ رب العزت کا شکر ادا کرتے۔[10]

ج۔اندرونی سیاسی استحکام اور مرتدین کی سرکوبی:۔ کسی بھی ریاست یا ملک کے تین بنیادی ستون ہوتے ہیں۔

1-آئین اور فکر و دستور 2-سیاسی نظام 3-معاشی نظام۔

یہ تینوں ستون ایک دوسرے کے ساتھ پیوستہ ہوتے ہیں۔اعلیٰ فکر کی بنیاد پر بننے والا مضبوط سیاسی نظام دراصل معاشی استحکام و ترقی کی راہیں پیدا کرتا ہے۔گویا کہ معاشی ترقی کے لئے سیاسی طور پر اَمن کا ہونا بہت ضروری ہے۔آج کل کے دور نے تو یہ ثابت کر دیا کہ جس ملک کا سیاسی نظام مضبوط ہو اور وہاں پر اَمن ہو فتنہ وفساد اور ہنگامے چوری ڈاکے وغیرہ نہ ہو تو وہاں پر باہر ملک سے سرمایہ کار اپنا کاروبار اور سرمایہ لگانے کے لئے آتے ہیں۔اور اگر حالات سازگار نہ ہو اندرونی طور پر اَمن نہ ہو، سیاسی عدمِ استحکام ہو، تو وہاں پر باہر ملک کی سرمایہ کاری کی بجائے اپنے ملک کی عوام کا اعتماد بھی اُٹھ جاتا ہے۔بے یقینی اور خوف کے عالم میں کوئی بھی معاشی سرگرمی ترقی نہیں کر پاتی۔

بالکل اسی طرح رسول اللہ ﷺ کی وفات کے بعد اندرونی طور پر نو مسلم قبائل اور منافقین کی طرف سے اسلامی نظام اور مملکت کو شدید خطرات لاحق ہوگئے۔ یہ قبائل مرتد ہو کر روم و فارس کے حکمرانوں کے آلۂ کار بن گئے تھے۔ انہوں نے اسلامی خلافت کے اَمن کو داؤ پر لگالیا تھا۔ دوسری طرف بیرونی خطرات بھی مشرق و مغرب دونوں اطراف سے منڈلا رہے تھے۔ ایسے حالات میں جب حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ خلیفہ بنے تو آپ رضی اللہ عنہ نے اِن دونوں چیلنجوں سے نمٹنے کے لئے حکمتِ عملی اپنائی۔

رسول اللہ ﷺ نے وفات سے قبل رومیوں کی طرف سے لاحق بیرونی خطرات کے سدِّباب کے لئے جیشِ اسامہ رضی اللہ عنہ کی تیاری کا حکم دیا تھا۔ جیشِ اُسامہ رضی اللہ عنہ کی روانگی کا بنیادی مقصد یہ بھی تھا کہ جب شام کی سرحد کے قریب شرجیل بن عمرو نے نبی کریم ﷺ کے قاصد حارث بن عمیر رضی اللہ عنہ کو شہید کر دیا تو عالمی قوانین کی خلاف ورزی پر بدلہ لینے کے لئے نبی کریم ﷺ نے ایک اور لشکر زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کی سرکردگی میں روانہ کیا، لیکن اِس لشکر کو بھاری نقصان پہنچا اور زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ اور دیگر قائم مقام امراء یکے بعد دیگرے شہید ہو گئے۔ تو آپ ﷺ نے اِن واقعات کا بدلہ لینے کے لئے اُسامہ بن زید رضی اللہ عنہ کے لشکر کی روانگی کا ارادہ کیا[11]۔

نبی کریم ﷺ کی وفات کے بعد حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اگلے دن سب سے پہلے جیشِ اسامہ رضی اللہ عنہ کی روانگی کا حکم دیا۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہ نے شدید مخالفت کی لیکن آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا۔ "وارتد ت العرب حول المدينة فاجتمع إليه أصحاب رسول الله ﷺوسلمو فقالوا له يا ابا بكر رد هؤلاء توجه هؤلاء إلى الروم وقد ارتدت العرب حول المدينة فقال والذي لا إله إلا هو لو جرت الكلاب بأرجل أزواج رسول الله صلى الله عليه وسلم ما رددت جيشا وجهه رسول الله صلى الله عليه وسلم، ولا حللت لواء عقده رسول الله صلى الله عليه وسلم"۔[12]

ترجمہ:۔ "اور مرتد ہو گئے مدینہ کے آس پاس کے عرب، پس رسول اللہ ﷺ کے صحابہ رضی اللہ عنہ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے پاس آئے اور سلام کیا۔ پس انہوں نے کہا، اے ابو بکر رضی اللہ عنہ! کیا آپ رضی اللہ عنہ نے اِن کو چھوڑ کر روم (جیشِ اسامہ رضی اللہ عنہ کی روانگی) پر توجہ دی اور تحقیق مدینہ کے آس پاس کے عرب مرتد ہو گئے ہیں۔ پس آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا۔ وحدہ لاشریک کی قسم! کہ اگر نبی کریم ﷺ کی ازواجِ مطہرات کے پاؤں کتے گھسیٹ لیں تو بھی جس لشکر کو رسول اللہ ﷺ نے بھیجا ہے ہرگز واپس نہیں لوٹاؤں گا، اور جس جھنڈے کو خود رسول اللہ ﷺ نے باندھا ہو، اُس کو میں نہیں کھولوں گا"۔

گویا کہ اسلامی ریاست کا بیرونی دشمنوں اور خطرات سے حفاظت کرنا بہت ضروری تھا۔اِس کا انتظام رسول اللہ ﷺ نے کیا تھا۔اور حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اُس کو مکمل کیا۔ جیشِ اُسامہ تقریباً 70 دنوں کے بعد کامیابی کے ساتھ لوٹ آیا۔

اسی کے ساتھ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اندرونی طور پر لاحق خطرات سے نمٹنے کے لئے بھی حکمتِ عملی بنائی۔اسودِ عنسی کا خروج،بنی اَسد میں طلیحہ،یمامہ میں مسیلمہ کذاب وغیرہ نے نبوت کا دعویٰ کر کے اسلامی سلطنت میں اندرونی انتشار کا ذریعہ بن رہے تھے۔شروع شروع میں آپ رضی اللہ عنہ نے نبی کریم ﷺ کی سنت پر عمل کرتے ہوئے مرتدین اور باغی قبائل کے ساتھ خط وکتابت جاری رکھا۔اِن قبائل کی بغاوت اور ارتداد کی وجہ سے کئی سارے علاقے مسلمانوں کے ہاتھ سے نکل گئے۔اَسودِ عنسی نے نبوت کا دعویٰ کر کے یمن سے لے کر طائف تک علاقہ پر قبضہ کر کے رکھا۔جیسا کہ علامہ طبریؒ نے لکھا ہے۔" وَغَلَبَ عَلَى صَنْعَاءَ لِخَمْسٍ وَعِشْرِينَ لَيْلَةً"۔[13]

ترجمہ:۔"اور (اسود عنسی) غالب رہا صنعاء پر 25 دن تک"۔

جہاں جہاں اِن مرتدین اور باغیوں کا قبضہ رہا وہاں سے انہوں نے مسلمان عاملین کو باہر نکال دیا۔ گویا کہ اِن مرتدین اور منکرینِ زکٰوۃ نے اسلامی نظام کی عملداری کو چیلنج کر لیا۔ جس کی وجہ سے اِن کے خلاف اقدام ابہت ضروری تھا۔

د۔ **جمعِ قرآن:۔** آپؓ کا سب سے بڑا کارنامہ قرآن مجید کو جمع کر کے کتابت کی شکل میں لاکر محفوظ کرنا ہے۔اِس کی ضرورت تب پڑی جب جنگِ یمامہ میں بارہ سو(1200)صحابہ کرام شہید ہوئے جن میں انتالیس(39)صحابہ حفاظِ قرآن تھے۔اسی طرح دیگر جنگوں میں بھی حفاظ صحابہ کرام کی شہادت نے حضرت عمر فاروقؓ کو پریشان کر دیا۔ کہ کہیں قرآن ضائع نہ ہو جائے۔ حضرت عمر فاروقؓ نے جرأت کا مظاہرہ کرتے ہوئے حضرت ابو بکر صدیقؓ سے حفاظتِ قرآن کے بارے میں بات کی۔ شروع شروع میں حضرت ابو بکر صدیقؓ نے انکار کیا کہ جو کام خود رسول اللہ ﷺ نے نہیں کیا تو میں خود سے وہ کام کیوں کروں۔ بہر حال حضرت عمر فاروقؓ نے آپؓ کو جمع قرآن پر راضی کر لیا۔آپؓ نے حضرت زید بن ثابتؓ(رسول اللہ ﷺ کے کاتبِ وحی رہ چکے تھے) کو حکم دیا کہ قرآن مجید کو جمع کرو۔انہوں نے قرآن مجید کے مختلف اجزاء جو کپڑوں کے ٹکڑوں،درخت کے چھالوں،پتھروں، کھجور کے پتوں پر لکھے ہوئے تھے یا صحابہ کرام کے سینوں میں محفوظ تھے۔اِن سب کو بڑی احتیاط کے ساتھ جمع کیا۔اور پھر کبار صحابہ کرام کی تصدیق اور تسلی کے بعد مصحف کی شکل میں اکٹھا کیا گیا۔حافظ ابن حجر عسقلانیؒ نے "فتح الباری" میں لکھا ہے۔

" وَقَدْ أَعْلَمَ اللهُ تَعَالَى فِي الْقُرْآنِ بِأَنَّهُ مَجْمُوعٌ فِي الصُّحُف فِي قَوْله يَتْلُو صحفا مطهرة الْآيَةَ وَكَانَ الْقُرْآنُ مَكْتُوبًا فِي الصُّحُفِ لَكِنْ كَانَتْ مُفَرَّقَةً فَجَمَعَهَا أَبُو بَكْرٍ فِي مَكَانٍ وَاحِدٍ"۔[14]

ترجمہ :۔"اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں پہلے ہی یہ بتادیا تھا کہ وہ صحیفوں میں جمع ہے، چنانچہ اللہ نے فرمایا"یَتْلُو صُحُفًا مُطَهَّرَة"۔ اورقرآن مجید صحیفوں پر لکھاہواتھا۔لیکن وہ صحیفے(مختلف اجزاء جوالگ الگ لکھے ہوئے تھے)منتشر تھے۔پس حضرت ابو بکر صدیقؓ نے اُن کوایک جگہ جمع کر دیا۔

ہ- بیرونی فتوحات:۔ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ اندرونی خلفشار اور بغاوت پر قابو پانے کے فوراً بعد بیرونی فتوحات کی طرف متوجہ ہوئے۔سب سے پہلے آپ رضی اللہ عنہ نے شام پر فوج کشی کا حکم دیا۔شام کی فتح یورپ کی طرف جانے کے لئے اہمیت کی حامل تھی۔ تجارتی حوالے سے بھی اس کی اپنی اہمیت ہے اسی لئے آپ رضی اللہ عنہ نے شام کے بڑے شہروں پر کئی اطراف سے حملے کا حکم دیا۔دمشق پر حملے کے لئے یزید بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ، حمص پر حملہ کے لئے ابوعبیدہ ابن الجراح رضی اللہ عنہ ،اردن پر حملہ کے لئے شرجیل بن حسنہ رضی اللہ عنہ اور فلسطین پر حملہ کے لئے عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کو مقرر کیا،اِن سب کااجتماعی کمانڈ ابوعبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ کے ہاتھ میں تھا۔ستائیس ہزار فوجیوں کے ساتھ مختلف اطراف سے حملہ کیاگیا۔مزید فوجیوں کی ضرورت پڑنے پر خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو عراق سے شام روانہ کر دیاگیا۔راستے میں چھوٹے بڑے شہر فتح کرنے کے بعد فلسطین کی فتح کے لئے پہنچ گئے۔وہاں پر رومیوں کی عظیم فوج سے آمنا سامنا ہوا۔خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کے ساتھ مل کر رومیوں کو شکستِ فاش دے کر اجنادین کو فتح کیااور شام کے دارالحکومت دمشق کی طرف متوجہ ہوئے۔اِن تمام صحابہ رضی اللہ عنہ نے ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ مل کر دمشق کا تین مہینوں تک محاصرہ کرکے دشمنوں کی قوت کو کمزور کیا۔اسی دوران حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ انتقال فرماگئے، جیساکہ علامہ بلاذریؒ نے تفصیلاً لکھاہے۔[15]

اِن تمام بڑے شہروں کی فتوحات سے اسلامی سلطنت کی آمدن اور محاصل میں کافی حد تک اضافہ ہو گیا۔

3-حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی معاشی اصلاحات:۔

رسول اللہ ﷺ نے جس معاشی نظام کی بنیادرکھی تھی حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے قرآن مجیداور احادیث نبوی ﷺ کی روشنی میں ملنے والی تعلیمات کی روشنی میں مضبوط کیااور اس کو عملی صورت اگلے مرحلے میں نافذ کرکے دکھایا۔ حضور نبی کریم ﷺ کے دور میں اسلامی خلافت کادائرہ اتناوسیع نہیں تھا جتنی وسعت بعد میں ملی، اِس لئے بعد کے ادوار میں حالات اور تقاضے بدلتے گئے ،اسلامی خلافت کو وسعت ملتی گئی۔حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کا عہدِ خلافت چونکہ مختصر تھااور وفات النبی ﷺ کے بعد جزیرۃ العرب میں پیداہونے والے چیلنجوں سے

نمٹنے کی وجہ سے اتنی فرصت نہیں ملی۔آپ رضی اللہ عنہ اندرونی استحکام کے ساتھ ساتھ بیرونی حملوں کی طرف متوجہ ہو گئے تھے۔اِن سب کے باوجود آپ رضی اللہ عنہ نے اپنے دور میں اسلامی معاشی نظام کو دور کے ساتھ ہم آہنگ بنانے کی کوششیں کیں۔بنیادی طورپر صدیقی دور کے معاشی وسیاسی نظام میں وہی سادگی برقرار رہی جو رسول اللہ ﷺ کے دور میں رہی[16]۔

ذیل میں خلیفہء اول حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے دور کے اسلامی معاشی نظام کی چیدہ چیدہ اور بنیادی اصلاحات پیش ہیں۔معاشی نظام میں بیت المال چونکہ سب سے اہم جزو ہےاِس لئے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے دور میں بیت المال کی کیفیت، آمدن اور مصارف کی تفصیل درجہ ذیل ہے۔

الف۔بیت المال کی آمدنی کے ذرائع:۔ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے دور میں بیت المال کی آمدنی کے ذرائع تقریباًوہی تھے جو رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں تھے۔طبقات ابن سعد میں ہے کہ آپ رضی اللہ عنہ نے بیت المال کے لئے باقاعدہ ایک عمارت بھی تعمیر کروائی تھی۔أن أبا بكر الصِّدِّيقَ كَانَ لَهُ بَيْتُ مَالٍ بِالسُّنْحِ مَعْرُوفٌ لَيْسَ يَحْرُسُهُ أَحَدٌ. فَقِيلَ لَهُ: يَا خَلِيفَةَ رَسُولُ اللَّهِ - صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ - أَلا تَجْعَلُ عَلَى بَيْتِ الْمَالِ مَنْ يَحْرُسُهُ؟ فَقَالَ: لا يُخَافُ عَلَيْهِ. قُلْتُ: لِمَ؟ قَالَ: عَلَيْهِ قُفْلٌ"۔[17]

ترجمہ:۔"بے شک حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے بیت المال کی عمارت سُنح کے مقام پر تعمیر کروائی۔کسی نے آپ رضی اللہ عنہ سے بیت المال کی حفاظتی دربان کے بارے میں پوچھا،تو آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا! ڈرو مت،اِس کے لئے بس ایک تالا/قُفل کافی ہے"۔

آپ رضی اللہ عنہ آمدنی کا پورا حساب وکتاب رکھتے تھے۔اور جمع کرنے کے بجائے عوام پر فوراً خرچ کرتے تھے۔چنانچہ فتوحات کے ساتھ ساتھ بیت المال کی آمدنی میں کافی حد تک اضافہ ہوگیا۔جیساکہ طبقات ابن سعد میں ہے۔

" وَكَانَ بِالْمَدِ ينَةِ وَزَّانٌ عَلَى عَهْدِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَكَانَ يَزِنُ مَا كَانَ عِنْدَ أَبِي بَكْرٍ مِنْ مَالٍ. فَسُئِلَ الْوَزَّانُ كَمْ بَلَغَ ذَلِكَ الْمَالُ الَّذِي وَرَدَ عَلَى أَبِي بَكْرٍ؟ قَالَ: مِائَتَيْ أَلْفٍ"۔[18]

ترجمہ:۔"اور رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں مدینہ منورہ میں (بیت المال کا) **وَزَّان** ہوتا تھا،اور وہی شخص حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے زمانے میں بھی بیت المال کا مال وزن کیا کرتا تھا۔پس اُس **وَزَّان** سے کسی نے پوچھا کہ ابو بکر رضی اللہ عنہ کے پاس بیت المال میں کل کتنا مال آیا؟ **وَزَّان** نے کہا کہ آپ رضی اللہ عنہ کے پاس بیت المال میں سوہزار (ایک لاکھ) درہم آئے"۔

اِس بات سے اندازہ ہوتا ہے کہ حضرت ابو بکر صدیقؓ نے اپنے معاشی نظام کو کتنا مستحکم اور مضبوط بنایا۔

حضور نبی کریم ﷺ کے زمانے میں بیت المال کی آمدنی کے ذرائع مندرجہ ذیل تھے۔

1-زکوۃ 2-عُشر 3-خراج 4-جزیہ 5-مالِ غنیمت 6-مالِ فیٔ

7-صدقاتِ نافلہ اور ہنگامی چندے 8-قرضِ حسنہ 9-اَوقاف 10-تحفے اور ہدایا

11-لگان/اجارہ

مندرجہ بالا تمام ذرائع آمدن پر تفصیلاً لکھا جا چکا ہے اِس لئے دوبارہ دہرانے کی ضرورت نہیں۔ یہاں پر صرف اُن ذرائع اور کوششوں کو ذکر کیا جائے گا جن کی حضرت ابو بکر صدیقؓ نے کوشش کی، اور جس سے بیت المال کی آمدنی میں اضافہ ہوا اور معاشی نظام مستحکم ہو گیا۔ مثلاً منکرینِ زکوٰۃ کے خلاف جہاد کرنا یا پھر معدنیات وغیرہ سے متعلق آپ رضی اللہ عنہ کے فیصلے، جن کو مؤرخین نے نقل کیا ہے۔ ذیل میں آپؓ کا منکرینِ زکوٰۃ کے خلاف جہاد کا تفصیلاً ذکر ہے۔

ب-منکرینِ زکوٰۃ کے خلاف جہاد:- جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنے ہی دور میں اسلامی نظام حکومت کے ماتحت زکوٰۃ کے حصول کا ایک اجتماعی نظام تشکیل دیا تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے زکوٰۃ اکٹھا کر کے بیت المال میں جمع کرنے کے لئے عاملینِ زکوٰۃ کی صورت میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہ کو مختلف قبائل اور علاقوں میں مقرر کیا تھا، اِن عاملین کی بنیادی ذمہ داری مسلمانوں سے زکوٰۃ کو وصول کر کے بیت المال میں جمع کرنا تھا۔ رسول اللہ ﷺ جب 10ھ میں حجۃ الوداع سے واپس مدینہ منورہ تشریف لائے تو آپ ﷺ بیمار ہو گئے۔ آپ ﷺ کی بیماری کی خبر سارے عرب قبائل میں پھیل گئی۔ اِس موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے یمن میں اَسودِ عنسی اور یمامہ میں مسیلمہ کذاب نے نبوت کا دعویٰ کیا اور دینِ اسلام سے بغاوت کر دی۔ رسول اللہ ﷺ تک یہ باتیں پہنچ گئیں۔ اِس کے بعد بنی اَسد کے طلیحہ اَسدی نے نبوت کا دعوی کیا۔ اِس قلیل عرصہ میں نبی کریم ﷺ صحت یاب ہونے کے بعد محرم میں دوبارہ بیمار ہو گئے اور پھر اسی بیماری میں آپ ﷺ کی وفات ہو گئی۔ جیسا کہ علامہ ابن جریر طبریؒ نے بھی لکھا ہے[19]۔ رسول اللہ ﷺ تک بغاوت اور جھوٹے نبیوں کی خبریں پہنچتی رہی۔ عین اسی وقت نبی کریم ﷺ شمال کی جانب رومیوں کے خلاف جنگی مہمات اور حملوں کا آغاز بھی کر چکے تھے۔ جس کے لئے آپ ﷺ نے حضرت اُسامہ بن زید رضی اللہ عنہ کی امارت میں ایک لشکر ترتیب دیا۔ تو دوسری طرف جنوب کی جانب ایک نیا محاذ کھل گیا جس کے لئے آپ ﷺ نے جھوٹے مدعیانِ نبوت کو خطوط روانہ کئے۔ اسی دوران آپ ﷺ کی وفات ہو گئی۔ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ جب خلیفہ منتخب ہوئے تو آپ رضی اللہ عنہ نے اگلے دِن سب سے پہلے اُس مہم کا آغاز کیا جو وفات نبی ﷺ کے ساتھ ادھوری رہ گئی تھی، اور وہ تھی جیشِ اُسامہ رضی اللہ عنہ کی روانگی۔ چنانچہ آپ رضی اللہ عنہ نے مشکلات کے باوجود اِس لشکر کو روانہ کیا۔ علامہ ابن جریر طبریؒ نے یوں بیان کیا ہے۔ "نَادَى مُنَادِي أَبِي بَكْرٍ،

مِنْ بَعْدِ الْغَدِ مِنْ متوفی رسول الله ﷺ لِيُتَمَّ بَعْثُ أُسَامَةَ، أَلا لا يَبْقَيَنَّ بِالْمَدِينَةِ أَحَدٌ مِن جُنْدِ أُسَامَةَ إِلا خَرَجَ إِلَى عَسْكَرِهِ بِالْجُرْفِ"۔[20]

ترجمہ:۔"رسول اللہ ﷺ کی وفات کے اگلے دن حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی طرف سے "جیشِ اسامہ رضی اللہ عنہ کی روانگی" کا اعلان کیا گیا، کہ اِس لشکر کے تمام افراد جُرف کے مقام میں جمع ہو"۔

11ھ میں حضور نبی کریم ﷺ کے انتقال فرمانے کے ساتھ عرب کے کئی قبائل یہ سمجھ بیٹھے کہ شاید دینِ اسلام کا اجتماعی نظام اَب قائم نہیں رہا، چونکہ رسول اللہ ﷺ وفات پاگئے اور آپ ﷺ کے بعد اور کوئی شخص اُس جیسا اجتماعی کردار اَدا کرنے کے اہل نہیں ہے۔ چنانچہ اِس غلط فہمی کی بنیاد پر اِن لوگوں نے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کو زکٰوۃ دینے سے انکار کر دیا، یہ لوگ ایک طرف کلمۂ حق پڑھتے تھے اور دوسری طرف دینِ اسلام کے اجتماعی معاشی نظام کا انکار کر رہے تھے، انہوں نے یہ اعلان کیا کہ آج کے بعد ہم نماز پڑھیں گے لیکن زکٰوۃ اپنی مرضی سے انفرادی طور پر لوگوں میں تقسیم کریں گے، حکومتِ وقت کے متعین کردہ عاملینِ زکٰوۃ کو زکٰوۃ اَدا نہیں کریں گے۔ اِن قبائل میں مدینہ کے نواحی قبائل عبس، ذبیان، بنو کنانہ، غطفان اور بنو فزارہ وغیرہ شامل تھے۔ یہ اِن قبائل کی غلط فہمی تھی، چونکہ قرآن مجید میں نماز کے ساتھ زکٰوۃ کا حکم اکٹھا دیا گیا ہے۔ زکٰوۃ کا حکم 2ھ میں مدینہ منورہ میں اسلامی ریاست کی تشکیل کے بعد نازل ہوا۔ مکہ میں 13 سال تک زکوۃ کا حکم نازل نہیں ہوا چونکہ وہاں پر اسلامی ریاست وجود میں نہیں آئی تھی۔ مدینہ میں اسلامی ریاست کے وجود میں آنے کے بعد یہ حکم نازل ہونے کا مطلب یہ ہے کہ اسلامی ریاست کی ذمہ داری ہے کہ وہ معاشی نظام چلانے کا انتظام کرے۔ ٹیکس اور زکٰوۃ وصول کرنے کا بندوبست کرے۔ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کو حکم دیا کہ اے نبی ﷺ! آپ اِن مسلمانوں سے زکٰوۃ لے کر اِن کو اموال کو پاک وصاف کر دیجئے۔ چنانچہ ارشادِ ربانی ہے۔

"خُذْ مِنْ أَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً تُطَهِّرُهُمْ وَتُزَكِّيهِم بِهَا وَصَلِّ عَلَيْهِمْ ۖ إِنَّ صَلَاتَكَ سَكَنٌ لَّهُمْ ۗ وَاللَّهُ سَمِيعٌ عَلِيمٌ "۔[21]

ترجمہ:۔"اِن کے اموال میں سے زکٰوۃ لے لو کہ اس سے تم ان کو (ظاہر میں بھی) پاک اور (باطن میں بھی) پاکیزہ کرتے ہو اور ان کے حق میں دعائے خیر کرو کہ تمہاری دعا ان کے لیے موجب تسکین ہے اور خدا سننے والا اور جاننے والا ہے"۔

اِس آیتِ کریمہ سے معلوم ہوتا ہے کہ زکٰوۃ لینا اور مستحقین میں تقسیم کرنا اسلامی نظامِ حکومت کی بنیادی ذمہ داری ہے۔ اِس لئے یہ ذمہ داری انفرادی طور پر اَدا نہیں کی جاسکتی جب تک اسلامی نظام حکومت قائم رہے۔

حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے جیشِ اُسامہ کی روانگی کے بعد اِن منکرینِ زکٰوۃ قبائل سے خط وکتابت کا سلسلہ جاری رکھا۔ جب 70 دن کے بعد جیشِ اُسامہ رضی اللہ عنہ کامیابی کے ساتھ واپس ہوا تو آپ رضی اللہ عنہ نے

اِن قبائل کے خلاف گیارہ دستے مقابلے کے لئے تشکیل دیے۔ چنانچہ آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا، جیسا کہ صحیح بخاری میں یہ روایت ہے ۔"عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، قَالَ: لَمَّا تُوُفِّيَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَاسْتُخْلِفَ أَبُو بَكْرٍ بَعْدَهُ، وَكَفَرَ مَنْ كَفَرَ مِنَ العَرَبِ، قَالَ عُمَرُ لِأَبِي بَكْرٍ: كَيْفَ تُقَاتِلُ النَّاسَ؟ وَقَدْ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: " أُمِرْتُ أَنْ أُقَاتِلَ النَّاسَ حَتَّى يَقُولُوا: لاَ إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ، فَمَنْ قَالَ: لاَ إِلَهَ إِلَّا الله عَصَمَ مِنِّي مَالَهُ وَنَفْسَهُ، إِلَّا بِحَقِّهِ وَحِسَابُهُ عَلَى الله "، فَقَالَ: وَاللهِ لَأُقَاتِلَنَّ مَنْ فَرَّقَ بَيْنَ الصَّلاَةِ وَالزَّكَاةِ، فَإِنَّ الزَّكَاةَ حَقُّ المَالِ، وَاللهِ لَوْ مَنَعُونِي عِقَالًا كَانُوا يُؤَدُّونَهُ إِلَى رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَقَاتَلْتُهُمْ عَلَى مَنْعِهِ، فَقَالَ عُمَرُ: فَوَاللهِ مَا هُوَ إِلَّا أَنْ رَأَيْتُ الله قَدْ شَرَحَ صَدْرَ أَبِي بَكْرٍ لِلْقِتَالِ، فَعَرَفْتُ أَنَّهُ الحَقُّ"۔[22]

ترجمہ :۔"حضرت ابوہریرۃ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب رسول اللہ ﷺ کی وفات ہوئی اور حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ خلیفہ ہوئے تو عرب کے کچھ لوگ کافر ہو گئے(اور زکوٰۃ بیت المال میں جمع کرانے سے انکار کر دیا)، چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا"کہ آپ رضی اللہ عنہ اِن لوگوں سے کیوں کر جہاد کریں گے حالانکہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایاہے کہ مجھے لوگوں سے اس وقت تک لڑنے کا حکم ہے جب تک وہ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللہ نہ کہیں۔جب یہ کہنے لگیں تو انہوں نے اپنے مال اور اپنی جانیں مجھ سے بچالیں۔مگر حق کے ساتھ،اور ان کا حساب اللہ تعالیٰ کے ذمہ ہو گا۔ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے کہا" اللہ کی قسم !میں تو اس سے ضرور لڑوں گا جو نماز اور زکوٰۃ میں فرق کرے گا۔کیونکہ زکوٰۃ مال کا حق ہے۔واللہ !اگر یہ لوگ ایک بکری کا بچہ بھی،جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیا کرتے تھے۔مجھے نہ دیں گے تو ان سے ضرور لڑائی کروں گا۔حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا" واللہ !اللہ تعالیٰ نے ابو بکرؓ کا سینہ کھول دیا تھا،اور میں جان گیا کہ حق یہی ہے"۔

منکرینِ زکوٰۃ کے دلائل:۔جیسا کہ اوپر آیتِ کریمہ میں واضح طور پر اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کو حکم دیا کہ اِن مسلمانوں سے زکوٰۃ لے لو۔چونکہ رسول اللہ ﷺ وفات پاگئے ۔تواِن منکرینِ زکوٰۃ کا اِس بات پر اصرار تھا کہ آپ ﷺ کی وفات کے بعد کوئی ایسادوسرا شخص نہیں ہے جو یہ ذمہ داری اطمینان اوراحسن طریقہ سے نبھائے۔اِس بناپر انہوں نے خلیفۂ وقت کو زکوٰۃ دینے سے انکار کیا۔اِن لوگوں کی دوسری دلیل یہ روایت تھی۔"لَمَّا بَعَثَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مُعَاذَ ابن جَبَلٍ إِلَى الْيَمَنِ قَالَ: أَمَا إِنَّكَ تَأْتِي قَوْمًا مِنْ أَهْلِ الْكِتَابِ، فَقُلْ لَهُمْ.إِنَّ اللَّهَ فَرَضَ عَلَيْكُمْ فِي الْيَوْمِ وَاللَّيْلَةِ خَمْسَ صَلَوَاتٍ، فَإِنْ أَطَاعُوكَ فَقُلْ: إِنَّ اللَّهَ فَرَضَ عَلَيْكُمْ فِي السَّنَةِ صَوْمَ شَهْرِ رَمَضَانَ، فَإِنْ أَطَاعُوكَ فَقُلْ: إِنَّ اللهَ فَرَضَ عَلَيْكُمْ حَجَّ الْبَيْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ إِلَيْهِ سَبِيلا، فَإِنْ أَطَاعُوكَ فَقُلْ: إِنَّ اللَّهَ قَدْ فَرَضَ عَلَيْكُمْ فِي أَمْوَالِكُمْ صَدَقَةً تُؤْخَذُ مِنْ أَغْنِيَائِكُمْ فَتُرَدُّ فِي فُقَرَائِكُمْ، فَإِنْ أَطَاعُوكَ فَإِيَّاكَ وَكَرَائِمَ أَمْوَالِهِمْ. وَإِيَّاكَ وَدَعْوَةَ الْمَظْلُومِ، فَإِنَّهُ لَيْسَ بَيْنَهَا وَبَيْنَ اللَّهِ حِجَابٌ وَلا سِتْرٌ"۔[23]

ترجمہ:۔"رسول اللہ ﷺ نے جب معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کو یمن روانہ کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا: کہ اہل کتاب میں سے جس قوم میں پہنچو پہلے اُن سے یہ کہنا کہ اللہ تعالیٰ نے تم پر دن رات میں پانچ نمازیں فرض کی ہیں، اور جب یہ بات مان لے تو پھر یہ کہنا کہ اللہ تعالیٰ نے تم پر سال بھر میں رمضان کے روزے فرض کئے ہیں، اور جب یہ بات مان لے تو پھر یہ کہنا کہ اللہ تعالیٰ نے تمہارے اہل استطاعت پر بیت اللہ کا حج فرض کیا ہے، اور جب یہ بات مان لے تو پھر یہ کہنا کہ اللہ تعالیٰ نے تمہارے اَموال پر صدقہ (زکوٰۃ) فرض کیا ہے جو تمہارے اُمراء سے لے کر غرباء کو دیا جائے گا، اور جب یہ بات بھی مان لے تو پھر تم پر اُن لوگوں کی قیمتی جائیدادوں کی حفاظت اور اُن کے مظلوموں کی دادرسی فرض ہے کیونکہ مظلوم اور اللہ کے درمیان کوئی حجاب اور پردہ نہیں ہوتا"۔

منکرینِ زکوٰۃ اِس روایت سے یوں استدلال کر رہے تھے کہ رسول اللہ ﷺ نے یمن کے لوگوں کے بارے مین حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کو چونکہ حکم دیا تھا کہ اُن کی زکوٰۃ اُن سے لے کر اُن ہی کے غرباء میں تقسیم کیا جائے، نہ کہ یہ حکم دیا تھا کہ اُن کی زکوٰۃ کو مدینہ منورہ بھیجا جائے۔اِس لئے یہ لوگ کہتے تھے کہ ہم زکوٰۃ نکالیں گے لیکن مدینہ نہیں بھیجیں گے بلکہ خود ہی اپنے اپنے قبائل میں تقسیم کریں گے۔ منکرینِ زکوٰۃ کے کئی وفود مذاکرات کے لئے مدینہ منورہ آئے۔جیسا کہ علامہ طبریؒ نے لکھا ہے۔"وقد بعثوا وفودا فقدموا الْمَدِينَة، فنزلوا على وجوه الناس، فأنزلوهم ما خلا عباسا فتحملوا بهم على أبي بكر، على أن يقيموا الصلاة، وعلى ألا يؤتوا الزكاة، فعزم الله لأبي بكر على الحق"۔[24]

ترجمہ:۔"اور تحقیق انہوں نے وفود مدینہ بھیجے، پس مدینہ کے لوگوں نے اِن کو اپنے پاس ٹھہرایا، ماسوا حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے۔یہ لوگ خلیفہ وقت حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ سے ملے اور اُن کے سامنے اپنے شرائط رکھے کہ ہم نماز تو پڑھیں گے لیکن زکوٰۃ (نظامِ حکومت کو) اَدا نہیں کریں گے۔ پس اللہ تعالیٰ نے حضرت ابو بکر صدیقؓ کو عزم دیا حق پر"۔

چنانچہ علامہ ابن حزمؒ نے "الملل والنحل" میں منکرینِ زکوٰۃ کے بارے میں یوں لکھا ہے۔"وَطَائِفَة بقيت على الْإِسْلَام أَيْضا إِلَّا أَنهم قَالُوا نُقِيم الصَّلَاة وشرايع الْإِسْلَام إِلَّا أَنا لَا نُؤَدِّي الزَّكَاة إِلَى أبي بكر وَلَا نعطي طَاعَة لأحد بعد رَسُول الله صلى الله عَلَيْهِ وَسلم"۔[25]

ترجمہ:۔"ایک جماعت اسلام پر قائم رہی، لیکن انہوں نے کہا کہ ہم نماز اور شرائع اسلام کی پابندی کریں گے مگر زکوٰۃ ادا نہیں کریں گے۔نہ ابو بکر رضی اللہ عنہ کو اور نہ کسی دوسرے کو رسول اللہ ﷺ کے بعد زکوٰۃ دیں گے"۔

اِن دلائل کی بنیاد پر منکرینِ زکوٰۃ نے حکومتِ وقت کو زکوٰۃ اَدا کرنے سے انکار کر دیا۔

<u>منکرینِ زکوٰۃ کے بارے میں حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کی رائے اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہ کا مشورہ:۔</u> منکرینِ زکوٰۃ کے بارے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے دیگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہ سے مشورہ کیا۔ حضرات صحابہ کرام

رضی اللہ عنہ کی رائے یہ تھی کہ یہ قبائل چونکہ نو مسلم ہیں، وحشی قوم ہیں، دین اسلام کے نظام سے اتنے باخبر نہیں، اِس لئے اِن کے ساتھ نرمی برتی جائے۔ چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور دیگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہ نے آپ رضی اللہ عنہ کو یہ مشورہ دیا کہ اِن لوگوں کو بات چیت کے ذریعے سمجھانا چاہیئے نہ کہ لڑائی سے۔ جب کہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی رائے یہ تھی کہ اِن لوگوں سے جنگ لڑی جائے۔ جیساکہ شاہ ولی اللہ دہلویؒ نے ازالۃ الخفاء میں لکھا ہے۔

" بعد ازآن درقتال مرتدین مباحثه واقع شد صديق اكبر -رضي الله عنه - بجدّ عظيم در اين باب ملهم گشت وآن سرّ قول آنحضرت صلي الله عليه وسلم بود دراين فتنه كه العصمة بالسيف قال عمر: يا خليفة رسول الله صلي الله عليه وسلم تألف الناس وارفق بهم فقال اَ جَبارٌ في الجاهلية وخوارٌ في الاسلام انه قد انقطع الوحي وتم الدين اَ يُنقص وانا حيّ،مذكورفي المشكوة معزوا لرزين.ومثله قول المرتضي لا تفجعنا بنفسك يا خليفة رسول الله صلي الله عليه وسلم فأَجابه بنحوٍمما اجاب عمرمذكورٌ في الصواعق وغيره".[26]

ترجمہ:۔"اِس کے بعد مرتدین (زکوٰۃ) سے قتال کے بارے میں مباحثہ واقع ہوا، تو صدیق اکبر رضی اللہ عنہ پورے شرح صدر کے ساتھ اِس معاملہ میں مُلہم ہو گئے، اور وہی راز تھا اِس فتنہ کے موقع پر حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے اس قول کہ "العصمة بالسيف" بچاؤ تلوار سے ہوتا ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا، اے خلیفۂ رسول اللہ ﷺ! لوگوں کی تالیفِ قلب کیجئے اور اُن کے ساتھ نرمی کیجئے۔ تو آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ کیا جاہلیت میں جبّار (دلیر) تھے اور اسلام میں بُزدل ہو گئے ہو۔ سمجھ لو وحی منقطع ہو گئی اور دین پورا ہو چکا ہے، کیا دین میں کمی کی جائے؟ (یعنی کیا زکوٰۃ کا انکار کیا جائے) اور میں زندہ رہوں۔ یہ مشکوۃ شریف میں بھی مذکور ہے۔ اور اُسی جیسا حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کا بھی قول تھا کہ، اے خلیفۂ رسول اللہ ﷺ! آپ رضی اللہ عنہ ہمیں کرب و بے چینی میں نہ ڈالیں۔ تو حضرت ابو بکر صدیقؓ نے اُن کو بھی ویسا ہی (تیز) جواب دیا جیسا حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو دیا تھا۔ یہ صواعق وغیرہ میں مذکور ہے"۔

نیز حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے منکرینِ زکوٰۃ کے بارے میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اعتراض کا جواب دیتے ہوئے فرمایا، جس کو امام بخاریؒ نے نقل کیا ہے۔

"وَاللَّهِ لَأُقَاتِلَنَّ مَنْ فَرَّقَ بَيْنَ الصَّلاَةِ وَالزَّكَاةِ، فَإِنَّ الزَّكَاةَ حَقُّ المَالِ، وَاللَّهِ لَوْ مَنَعُونِي عِقَالًا كَانُوا يُؤَدُّونَهُ إِلَى رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَقَاتَلْتُهُمْ عَلَى مَنْعِهِ".[27]

ترجمہ:۔"اللہ کی قسم! میں ہر اُس شخص سے جو نماز اور زکوٰۃ میں فرق کرے، جہاد کروں گا۔ کیونکہ زکوٰۃ دینا مال کا حق ہے۔اللہ کی قسم! اگر کوئی بکری کا ایک بچہ بھی دینے سے انکار کرے جو وہ بطور زکوٰۃ رسول اللہ ﷺ کو دیا کرتا تھا تو میں اس کے خلاف بھی جہاد کروں"۔

علامہ ابن کثیرؒ نے اُس روایت کا بھی ذکر کیا ہے جس میں آپ رضی اللہ عنہ کا یہ قول ذکر ہے کہ آپ رضی اللہ عنہ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہ کو فرمایا۔"فَقَالَ أَبُو بَكْرٍ: وَاللَّهِ لَوْ مَنَعُونِي عِنَاقًا"۔[28]

ترجمہ:۔"پس ابو بکر رضی اللہ عنہ نے کہا: اللہ کی قسم! اگر یہ لوگ زکوٰۃ میں اونٹ باندھنے کی ایک رسی بھی نہیں دیں گے، تو میں اِن سے جہاد کروں گا"۔

امام ابوداؤدؒ نے ایک روایت میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا یہ قول بھی نقل کیا ہے۔"قَالَ:فَعَرَفْتُ أَنَّهُ الْحَقُّ"۔[29]

ترجمہ:۔"حضرت عمرؓ نے فرمایا! پھر مجھے معلوم ہوا کہ واقعی حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کی رائے درست تھی"۔

حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی اِس مضبوط دلیل، عزم واستقلال سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور دیگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہ اِس بات پر قائل ہوگئے کہ منکرینِ زکوٰۃ کے خلاف جہاد لڑنا وقت کی اشد ضرورت ہے۔جیسا کہ اُوپر گزر چکا ہے۔

اِسی دوران جیشِ اُسامہ رضی اللہ عنہ تقریباً 70 دنوں کے بعد کامیابیوں کے ساتھ واپس لوٹ آیا۔دوسری طرف مرتدین اور منکرینِ زکوٰۃ نے مدینہ پر مختلف اطراف سے حملے کئے جسکا آپ رضی اللہ عنہ کی بروقت منصوبہ بندی اور متعین کردہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہ کے دستوں نے بھرپور جواب دیا اور اُن کو واپس بھاگنے پر مجبور کیا۔اسی کے فوراً بعد آپ رضی اللہ عنہ نے اگلا قدم یہ اٹھایا کہ مسلمان لشکر کو 11 دستوں میں تقسیم کرکے مرتدین اور منکرینِ زکوٰۃ کی سرکوبی کے لئے روانہ کیا۔اِن 11 دستوں کے امیر مندرجہ ذیل صحابہ کرام رضی اللہ عنہ تھے[30]۔

1-خالد بن ولیدؓ 2-عکرمہؓ بن ابی جہل 3-مہاجر بن اُمیہؓ 4- خالد بن سعید بن عاص 5-عمرو بن عاصؓ 6-علاء بن حضرمیؓ 7- حذیفہ بن محصن غطفائیؓ 8-سوید بن مقرنؓ 9-شرجیل بن حسنہؓ 10-عرفجہ بن ہرثمہؓ 11-طریفہ بن حاضؓ

یہ تمام دستے کامیابی کے ساتھ مرتدین اور منکرینِ زکوٰۃ کا خاتمہ کرکے واپس لوٹے۔اِن دستوں نے منکرینِ زکوٰۃ کے تمام علاقوں کو فتح کیا وہاں کے باغات اور چراہ گاہیں اسلامی سلطنت کے زیرِ قبضہ آگئیں۔حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی بہادری کے اِس اقدام نے اسلامی خلافت و سلطنت کے اندر جان ڈال دی۔اسلامی سلطنت کا نظام

معیشت مضبوط ہو گیا۔زکوٰۃ کی وصولی کے ساتھ بیت المال کا آمدن بڑھ گیا۔حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے باجماعِ صحابہ واُمت منکرینِ زکوٰۃ کوواجب القتل قرار دیا۔اسی لئے امام شافعیؒ فرماتے ہیں۔

"وَالوَاجِبُ عَلَى الْوَالِي اَنْ لَّوْ مَنَعَ رَجُل مِّنَ الْمُسْلِمِينَ شَيْئًا مِّنْ مَّالِہ اَنْ يُّجَاهِدَ عَلَيْہ"۔

ترجمہ:۔"اور والی پر واجب ہے کہ اگر کوئی مسلمان اپنے مال میں سے کچھ روک دے تو اس سے جہاد کرے"۔

فتاویٰ عالمگیری میں زکوٰۃ وصول کرنے کے بارے میں لکھا ہے کہ۔

" فَهِيَ فَرِيضَةٌ مُحْكَمَةٌ يَكْفُرُ جَاحِدُهَا وَيُقْتَلُ مَانِعُهَا هَكَذَا فِي مُحِيطِ السَّرَخْسِيِّ "۔[31]

ترجمہ:۔"پس زکوٰۃ(کی وصولی) محکمہ(نظامِ حکومت) کی ذمہ داری اور فرض ہے۔اِس کاانکار کرنے والا کافر ہے۔اوراِس کا منع کرنے والا قتل کیاجائے گا"۔

خلاصۂ کلام یہ ہے کہ حضرت ابو بکر صدیقؓ نے جہاد اور جنگ کے بعد زکوٰۃ جیسے اہم نظامِ معیشت کو بحال کیا۔

ج-عاملین کا تقرر:۔آپؓ نے مندرجہ ذیل عاملین کا تقرر کیا۔جیساکہ علامہ طبریؒ نے لکھا ہے۔"كَانَ عَامِلَهُ عَلَى مَكَّةَ عَتَّابُ بْنُ أسيد، وعلى الطائف عثمان بن ابى العاص،وَعَلَى صَنْعَاءَ مُهَاجِرُ بْنُ أَبِي أُمَيَّةَ،وَعَلَى حَضْرَمَوْتَ زِيَادُ بْنُ لَبِيدٍ،وَعَلَى خَوْلانَ يَعْلَى بْنُ أُمَيَّةَ،وَعَلَى زَبِيدَ وَرِمَعَ أَبُو مُوسَى الأَشْعَرِيُّ،وَعَلَى الْجُنْدِ مُعَاذُ بْنُ جَبَلٍ،وَعَلَى البحرين العلاء ابن الْحَضْرَمِيِّ وَبَعَثَ جَرِيرَبْنَ عَبْدِ اللَّهِ إِلَى نَجْرَانَ،وَبَعَثَ بِعَبْدِ اللَّهِ بْنِ ثَوْرٍ،أَحَدِ بَنِي الْغَوْثِ إِلَى نَاحِيَةِ جُرَشَ،وَبَعَثَ عِيَاضَ بْنَ غَنْمٍ الْفِهْرِيَّ إِلَى دَوْمَةِ الْجَنْدَلِ،وَكَانَ بِالشَّامِ أَبُو عُبَيْدَةَ "۔[32]

ترجمہ:۔"آپ رضی اللہ عنہ کے زمانۂ خلافت میں مکہ کے عامل عتاب بن اُسید،طائف کے عامل عثمان بن ابی العاصی،صنعاء کے عامل مھاجر بن اُمیہ،حضر موت کے عامل زیاد بن لبید،خولان کے عامل یعلی بن اُمیہ،زبیداور رمع کے عامل ابو موسیٰ الاشعری،جند کے عامل معاذ بن جبل،بحرین کے عامل علاء بن حضرمی،نجران کے عامل جریر بن عبداللہ،دومۃالجندل کے عامل عیاض بن غنم فھری،شام کے عامل ابوعبیدہ رضوان اللہ عنھم اجمعین تھے"۔

ج-معدنیات کوبیت المال میں شامل کرنا:۔حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے معدنیات کی آمدنی کو بیت المال میں شامل کر دیا۔اِس سے پہلے رسول اللہ ﷺ نے اپنے دور میں معدنیات انفرادی طور پر صحابہ کرام کو عطافرمائے تھے۔جیساکہ حضرت بلال مزنی رضی اللہ عنہ کو رسول اللہ ﷺ نے مدینہ سے پانچ دن کی مسافت پر واقع معادن عطافرمائے تھے[33]۔

لیکن حضرت ابو بکر صدیقؓ نے معدنیات اوراِس پر وصول ہونے والے ٹیکس کو باقاعدہ بیت المال کا حصہ بناکر ریونیو کو بڑھایا۔جیساکہ طبقات ابن سعد میں ہے۔"وَكَانَ قَدِمَ عَلَيْهِ مَالٌ مِنْ مَعْدِنِ الْقَبَلِيَّةِ وَمِنْ

مَعَادِنِ جُهَيْنَةَ كَثِيرٌ وَانْفَتَحَ مَعْدِنُ بَنِي سُلَيْمٍ فِي خِلافَةِ أَبِي بَكْرٍفَقَدِمَ عَلَيْهِ مِنْهُ بِصَدَقَتِهِ فَكَانَ يُوضَعُ ذَلِكَ فِي بَيْتِ الْمَالِ فَكَانَ أَبُو بَكْرٍ يَقْسِمُهُ عَلَى النَّاسِ"۔[34]

ترجمہ:۔"اور آپ (حضرت ابو بکر صدیقؓ) کے پاس قبلیہ اور جھینہ قبائل کے معادن سے بھی مال آتا تھا،اور جب بنو سلیم کے معادن حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں فتح ہوئی تواِن کی آمدنی کو بیت المال میں شامل کیا گیا ۔اور آپؓ اِن کو لوگوں میں تقسیم فرماتے تھے"۔

د-مصارفِ بیت المال:۔بیت المال کے مصارف بھی آپ رضی اللہ عنہ کے زمانے میں وہی تھے جو رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں تھے۔پہلے سال آپ رضی اللہ عنہ نے بیت المال میں کل جمع شدہ مال میں سے لوگوں کے درمیان دس دس درہم تقسیم کئے۔اگلے سال آمدن میں بڑھوتری کی وجہ سے بیس بیس درہم بلا تفریق آزاد و غلام،ادنیٰ و اعلیٰ،مرد وعورت سب مسلمانوں میں برابر تقسیم کئے[35]۔

جس وقت حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ وفات پاگئے اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ خلیفہ بن گئے ،توحضرت عمر،حضرت عثمان اور حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنھم اجمعین بیت المال میں داخل ہوئے،تواِن حضرات کو بیت المال میں صرف ایک درہم ملا،وہ بھی جھاڑو لگانے کے بعد۔آپ رضی اللہ عنہ مال کو فوراً مستحقین میں تقسیم کرواتے تھے۔آپ رضی اللہ عنہ نے آمدنی کو کافی حد تک بڑھایا جیسا کہ طبقات ابن سعد میں ہے۔"وَكَانَ بِالْمَدِ ينَةِ وَزَّانٌ عَلَى عَهْدِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَكَانَ يَزِنُ مَا كَانَ عِنْدَ أَبِي بَكْرٍ مِنْ مَالٍ. فَسُئِلَ الْوَزَّانُ كَمْ بَلَغَ ذَلِكَ الْمَالُ الَّذِي وَرَدَ عَلَى أَبِي بَكْرٍ؟ قَالَ: مِائَتَيْ أَلْفٍ"۔[36]

ترجمہ:۔"اور رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں مدینہ منورہ میں وزن کرنے والا ایک شخص ہوا کرتا تھا۔جو کہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے زمانے میں بھی وزن کیا کرتا تھا۔پس اُس سے کسی نے سوال کیا کہ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے دور میں کتنا مال (بیت المال) میں آیا؟تو وہ کہنے لگا،ایک لاکھ"۔

اِس بات سے ہمیں اندازہ ہوتا ہے کہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے دور میں بیت المال کی آمدنی میں کافی حد تک اضافہ ہو گیا تھا۔جو کہ کسی بھی معاشی نظام کی ترقی اور کامیابی کی دلیل ہے۔

ہ-زرعی نظام کی اصلاح اور پیداوار میں معاشی حقوق:۔حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے نبی کریم ﷺ کے قائم کردہ زرعی نظام کو مزید تقویت دی،اُس میں کوئی خاص تبدیلیاں نہیں کیں،بلکہ اسوۂ رسول ﷺ کی روشنی میں نئے مفتوحہ علاقوں میں زرعی اصلاحات کیں۔

آپ رضی اللہ عنہ نے حضرت ابو عبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ کو ایک خط لکھا جس کے الفاظ درج ذیل ہیں۔

" بسم الله الرحمن الرحيم من أبي بكر الصديق إلى أبي عبيدة بن الجراح سلام عليك فإني أحمد إليك الله الذي لا إله إلا هو أما بعد امنع من كان يؤمن بالله واليوم الآخر

من الفساد في قرى الداريين وإن كان أهلها قد جلوا عنها وأراد الداريون أن يزرعوها فإذا رجع أهلها إليها فهي لهم وأحق بهم والسلام عليك "۔[37]

ترجمہ:۔"شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان اور نہایت رحم فرمانے والا ہے۔ابو بکر صدیقؓ سے ابوعبیدہ بن الجراحؓ کی طرف، تم پر سلامتی ہو، میں تمہارے ساتھ اس اللہ کی نعمت پر اس کا شکریہ ادا کرتا ہوں جس کے علاوہ کوئی معبود نہیں ہے۔اس کے بعد پس جو اللہ پر اور یوم آخرت پر ایمان رکھتا ہے اس کو چاہیئے کہ وہ دارین کی بستیوں میں فساد برپا کرنے سے باز رہے اگرچہ ان بستیوں میں بسنے والے (دارین) جلاوطنی ہی کیوں نہ اختیار کر چکے ہو۔اور اگر وہ اِس (گاؤں) میں کچھ بونے (کاشت) کا ارادہ رکھیں تو وہ بو سکتے ہیں۔پس جب اِس کے اہل اِن (بستیوں) کی طرف پلٹ کر آئیں تو وہ ان کی ہیں اور ان کی ملکیت کے زیادہ حقدار ہیں۔آپ پر اللہ کی سلامتی ہو"۔

اِس خط میں آپ رضی اللہ عنہ نے ابوعبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ (جو کہ فتوحاتِ شام میں مصروف تھے) کو حکم دیا کہ اِن مفتوحہ علاقوں میں زمینوں پر پہلے سے آباد کار لوگوں کا خیال رکھا جائے۔

و-چراہ گاہوں کا قیام:۔آپؓ نے سرکاری اور بیت المال کے جانور، بکری،اونٹ اور گھوڑوں کے لئے بقیع کے مقام پر چراہ گاہیں خاص کر دیں۔جس سے مال مویشی کی تجارت میں اضافہ ہو گیا۔

و-مالِ غنیمت اور فیٔ کی تقسیم:۔آپ رضی اللہ عنہ بیت المال اور اجتماعی مال میں بہت احتیاط کرتے تھے۔جس کا جتنا حصہ ہوتا تھا اُس تک پہنچاتے۔مالِ غنیمت اور فیٔ کی تقسیم کا طریقہ کار وہی برقرار رکھا جو رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں ہوا کرتا تھا،اِس میں ذرہ برابر بھی تبدیلی نہیں کی۔4 حصے مجاہدین پر تقسیم ہوتے تھے اور باقی ایک حصہ رسول اللہ ﷺ کے لئے خاص ہوتا تھا۔آپ ﷺ کا یہ حصہ حسبِ معمول حضرت علی رضی اللہ عنہ لیتے تھے اور پھر اُس کو رسول اللہ ﷺ کے رشتہ داروں پر تقسیم کرتے تھے۔چنانچہ ابوعبید "کتاب الاموال" میں لکھتے ہیں۔

" وَكَانَ أَبُو بَكْرٍ يَقْسِمُ مِنَ الْخُمُسِ نَحْوَ قَسْمِ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ "۔[38]

ترجمہ:۔"اور ابو بکر رضی اللہ عنہ خمس کو اسی طرح تقسیم کرتے تھے جس طرح کہ رسول اللہ ﷺ کرتے تھے"۔

ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ نے ایک شخص کے ساتھ وعدہ کیا تھا کہ مالِ غنیمت کے ذریعہ اُن کی مدد کریں گے۔لیکن آپ ﷺ کی وفات ہو گئی چنانچہ وہ شخص حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے پاس آیا اور اپنا حق مانگنے لگا۔حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے مالِ غنیمت سے اُس کا حق ادا کر کے رسول اللہ ﷺ کے معاہدہ کی پاسداری کی۔جیسا کہ امام ابویوسفؒ نے لکھا ہے۔"عن ابْنُ أَبِي نُجَيْحٍ قَالَ: قَدِمَ عَلَى أَبِي بَكْرٍ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ مَالٌ؛ فَقَالَ: من كَانَ لَهُ عِنْدَ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عِدَةٌ فَلْيَأْتِ؛ فَجَاءَهُ جَابِرُ بْنُ عَبْدِ اللهِ فَقَالَ: قَالَ لِي رَسُولُ اللهِ صَلَّى الله عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: لَوْ جَاءَ مَالُ الْبَحْرِين أعطيتك هَكَذَا وَهَكَذَا وَهَكَذَا يُشِير بِيَدِهِ؛ فَقَالَ لَهُ أَبُو بَكْرٍ رَضِيَ الله تَعَالَى عَنْهُ: خُذْ؛ فَأَخَذَ بكفيه ثمَّ عده فَوَجَدَهُ خَمْسَ مِائَةٍ، فَقَالَ: خُذْ إِلَيْهَا أَلْفًا؛ فَأَخَذَ أَلْفًا ثُمَّ

أَعْطَى كُلَّ إِنْسَانٍ كَانَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَعَدَهُ شَيْئًا، وَبَقِيَتْ بَقِيَّةٌ مِنَ الْمَالِ فَقَسَّمَهَا بَيْنَ النَّاسِ بِالسَّوِيَّةِ عَلَى الصَّغِيرِ وَالْكَبِيرِ، وَالْحُرِّ وَالْمَمْلُوكِ، وَالذَّكَرِ وَالأُنْثَى. فَخَرَجَ عَلَى سَبْعَةِ دَرَاهِمَ وَثُلُثٍ لِكُلِّ إِنْسَانٍ "۔[39]

ترجمہ:۔"ابن ابی نجیح سے روایت ہے کہ ایک مرتبہ ابو بکر رضی اللہ عنہ کے سامنے بحرین سے مال آیا، تو آپ رضی اللہ عنہ نے اعلان کیا کہ کوئی ایسا شخص جس کے ساتھ نبی کریم ﷺ نے وعدہ کیا ہو وہ میرے پاس آئے، تو ایک شخص حاضر ہو کر کہنے لگا کہ مجھ سے رسول اللہ ﷺ نے وعدہ کیا تھا کہ اگر بحرین کا مال آیا تو میں تم کو اتنا (دونوں ہاتھوں سے اشارہ کر کے) دوں گا اور اتنا دوں گا۔ تو حضرت ابو بکر رنے اجازت دے دی۔ تو اُس شخص نے دونوں ہاتھوں سے مال اٹھایا اور گنا تو وہ پانچ سو درہم تھے، چنانچہ آپ رضی اللہ عنہ نے اُس شخص کو اِس کا دُگنا مال (ہزار درہم) دے دئے"۔

ز۔ سرکاری مال میں احتیاط:۔ آپ رضی اللہ عنہ سرکاری اور اجتماعی مال اور امانت کا بہت خیال رکھتے تھے جو کہ کسی بھی امیر اور ذمہ دار کے بنیادی اوصاف میں سے پہلا وصف ہے۔ شاہ ولی اللہ دہلویؒ نے ازالۃ الخفاء میں لکھا ہے۔ "و از ورع وي رضي الله عنه آنست كه از دست غلام خود شير خورده بود چون تفحص نمود از وجه شبه ظاهر گشت انگشت در دهان انداخت و آن همه راقي كردز و از احتياط وي در بيت المال آنكه چيزي كه پيش او باقي مانده بود از عطاء او رد كرد به بيت المال رُوي ذلك عن عائشة والحسن بن علي وغيرهما بالفاظٍ متغائرةٍ"۔[40]

ترجمہ:۔"اور حضرت ابو بکر صدیقؓ کے تقویٰ کی دلیل یہ ہے۔ کہ آپؓ نے ایک دِن غلام کا لایا ہوا دودھ پی لیا تھا۔ جب تحقیق کی اور وہ مال مشتبہ میں سے ظاہر ہوا تو آپ رضی اللہ عنہ نے اُنگلی منہ میں ڈال کر اُس کو قے کر کے نکال دیا۔ احیاء العلوم وغیرہ میں ایسا ہی لکھا ہے۔ اور بیت المال میں آپؓ کی احتیاط کا یہ حال تھا کہ آپؓ کے حصہ میں جو چیز آئی ہوئی ہوتی تھی اور وہ آپ کے پاس باقی رہی ہوتی تھی، اس کو بیت المال میں واپس کرا دیا۔ یہ بات حضرت عائشہ اور حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہما سے کچھ بدلے الفاظ کے ساتھ مروی ہے"۔

ح۔ تقسیمِ غنیمت میں فضیلت کا معیار (اسلام میں سبقت یا نسب) یا برابری:۔ مالِ غنیمت کی تقسیم کی مقدار کے بارے میں صحابہ کرامؓ کے درمیان اختلافِ رائے ہوا۔ حضرت ابو بکر صدیقؓ مسلمانوں میں مالِ غنیمت برابر کے حساب سے تقسیم فرماتے تھے۔ بعد میں حضرت عمر فاروقؓ نے اپنے زمانے میں "السابقون الاولون" کا حصہ زیادہ مقرر کیا۔ شاہ ولی اللہ دہلویؒ نے "اِزالۃ الخفاء" میں لکھا ہے۔ "قال البغوي رحمه الله اختلفوا في التفضيل علي السابقة والنسب عند قسمة الفيء فذهب ابوبكر الي التسوية بين الناس واولي الفضل بالسابقة حتي قال له عمر: اَ تجعل الذين جاهدوا في الله بأموالهم وانفسهم وهاجروا ديارهم كمن دخل في الاسلام كرهاً؟ فقال ابوبكر: انما عملوا لله وانما اجورهم علي الله وانما الدنيا بلاغٌ وكان عمر يفضّل علي السابقه والنسب۔ بندهء ضعيف گويد كه اين اختلاف در حكم شرعي نيست بلكه در زمان حضرت صديق - رضي الله عنه - كثرت فيء كه محل تفضيل به سابقه و نسب باشد حاصل نشد

لاچار منظور نظر صدیق اکبر احیاء این نفوس شد به اقل آنچه وجه کفایت ایشان تواند بود و درعهد فاروق اعظم - رضي الله عنه - فيء به کثرت جمع شده و از قدر کفایت بیشتر حاصل گشته پس تفضیل اهل سوابق را گنجایش بهم رسید"۔[41]

ترجمہ:۔"امام بغویؒ فرماتے ہیں کہ اِس بارے میں صحابہ کرامؓ نے اختلاف کیا کہ اسلام پر سبقت کرنے اور نسب کی بناء پر مالِ غنیمت کی تقسیم میں فضیلت (ترجیح) دی جائے۔تو حضرت ابو بکر صدیقؓ عام لوگوں کے اور اسلام پر سبقت کی بناء پر جو صاحبِ فضیلت تھے اُن کے درمیان برابری قائم رکھنے کی طرف گئے۔یہاں تک کہ اُن سے حضرت عمر فاروقؓ نے کہا: کہ کیا آپ اُن لوگوں کو جنھوں نے اللہ کی راہ میں جہاد کیا اپنے اَموال سے اور اپنی جانوں سے اور اپنے شہروں کو چھوڑا،اُن کے برابر کر رہے ہو جو اسلام میں کراہت کے ساتھ (بادلِ نخواستہ) داخل ہوئے؟تو حضرت ابو بکر صدیقؓ نے کہا:کہ انہوں نے جو کچھ عمل کئے اللہ تعالیٰ کے لئے کئےاور اُن کے اَجراللہ تعالیٰ پر ہیں اور دنیاتو گزشتنی (حقیر چیز) ہے۔اور حضرت عمرؓ(اپنے زمانہ میں)اَحوالِ سابقہ (قبولیتِ اسلام) اور نسب پر ترجیح دیا کرتے تھے۔بندۂ ضعیف (شاہ صاحبؒ) کہتا ہے کہ یہ اختلاف حکمِ شرعی میں نہیں ہے بلکہ حضرت ابو بکر صدیقؓ کے زمانہ میں مالِ غنیمت کی کثرت،جو خدماتِ سابقہ و نسب کا محل ہے،حاصل ہی نہ ہوئی تھی اِس مجبوری کی وجہ سے صدیق اکبرؓ کی نظراِن نفوس کے (کسی نہ کسی طرح) زندگی قائم رکھنے پر رہی کہ کم سے کم گزارے کی صورت میسر ہو سکے۔اور فاروقِ اعظمؓ کے عہد میں اموالِ غنیمت بکثرت جمع ہوئے اور قدرِ کفایت سے زیادہ حاصل ہوا تو اہلِ سوابق کی تفضیل کے لئے گنجائش نکل آئی"۔

ط-وقت کے حکمراں کی تنخواہ کا تقرر:۔ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ خلیفہ بننے سے پہلے چونکہ کپڑے کا کاروبار کرتے تھے۔چنانچہ آپ رضی اللہ عنہ حسبِ معمول خلیفہ منتخب ہونے کے دوسرے دن بعد کندھے پر کپڑوں کی گھٹڑی ڈال کر بیچنے کے لیے بازار کی طرف نکلے۔راستہ میں حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ ملے۔عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے پوچھا کہاں جارہے ہو؟ابو بکر رضی اللہ عنہ کہنے لگے،کپڑے بیچنے کے لئے بازار جارہا ہوں۔حضرت عمر رضی اللہ عنہ کہنے لگے،اب آپ مسلمانوں کے خلیفہ بن گئے ہو،لہٰذا آپ رضی اللہ عنہ لوگوں کے معاملات دیکھیں گے یا تجارت کریں گے؟ابو بکر رضی اللہ عنہ نے کہا،تجارت نہیں کروں گا تو خود کیا کھاؤں گا اور بال بچوں کو کہاں سے کھلاؤں گا؟عمر رضی اللہ عنہ نے کہا،اب آپ پر مسلمانوں کی سرداری کا بوجھ ڈالا گیا ہے۔خلافت اور تجارت دونوں کام ایک ساتھ نہیں چل سکتے۔چلئے ابو عبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ (ناظم بیت المال) سے مل کر بات کرتے ہیں۔چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ انہیں ابو عبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہکے پاس لے گئے اور ساری کہانی بیان کی۔ابو عبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ نے آپ رضی اللہ عنہ کے لئے ایک عام مزدور کے برابر اوسط تنخواہ مقرر کی۔اِس سے پہلے پوری دنیا میں حکمران ظلم واستحصال کی علامت سمجھے جاتے تھے۔بیت المال اور عوام کے مال کو اپنی جاگیر سمجھ کر اپنے ذاتی

تعیشات کے لئے استعمال کرتے تھے۔آپ رضی اللہ عنہ کے لئے ایک مزدور کی تنخواہ کے برابر مقرر کرنا یہ ثابت کرتا ہے کہ حکمران عوام کے خادم ہوتے ہیں نہ کہ ظلم ،استبداد اور استحصال کا ذریعہ۔جیسا کہ علامہ ذہبیؒ نے لکھا ہے۔"عن حميد بن هلال، قال: لما بويع أبو بكر أصبح وعلى ساعده أبراد، فقال عمر:ما هذا؟ قال: يعني لي عيال، فقال: انطلق يفرض لك أبو عبيدة. فانطلقنا إلى أبي عبيدة،فقال: أفرض لك قوت رجل من المهاجرين وكسوته،ولك ظهرك إلى البيت"۔[42]

ترجمہ:۔"حمید بن ہلال سے مروی ہے کہ جب ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی بیعت کی گئی تو اگلی صبح آپ چادریں کندھے پر لئے (بازار کی طرف جارہے تھے)حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے پوچھا یہ کیا ہے؟حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا:میرے اہل و عیال ہیں (یہ ان کے لئے سامان رزق ہے) حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: نہیں (آپ ایسا نہ کریں)آپ جائیں،ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ آپ کے لئے کچھ (وظیفہ) مقرر کر دیتے ہیں۔پس وہ دونوں حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ کی طرف گئے۔انہوں نے کہا: میں آپ کے لئے مہاجرین میں سے ایک عام بندے کے برابر کھانااور کپڑےاور گھر (آنے جانے) کے لئے ایک سواری مقرر کر دیتاہوں"۔

طبقات بن سعد میں ہے۔"عَنْ عَطَاءُ بْنُ السَّائِبِ قَالَ: لَمَّا اسْتُخْلِفَ أَبُو بَكْرٍ أَصْبَحَ غَادِيًا إِلَى السُّوقِ وَعَلَى رَقَبَتِهِ أَثْوَابٌ يَتَّجِرُ بِهَا فَلَقِيَهُ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ وَأَبُو عُبَيْدَةَ بْنُ الْجَرَّاحِ فَقَالا لَهُ: أَيْنَ تُرِيدُ يَا خَلِيفَةَ رَسُولِ الله؟ قَالَ: السُّوقَ. قَالا: تَصْنَعُ مَاذَا وَقَدْ وُلِّيتَ أَمْرَ الْمُسْلِمِينَ؟ قَالَ: فَمِنْ أَيْنَ أُطْعِمُ عِيَالِي؟ قَالا لَهُ: انْطَلِقْ حَتَّى نَفْرِضَ لَكَ شَيْئًا. فَانْطَلَقَ مَعَهُمَا فَفَرَضُوا لَهُ كُلَّ يَوْمٍ شَطْرَ شَاةٍ وماكسوه فِي الرَّأْسِ وَالْبَطْ "۔[43]

ترجمہ:۔"عطا بن سائب سے روایت ہے کہ جب حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ خلیفہ بنائے گئے تو اگلے روز صبح کو وہ بازار کی طرف جارہے تھے۔اُن کے کندھے پر وہ کپڑے تھے جن کی وہ تجارت کیا کرتے تھے۔انہیں عمر بن خطاب اور ابو عبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہما ملے۔دونوں نے پوچھا:اَے خلیفہ رسول اللہ ﷺ !آپ کہاں کاارادہ کرتے ہیں؟ انہوں نے کہا: بازار کا۔دونوں نے کہا کہ آپ یہ کرتے ہیں حالانکہ آپ مسلمانوں کے امور کے والی ہیں؟انہوں نے کہا پھر میں اپنے عیال کو کہاں سے کھلاوں؟دونوں نے ان سے کہا کہ آپ (ہمارے ساتھ) چلئے ہم آپ کا کچھ حصہ مقرر کرتے ہیں۔وہ ان کے ہمراہ گئے ان لوگوں نے آپ کے لئے روزانہ نصف بکری اور پہننے کو کپڑے بیت المال سے مقرر کر دیئے"۔

ی۔وفات سے قبل بیت المال کو تنخواہ کا واپس کرنا:۔ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کو بیت المال کی طرف سے جو تنخواہ اور وظیفہ ملتا تھا۔وفات سے قبل مرض الموت میں آپ رضی اللہ عنہ نے اپنے رشتہ داروں کو بلا کر وصیت کی۔ کہ میری وفات کے بعد میری فلاں زمین کو بیچ کر بیت المال سے لیا گیا میرا سارا وظیفہ واپس کیا جائے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔چنانچہ جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے وہ مال بیت المال میں جمع کیا تو فرمانے لگے۔"اللہ ابو بکر رضی اللہ عنہ

پر رحم فرمائے۔وہ چاہتے تھے کہ اُن کی وفات کے بعد کسی بھی شخص کو اُن پر اعتراض کرنے کا کوئی موقع ہاتھ نہ آئے"۔44

ہ- خرچہ کم کرنے کی مہم:۔

اپنی تنخواہ کم کرنا۔گھر والوں کا حلوہ بنانا۔ حضرت ابو بکر صدیقؓ کفایت شعاری سے کام لیا کرتے تھے۔آپؓ شروع میں کوئی تنخواہ نہیں لیتے تھے۔بعد میں صحابہ کی شوریٰ نے ایک عام مزدور کے برابر تنخواہ مقرر کروائی۔تاریخِ یعقوبی میں ہے کہ آپؓ یومیہ 3درہم لیتے تھے۔کبھی ضرورت نہ ہوتی تو نہ لیتے اور کبھی زیادہ ضرورت ہوتی تو مزید رقم بطورِ قرض بیت المال سے لیتے تھے۔آپؓ نے اپنے گھر والوں کو اِس بات کا پابند بنایا تھا کہ سادگی اور کم خرچہ پر گزارا کیا جائے۔

ایک مرتبہ گھر والوں نے آپ کی تنخواہ سے تھوڑے تھورے پیسے بچا کر حلوہ پکایا۔جب آپ کے سامنے پیش کیا گیا تو آپ نے بیوی سے پوچھا کہ یہ حلوہ کہاں سے آیا ہے؟بیوی نے کہا کہ یہ حلوہ نے میں آپ کی تنخواہ سے تھورا تھوڑا بچت کر کے پکایا ہے۔آپؓ نے فرمایا:اِس کا مطلب ہے اتنی تنخواہ میری ضروریات سے زیادہ ہے۔لہذا آپؓ نے اتنی ہی اپنی تنخواہ کم کرنے کا حکم دیا۔

فصلِ دوم

حضرت عمر فاروقؓ کے دور کا اسلامی معاشی نظام

1-حضرت عمر فاروقؓ کے حالاتِ زندگی:۔

آپ رضی اللہ عنہ کا نام عمر، لقب فاروق، کنیت ابو حفص تھی۔ آپ رضی اللہ عنہ کا تعلق قریش کے شاخ قبیلۂ بنو عدی سے تھا۔ آٹھویں پشت پر جا کر آپ رضی اللہ عنہ کا نسب رسول اللہ ﷺ سے جا ملتا ہے۔ آپ رضی اللہ عنہ کا شجرۂ نسب یوں ہے۔"عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ ابنِ نُفَيْلَ بْنَ عَبْدِ الْعُزَّى بْنِ رِيَاحِ بْنِ عَبْدِ اللهِ بْنِ قُرْطِ بْنِ رَزَّاحِ بْنِ عدي بْن كعب بن لؤى بن غالب القرشى العدى"۔[45]

آپؓ عام الفیل کے بعد پیدا ہوئے۔ جیسا کہ علامہ سیوطیؒ نے لکھا ہے۔

" وُلِدَ عُمَر بَعْدَ الْفِيْل بِثَلاثِ عَشَرَةَ سَنَةً "۔[46]

ترجمہ:۔"حضرت عمر رضی اللہ عنہ واقعۂ فیل کے تیرہ سال بعد پیدا ہوئے"۔

آپ رضی اللہ عنہ کا قبیلہ سفارت کاری اور لوگوں کے تنازعات کو حل کرنے کے لئے مشہور تھا جیسا کہ العقدالفرید میں ہے ۔"وَمِنْ بَنِيْ عَدِيّ: عُمَرُ بْنِ الْخَطَّاب، وَكَانَتْ إِلِيْه السَّفِارِةِ فِي الْجَاهِلِيَّةِ"۔[47]

ترجمہ:۔"اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا تعلق بنی عدی قبیلہ سے تھا، اور اِس قبیلہ کے ذمہ دورِ جاہلیت میں سفارت کاری کی ذمہ داری تھی"۔

علامہ سیوطیؒ نے آپؓ کا دورِ جاہلیت کے معاشرے میں اجتماعی اور اعلیٰ کردار اَدا کرنے کو یوں بیان کیا ہے۔

" و كان من أشراف قريش و إليه كانت السفارة في الجاهلية فكانت قريش إذا وقعت الحرب بينهم أو بينهم و بين غيرهم بعثوه سفيرًا "۔[48]

ترجمہ:۔"آپ رضی اللہ عنہ قریش کے معززین میں سے تھے، دورِ جاہلیت میں سفارت کاری کرتے تھے۔ اسی لئے قریش کے باہمی تنازعات یا بیرونی تنازعات میں آپ رضی اللہ عنہ کو سفیر بنا کر بھیجا جاتا تھا"۔

اِس سے معلوم ہوا کہ آپ رضی اللہ عنہ دورِ جاہلیت میں بھی صلاحیتوں کے حامل تھے۔ سپہ گری اور خطابت آپ رضی اللہ عنہ کے مرغوب فنون میں سے تھے۔ آپ رضی اللہ عنہ کا ذریعۂ معاش تجارت تھا، جس کے لئے آپ رضی اللہ عنہ نے دور دراز کے بہت سے اسفار طے کئے۔ اِن اسفار کی وجہ سے گفتگو اور تعلقات کے آداب سے خوب واقف تھے جس کی وجہ سے سفارت کاری کی ذمہ داری آپ رضی اللہ عنہ کے حوالے کی گئی تھی، جس کو آپ رضی اللہ عنہ خوب نبھا رہے تھے۔ فہم و تدبر کے مالک تھے۔ قبولِ اسلام سے پہلے مسلمانوں اور رسول اللہ ﷺ کے بڑے

سخت دشمن تھے۔ لیکن آپ رضی اللہ عنہ کے لئے چونکہ رسول اللہ ﷺ نے بذاتِ خود دعا فرمائی تھی۔ "عَنْ ابْنِ عُمَرَ، أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: اللَّهُمَّ أَعِزَّ الإِسْلَامَ بِأَحَبِّ هَذَيْنِ الرَّجُلَيْنِ إِلَيْكَ بِأَبِي جَهْلٍ أَوْ بِعُمَرَ بْنِ الخَطَّابِ"۔[49]

ترجمہ:۔ "حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے دعا فرمائی: اے اللہ! اسلام کو ابو جہل اور عمر بن خطاب میں سے کسی ایک کے ذریعے عزت بخش دے"۔

آپ رضی اللہ عنہ کا قبولِ اسلام گویا رسول اللہ ﷺ کی دعا کی قبولیت کا نتیجہ تھا۔ آپ رضی اللہ عنہ نے نبوت کے چھٹے سال اسلام قبول کیا۔ " أسلم في السنة السادسة من النبوة و له سبع و عشرون سنةً "۔[50]

ترجمہ:۔ "آپؓ نے نبوت کے چھٹے سال اسلام قبول کیا اور اُس وقت آپ رضی اللہ عنہ کی عمر 27 سال تھی"۔

آپ رضی اللہ عنہ نے جس وقت اسلام قبول کیا اُس وقت مسلمانوں کی تعداد کم تھی۔

"أسلم عُمَر بعد أربعين رجلًا وَإِحدى عشرة امْرَأَة"۔[51]

ترجمہ:۔ "حضرت عمر رضی اللہ عنہ چالیس مردوں اور گیارہ خواتین کے بعد اسلام لائے"۔

آپؓ ایسے باصلاحیت اور بہادر شخص تھے کہ آپؓ کے مسلمان ہونے کی وجہ سے مسلمانوں کو تقویت ملی اور مسلمانوں نے خانہ کعبہ میں جا کر نماز ادا کر دی، جس کی وجہ سے آپ رضی اللہ عنہ کو جرأت کا لقب فاروق عطا کیا گیا۔ آپ رضی اللہ عنہ بہت جرأت، عزم اور حوصلہ کے مالک تھے۔ آپ رضی اللہ عنہ نے علی الاعلان ہجرت کی۔ غزوۂ بدر اور اُحد تمام بڑی جنگوں میں شرکت کی۔ غزوۂ تبوک کے موقع پر اپنا آدھا مال اللہ کی راہ میں وقف کر دیا۔ آپ رضی اللہ عنہ کو نبی کریم ﷺ کی بارگاہ میں جو شرف، قرب اور مقام حاصل تھا وہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے علاوہ اور کسی صحابی کو حاصل نہیں تھا، اِسی لئے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔" عَنْ عُقْبَةَ بْنِ عَامِرٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ ، قَالَ : سَمِعْتُ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ : لَوْ كَانَ بَعْدِي نَبِيٌّ لَكَانَ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ"۔[52]

ترجمہ:۔ "حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا: اگر میرے بعد کوئی اور نبی ہوتا تو وہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ ہوتے"۔

اِس حدیث مبارک سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ بڑے خداداد صلاحیتوں کے حامل تھے۔ چنانچہ آپ رضی اللہ عنہ نے انسانی تاریخ میں وہ رہنما کردار ادا کیا کہ تاریخ شاہد اور گواہ ہے۔

2-حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا دورِ خلافت:۔

حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ جب بیمار ہوئے تو مسلسل پندرہ دن تک نماز کے لئے باہر مسجد میں تشریف نہیں لا سکے۔اِس دوران آپ رضی اللہ عنہ کے حکم پر حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نماز کی امامت کرتے رہے۔حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ اپنی بیماری کے دوران بھی خلافت اور اجتماعی حالات سے باخبر تھے۔آپ رضی اللہ عنہ کو مسلسل فکر تھی۔علامہ ابن اثیر نے اِس پر تفصیلاً لکھا ہے[53]۔

انتخابِ خلیفۂ امیر المؤمنین:۔ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ جب بیمار تھے تو آپ رضی اللہ عنہ مسلسل اپنے بعد جانشین خلیفہ کے بارے میں سوچتے رہے۔آپ رضی اللہ عنہ نے سب سے پہلے عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ سے مشورہ کیااور اُن کے سامنے اپنی رائے پیش کردی کہ میری نظر میں حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ خلیفہ بننے کے قابل ہیں۔اِس کے بعد حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ سے مشورہ کیاتو حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ نے بھی کہاکہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ جیسا کوئی نہیں۔اِس کے علاوہ حضرت اُسید بن حضیر اور سعید بن زید اور دیگر جید صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین سے بھی مشورہ کیا۔سب نے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے بارے میں تائید کی۔

اِن تمام جید صحابہ کرامؓ سے مشورہ کرنے کے بعد اور اُن کی موافقت اور تائید کے بعد آپ رضی اللہ عنہ نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو بلایااور اُن کو حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی جانشینی کا حکم نامہ لکھنے کا کہا۔"بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ، هَذَا مَا عَهِدَ أَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي قُحَافَةَ إِلَى الْمُسْلِمِينَ، أَمَّا بَعْدُ - ثُمَّ أُغْمِيَ عَلَيْهِ - فَكَتَبَ عُثْمَانُ: أَمَّا بَعْدُ، فَإِنِّي قَدِ اسْتَخْلَفْتُ عَلَيْكُمْ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ، وَلَمْ آلُكُمْ خَيْرًا. ثُمَّ أَفَاقَ أَبُو بَكْرٍ فَقَالَ: اقْرَأْ عَلَيَّ. فَقَرَأَ عَلَيْهِ، فَكَبَّرَ أَبُو بَكْرٍ وَقَالَ: أَرَاكَ خِفْتَ أَنْ يَخْتَلِفَ النَّاسُ إِنْ مُتُّ فِي غَشْيَتِي. قَالَ: نَعَمْ. قَالَ: جَزَاكَ اللَّهُ خَيْرًا عَنِ الْإِسْلَامِ وَأَهْلِهِ"۔

ترجمہ:۔"شروع اللہ کے نام سے جو بڑامہربان اور نہایت رحم فرمانے والا ہے، یہ عہد نامہ ہے ابی بکر بن ابی قحافہ (رضی اللہ عنھما) کی جانب سے مسلمانوں کے لئے، پس تسمیہ کے بعد،اِس دوران آپ رضی اللہ عنہ پر غشی طاری ہو گئی، پس حضرت عثمان رضی اللہ نے لکھا(چونکہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو حضرت ابو بکر رضی اللہ کی اُس رائے اور مشورہ کے بارے میں معلوم تھاجو وہ لکھوانا چاہ رہے تھے): میں (حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ) تم پر عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کو خلیفہ بنارہاہوں اور میں نے اِس معاملہ میں تمہاری خیر خواہی میں کوئی کوتاہی نہیں کی۔اِس عبارت کے لکھنے کے بعد حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کو غشی سے افاقہ ہو گیااور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے آپؓ کو عبارت پڑھ کر سنائی۔تو حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے خوشی میں اللہ اکبر کہااور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو دُعادی اور حکم دیا کہ اِسے لوگوں کو سنادیں"۔

اِس کے بعد حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے لوگوں کو اکٹھا کر کے سُنادیا۔حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ بالا خانے پر تشریف لائے اور لوگوں سے پوچھا"لوگو! میں نے تم پر جس کو خلیفہ مقرر کیا ہے وہ میرا عزیز قریب نہیں بلکہ عمر رضی اللہ عنہ ہیں۔تم اِن کو قبول کرتے ہو؟سب نے بیک آواز کہاسمعنا و اطعنا۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے جب عہد نامہ پڑھ لیاتو آکر سب سے پہلے آپ رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر بیعت کی۔ پھر اِس کے بعد عام مسلمانوں نے بیعت کی۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ جمادی الثانی 13ھ کو خلیفہ بنائے گئے اور یکم محرم الحرام 24ھ کو آپ شہید ہو گئے۔ آپ رضی اللہ عنہ کی کل مدتِ خلافت 10 سال 6 ماہ اور 10 دنوں پر محیط تھی۔

شاہ ولی اللہ دہلویؒ "ازالۃ الخفاء" میں لکھتے ہیں کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے ایسی خلافت/حکومت کی، کہ نہ اول کسی نے کی اور نہ بعد میں کسی کو نصیب ہوئی۔ آپؒ مزید لکھتے ہیں۔

"و حضرت صديق فاروق اعظم را اقوي و خير الناس مي گفت"۔[54]

ترجمہ:۔ "اور حضرت صدیق رضی اللہ عنہ حضرت فاروق اعظمؓ کو اقویٰ اور خیر الناس (سب سے بہتر) کہتے تھے"۔

گویا کہ مسلمانوں کا حکمران/امیر وہ شخص ہوتا ہے جو تمام لوگوں میں سب سے زیادہ باصلاحیت اور بہترین ہوتا ہے۔ اِس اعتبار سے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے مشاورت کے ساتھ مسلمانوں میں ایک ایسے فرد کا بطورِ حکمران انتخاب کیا جو سب سے زیادہ قابل اور طاقتور فرد تھا۔

3-حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے دور کا سیاسی نظام:۔

حضرت عمر فاروقؓ کے دور میں اسلامی خلافت کو سیاسی حوالے سے بہت استحکام حاصل ہوا۔ آپؓ کے دور میں شورشیں ختم ہو گئیں اور بغاوتوں کا خاتمہ کیا گیا۔ آپؓ کا دورِ خلافت سیاسی اعتبار سے ایک مثالی پرُامن دور تھا۔ جس کو دیکھ کر دشمن اور غیر مسلم بھی متاثر ہوے گئے۔ آپؓ کے دور میں بیت المقدس، دمشق، مدائن، شام، مصر، اسکندریہ اور ایران کے علاقے فتح ہوئے۔ جس سے اسلامی مملکت کے حدود 22 لاکھ مربع میل تک پھیل گئے۔

بیرونی فتوحات اور اُن کی خصوصیات:۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ جب خلیفہ منتخب ہوئے تو عمومی بیعت کے لئے مسلمانوں کی جماعتیں جوق در جوق حاضر ہونے لگیں۔ تین دنوں تک عمومی بیعت کا سلسلہ جاری رہا۔ دوسری طرف حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی وفات کے ساتھ عراق کی فتوحات کا سلسلہ رُک گیا تھا۔ بحیثیت خلیفہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی نظر میں سارے حالات سامنے تھے اور عراق کی فتح کی اہمیت بھی آپ رضی اللہ عنہ کے سامنے تھی۔ لہذا اِس موقع کو غنیمت جان کر آپ رضی اللہ عنہ مسلمانوں کو مسلسل کئی دنوں تک جہاد کی ترغیب دیتے رہے۔ جیسا کہ شاہ ولی اللہ دہلویؒ لکھتے ہیں۔ "سال سيزدهم از هجرت فاروق اعظم رضي الله عنه ، چندروزمتصل خطبه مي خواند و تحريض مي فرمود مردمان را بر جهاد عجم"۔[55]

ترجمہ:۔ "ہجرت کے تیرہویں سال میں فاروق اعظم رضی اللہ عنہ چندروز مسلسل خطبہ دیتے رہے جس میں لوگوں کو جہادِ عجم کے لئے ترغیب دیتے رہے"۔

چنانچہ آپ رضی اللہ عنہ کی مسلسل ترغیب کی وجہ سب سے پہلے کبار تابعی حضرت ابو عبیدہ ثقفیؒ کھڑے ہو گئے۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے آپؒ کو امیر منتخب کیا اور ساتھ میں مسائل کے حل کے لئے لشکر میں شامل صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے مشورہ کا حکم دیا۔

4-حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی معاشی اصلاحات:۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اپنے دور میں معیشت کے تمام شعبوں کو ترقی دی۔ذیل میں ہم آپ رضی اللہ عنہ کی زرعی اصلاحات کو پہلے پیش کرتے ہیں بعد میں تجارتی اصلاحات پیش کریں گے۔

الف-زرعی اصلاحات:۔امیر المومنین حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ خلیفۂ اول حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے دورِ حکومت میں اُن کے دست راست اور وزیر و مشیر تھے اس لئے آپ رضی اللہ عنہ کی خدمات اسی دور سے شروع ہو گئی تھیں۔آپ رضی اللہ عنہ کو دورِ صدیقی میں بہت تجربات حاصل ہوئے جس کی وجہ سے آپ رضی اللہ عنہ رموزِ حکمرانی میں بڑے ماہر ہوگئے۔ 13ھ میں حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی رحلت کے بعد جب آپ رضی اللہ عنہ خلیفہ مقرر ہوئے تو آپ رضی اللہ عنہ نے اجتماعی اور معاشی نظامہائے حیات کو وہ ترقیاں دیں جو آج بھی پوری دنیا کے لئے نمونہ ہے۔آپ رضی اللہ عنہ نے اعلیٰ درجے کی منصوبہ بندی اور بڑی دانشمندی سے زرعی نظام کو ترقی دی۔آبپاشی اور زمینوں کو سیراب کرنے اور آباد کرنے پر توجہ دی۔امیروں،سپہ سالاروں اور ملک کے ذمہ داروں کے نام احکامات جاری کئے کہ تمام مفتوحہ علاقوں میں کاشت کاری کی ترقی اور رفاہ عامہ کے اسباب و ذرائع جمع کئے جائیں اور رعایا کی توجہ محنت و کاشت کاری کی طرف دلائی جائے۔عراق کا سرسبز و شاداب زمین کا ایک بڑا حصہ حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کے ہاتھوں سلطنت اسلامی کی حدود میں شامل ہو چکا تھا۔حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی اِن کوششوں سے رزعی اور معاشی ترقیاں حاصل ہوئیں اور مسلمان معاشی طور پر خود کفیل ہو گئے۔آپ رضی اللہ عنہ نے سب سے پہلے غیر آباد اور بنجر زمینوں کو آباد کرنے کا انتظام کیا۔

بنجر اور غیر آباد زمینوں کی آباد کاری:۔مختلف علاقوں میں موجود بنجر اور غیر آباد زمینوں کو آباد کرنے کا اہتمام کیا گیا۔اِس سلسلے میں آپ رضی اللہ عنہ نے سب سے پہلے اِن تمام بنجر اور آباد دونوں قسم کی زمینوں کو اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی ملکیت کا قانون پاس کروا کر نظامِ حکومت کی ملکیت قرار دیا۔آپ رضی اللہ عنہ نے یہ بھی قانون بھی پاس کروایا کہ جس شخص نے کسی مردہ اور بنجر زمین کو آباد اور زندہ کیا وہ زمین آباد رکھنے تک اُسی کی ہے۔لیکن جو شخص تین سال تک کسی قبضہ میں لی گئی زمین کو کاشت اور آباد نہیں کرے گا، وہ اُس سے چھین لی جائے گی۔جہاں جہاں لوگ اپنے گھر بار چھوڑ کر چلے گئے تھے۔اُن کے لئے یہ اعلان کروایا کہ وہ واپس آکر انہیں زمینوں کو کاشت اور آباد کریں۔

علامہ مقریزی نے لکھاہے کہ صرف مصر میں ایک لاکھ بیس ہزار مزدور روزانہ آبپاشی کے اس کام میں لگے رہتے۔ یہ تمام مصارف بیت المال سے ادا کئے جاتے تھے۔ نورستان اور اہواز کے اضلاع میں جزبن معافیہ نے آپ کی اجازت سے بہت نہریں کھدوائیں جن سے بہت سی افتادہ زمینیں آباد ہوئیں۔

غیر آباد زمینوں کو کاشتکاروں میں تقسیم کرنا:۔اسلام میں چونکہ زمین کا آباد ہونا اصل مقصد ہے۔ اس حوالے سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے خصوصی توجہ فرمائی۔ جب بعض غریب کاشتکاروں نے بے آباد زمینوں کو آباد کیا۔ تو ان زمینوں کے اصل مالکان حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس شکایت لے کر حاضر ہوگئے، تو اِس پر آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

"تم لوگوں نے اب تک اپنی زمینوں کو غیر آباد چھوڑ رکھا۔ اب اِن لوگوں نے جب اس کو آباد کر لیا ہے تو تم ان کو ہٹانا چاہتے ہو۔ مجھے اگر اِس اَمر کا احترام پیش نظر نہ ہوتا کہ تم سب کو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جاگیریں عنایت کی تھیں تو تم کو کچھ نہ دلاتا۔ اب میرا فیصلہ یہ ہے کہ اس کی آبادکاری کا معاوضہ اگر تم دے دوگے تو زمین تمہارے حوالے ہو جائے گی اور اگر ایسا نہ کر سکے تو زمین کے غیر آباد کی حالت کی قیمت دے کر وہ لوگ اس کے مالک بن جائیں گے"۔

آپ رضی اللہ عنہ نے ان لوگوں کو مزید فرمایا۔

"وان شئتم ردوا علیکم ثمن ادیم الارض ھی لھم"۔

"اگر تم چاہتے ہو کہ وہ تم کو زمین کی قیمت لوٹا دیں تو وہ (زمین) ان کی ہوگی"۔

اِس کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عام حکم جاری کر دیا، کہ جس شخص نے تین برس کسی زمین کو غیر آباد رکھا، تو اُس زمین کو جو شخص بھی اِس کے بعد آباد کرے گا، وہ زمین اُس کی ملکیت تسلیم کر لی جائے گی۔

اس حکم کا خاطر خواہ اثر ہوا اور بکثرت بیکار زمین و مقبوضہ زمینیں آباد ہو گئیں۔ امام ماوردی "احکام السلطانیہ" میں لکھتے ہیں کہ قبیلہ مزینہ کے لوگوں کی جاگیریں یونہی پڑی تھیں۔ جس کی شکایت لوگوں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے کی آپ نے فرمایا:

"جو شخص تین برس تک اپنی زمین یونہی چھوڑے رکھے اور دوسرا کوئی شخص آباد کر لے تو یہ دوسرا ہی اس زمین کا حق دار ہو جائے گا"۔

نہروں کا قیام:۔زراعت کے لئے نہروں کا ہونا بہت ضروری ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بنجر اور غیر آباد زمینوں کو آباد کرنے کے لئے کئی نہریں کھدوائیں، اُن پر بند باندھے۔ اور پانی کو تقسیم کرنے کا انتظام اور نہروں کے لئے باقاعدہ محکمہ آبپاشی قائم کیا۔ آپ رضی اللہ نے مندرجہ ذیل مشہور نہریں کھدوائیں، چنانچہ علامہ شبلی نعمانیؒ نے "الفاروق" میں اس کی تفصیل لکھی ہے[56]۔

1-نہرِ ابی موسیٰ:۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس مختلف علاقوں کے لوگ مسائل کے حل کے لئے مدینہ منورہ میں آتے تھے۔ایک مرتبہ بصرہ کے لوگوں کو وفد حاضر ہوا۔ آپ رضی اللہ عنہ نے درپیش مسائل کے بارے میں سنا۔ تو اُن لوگوں نے پانی کی قلت کے حوالے سے شکایت کی۔ آپ رضی اللہ عنہ نے گورنر حضرت ابی موسیٰ رضی اللہ عنہ کو تحریری حکم نامہ بھیجا کہ بصرہ کے لوگوں کے لئے دریائے دجلہ سے نہر کا انتظام کیا جائے۔ چنانچہ حضرت ابی موسیٰ رضی اللہ عنہ نے 9 میل کے فاصلہ پر محیط نہر کھدوا کر بصرہ کے لوگوں کے لئے پانی کا انتظام کیا۔

2-نہرِ معقل:۔ یہ نہر حضرت معقل بن یسار رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے حکم پر کھدوائی تھی،اسی لئے یہ نہر حضرت معقل رضی اللہ عنہ کے نام سے مشہور ہوئی۔ جیسا کہ طبقات ابن سعد میں ہے۔

" وهو صاحب نهر معقل، أمره عمر بن الخطاب بحفره فحفره"۔[57]

ترجمہ:۔"آپ رضی اللہ عنہ نہرِ معقل کے بنانے والے تھے۔ آپ رضی اللہ عنہ کو حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے نہر کھودنے کا حکم دیا تھا، پس آپ رضی اللہ نے نہر کھدوائی"۔

اِس نہر کے بارے میں مشہور ہے۔" اذا جاء نهر الله بطل نهر معقل"۔ یہ نہر دجلہ سے کاٹ کر لائی گئی تھی اور اِس نہر سے آس پاس کا پورا علاقہ سیراب ہو کر سرسبز و شاداب بنا۔

3-نہرِ سعد:۔اِس نہر کے لیے انبار شہر کے رہنے والوں نے پہلے وقت کے بادشاہ شہنشاہِ فارس سے درخواست کی تھی لیکن انہوں نے عوام اور رعایا کی بات نہیں سنی۔ پھر جب اسلام کا زمانہ آیا، تو ان لوگوں نے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے متعین کردہ گورنرِ کوفہ حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے نہر کے بارے میں درخواست کی۔ حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے حضرت سعد بن عمر کو نہر کھودنے کا حکم دیا۔ انہوں نے اِس نہر پر کام شروع کیا لیکن کچھ دور جا کر نہر کے راستہ میں پہاڑ کی سخت اور بڑی چٹانیں آ گئیں۔ جس کی وجہ سے یہ کام ادھورا رہ گیا۔ بعد میں حجاج بن یوسف اِس کام کو مکمل کروایا۔ اِسی لئے یہ نہر سعد ہی کے نام سے مشہور ہوئی۔

4-نہرِ امیر المؤمنین:۔اِس نہر کی تاریخ کے بارے میں علامہ سیوطیؒ نے اپنی کتاب "حسن المحاضرة في تاريخ مصر والقاهرة" میں تفصیلاً لکھا ہے۔ جس کا خلاصہ یہ ہے۔

"18ھ میں جب عرب میں قحط پڑا تو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے تمام اضلاع کے گورنروں کو عرب کے قحط زدہ علاقوں میں غلہ اور اناج روانہ کرنے کا حکم دیا، جس سے قحط کا مکمل خاتمہ نہ ہو سکا۔ چونکہ شام اور مصر کا بری اور خشکی کا راستہ بہت طویل تھا، چنانچہ وہاں سے غلہ اور اجناس کی آمد میں تاخیر ہو گئی۔ چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اِس کا مستقل حل ڈھونڈنے کے لئے حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ (گورنر مصر) کو مدینہ بلایا۔ جب وہ آئے تو فرمایا کہ دریائے نیل کو اگر سمندر سے ملا دیا جائے تو عرب کو مصر اور شام کے ساتھ تجارت اور آمد و رفت میں

آسانی ہو گی، فاصلہ کم ہو جائے گا،اور مستقبل میں قحط کا خطرہ بھی نہیں رہے گا۔ چنانچہ حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ نے مصر پہنچتے ہی کام شروع کروادیا اور فسطاط سے (جو قاہرہ سے دس بارہ میل ہے) بحر قلزم تک نہر تیار کرائی۔ اِس کے ذریعہ جہاز دریائے نیل سے چل کر قلزم میں آتے تھے۔ اور یہاں سے جدہ پہنچ کر لنگر انداز ہوتے تھے، اور وہاں سے مال وغیرہ عرب میں تقسیم ہوتا تھا۔ یہ نہر تقریباً 96 میل لمبی تھی۔ یہ نہر 6 ماہ کی قلیل مدت میں تیار کی گئی۔ پہلے سال 20 بڑے بڑے سمندری تجارتی جہاز 60 ہزار اَردب غلہ لے کر جدہ پہنچے۔ یہ نہر مدتوں تک جاری رہی اور اس کے ذریعے سے مصر کی تجارت کو نہایت ترقی ہوئی۔ 105ھ میں خلیفہ ابو جعفر منصور عباسی نے ایک ذاتی مصلحت کی وجہ سے اِس کو بند کروادیا۔ لیکن بعد میں پھر کھول دیا گیا"۔[58]

5-دریائے نیل کے پانی کو مستقل جاری کرنا:۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالی عنہ کے خلافت کے ایام میں دریائے نیل کا خشک ہونا اور پھر جاری کرنے کا واقعہ مؤرخین نے لکھا ہے جیسا کہ شاہ ولی اللہ دہلویؒ نے "ازالۃ الخفاء" میں لکھا ہے۔

"ويروي ان مصر لما فتحت اتي اهلها عمرو بن العاص وقالوا له ان هذا النيل يحتاج في كل سنةٍ الي جاريةٍ بكرٍ من احسن الجواري فنلقيها فيه والا فلا تجري وتخرب البلاد وتقحط فبعث عمروٌ الي اميرالمؤمنين عمر يخبره بالخبر فبعث اليه عمر الاسلام يجُبّ ما قبله ثم بعث اليه بطاقة فيها " بسم الله الرحمن الرحيم الي نيل مصر من عبدالله عمر بن الخطاب، اما بعد فان كنت تجري بنفسك فلا حاجة بنا اليك وان كنت تجري بالله فاجر علي اسم الله " وامره ان يلقيها في النيل فجري في تلك السنة ستة عشر ذراعاً فزاد علي كل سنةٍ ستة اذرع، وفي رواية فلما القي كتابه في النيل جري ولم يعد يقف"۔[59]

ترجمہ:۔ "اور مروی ہے کہ جب مصر فتح ہو گیا تو اہلِ مصر حضرت عمرو بن عاصؓ کے پاس آئے۔ اُن سے کہا کہ دریائے نیل ہر سال ایک ایسی کنواری لڑکی کا طلب گار ہوتا ہے، جو سب سے خوبصورت ہو پھر وہ اس میں ڈال دی جاتی ہے، ورنہ وہ جاری نہیں ہوتا۔ اور ملک برباد ہو جاتا ہے اور قحط پڑ جاتا ہے۔ تو حضرت عمرو بن عاصؓ نے امیر المؤمنین حضرت عمرؓ کو قاصد بھیجا جو اُن کو اِس واقعہ سے مطلع کردے۔ تو حضرت عمرؓ نے اُن کو یہ جواب بھیجا کہ اسلام اپنے سے پہلے رسوم (باطلہ) کو ختم کرتا ہے اور اُن کے پاس ایک خط بھیجا جس میں لکھا تھا۔

"بسم الله الرحمن الرحيم ۔ مصر کی دریائے نیل کی طرف، اللہ کے بندہ عمر بن خطابؓ کی جانب سے۔ اما بعد! اگر تو جاری ہوتا تھا اپنے اختیار سے تو ہمیں تیری کوئی حاجت نہیں۔ اور اگر تو جاری ہوتا ہے اللہ کی قدرت سے تو جاری ہو اللہ کے نام سے"۔

اور حضرت عمرو بن عاصؓ کو حکم دیا کہ اِس خط کو دریائے نیل میں ڈال دو۔(چنانچہ حکم کی تعمیل کی گئی) تو اُسی سال دریا کا پانی سولہ گز اُوپر چڑھ گیا۔ پھر ہر سال پانی بڑھتے بڑھتے چھ گز اور بڑھ گیا۔ اور ایک اور روایت میں ہے کہ جب وہ مکتوب دریائے نیل میں ڈالا گیا تو دریائے نیل جاری ہو گیا اور پھر کبھی نہیں رُکا"۔

حضرت عمر فاروقؓ کے اِس اقدام کی وجہ سے آج تک دریائے نیل پھر کبھی خشک نہیں ہوا۔ یوں ایک تو وحشیانہ رسم کا خاتمہ ہو گیا اور دوسری طرف مصر کی خشک سالی ختم ہو کر زرعی ترقی کا ذریعہ بنا۔

زراعت اور کاشت کاری کی ترغیب:۔ امیر المؤمنین حضرت عمر رضی اللہ عنہ زراعت اور کاشت کاری کی اہمیت کے پیشِ نظر لوگوں کو اِس کی ترغیب دیا کرتے تھے۔ ایک مرتبہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے قیدیوں کے بارے میں تحقیقات کروائیں اور حکم دیا کہ جو قیدی کاشتکار و زراعت پیشہ ہیں اُن کو آزاد کر دیا جائے۔

امام بخاریؒ نے کتاب "الادب المفرد" ابی ظبیان کی روایت کو لکھا ہے کہ حضرت عمرؓ نے اُن سے پوچھا۔

" عَنْ أَبِي ظَبْيَانَ, قَالَ: قَالَ لِي عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ: يَا أَبَا ظَبْيَانَ، كَمْ عَطَاؤُكَ؟ قُلْتُ: أَلْفَانِ وَخَمْسُمِئَةٍ، قَالَ: يَا أَبَا ظَبْيَانَ، اتَّخِذْ مِنَ الْحَرْثِ"۔[60]

ترجمہ:۔ "ابی ظبیان سے روایت ہے کہ حضرت عمرؓ نے مجھ سے پوچھا کہ تمہیں کس قدر وظیفہ ملتا ہے؟ میں نے جواب دیا۔ اڑھائی ہزار درہم۔ تو آپؓ نے فرمایا! اے ظبیان (وظیفہ پر بھروسہ کرنے کی بجائے) کاشت کاری کو اپنا لو"۔

امیر المؤمنین حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اپنے دور میں عراق، شام اور مصر کی فتوحات کے بعد اُن علاقوں میں زرعی اصلاحات کیں۔ کوئی بھی ملک اور قوم زراعت کی اہمیت کو نظر انداز نہیں کر سکتا۔ اسی طرح کسی بھی ملک میں زراعت، کاشتکار اور کسان ریڑھ کی ہڈی کی طرح ہوتے ہیں۔ زراعت سے صنعت و تجارت کو خام مال دستیاب ہوتا ہے۔ اس طرح صنعت و تجارت کی ترقی کے لئے بھی زراعت بنیادی حیثیت کی حامل ہے۔ چنانچہ شاہ ولی اللہ دہلویؒ "حجۃ اللہ البالغۃ" میں لکھتے ہیں۔

" فالسياسة المدنية تبحث عَن مكاسبهم، فَإِنَّهُم إِن كَانَ أَكْثَرهم مكتسبين بالصناعات وسياسة الْبَلدة، والقليل مِنْهُم مكتسبين بالرعي والزراعة فسد حَالهم فِي الدُّنْيَا "۔[61]

ترجمہ:۔ "پس شہر کی سیاست پیشوں سے متعلق بحث کرتے ہیں۔ اسی لئے اگر کسی شہر کے باشندے کثرت کے ساتھ صنعتوں اور ملکی سیاست میں مشغول ہو جائیں اور ان میں سے بہت تھوڑے لوگ مویشی چرانے اور زراعت کے پیشہ سے منسلک ہوں تو دنیا میں ان کی حالت خراب ہو جائے گی"۔

انسانی معاشروں کی ترقی کے لئے زراعت کو مدِ نظر رکھتے ہوئے اکثر فقہاءِ کرام نے نبی کریم ﷺ کی تعلیمات کی بدولت زراعت کے پیشے کو فرضِ کفایہ کا درجہ دیا ہے مثلاً عبدالرحمن الجزیریؒ کا بھی یہی مؤقف

ہے۔"اما الزرع فی ذاته سواء كان مشاركة اولا فهو فرض كفاية لاحتياج الانسان والحيوان اليه"۔

ترجمہ: "جہاں تک زراعت کا تعلق ہے خواہ یہ شرکت سے وجود میں آئے یا بغیر شرکت کے اپنی ذات میں فرض کفایہ کا درجہ رکھتی ہے کیونکہ انسان اور حیوان سبھی اس کے محتاج ہیں"۔

کاشت کاروں کو سبسڈی دینا:۔ حضرت عمر فاروقؓ کسانوں کو نقصان کی صورت میں سبسڈی دیتے تھے۔ دوران سفر فوج کو اس بات کی قطعاً اجازت نہیں تھی کہ اس کی وجہ سے لوگوں کو نقصان پہنچے جیسا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دور میں ایک ایسا واقعہ پیش آیا کہ ایک کاشتکار حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوا اور کہنے لگا: اے امیر المومنین میں نے کھیتی بوئی تھی۔ شام والوں کا ایک لشکر وہاں سے گزرا اور اس نے کھیتی کو پامال کر دیا۔ راوی کہتا ہے کہ اس پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بیت المال سے دس ہزار درہم بطور معاوضہ دلوائے۔

عراق کی مفتوحہ زمینوں کے بارے میں فیصلہ:۔ حضرت عمر فاروقؓ کے دور میں بہت سارے علاقے فتح ہوئے۔ان علاقوں کی مفتوحہ زمینوں سے متعلق حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور دیگر صحابہ کرامؓ کے درمیان اختلاف پیدا ہو گیا۔ خصوصاً عراق کی مفتوحہ زرعی زمینوں پر اختلاف شدت اختیار کر گیا۔ آپؓ کا مؤقف یہ تھا کہ اگر مسلمان مفتوحہ علاقوں کے زمینوں کو مسلسل تقسیم کرتے جائیں تو انہی مفتوحہ علاقوں کے لوگوں کی آنے والی مسلمان نسلوں کا کیا بنے گا؟ جو بعد میں آئیں گے اور دیکھیں گے کہ زمینیں اور ان کے کاشت کار فاتحین میں تقسیم کر دیئے گئے۔اور آبائی وراثت کے حقوق نے دوسروں کو ان سے ہمیشہ کے لئے محروم کر دیا ہیں۔ حضرت عبدالرحمن بن عوفؓ، حضرت بلالؓ اور حضرت زبیرؓ کی رائے تھی کہ یہ زمینیں اللہ نے ان فاتحین کو فتح کی صورت میں دی ہیں۔اور صحیح بات بھی یہی ہے غیر مسلم کاشت کاروں کو کسی بھی صورت میں وہ زمینیں نہیں دی جاسکتی ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے انہیں جواب دیا کہ میں آپ کی رائے سے متفق نہیں ہوں۔ چنانچہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے ارشاد فرمایا۔"فَإِنِّي وَاحِدٌ كَأَحَدِ كُمْ وَأَنْتُمُ الْيَوْمَ تُقِرُّونَ بِالْحَقِّ، خَالَفَنِي مَنْ خَالَفَنِي وَوَافَقَنِي مَنْ وَافقنِي، وَلَيْسَ أُرِيدُ أَنْ تَتَّبِعُوا هَذَا الَّذِي هَوَايَ، مَعَكُمْ مِنَ اللَّهِ كِتَابٌ يَنْطِقُ بِالْحَقِّ؛ فَوَاللَّهِ لَئِنْ كُنْتُ نَطَقْتُ بِأَمْرٍ أُرِيدُهُ مَا أُرِيدُ بِهِ إِلا الْحَقَّ"۔[62]

ترجمہ:۔"میں تمہاری ہی طرح کا ایک فرد ہوں۔اور تم کو آج حق کا فیصلہ کرنا ہے۔ بعض میری رائے کے مخالف ہیں اور بعض موافق۔اور میں ہر گز یہ نہیں چاہتا کہ تم میری خواہش کی پیروی کرو۔ تمہارے پاس اللہ کی دی ہوئی سچی کتاب ہے جو حق کو واضح کرتی ہے۔ بخدا! میں جو کچھ کہہ رہا ہوں،اِس میں بجز حق کے میرا دوسرا کوئی ارادہ نہیں ہے"۔

"والله يا مفتح بعدي بلد فيكون فيه كبير نيل، بل عسى ان يكون كلا على المسلمين، فاذا قسمت ارض العراق بعلوجها، دار الشام يعلو جها فاذا تسد به الثغور وما يكون للذرية والارامل بهذا البلد وبغيره من ارض الشام والعراق"۔

ترجمہ:۔"واللہ میرے بعد ایسا کوئی شہر فتح نہیں ہوگا۔ جس سے اتنا بڑا نفع حاصل ہو۔ بلکہ ہو سکتا ہے کہ وہ الٹا مسلمانوں پر بوجھ بن جائیں۔ پس اگر عراق و شام کی زمینیں اوران کے کاشت کار فاتحین میں تقسیم کر دی جائے تو(اسلامی ریاست کی) سرحدوں کی حفاظت کیسے ہوگی؟اور عراق و شام کے شہروں کی بیوائوں اور یتیموں کی کفالت کیوں کر کی جا سکے گی؟"۔

چنانچہ اِس سلسلہ میں حضرت عمرؓ نے کبار صحابہ کرامؓ کو اکٹھا کیا۔اِس مسئلہ پر سیر حاصل بحث ہوئی۔ حضرت عبدالرحمن بن عوفؓ اور دیگر صحابہ اپنی مؤقف پر ڈٹے رہے۔ کہ یہ مفتوحہ زمینیں فاتحین میں تقسیم کر دی جائیں جیسا کہ رسول اللہ ﷺ تقسیم فرماتے تھے۔اِس سلسلہ میں حضرت عثمان، حضرت علی،اور حضرت طلحہ رضی اللہ عنہم اجمعین بھی فاروق اعظمؓ کے ہم خیال ہوگئے۔اب حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے انصار کے دس سمجھ دار اشراف کو بلوایا۔ جن میں پانچ قبیلہ اوس کے اور پانچ قبیلہ خزرج کے تھے۔ان سے کہا۔ میں نے آپ حضرات کو اس لئے تکلیف دی ہے کہ آپ اس امانت کی ادائیگی میں میری مدد کریں جو میں نے آپ ہی لوگوں کی صلاح و فلاح کے لئے اپنے ذمے رکھی ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا:ان لوگوں کی بات آپ نے سن لی ہے جو سمجھتے ہیں کہ میں ان کے حقوق پر دست اندازی کر رہا ہوں حالانکہ میں ظلم کی راہ اختیار کرنے سے خدا کی پناہ مانگتا ہوں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنی بصیرت اور دور اندیشی کے پیش نظر قرآن مجید سے دلائل دے کر تمام صحابہ کرام کو لاجواب کر دیا۔ بالآخر تمام صحابہ کرام آپؓ کی رائے سے متفق ہوگئے۔

آپؓ نے مزید فرمایا۔" وَقَدْ رَأَيْتُ أَنْ أَحْبِسَ الأَرَضِينَ بِعُلُوجِهَا وَأَضَعَ عَلَيْهِمْ فهيا الْخَرَاجَ وَفِي رِقَابِهِمُ الْجِزْيَةَ يُؤَدُّونَهَا فَتَكُونُ فَيْئًا لِلْمُسْلِمِينَ: الْمُقَاتِلَةِ وَالذُّرِّيَّةِ وَلِمَنْ يَأْتِي مِن بَعْدِهِمْ.أَرَأَيْتُمْ هَذِهِ الثغور لَا بُد لَهَا مِنْ رِجَالٍ يَلْزَمُونَهَا، أَرَأَيْتُمْ هَذِهِ الْمُدُنَ الْعِظَامَ - كَالشَّامِ وَالْجَزِيرَةِ والكوفة وَالْبَصْرَةِ ومصر- لَا بُد لَهَا مِنْ أَنْ تُشْحَنَ بِالْجُيُوشِ، وَإِدْرَارِ الْعَطَاءِ عَلَيْهِمْ؛ فَمِنْ أَيْنَ يُعْطَى هَؤُلاءِ إِذَا قُسِّمَتِ الأَرَضُونَ والعلوج"۔

ترجمہ:۔"زمینوں کے متعلق میں یہ دیکھ رہا ہوں کہ وہ عجمی کاشت کاروں ہی کے پاس رہنے دوں اور ان پر لگان عائد کر دوں۔ جزیہ وہ پہلے ہی سے دیتے ہیں۔اس طرح یہ دونوں محاصل مسلمانوں کے لئے جن میں مجاہدین،عیال واطفال اور آئندہ کی نسلیں شامل ہیں۔فے ہو جائیں گے۔دیکھو! یہ سرحدیں ہیں جن پر حفاظتی چوکیاں قائم کرنی ناگزیر ہیں۔ یہ بڑے بڑے شہر جن کی نگرانی فوجی چھاونیوں کے بغیر ناممکن ہے اور ان دونوں چیزوں کے لئے روپے کا ہونا اشد ضروری ہے۔ پھر ان محافظین کو تنخواہیں کہاں سے دی جائیں گی۔ اگر زمینیں اوران کے بونے اور جوتنے والے (غلام بنا کر) مسلمانوں میں تقسیم کر دیئے گئے؟"۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور فاتحین مجاہدین کے درمیان جو اپنے آپ کو عراق کی زمینوں کا حق دار سمجھتے تھے۔ بات اتنی شدت اختیار کر گئی تھی کہ انہوں نے امیر المومنین پر ظلم کی تہمت تک لگادی تھی۔اس کے باوجود بھی فاروق اعظم رضی اللہ عنہ اپنی رائے سے نہ ہٹے۔ چنانچہ ان سب نے یک زبان ہو کر کہا۔

"آپ کی رائے اور مستقبل کے پیش نظر جو کچھ آپ نے سوچا اور فرمایا وہ درست ہے، ہم اسے تسلیم کرتے ہیں واقعی اگر ان سرحدوں اور ان شہروں میں حفاظتی چوکیاں اور فوجی چھائونیاں قائم نہ کی گئیں اور محافظین کی گزر بسر کے لئے ان کے روزینے مقرر نہ کئے گئے تو کفار دوبارہ اپنے شہروں پر قبضہ لیں گے"۔

سرکاری زمینوں سے متعلق احکامات:۔ حضرت عمرؓ کے دورِ خلافت میں 21ھ میں ایران فتح ہوا۔ایران کی فتح کے بعد مسلمانوں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے کسریٰ ایران کی سرکاری زمینوں کے بارے میں دریافت کیا۔ تو حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے یہ جواب دیا کہ یہ مفتوحہ زمینیں جو اللہ نے تمہیں عطا کی ہیں ان میں سے چار حصے فوج میں تقسیم کر دو اور اس کا پانچواں حصہ میرے پاس/حکومت کے پاس رہے گا۔اور اگر وہ وہاں سکونت اختیار کرنا چاہیں تو جو وہاں قیام کرے گا اسی کی زمین ہو گی۔ جب مسلمانوں کو اس بات کا اختیار دیا گیا تو ان کی یہ رائے ہوئی کہ وہ بلادِ عجم میں منتشر ہو کر نہ رہ جائیں لہذا انہوں نے اسے انہی کے لئے برقرار رکھا وہ جس پر رضامند ہوتے تھے اس کو حاکم بناتے تھے ۔پھر ہر سال اس کی پیداوار تقسیم کر لیتے تھے۔ وہ اس کو حاکم بناتے تھے۔ جس پر وہ خوشی اور رضامندی سے متفق ہوتے تھے۔ان کی یہ حالت مدائن میں رہی اور جب وہ کوفہ کی طرف منتقل ہوئے تو اس وقت بھی ان کا یہی طریقہ رہا۔

قحط کا خاتمہ:۔ امیر المومنین حضرت عمر فاروقؓ کے دورِ خلافت میں 18ھ میں جزیرۃ العرب میں مسلسل کئی سالوں تک بارشیں نہ ہونے کی وجہ سے قحط پڑ گیا۔امیر المؤمنین نے بیت المال کے دروازے عوام کے لئے کھول دیئے۔بیت المال کا غلہ ختم ہونے کے بعد تمام صوبوں کے والیان کو خطوط روانہ کر کے غلہ روانہ کرنے کا حکم دیا۔ چنانچہ حضرت ابو عبیدۃؓ نے غلہ کے چار ہزار اونٹ روانہ کر دیئے۔تاریخ یعقوبی میں ہے۔"وكتب عمر إلى عمرو بن العاص أن يحمل طعاماً في البحر إلى المدينة يكفي عامة المسلمين، حتى يصير به إلى ساحل الجار، فحمل طعاماً إلى القلزم، ثم حمله في البحر في عشرين مركباً في المركب ثلاثة آلاف أردب وأقل وأكثر، حتى وافى الجار. وبلغ عمر قدومها، فخرج ومعه جلة أصحاب رسول الله، حتى قدم الجار، فنظر السفن، ثم وكل من قبض ذلك الطعام، وبنى هنالك قصرين، وجعل ذلك الطعام فيهما، ثم أمر زيد بن ثابت أن يكتب الناس على منازلهم، وأمره أن يكتب لهم صكاكا من قراطيس، ثم يختم أسافلها، فكان أول من صك وختم أسفل الصكاك"۔[63]

ترجمہ:۔"اور حضرت عمر فاروقؓ نے حضرت عمرو بن العاصؓ کو خط لکھا کہ مصر سے بذریعہ سمندر غلہ روانہ کرے۔ حضرت عمرو بن عاصؓ نے بحرِ قلزم کے راستے غلہ کے بیس بحری جہاز روانہ کئے۔ جن میں سے ہر ایک جہاز میں

تین تین ہزار اردب غلہ تھا۔ خلیفۂ وقت حضرت عمر فاروقؓ نے "جار" نامی بندرگاہ پر جا کر اِن جہازوں کو وصول کیا۔ آپؓ نے بندرگاہ پر غلہ کے لئے گودام بنوائے۔ اور پھر حضرت زید بن ثابتؓ کو حکم دیا کہ غریب اور مستحقین قحط زدوں کی فہرست تیار کر کے اُن میں روزانہ کی بنیاد پر غلہ تقسیم کر دیا کرو۔ اُس فہرست کے مطابق مستحقین کو روزانہ غلہ ملتا تھا۔ اِس پر خلیفہ روزانہ دستخط کر کے مہر لگاتے تھے"۔

مؤرخین نے یہ بھی لکھا ہے کہ آپؓ خود اپنی نگرانی میں 120 اونٹ روزانہ ذبح کرواتے اور قحط زدوں کو پکوا کر کھلاتے تھے۔ قحط کے اِس زمانے میں ایک دِن آپؓ گھی کے اندر چوری کر کے روٹی کھا رہے تھے۔ آپؓ نے ایک بدوی کو بھی کھانے پر بلایا۔ بدوی اُس طرف سے کھانا کھانے لگا جس طرف گھی زیادہ تھا۔ خلیفہ نے پوچھا؛ معلوم ہوتا ہے آپ نے کبھی گھی والی روٹی نہیں کھائی۔ بدوی نے جواب، ہاں۔ چنانچہ حضرت عمر فاروقؓ نے اُسی وقت قسم کھائی کہ جب تک عوام قحط میں مبتلا ہیں وہ گوشت اور گھی کو ہاتھ نہیں لگائیں گے۔ امیر المؤمنین نے اپنی قسم کو پورا کیا یہاں کہ اللہ نے بارش برسائی اور قحط سالی ختم ہو گئی۔ مؤرخین نے یہ بھی لکھا ہے کہ قحط کے اِس دور میں آپؓ نے حدود کے نفاذ کو مؤخر کر دیا۔

راتوں کو گشت لگا کر لوگوں کے مسائل حل کرنا:۔ امیر المومنین حضرت عمر فاروقؓ رات کو شہر اور آس پاس میں گشت لگا کر لوگوں کے حالات معلوم کرتے تھے۔ اور مجبور لوگوں کی مدد کرتے تھے۔ گشت میں آپؓ کے ساتھ اپنا غلام اسلم ہوا کرتا تھا یا حضرت عبدالرحمن بن عوفؓ ہوا کرتے تھے۔ تاریخ طبری میں آپ کا ایک واقعہ یوں لکھا ہے۔ "زَيْدِ بْنِ أَسْلَمَ، عَنْ أَبِيهِ، قَالَ: خَرَجْتُ مَعَ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ رَحِمَهُ اللهُ إِلَى حَرَّةِ وَاقِمٍ،حَتَّى إِذَا كُنَّا بِصِرَارٍ،إِذَا نَارٌ تُؤَرَّثُ، فَقَالَ: يَا أَسْلَمُ،إِنِّي أَرَى هَؤُلاءِ رُكْبًا قَصُرَ بِهِمُ اللَّيْلُ وَالْبَرْدُ، انْطَلِقْ بِنَا، فَخَرَجْنَا نُهَرْوِلُ حَتَّى دَنَوْنَا مِنْهُمْ، فَإِذَا امْرَأَةٌ مَعَهَا صِبْيَانٌ لَهَا، وَقِدْرٌ مَنْصُوبَةٌ عَلَى النَّارِ،وَصِبْيَانُهَا يَتَضَاغَوْنَ،فَقَالَ عُمَرُ:السَّلامُ عَلَيْكُمْ يَا أَصْحَابَ الضَّوْءِ-وَكَرِهَ أَنْ يَقُولَ: يَا أَصْحَابَ النَّارِ- قَالَتْ:وَعَلَيْكَ السَّلامُ، قَالَ:أَأَدْنُو؟ قَالَتِ:ادْنُ بِخَيْرٍ أَوْ دَعْ،فَدَنَا فَقَالَ:مَا بَالُكُمْ؟ قَالَتْ: قَصُرَ بِنَا اللَّيْلُ وَالْبَرْدُ،قَالَ:فَمَا بَالُ هَؤُلاءِ الصِّبْيَةِ يَتَضَاغَوْنَ؟ قَالَتِ:الْجُوعُ، قَالَ:وَأَيُّ شَيْءٍ فِي هَذِهِ الْقِدْرِ؟ قَالَتْ:مَاءٌ أُسْكِتُهُمْ بِهِ حَتَّى يَنَامُوا، الله بَيْنَنَا وَبَيْنَ عُمَرَ! قَالَ: أَيْ رَحِمَكِ الله، مَا يُدْرِي عُمَرَ بِكُمْ! قَالَتْ: يَتَوَلَّى أَمْرَنَا وَيَغْفَلُ عَنَّا! فَأَقْبَلَ عَلَيَّ، فَقَالَ:انْطَلِقْ بِنَا، فَخَرَجْنَا نُهَرْوِلُ، حَتَّى أَتَيْنَا دَارَ الدَّقِيقِ، فَأَخْرَجَ عِدْلا فِيهِ كبه شحم، فقال: احمله على، فقلت:أَنَا أَحْمِلُهُ عَنْكَ، قَالَ: احْمِلْهُ عَلَيَّ، مَرَّتَيْنِ أَوْ ثَلاثًا، كُلُّ ذَلِكَ أَقُولُ: أَنَا أَحْمِلُهُ عَنْكَ، فَقَالَ لِي فِي آخِرِ ذَلِكَ: أَنْتَ تَحْمِلُ عَنِّي وِزْرِي يَوْمَ الْقِيَامَةِ، لا أُمَّ لَكَ! فَحَمَلْتُهُ عَلَيْهِ، فَانْطَلَقَ وَانْطَلَقْتُ مَعَهُ نُهَرْوِلُ، حَتَّى انْتَهَيْنَا إِلَيْهَا، فَأَلْقَى ذَلِكَ عِنْدَهَا، وَأَخْرَجَ مِنَ الدَّقِيقِ شَيْئًا، فَجَعَلَ يَقُولُ لَهَا: ذُرِّي عَلَيَّ، وَأَنَا أُحَرِّكُ لَكِ، وَجَعَلَ يَنْفُخُ تَحْتَ الْقِدْرِ- وَكَانَ ذَا لِحْيَةٍ عَظِيمَةٍ- فَجَعَلْتُ أَنْظُرُ إِلَى الدُّخَانِ مِنْ خِلَلِ لِحْيَتِهِ حَتَّى أَنْضَجَ وَأَدَمَ الْقِدْرُ ثُمَّ أَنْزَلَهَا، وَقَالَ: ابْغِنِي شَيْئًا، فَأَتَتْهُ بِصَحْفَةٍ فَأَفْرَغَهَا فِيهَا، ثُمَّ جَعَلَ يَقُولُ: أَطْعِمِيهِمْ، وَأَنَا أَسْطَحُ لَكِ، فَلَمْ يَزَلْ حَتَّى شَبِعُوا، ثُمَّ خَلَّى عِنْدَهَا فَضْلَ ذَلِكَ، وَقَامَ وَقُمْتُ مَعَهُ،فَجَعَلَتْ تَقُولُ: جَزَاكَ اللَّهُ

خَيْرًا! أَنْتَ أَوْلَى بِهَذَا الأَمْرِ مِنْ أَمِيرِ الْمُؤْمِنِينَ! فَيَقُولُ: قُولِي خَيْرًا،إِنَّكِ إِذَا جِئْتِ أَمِيرَ الْمُؤْمِنِينَ وَجَدْتِنِي هُنَاكَ إِنْ شَاءَ اللهُ ثُمَّ تَنَحَّى نَاحِيَةً عَنْهَا، ثُمَّ اسْتَقْبَلَهَا وَرَبَضَ مَرْبَضَ السَّبُعِ، فَجَعَلْتُ أَقُولُ لَهُ:إِنَّ لَكَ شَأْنًا غَيْرَ هَذَا، وَهُوَ لا يُكَلِّمُنِي حَتَّى رَأَيْتُ الصِّبْيَةَ يَصْطَرِعُونَ وَيَضْحَكُونَ ثُمَّ نَامُوا وَهَدَءُوا، فَقَامَ وَهُوَ يَحْمَدُ اللهَ، ثُمَّ أَقْبَلَ عَلَيَّ فَقَالَ:يَا أَسْلَمُ،إِنَّ الْجُوعَ أَسْهَرَهُمْ وَأَبْكَاهُمْ، فَأَحْبَبْتُ أَلا أَنْصَرِفَ حَتَّى أَرَى مَا رَأَيْتُ مِنْهُمْ"۔[64]

ترجمہ:۔"زید بن اسلم اپنے والد اسلم (جو کہ امیر المؤمنین حضرت عمر فاروقؓ کے غلام تھے) سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت عمر فاروقؓ ایک مرتبہ "حرہ واقم" تک گئے۔ میں بھی اُن کے ساتھ تھا۔ جب ہم لوگ "صِرار" مقام تک پہنچے تو ہمیں آگ کے شعلے دکھائی دیئے۔ آپؓ نے فرمایا: اے اسلم! میرا خیال ہے کہ یہاں کوئی قافلہ ٹھہرا ہے۔ رات اور سردی کی وجہ سے یہاں پر مقیم ہے۔ جب ہم قافلہ کے قریب ہوئے تو ہم نے ایک عورت کو دیکھا کہ اُس کے ساتھ کچھ بچے ہیں اور آگ پر ہنڈیا رکھی ہوئی ہے۔ اور اُس کے بچے رو رہے ہیں۔ حضرت عمرؓ وہاں گئے اور اُس عورت سے قریب آنے کی اجازت طلب کی۔ عورت نے کہا کہ اگر خیر/بھلائی کا ارادہ ہے تو قریب آجاؤ ورنہ قریب آنے کی ضرورت نہیں۔ چنانچہ آپؓ حالات معلوم کرنے کے لئے قریب گئے اور بچوں کے رونے کے بارے میں پوچھا۔ اُس عورت نے کہا کہ بچے بھوک کی وجہ سے رو رہے ہیں۔ حضرت عمرؓ نے پوچھا: ہانڈی میں کیا ہے؟ عورت نے کہا۔ ہانڈی میں بچوں کا دل بہلانے اور سُلانے کے لئے پانی ڈالا ہے۔ اُس عورت نے مزید کہا کہ اللہ ہمارے اور عمرؓ (خلیفۂ وقت) کے درمیان فیصلہ کرے گا۔ اِس کے بعد حضرت عمرؓ وہاں سے نکلے اور تیزی سے آٹے کے گودام میں پہنچے۔ آپؓ نے ایک بوری آٹا اور چربی ڈال کر مجھے (غلام اسلم) کہا: اسے میرے اُوپر لادو۔ میں نے کہا۔ میں اُٹھالیتا ہوں۔ آپؓ نے فرمایا: تیری ماں نہ رہے۔ کیا قیامت کے دِن بھی تم میری طرف سے بوجھ اُٹھاؤ گے۔ چنانچہ میں (اسلم) نے بوری اُٹھوادی۔ آپؓ بوری اُس عورت کے پاس لے گئے۔ میں بھی ساتھ تھا۔ ہم تیزی سے جا رہے تھے۔ آپؓ نے وہ بوری عورت کے پاس جا کر اُتار دی۔ اور تھوڑا سا آٹا نکال کر اُس عورت کو دے دیا اور کہا: تم اِس پر نمک چھڑکو میں تمہارے لئے "حریرہ" بنا دیتا ہوں۔ پھر آپؓ ہانڈی کے نیچے آگ پھونکنے لگے۔ میں نے دیکھا کہ دھواں آپؓ کی داڑھی کے درمیان سے نکل رہا تھا۔ اِس طرح آپؓ نے بچوں کا کھانا پکا دیا اور ہانڈی آگ سے اُتار کر کہا: مجھے کوئی پلیٹ و پیالہ وغیرہ دے دو۔ وہ عورت ایک بڑا پیالہ لے کر آئی۔ آپؓ نے حریرہ اُس میں اُنڈیل دیا۔ اور عورت سے کہنے لگے: میں اِس کو ٹھنڈا کرتا ہوں۔ آپ بچوں کو کھلائیں۔ جب بچوں نے سیر ہو کر کھانا کھایا اور سو گئے۔ تو آپؓ وہاں سے اُٹھے۔ اُس عورت نے آپؓ کا شکریہ اَدا کرتے ہوئے کہا۔ کہ آپؓ خلیفہ/امیر المؤمنین بننے کے زیادہ حقدار ہیں۔ آپؓ نے فرمایا: اچھی بات کہو، جب تم امیر المؤمنین کے پاس آؤ گی تو ان شاءاللہ! تم مجھے وہاں پر پاؤ گی۔۔۔۔۔"۔

شیر خوار بچوں کا وظیفہ جاری کرنا اور دودھ جلدی چھڑانے کی ممانعت:۔ امیر المؤمنین حضرت عمر فاروقؓ نے اُن بچوں کے لئے بھی وظائف کا اجراء کیا تھا جو دودھ پینا چھوڑ دیتے تھے۔ دینِ اسلام نے شیر خوار بچوں کے لئے دودھ پینے کی عمر

کی حد دو سال مقرر کی ہے جیسا کہ قرآن مجید میں بھی ہے۔اسلئے اکثر والدین وظیفہ کے حصول کی خاطر اپنے بچوں کو دو سال سے پہلے زبردستی دودھ چھڑوادیتے تھے۔ جو کہ شیر کوار بچوں کی صحت کے لئے اچھا نہیں تھا۔

حضرت عمر فاروقؓ کے غلام اسلم سے روایت ہے کہ ایک مرتبہ مدینہ منورہ میں باہر کے تاجروں کے ایک قافلہ نے آکر پڑاؤ ڈالا۔ معمول کے مطابق رات کو امیر المؤمنین کے ساتھ حضرت عبدالرحمن بن عوفؓ گشت پر نکلے۔ قافلہ سے بچے کے رونے کی آواز آئی۔ حضرت عمرؓ نے جاکر اُس عورت سے پوچھا کہ یہ بچہ کیوں رو رہا ہے؟ عورت نے کہا کہ میں اِس کی دودھ چھڑوانا چاہتی ہوں لیکن یہ بچہ دودھ نہیں چھوڑ رہا۔ امیر المؤمنین نے دودھ چھڑوانے کی وجہ پوچھی۔ تو وہ عورت کہنے لگی۔ میں اِس بچہ کا دودھ اِس لئے جلدی چھڑوانا چاہتا ہوں تاکہ اِس کا وظیفہ جلدی جاری ہو سکے۔ حضرت عمرؓ نے فوراً قانون میں تبدیل کا حکم جاری کیا کہ آج کے بعد مسلمانوں کے بچوں کا پیدائش کے فوراً بعد وظیفہ جاری ہو گا۔[65]

<u>عمال اور والیان کی کڑی نگرانی اور احتساب:۔</u> کسی بھی معاشی نظام میں احتساب کا ہونا بہت ضروری ہے۔ امیر المؤمنین نے ایسا معاشی نظام تشکیل دیا تھا جس میں عمال اور سرکاری عہدے داران کو مال جمع کرنے کی اجازت نہیں تھی۔ حضرت عمر فاروقؓ اپنے عُمال اور سرکاری عہدے داران کی براہِ راست خود نگرانی فرماتے تھے۔ جب آپؓ کو مصر کے عامل حضرت عمرو بن العاصؓ کے بارے میں مال جمع کرنے کی اطلاع ملی تو آپؓ نے اُن کو خط لکھا۔ جس کو شاہ ولی اللہ دہلویؒ نے "ازالۃ الخفاء" میں یوں بیان کیا ہے۔"وكتب عمر رضي الله عنه الي عمرو بن العاص وهو عامله علي مصر اما بعد فقد بلغني انه قد ظهر لك مالٌ من ابل وغنمٍ وخدم وغلمانٍ ولم يكن لك قبله مالٌ ولا ذلك من رزقك فاني لك هذا ولقد كان لي من السابقين الاولين من هو خيرٌ منك ولكني استعملتك لغنائك فاذا كان عملك لك وعلينا بم نؤثرك علي انفسنا فاكتب اليَّ مِن اين مالك وعجل والسلام فكتب اليه عمرو بن العاص قرأت كتاب اميرالمؤمنين ولقد صدق فاما ما ذكره من مالي فاني قدمت بلدةً الاسعار فيها رخيصةٌ الغزو فيها كثيرةٌ فجعلت فضول ما حصل لي من ذلك فيما ذكره اميرالمؤمنين والله يا اميرالمؤمنين لو كانت خيانتك لنا حلالاً ماخنّاك حيث ائتمنتنا فاقصر عنا عناءك فان لنا احساباً اذا رجعنا اليها اغنتنا عن العمل لك واما من كان عندك لك من السابقين الاولين فهلا استعملتهم فوالله ما وقفت لك باباً. فكتب عمر اما بعد فاني لست من تسطيرك وتشقيقك الكلام في شيءٍ انكم معشر الامراء اكلتم الاموال واخلدتم اليّ الاعذار وانما تاكلون النار وتورّثون العار وقد وجهت اليك محمد بن مسلمة ليشاطرك علي ما في يديك والسلام فلما قدم عليه محمدٌ اتخذ له طعاماً وقدمه اليه فابي ان يأكل فقال: مالك لا تأكل طعامنا؟ قال: انك عملت لي طعاماً هو تقدمةٌ للشر ولو كنت عملت لي طعام الضيف لاكلته فابعد عني طعامك واحضرني مالك فلما كان الغد احضره ماله فجعل محمدٌ يأخذ شطراً ويعطي عمرواً شطراً فلما رأي عمروٌ ما حاز محمدٌ من المال قال: يا محمد بن مسلمة اقول، قال: قل ما تشاء قال: لعن الله يوماً كنتُ فيه والياً لابن الخطاب والله لقد رأيته ورأيت اباه وان

علي كل واحد منهما عباءةٌ قطرانيةٌ مؤزراً بها ما تبلغ مأبض ركبتيه وعلي عنقٍ كل واحدٍ منهما حزمة من حطب وان العاص بن وائل لفي مزرَّراتِ الديباج فقال محمدٌ : اِيهاً يا عمرو فعمر والله خيرٌ منك واما ابوك وابوه ففي النار والله لو لا ما دخلتَ فيه من الاسلام لا لقيتَ معتقلاً شاة يسرك غزرها ويسؤك بكؤها قال: صدقتَ فاكتم عليّ،قال:افعل"۔[66]

ترجمہ:۔"اور حضرت عمرؓ نے مصر کے عامل حضرت عمرو بن العاصؓ کو خط لکھا۔امابعد! مجھے یہ خبر پہنچی کہ تمہارے پاس مال بہت سے اونٹ اور بکریاں اور خدام اور غلام عیاناًموجود ہیں۔اور اِس سے پہلے تمہارے پاس کچھ مال نہیں تھا اور نہ یہ اموال تمہارے وظیفہ سے ہو سکتے ہیں۔پھر یہ تمہارے پاس کہاں سے آیا۔اور میرے پاس سابقین اولین میں سے ایسے لوگ موجود تھے جو تُم سے اَفضل تھے لیکن میں نے تم کو عامل بنایا تھا تمہارے (مال کی طرف سے) بے پرواہ ہونے کی وجہ سے۔توجب تمہارا عمل اپنے ذاتی نفع کے لئے اور ہم کو نقصان کے لئے ہو توہم کیوں تم کواپنے نفوس(یعنی سابقین اولین)پرمقدم رکھیں تو مجھے اِس کا جواب لکھو۔کہ مال کہاں سے آیا؟ اور جلد جواب دو۔ والسلام۔

توحضرت عمرو بن العاصؓ نے امیر المؤمنین کو لکھا کہ میں نے امیر المؤمنین کاخط پڑھااور حقیقت اِس میں صحیح لکھاہے۔میرے مال جوذکرامیر المؤمنین نے کیاہے وہ اِس طرح جمع ہوا کہ میں ایسے شہر میں آیاہوں جہاں بھاؤ سستے ہیں اور یہاں جنگیں بہت ہوئیں۔اور اِن ذرائع سے حاصل ہوکر (مصارف کے بعد) جو بچتا رہا وہ میں اِس میں لگاتار ہا جس کاذکرامیر المؤمنین نے کیاہے۔واللہ! اے امیر المؤمنین اگر تمہارے ساتھ خیانت ہمارے لئے حلال بھی ہوتی تو پھر بھی تمہارے ساتھ خیانت نہ کرتے۔جبکہ آپؓ نے ہمیں اَمین بنایا۔تو آپؓ ہم پر اپنی بے اعتمادی کوروکئے۔حقیقت یہ ہے کہ ہمارے ایسے حسب (آبائی فضائل) ہیں کہ جب ہم ان کی طرف رجوع کرتے ہیں تو وہ ہمیں آپ کے عمل سے بے پرواہ کردیتے ہیں۔رہی یہ بات کہ آپؓ کے پاس سابقین اولین میں سے لوگ موجود تھے تو آپؓ نے اُن کو عامل کیوں نہیں بنایا؟واللہ! میں تو آپؓ کادروازہ پکڑ کر کھڑا نہیں تھا۔

توحضرت عمرؓ نے جواب دیا۔امابعد۔میں کلام میں تمہاری سطر بندی اور شقیں نکالنے سے مطمئن نہیں ہوا۔اے اُمراء کی جماعت! تم لوگوں کے اموال کھاتے ہواور میری طرف عُذر پیش کرنے پر جُھک جاتے ہو۔اور درحقیقت تم آگ کھارہے ہواور اپنے پیچھے عار چھوڑ رہے ہو۔اور میں تمہارے پاس محمد بن مسلمہ کو بھیج رہاہوں تاکہ جو کچھ اموال تمہارے پاس ہے اُس کا آدھا تم سے لے لے۔

توجب حضرت عمرو بن العاصؓ کے پاس محمد بن مسلمہ پہنچے توانہوں نے اُس کے لئے کھانا تیار کرایااور اُن کے سامنے پیش کیا۔تو محمد بن مسلمہ نے کھانے سے انکار کیا۔حضرت عمرو بن العاصؓ نے کہا کیاہوا آپ ہمارا کھانا نہیں کھاتے؟ محمد بن مسلمہ نے کہا کہ تم نے میرے لئے خاص کھانا تیار کرایا جو بُرائی (رشوت) کامقدمہ ہے۔اور اگر تم

میرے لئے عام مہمان کا کھانا تیار کراتے تو میں وہ کھالیتا۔اپنایہ کھانا میرے سامنے سے ہٹاؤاور میرے سامنے اپنا سارا مال حاضر کرو۔ تو جب اگلادِن آیا تو عمرو بن العاصؓ نے اُن کے سامنے اپنا مال حاضر کر دیا۔ تو محمد بن مسلمہ نے آدھا مال اپنے قبضہ میں لینااور آدھا عمرو بن العاصؓ کو دینا شروع کیا۔ تو جب عمرو بن العاصؓ اس مال کو دیکھا جو محمد بن مسلمہ نے چُن لیا تھا تو کہنے لگا کہ لعنت کرے اللہ اُس دِن پر جس دِن ابن الخطابؓ کا والی بنا تھا۔

واللہ میں نے اس کو دیکھا اور اس کے باپ کو دیکھا اِس حال میں کہ دونوں میں سے ہر ایک قطرانی چوغہ پہنے ہوئے تھا اسی کو تہبند بنائے ہوئے تھے جو صرف گھٹنوں تک نیچا تھا۔اور دونوں میں سے ہر ایک کی گردن پر لکڑیوں کا گھٹّا رکھا ہوا تھا۔اور عاص بن وائل ریشمی سنہری گھنڈیوں کے لباس میں تھا۔ تو محمد بن مسلمہ نے کہا کہ بس کر عمرو۔ واللہ حضرت عمر فاروقؓ تجھ سے افضل ہیں۔ رہا تمہارا باپ اور اُن کا باپ، سو دونوں جہنم میں ہیں۔ واللہ اگر یہ بات نہ ہوتی جس میں تو داخل ہو گیا ہے یعنی اسلام میں تو تیرے قبضہ میں ایک بکری باندھنے کی جگہ بھی نہ ہوتی کہ اس کے خوب دودھ دینے سے تو خوش ہو اور کم دینے سے ناخوش۔ عمرو بن عاصؓ نے کہا کہ سچ کہہ رہے ہو یہ بات پوشیدہ رکھنا۔ محمد نے کہا یہ میں کر لوں گا"۔

<u>جھوٹے بھیک مانگنے والوں کی سرزنش اور ممانعت:</u>۔امیر المؤمنین نے عاملین کو حکم دیا تھا کہ کوئی شخص مفت خوری نہ کرے بلکہ ہر شخص محنت کر کے ملکی معاشی نظام کو ترقی دینے کا ذریعہ بنے۔ چنانچہ علامہ ماوردیؒ نے "الاحکام السلطانیہ" میں ایک واقعہ نقل کیا ہے کہ ایک مرتبہ آپ نے ایک سائل کو دیکھا کہ اُس کی جھولی آٹے سے بھری ہوئی تھی۔ آپؓ نے وہ آٹا اُس شخص سے لے کر اُونٹوں کے آگے ڈال دیا اور فرمایا۔ کہ اب جو مانگنا ہے مانگ۔

علامہ ماوردیؒ نے لکھا ہے کہ آپؓ کے نزدیک عاملین کا یہ بھی فرض ہے کہ ایسے لوگوں کو جو محنت مزدوری کر کے کمانے کے قابل ہوں، سوال کرنے اور بھیک مانگنے سے روک لے۔ اُن کو متنبہ کر کے وارننگ دے۔

"قد فعل عمر -رضي الله عنه- مثل ذلك بقوم من أهل الصدقة، ولو رأى عليه آثار الغنى وهو يسأل الناس أعلمه تحريمها على المستغني عنها، ولم ينكره عليه لجواز أن يكون في الباطن فقيرًا"۔[67]

شاہ ولی اللہ دہلویؒ نے "ازالۃ الخفاء" میں حضرت عمر فاروقؓ کا ایک واقعہ اسی سے ملتا جلتا یوں بیان کیا ہے۔

"سمع عمر سائلاً يقول من يعشي السائل فقال: عَشّوا سائلكم ثم جاء الي دار ابل الصدقة يُعشّيها فسمع صوته مرةً اخري فقال: مَن هذا السائل؟ الم امركم ان تعشوه قالوا: قد عشيناه فارسل اليه عمر واذا معه جرابٌ مملوءٌ خبزاً قال فانك لست سائلاً انما انت تاجرٌ تشتري لابلك فاخذ بطرف الجراب فنبذه بين يدي الابل"۔[68]

ترجمہ:۔"حضرت عمر فاروقؓ نے ایک سائل کو یہ کہتے ہوئے سنا۔کہ کون رات کا کھانا سائل کو کھلائے گا؟تو آپؓ نے فرمایا؛سائل کو کھانا کھلادو۔پھر آپؓ صدقہ کے اونٹوں کے باڑہ کی طرف گئے تاکہ انہیں چارہ کھلائیں۔تو وہاں آپؓ نے اُسی سائل کی آواز پھر سُنی۔آپؓ نے لوگوں سے پوچھا یہ سائل کون ہے؟ کیا میں نے تمہیں حکم نہیں دیا تھا کہ انہیں کھانا کھلادو؟انہوں نے کہا،ہم نے انہیں کھانا کھلادیا تھا۔حضرت عمرؓ نے اُس سائل کو بلایا۔تو دیکھا کہ اُس کے پاس روٹیوں سے بھرا ایک تھیلا ہے۔حضرت عمرؓ نے اُس کہا کہ تو سائل نہیں محض ایک تاجر ہے۔اپنے اونٹوں کے لئے روٹی خریدتا پھرتا ہے۔پھر آپؓ نے اُس سے تھیلا لے کر اُس کا ایک گوشہ پکڑ کر اُونٹوں کے آگے اُلٹ دیا"۔

غرباءاور معذور افراد کے لئے وظائف کا اجراء:۔ حضرت عمر فاروقؓ نے ایک ایسا مثالی معاشی نظام قائم کیا جس میں ایک طرف تمام نوجوان اورافراد معاشی سرگرمیوں میں مصروف ہوتے تھے،تو دوسری طرف معاشرے کے مستحق، محروم اور معذور افراد کے لئے وظائف جاری کئے تھے۔آپؓ اِس بات کا سخت اہتمام کیا کرتے تھے کہ ملک کے کسی بھی گوشہ میں کوئی شخص فقر وفاقہ کا شکار نہ ہو۔آپؓ نے حکم دیا تھا کہ جس قدر معذور اور مفلوج افراد ہیں جو خود کما نہیں سکتے،اُن کے لئے بیت المال سے سرکاری وظائف جاری کئے۔ہر علاقے میں ریکارڈ کے لئے رجسٹر رکھے جن میں لاکھوں افراد کا اندراج کیا گیا۔اِن تمام افراد کو گھر بیٹھے خوراک ملتی تھی۔غلہ کی مقدار کا اندازہ لگایا گیا۔تو معلوم ہوا کہ ایک آدمی کے پورے مہینہ کے دو وقت کے کھانے کے لئے دو جریب آٹا کافی ہے۔پھر حکم دیا کہ ہر مستحق فرد کے لئے ماہانہ دو جریب آٹا جاری کیا جائے۔

اسی طرح ایک روایت میں یہ بھی ہے کہ آٹے کے ساتھ سرکہ بھی جاری کیا۔جیسا کہ روایت میں ہے۔

"انی قد فضت لکل نفسی مسلمۃ فی شہر مدی حنطۃ وقسطی خل"۔

ترجمہ:۔"میں نے ہر مسلمان کے لئے فی ماہ دو مد گیہوں اور دو قسط سرکہ مقرر کیا ہے"۔

تجارت پر مسلمانوں کا کنٹرول برقرار رکھنا:۔ امیر المؤمنین حضرت عمر فاروقؓ اپنی سلطنت کے تجارتی نظام سے باخبر رہتے تھے۔آپؓ چاہتے تھے کہ تجارت پر کنٹرول مسلمانوں کے ہاتھ میں ہو۔ایک مرتبہ آپؓ کو جب پتہ چلا کہ اب اہم مسلمان تاجر تجارتی سرگرمیوں سے کنارہ کشی اختیار کرتے جا رہے ہیں تو آپؓ اِس بات پر ناراض ہو گئے۔جیسا کہ علامہ عبدالحئ الکتانیؒ نے "نظام الحكوميه الاسلامية" لکھا ہے۔" أن عمر بن الخطاب دخل السوق في خلافته فلم ير فيه في الغالب إلا النبط، فاغتم لذلك فلما أن اجتمع الناس أخبرهم بذلك وعذلهم في ترك السوق فقالوا: إن الله أغنانا عن السوق بما فتح به علينا.فقال رضي الله عنه: والله لئن فعلتم ليحتاج رجالكم إلى رجالهم ونساؤكم إلى نسائهم"۔[69]

ترجمہ:۔"ایک مرتبہ آپؓ اپنے دورِ خلافت میں بازار گئے۔آپؓ نے دیکھا کہ بازار میں بڑے بڑے اور معروف تاجر صحابہ کرامؓ نظر نہیں آئے۔آپؓ نے دیکھا کہ تجارت پر نبطی/عراقی عجمی لوگ حاوی ہوگئے ہیں۔آپؓ اِس بات پر

افسردہ ہوگئے۔اور بڑے بڑے مسلمان تاجر شخصیات سے تجارت سے کنارہ کشی کے بارے میں پوچھا۔تو وہ لوگ کہنے لگے کہ فتوحات کی وجہ سے ہمارے پاس مال و سرمایہ (مالِ غنیمت) زیادہ ہو گیا ہے اِس لئے ہمیں تجارت اور بازاروں میں جانے کی ضرورت نہیں۔ جس پر امیر المؤمنین نے مسلمانوں کو خبردار کیا کہ ایسا کرنے کی وجہ سے تم لوگ نسل در نسل غیر لوگوں کے ہاتھوں معاشی حوالے سے یرغمال بن جاؤ گے۔اِس لئے آپؓ نے مسلمانوں کو تجارت میں بھرپور کردار کرنے کی ترغیب دی"۔

<u>ملکی معاشی سرگرمی میں ہر فرد کا حصہ لینا:</u>۔ حضرت عمر فاروقؓ نے ضروری قرار دیا تھا کہ معاشرے کے ہر فرد کو ملکی معاشی سرگرمی میں اپنا کردار اَدا کرنا ہوگا۔ آپؓ لوگوں کو معاشی جدوجہد میں حصہ لینے کا حکم دیا کرتے تھے۔"قال عمر بن الخطاب: لا يقعدن أحدكم عن طلب الرزق، ويقول:اللهم أرزقني.

وقد علم أن السماء لا تمطر ذهبا ولا فضة، وأن الله إنما يرزق الناس بعضهم من بعض، وتلا قوله تعالى: فَإِذا قُضِيَتِ الصَّلاةُ فَانْتَشِرُوا فِي الْأَرْضِ وَابْتَغُوا مِنْ فَضْلِ اللهِ وَاذْكُرُوا اللهَ كَثِيراً لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ(سورة الجمعہ:10)"۔[70]

ترجمہ:۔"حضرت عمر فاروقؓ نے فرمایا: تم میں سے کوئی بھی آدمی طلب رزق کے ذرائع کو چھوڑ کر نہ بیٹھ جائے اور یہ کہے کہ اے اللہ ! مجھے رزق عطا فرما۔اور وہ یہ بھی جانتا ہے کہ بیشک آسمان سونا چاندی نہیں برساتا۔اور بیشک اللہ تعالی لوگوں میں سے بعض کو بعض کے ذریعے رزق دیتا ہے۔پھر آپ نے اس آیت کی تلاوت فرمائی:"پھر جب نماز ادا ہو چکے تو زمین میں منتشر ہو جاو اور (پھر)اللہ کا فضل (یعنی رزق) تلاش کرو اور اللہ کو کثرت سے یاد کیا کرو تا کہ تم فلاح پاؤ"۔

<u>مالِ غنیمت میں اضافہ، ملکی معیشت کے جی ڈی پی میں اضافہ کا ذریعہ:</u>۔ امیر المؤمنین حضرت عمر فاروقؓ جب خلیفہ بنے تو آپؓ نے مسلمانوں کو جہاد کی ترغیب دی۔ جس سے ایک طرف نئے علاقے فتح ہونے لگے تو دوسری طرف ملکی معیشت اور جی ڈی پی میں اضافہ ہونے لگا۔ مفتوحہ علاقوں سے کافی سارا مالِ غنیمت آنے لگا۔ جیسا کہ شاہ ولی اللہ دہلویؒ نے"ازالۃ الخفاء"میں لکھاہے۔" در اين مقام حكايتي چند از قيام او به امر جهاد و ظهور كثرت فتوح و وفور غنائم در ايام او ايراد كنيم، سال سيزدهم از هجرت فاروق اعظم-رضي الله عنه- چند روز متصل خطبه مي خواند و تحريض مي فرمود مردمان را بر جهاد عجم وايشان بملاحظهء كثرت عَدد و عُدد آن جمع تقاعد مي نمودند(متردد بودند)؛ زيرا كه پادشاهي آنها از زمان دراز در فارس و روم محكم شده بود و افواج بسيار و خزائن بيشمار ذخيره داشتند كه عرب را به هيچ گاه مانند آن امكان نبود از اينجهت خداي عز وجل فرمود: "ستُدعون الي قومٍ اولي بأسٍ شديد(الايت)" اول كسيكه داعيه ي جهاد در خاطر او افتاد ابوعبيده ثقفي بود از كبار تابعين بعد از آنجماعه بعد جماعه ي براي حرب مهيا شدن گرفتند از آنجمله سليط بن قيس كه از حضارمشهد بدربود،وحضرت فاروق قدر اوليت ابو عبيده در قبول داعيه الهيه بشناخت و او را بر جيش مسلمين اميرگردانيد هر چند در ميان

ایشان اصحاب آنحضرت صلي الله عليه وسلم بودند لكن مبالغه فرمود كه در قضايا و سوانح امور با اصحاب جناب رسالت مشاورت كند وايشان را شريك خود داند فرمود هيچ چيز مرا از تأمير سليط مانع نشد الا تعجيل و مسارعت او در حرب و خوف هلاك مردم بسبب تهوّر او۔ بالجمله مثني بن حارثه شيباني و ابوعبيده ثقفي با همراهيان خويش متوجه عراق گشتند و از آن طرف (پادشاه فارس) رستم فرخ زاد و جابان را با لشكري جرار بمقابله فرستاد و بعد تلاقي فئتين جنگي عظيم در پيوست آخر كار كفار هزيمت يافتند و غنيمت بي حساب بدست اهل اسلام آمد هنوز تقسيم غنائم نشده بود كه نرسي سپه سالار عجم كه خاله زاده ي كسري بود با لشكري عظيم بسوي ايشان متوجه شد و رستم سردار ديگر جاليوس نام را با فوج كثيري بكمك او تعين نمود، ابوعبيده پيش از آنكه اجتماع هر دو فريق شود به نرسي رسيد و وي را منهزم گردانيد و بر مال خطير دست يافت آنگاه بي توقف بجانب جاليوس متوجه شد و او را نيز هزيمت داد و از وي نيز غنائم فراوان در تصرف آورد بعد از آن ابوعبيده از آن همه غنائم و سبايا خمس را جدا كرده بدار الخلافت فرستاد و باقي را بر غزاة قسمت نمود "۔[71]

ترجمہ:۔"اِس موقع پراُن کے امر جہاد کے قیام اور کثرتِ فتوحات کے ظہور اوراُن کے زمانہ میں مالِ غنیمت بکثرت آنے کے بارے میں درج کرتے ہیں۔ہجرت کے تیرھویں سال میں فاروقِ اعظمؓ چندروز مسلسل خطبہ دیتے رہے۔جس میں لوگوں کو جہادِ عجم کے لئے ترغیب دیتے رہے۔اورلوگ اُن کے پاس سامانِ جنگ کی فراوانی اوراُن کی عددی کثرت کی وجہ سے تذبذب کا شکار تھے۔کیونکہ ان کی بادشاہی زمانۂ دراز سے فارس وروم میں محکم شدہ تھی اوراُن کے پاس بہت سی افواج اور بے شمار خزانوں کے ذخیرے موجود تھے کہ اُن کی سطح پر آنے کا عرب کے لئے امکان نہیں تھا۔اسی جہت سے اللہ عزّوجل نے فرمایا"عنقریب تم لوگ ایسے لوگوں(سے لڑنے)کی طرف بلائے جاؤ گے جو سخت لڑنے والے ہوں گے۔۔۔الخ"۔سب سے پہلے جس شخص کے دل میں جہاد کاداعیہ پیداہوا، وہ حضرت ابوعبیدہ ثقفیؒ تھے جو کبارتابعین میں سے تھے۔اِس کے بعد ایک جماعت کے بعد دوسری جماعت جنگ کے لئے تیار ہونے لگی۔اِن میں سے سلیط بن قیسؓ تھے جو کہ جنگِ بدر کے شرکاءمیں سے تھے۔حضرت عمرفاروقؓ نے حضرت ابوعبیدۃ کاداعیہ کوسب سے پہلے قبول کرنے میں اولیت کی قدرشناسی کی اوراُن کو مسلمانوں کے لشکرپرامیر بنایا۔اگرچہ اُن کے درمیاں آنحضرت ﷺ کے اصحاب موجود تھے،لیکن آپؓ نے(ابوعبیدۃؒکو)مبالغہ(کے ساتھ حکم)فرمایاکہ قضایاکے فیصلوں اور پیش آنے والے اُمور میں اصحاب رسول اللہ ﷺ سے مشورہ کرتے رہیں۔اوراُن کو اپنا شریک سمجھیں۔آپؓ نے مزید فرمایا۔سلیط کوامیر بنانے میں مجھے کوئی بات مانع نہیں ہوئی بجزاِس کے کہ زیادہ دلیر ہونے کی وجہ سے وہ جنگ میں عجلت وسرعت کے خوگرہیں،اور جنگ میں لوگوں کے ہلاک ہونے کااندیشہ ہے۔خلاصہ یہ ہے کہ مثنیٰ ابن حارثہ شیبانی اورابوعبیدۃ ثقفی اپنے ساتھیوں کولے کر عراق کی جانب متوجہ ہوگئے اوراُس طرف سے(شاہِ

فارس نے)رستم فرخ زاد اور جابان کو ایک جرار لشکر کے ساتھ مقابلہ کے لئے بھیجا۔ ہر دو فریق کے مل جانے کے بعد ایک جنگِ عظیم شروع ہو گئی۔ نتیجتاً کفار کو شکست ہوئی اور اہلِ اسلام کے ہاتھوں میں بے حساب مالِ غنیمت آیا۔ ابھی تک مالِ غنیمت تقسیم نہیں ہوا تھا کہ عجم کے سپہ سالار نرسی جو کی کسریٰ کی خالہ کا بیٹا تھا ایک زبردست لشکر کے ساتھ ان کی طرف متوجہ ہو گیا۔ اور رستم نے ایک طرف سردار کو جس کا نام جالینوس تھا ایک کثیر فوج کے ساتھ اُس کی کمک کے لئے متعین کیا۔ ابو عبیدہؓ قبل اِس کے کہ دونوں (نرسی اور جالینوس) کی افواج اکٹھے ہو جائیں، نرسی پر جا پہنچے اور اُس کو ہزیمت دے دی اور بہت سے مال پر قابض ہو گئے۔ اِس کے بعد بغیر توقف کئے جالینوس کی طرف متوجہ ہوئے اور حملہ کر کے اُسے بھی شکست دے دی۔ اور وہاں سے مالِ غنیمت قبضہ میں لے لیا۔ اِس کے بعد ابو عبیدہؓ نے سارا مالِ غنیمت اور اسیرانِ جنگ میں سے پانچواں حصہ نکال کر باقی دار الخلافہ (مدینہ المنورۃ) امیر المؤمنین کے پاس روانہ کر دیا۔ غازیوں کا حصہ غازیوں میں تقسیم کیا"۔

<u>معاشرے سے غربت کو ختم کرنے کی کوشش:</u>۔امیر المؤمنین حضرت عمر فاروقؓ کی یہ کوشش تھی کہ معاشرے سے غربت کا خاتمہ ہو۔ اِس لئے آپؓ نے ایک موقع پر غریبوں کو نصیحت کرتے ہوئے اُن کو ہمت دلائی کہ اُٹھ کر اپنے معاشرے میں کردار ادا کرے۔"يا معشر الفقراء ! ارفعوا رؤوسكم فقد اتضح الطريق استبقوا الخيرات و لا تكونوا عيالا على المسلمين"۔[72]

ترجمہ:۔"اے گروہ فقراء! اپنے سروں کو اٹھاؤ بیشک تمہارا سامنے ایک واضح راستہ ہے اور نیکیوں کی طرف سبقت لے جاؤ اور دوسرے مسلمانوں پر تکیہ کر کے نہ بیٹھ جاؤ"۔

ایک اور موقع پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ارشاد فرمایا۔"قال عمر بن الخطاب: لا يقعدن أحدكم عن طلب الرزق، ويقول:اللهم أرزقني. وقد علم أن السماء لا تمطر ذهبا ولا فضة"۔[73]

ترجمہ:۔"تم میں سے کوئی شخص طلب رزق کے لئے (ہاتھ پر ہاتھ دھر کر) نہ بیٹھا رہے، اِس حال میں کہ وہ کہہ رہا ہو :اے اللہ مجھے رزق عطا فرما۔ اور تحقیق وہ جان لے کہ آسمان سونا چاندی نہیں برساتا"۔

<u>فاضل اَز ضرورت مال ودولت میں غرباء کے حقوق کا تعین کرنا:</u>۔امیر المؤمنین حضرت عمر فاروقؓ نے امراء کے مال ودولت میں فرض اور واجبی زکوۃ وصدقات کے علاوہ بھی غرباء کے حقوق کے بارے میں تعین کیا۔ یعنی اگر امیر لوگوں کے زکوۃ اَدا کرنے کے بعد بھی غرباء کی بنیادی ضروریات پوری نہیں ہو پا رہی تو اِس سے بڑھ کر بھی حکومت غرباء کے لئے امراء کے اموال سے مزید مال وصول کر سکتے ہیں۔ جیسا کہ علامہ ابن حزمؒ لکھتے ہیں۔" قَالَ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ رضي الله عنه : لَوْ اسْتَقْبَلْتُ مِنْ أَمْرِي مَا اسْتَدْبَرْت لَاَخَذْت فُضُولَ أَمْوَالِ الأَغْنِيَاءِ فَقَسَّمْتُهَا عَلَى فُقَرَاءِ الْمُهَاجِرِينَ"۔[74]

ترجمہ:۔"حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے فرمایا: جس بات کا مجھے آج اندازہ ہوا ہے۔اگر اس کا پہلے سے اندازہ ہوتا تو میں اس میں کبھی تاخیر نہ کرتا۔اور بلاشبہ ارباب ثروت (امراء) کی فاضل دولت لے کر فقراء مہاجرین میں بانٹ دیتا"۔

غیر مسلم عمر رسیدہ، بچوں اور خواتین کا ٹیکس کی استثناء (معاشی کفالت میں معاشرتی ضمانت):۔ اسلام نے ہر شہری کو معاشرتی ضمانت، راحت وسکون اور معیشت کے تحفظ کی ضمانت دی ہے۔یہ اس وقت تک ہے جب تک وہ اپنے فرائض کو بجالا رہا ہے یا کسی مجبوری کی وجہ سے اپنے فرائض کی ادائیگی سے عاجز ہو جائے۔

ایک مرتبہ امیر المؤمنین حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے سامنے ایک یہودی کا گزر ہوا جو کہ لوگوں سے بھیک مانگ رہا تھا۔خلیفہ نے اُس کو بلا کر بھیک مانگنے کی وجہ پوچھی، کہ کس چیز نے اسے بھیک مانگنے پر مجبور کیا ہے؟ اُس یہودی نے کہا جب میں جوان تھا تو مزدوری کر کے اپنے معاشی ضروریات بھی پوری کرتا تھا اور جزیہ بھی اَدا کرتا تھا۔لیکن ابھی میں ضعیف العمری کی وجہ سے مزدوری کرنے سے قاصر ہوں۔اور سرکار کو جزیہ بھی اَدا کرنا ضروری ہے۔اس لئے بھیک مانگنے پر مجبور ہوں۔حضرت عمر رضی اللہ عنہ اُسے اپنے گھر لے گئے اور کچھ مال دیا۔اور قانون بنایا کہ یہ لوگ جوانی کی زمانے میں تو معاشی نظام کو ترقی دینے کا ذریعہ بنے۔اب جب یہ لوگ عمر کی وجہ سے مزدوری کے قابل نہ رہے تو حکومتی معاشی نظام کی ذمہ داری ہے کہ اِن کی کفالت کرے۔اور تمام ضعیف العمر غیر مسلموں سے اُن کا جزیہ ختم کر دیا۔جیسا کہ امام ابویوسفؒ لکھتے ہیں۔"مَرَّ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ بِبَابِ قَوْمٍ وَعَلَيْهِ سَائِلٌ يَسْأَلُ: شَيْخٌ كَبِيرٌ ضَرِيرُ الْبَصَرِ، فَضَرَبَ عَضُدَهُ مِنْ خَلْفِهِ،
وَقَالَ: مِنْ أَيِّ أَهْلِ الْكِتَابِ أَنْتَ؟ فَقَالَ: يَهُودِيٌّ. قَالَ: فَمَا أَلْجَأَكَ إِلَى مَا أَرَى؟ قَالَ: أَسْأَلُ الْجِزْيَةَ وَالْحَاجَةَ وَالسِّنَّ. قَالَ: فَأَخَذَ عُمَرُ بِيَدِهِ، وَذَهَبَ بِهِ إِلَى مَنْزِلِهِ فَرَضَخَ لَهُ بِشَيْءٍ مِنَ الْمَنْزِلِ، ثُمَّ أَرْسَلَ إِلَى خَازِنِ بَيْتِ الْمَالِ۔
فَقَالَ: انْظُرْ هَذَا وَضُرَبَاءَهُ؛ فَوَاللهِ مَا أَنْصَفْنَاهُ أَن أكلنَا شبيته ثُمَّ نَخْذُلُهُ عِنْدَ الْهَرَمِ "إِنَّمَا الصَّدقَات لِلْفُقَرَاء وَالْمَسَاكِين"، وَالْفُقَرَاءُ هُمُ الْمُسْلِمُونَ وَهَذَا مِنَ الْمَسَاكِينِ مِنْ أَهْلِ الْكِتَابِ، وَوَضَعَ عَنْهُ الْجِزْيَةَ وَعَنْ ضُرَبَائِهِ"۔[75]

ترجمہ:۔"حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ ایک مرتبہ لوگوں میں سے کسی شخص کے دروازے کے پاس سے گزرے۔وہاں ایک سائل سوال کر رہا تھا جو نہایت ضعیف اور اندھا تھا۔حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس کے بازو پر پیچھے سے مارا۔اور کہا کہ تم کس اہل کتاب سے ہو؟ اس نے کہا یہودی ہوں۔آپ نے فرمایا: تجھے اس امر پر کس نے مجبور کیا جو میں دیکھ رہا ہوں؟ اُس نے کہا کہ میں جزیہ کی ادائیگی، حاجات کی تکمیل اور عمر رسیدگی کی وجہ سے سوال کر رہا ہوں۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس کا ہاتھ پکڑا اور اسے اپنے گھر لے گئے اور اسے اپنے گھر سے کچھ مال دیا۔پھر اسے بیت المال کے خازن کی طرف بھیجا۔اور کہا کہ اسے اور اس قبیل کے دوسرے لوگوں کو دیکھو۔خدا کی قسم! ہم

نے اس کے ساتھ انصاف نہیں کیا کہ اس کی جوانی سے تو ہم نے خوب فائدہ اٹھایااور بڑھاپے میں اسے رسوا کر دیا۔ پھر آپ نے یہ آیت پڑھی: "بیشک صدقات فقرآء اور مساکین کے لئے ہیں"۔اور فرمایا فقرآء سے مراد مسلمان ہیں اور یہ اہل کتاب مساکین میں سے ہے۔اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس سے اس جیسے دیگر کمزور لوگوں سے جزیہ ساقط کر دیا"۔

اسی طرح حضرت عمر فاروقؓ نے غیر مسلم بچوں اور خواتین کو بھی ٹیکس سے استثناء دیا تھا۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ مسلمان شہریوں کے ساتھ برابری کی سطح پر غیر مسلم شہریوں کے حقوق کا خیال رکھتے تھے۔ان لوگوں پر ان کی طاقت سے زیادہ بوجھ نہیں ڈالتے تھے۔امیر المومنین حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے آزاد کردہ غلام حضرت اسلم فرماتے ہیں۔" عَنْ أَسْلَمَ، مَوْلَى عُمَرَ: أَنَّ عُمَرَ، كَتَبَ إِلَى أُمَرَاءِ الْأَجْنَادِ: أَنَ لَا يَضْرِبُوا الْجِزْيَةَ عَلَى النِّسَاءِ، وَلَا عَلَى الصِّبْيَانِ"۔[76]

ترجمہ:۔"حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے سپہ سالاروں کو خط لکھا کہ وہ غیر مسلم عورتوں اور بچوں پر ٹیکس نافذ نہ کریں"۔

معاشی نظام کا بنیادی مقصد عوام کی معاشی ضروریات کی کفالت کرنا:۔ حضرت عمر فاروقؓ نے معاشی نظام کی بنیادی مقصد کو متعین کیا، کہ معاشی نظام کا بنیادی مقصد عوام کی معاشی ضروریات کی کفالت کرنا ہے، جیسا کہ آپؓ کے ایک خط میں ذکر ہے۔"عن ابی عثمان قال کتب الینا عمر ونحن بآذربیجان:یاعتبۃ بن فرقد!انہ لیس من کدک ولامن کد ابیک ولامن کد امک فاشبع المسلمین فی رحالہم مما تشبع منہ فی رحلک"۔[77]

ترجمہ:۔"حضرت ابو عثمان فرماتے ہیں: حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے ہمیں آذر بائیجان میں خط لکھا کہ اے عتبہ بن فرقد! یہ دولت نہ تیری کمائی ہے نہ تیرے باپ کی کمائی ہے اور نہ ہی تیری ماں کی کمائی ہے۔اس لئے مسلمانوں کے گھروں میں رزق پہنچاؤ جس طرح اپنے اہل خانہ کو پہنچاتے ہو"۔

بیت المال سے تنخواہوں اور الاؤنسز کا تعین اور اجراء:۔ امیر المؤمنین حضرت عمر فاروقؓ کے دورِ خلافت میں معاشی نظام بہت مضبوط ہو گیا۔ بیت المال کی آمدنی میں بہت اضافہ ہو گیا۔ مختلف قسم کے ریکارڈ رکھنے کے رجسٹر مرتب کئے گئے۔ مسلمانوں کی تنخواہیں اور الاؤنسز مقرر کئے گئے جیسا کہ ابو عبیدہؒ نے لکھا ہے۔"فلماکثرت الاموال فی ایام عمررضی اللہ عنہ،وضع الدیوان،فرض الرواتب للعمال والقضاۃ ومنع ادخار المال، وحرم علی المسلمین اقتناء الضیاع والزاعۃ والمزارعۃ لانّ ارزاقھم وارزاق عیالھم فدفع لھم من بیت المال حتی الی عبیدھم وموالھم۔اراد بذلک ان تبقوا جندا علی اھبۃ الرحیل لایمنعھم انتظارالزرع ولا یقعدھم الترف والقصف ---الخ"۔[78]

ترجمہ:۔"جب حضرت عمرؓ کے زمانے میں حکومت میں مال کی بہتات ہو گئی اور اعداد و شمار کے رجسٹر مرتب ہو گئے تو حکومت کے کارکنوں، گورنروں اور قاضیوں وغیرہ کے مشاہرے (تنخواہ) مقرر کر دئے گئے اور مال اور خزانے جمع کرنے کی ممانعت کر دی گئی۔اور مسلمانوں پر کاشتکاری و زمینداری ممنوع کر دی گئی۔اِس لئے کہ اُن کے اور اُن کے اہل وعیال کے روزینے بیت المال سے مقرر کر دئے گئے تھے۔بلکہ اُن کے غلاموں اور آزاد شدہ غلاموں کے بھی۔اِس سے مقصد یہ تھا کہ تمام قوم عسکری بن جائے اور اِس طرح وہ کوچ کے لئے چست وچالاک رہے کہ ان کے سفر کے سامنے نہ زمینداری مانع آئے اور نہ کاشتکاری اور یہ کہ وہ بے محنت کی زندگی اور عیش وعشرت میں نہ پڑ جائے"۔

ک۔عورتوں،نومولود بچوں اور لاوارث بچوں کے وظائف مقرر کرنا:۔امیر المؤمنین حضرت عمر فاروقؓ نے اپنے دور کے

معاشی نظام کو اتنا مضبوط اور آمدنی والا بنایا کہ معاشرے کے ہر قسم کے کمزور طبقہ کے لئے وظائف جاری کروادیئے۔ڈاکٹر عبدالرحمن نقشبندی نےاِس پر تفصیلاً بحث کی ہے۔

چنانچہ آپؓ نے خواتین اور بچوں کے وظائف مقرر کئے۔خواتین میں ازواج مطہرات کے لئے بارہ بارہ ہزار مقرر کرنے کا حکم دیا۔اِن خواتین میں حضرت اسماءبنت عمیسؓ،اسماءبنتِ ابی بکرؓ اور اُم عبد(عبداللہ ابن مسعودؓ کی والدہ) بھی شامل تھیں۔سابقین مہاجرات کے لئے ایک ایک ہزار مقرر کئے۔آپؓ بدستِ خود یہ وظائف تقسیم فرمایا کرتے تھے۔[79]

آپؓ سے پہلے اُن بچوں کو وظیفہ ملتا تھا جو دودھ چھوڑ لیتے تھے۔لیکن آپؓ نے نومولود اور شیر خوار تمام بچوں کے لئے وظائف جاری کئے۔خاص کر ایسے لاوارث بچے جو آپؓ کے پاس لائے جاتے تھے۔اور اُن کا وارث معلوم نہیں ہوتا تھا۔آپؓ نے ایسے بچوں کے لئے سو درہم جاری کرنے کا حکم دیا۔ایسے بچوں کے ساتھ خوراک اور لباس کے حوالے سے مزید مالی تعاون بھی کیا جاتا تھا۔

بیت المال کی حفاظت:۔حضرت عمر فاروقؓ بیت المال کی بنفسِ نفیس حفاظت فرمایا کرتے تھے۔جیسا کہ شاہ ولی اللہ دہلویؒ نے "ازالۃ الخفاء"میں لکھاہے ۔"وازانجملہ آنکہ درمحافظتِ بیت المال دقیقہ فرونمے گزاشت"۔[80]

ترجمہ:۔"اور آپؓ کی فضیلتوں میں سے ایک یہ بھی ہے کہ بیت المال کی حفاظت میں آپؓ نے کوئی دقیقہ باقی نہیں چھوڑا"۔

شاہ ولی اللہ دہلویؒ نے یہاں تک لکھا ہے کہ آپؓ بیت المال کے اونٹوں کے دانت وغیرہ بذاتِ خود دیکھ کے ریکارڈ میں لکھوایا کرتے تھے۔

مالِ غنیمت/فئی/عطیات کو سالانہ بنیادوں پر تقسیم کرنے کا بندوبست:۔ شروع شروع میں مالِ غنیمت اور مالِ فئی آنے کے بعد موقع پر فوراً تقسیم کیا جاتا تھا۔ رسول اللہ ﷺ سے لے کر صدیق اکبرؓ تک۔ لیکن فاروقی دور میں جب فتوحات کا دائرہ وسیع ہو گیا تو آپؓ نے صحابہ کرام کو اکٹھا کر کے اُن سے مشورہ کیا کہ عطیات کو سالانہ بنیادوں پر تقسیم کیا جائے۔ اس طرح ان میں برکت پیدا ہو گی۔ چنانچہ تمام لوگوں نے آپؓ کی رائے کی موافقت کی۔ لہذا آپؓ نے ایک رجسٹر/دیوان مرتب کیا جس میں عطیات/مالِ فئی/مال غنیمت سب کا ریکارڈ لکھا جاتا تھا اور پھر سال کے بعد مستحقین میں تقسیم فرماتے[81]۔

بازاروں اور منڈیوں کا کنٹرول مسلمانوں کے ہاتھ میں ہونا:۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ بازار اور تجارتی منڈیوں پر خصوصی نظر رکھتے تھے۔ اور اِس معاملہ میں بڑی سختی کرتے تھے۔ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے ایک مرتبہ امیر المؤمنین حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو 14 پیوند لگے ازار پہنے ہوئے بازار میں دیکھا۔ اُس کے ہاتھ میں کوڑا تھا۔ اور اِس حالت میں بازاروں میں چکر لگا رہا تھا۔ آپ رضی اللہ عنہ بازاروں پر اِس لئے کنٹرول کرتے تھے۔ تاکہ لوگ دھوکہ بازی اور زیادہ قیمت وصولی سے باز رہے۔ اسی لئے آپ رضی اللہ عنہ نے بازاروں اور منڈیوں کی دیکھ بھال کے لئے نگران مقرر کئے۔ حضرت سائب بن یزید رضی اللہ عنہ کو مدینہ کے بازار کا اور عبداللہ بن عتبہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کو دیگر بازاروں کا نگران مقرر کیا۔[82]

ٹیکس کی وصولی میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی ہدایات اور احکامات:۔ امیر المؤمنین حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے معاشی نظام کو مضبوط بنیادوں پر استوار کرنے کے لئے ٹیکس کے نظام کو بہت مضبوط کیا۔ اِس سلسلہ میں آپؓ نے ٹیکس کا نیٹ ورک وسیع کر دیا۔ چونکہ ٹیکس ملکی آمدن کا اہم ذریعہ ہوتا ہے۔ اِس لئے اِس میں مسلمان اور غیر مسلمان سب برابر کے شریک ہوتے ہیں۔ آپؓ نے حکم جاری کیا تھا کہ ٹیکس کی شرح اتنی ہونی چاہئے کہ عوام پر بوجھ نہ بنے۔ زمینوں کی پیمائش اور غیر مسلم کاشت کاروں پر اُن کی برداشت سے زیادہ ٹیکس نہیں لگانا چاہئے۔ عہدِ فاروقی میں ٹیکس کا نظام بہت بہتر ہو گیا تھا۔ چنانچہ ایک مرتبہ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے فرمایا۔ "قَالَ عُمَرُ بْن عَبْد الْعَزِيزِ. كان خراج السواد عَلَى عهد عُمَر بْن الخطاب مائة ألف ألف درهم"۔[83]

ترجمہ:۔ "امیر المومنین حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے زمانے میں سواد سے ایک لاکھ درہم ٹیکس وصول ہوا تھا"۔

ٹیکس کی وصولی میں سختی کی ممانعت اور نرمی و حسنِ سلوک کی تلقین:۔ آپؓ نے عمال کو اِس بات کا پابند بنایا تھا کہ ٹیکس کی وصولی کے وقت نرمی اختیار کی جائے اور سختی سے احتراز کیا جائے۔ چونکہ عوام سے ٹیکس کی وصولی ایک نہایت ہی مشکل کام ہے۔ایک مرتبہ خلیفہ حضرت عمر فاروقؓ کے پاس دوسرے علاقے سے بہت سارا مال ٹیکس کی مد میں آیا۔ حضرت عمر فاروقؓ نے زیادہ مال دیکھ کر پوچھا کہ یہ مال کسی پر ظلم یا سختی کر کے تو وصول نہیں کیا گیا؟

عمال کی تسلی کے بعد آپؓ نے دُعا دی۔ "تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں جس نے میرے ہاتھ سے میری حکمرانی میں غیر مسلموں پر یہ زیادتی نہیں ہونے دی"۔

امیر المومنین حضرت عمر فاروقؓ رسول اللہ ﷺ کے حکم کے مطابق اپنی رعایا سے نرمی برتتے تھے۔ایک دفعہ شام کے سفر میں آپؓ نے دیکھا کہ ان کے عامل ٹیکس وصول کرنے کے لئے غیر مسلموں کو دھوپ میں کھڑا کر دیتے ہیں۔اس پر آپ رضی اللہ عنہ نے عاملوں کی سرزنش کرتے ہوئے فرمایا۔"فدعو هم، لاتكلفو هم مالا يطيقون، فانی سمعت رسول الله صلىٰ الله عليه وآله وسلم يقول: لا تعذبوا الناس فان الذين يعذبون الناس في الدنيا يعذبهم الله يوم القيامة"۔[84]

ترجمہ:۔ "ان کو چھوڑ دو،ان کو ہر گز تکلیف نہ دو جس کی وہ طاقت نہیں رکھتے، میں نے حضور ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے لوگوں کو عذاب نہ دو، بے شک جو لوگوں کو دنیا میں عذاب دیتے ہیں اللہ انہیں قیامت کے دن عذاب دے گا"۔

جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ اس کڑی سزا کو ترک کر دیا گیا۔اسی طرح ہشام بن حکم نے حمص کے ایک غیر مسلم قبطی کو ٹیکس وصول کرنے کے لئے دھوپ میں کھڑا دیکھا۔اس پر انہوں نے سرکاری افسر کی ملامت کی اور کہا میں نے رسول اللہ صلیٰ اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ فرماتے سنا۔"ان الله يعذب الذين يعذبون الناس فى الدنيا"۔[85]

ترجمہ:۔"بے شک اللہ ان لوگوں کو عذاب دے گا جو دنیا میں لوگوں کو عذاب دیتے ہیں"۔

فصلِ سوم

حضرت عثمان غنیؓ کے دور کا اسلامی معاشی نظام

1-حضرت عثمان غنیؓ کے حالاتِ زندگی:۔

آپؓ کا نام "عثمان"، لقب "ذوالنورین"، کنیت دورِ جاہلیت میں "ابو عمرو" اور بعد میں "ابو عبداللہ" کے نام سے مشہور ہوئی۔ آپؓ کا شجرۂ نسب یوں ہے۔" عثمان بْن عفان بْن أَبِي العاص بْن أمية بْن عَبْد شمس بْن عَبْد مناف الْقُرَشِيّ الأموي"۔[86]

آپؓ نے حضرت ابو بکر صدیقؓ کی دعوت پر چوتھے نمبر پر اسلام قبول کیا۔ آپؓ کے والد جن کا نام "عفان" تھا، دورِ جاہلیت میں ہی وفات پا چکے تھے۔ آپؓ کی والدہ جن کا نام "اروٰی بنت کریز" تھا، فتح مکہ کے موقع پر مشرف بہ اسلام ہوئیں اور آپؓ کے دورِ خلافت میں ہی وفات پا گئیں[87]۔ آپؓ نے اپنے ہاتھوں مبارک سے اپنی والدہ کو قبر میں اُتارا۔

آپؓ عام الفیل کے چھ سال بعد پیدا ہوئے۔ اِس اعتبار سے آپؓ رسول اللہ ﷺ سے تقریباً پانچ سال چھوٹے تھے۔"ولد بعد الفيل بست سنين على الصحيح"۔[88]

آپؓ نے پہلی شادی حضرت رقیہؓ بنتِ رسول اللہ ﷺ سے کی۔ حضرت رقیہؓ کی وفات کے بعد حضرت اُمّ کلثومؓ بنتِ رسول اللہ ﷺ سے دوسری شادی کی۔ آپؓ نے کل آٹھ شادیاں کیں[89]۔ آپؓ کے کل نو بیٹے اور سات بیٹیاں پیدا ہوئیں۔

قبولِ اسلام:۔ آپؓ نے 34 سال کی عمر میں حضرت ابو بکر صدیقؓ کی دعوت پر اسلام قبول کیا۔ آپؓ حضرت ابو بکر صدیق، علی المرتضیٰ اور زید بن حارثہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کے بعد چوتھے نمبر پر اسلام قبول کرنے والے تھے۔ آپؓ اسلام قبول کرنے سے پہلے ہی اعلیٰ اور پاکیزہ اخلاق کے مالک تھے۔ ناچ، گانا اور شراب سے دور رہتے تھے۔ آپؓ نے اسلام کی خاطر دو ہجرتیں کیں۔ ایک حبشہ کی طرف اور دوسری مدینہ طیبہ کی طرف۔

بحیثیتِ کامیاب تاجر:۔ حضرت عثمانؓ کے والد تاجر تھے، اِس لئے آپ بھی تجارت کے پیشے سے منسلک رہے اور ایک کامیاب تاجر کے طور بھی زندگی گزاری۔ آپؓ کا شمار بنو امیہ کے امیر ترین افراد میں ہوتا تھا۔ عرب کے اُس جاہلیت کے دور میں شرف و عزت کی معیار دولت اور سرمایہ ہوا کرتی تھی جس کی وجہ سے لوگ آپؓ کو عزت کی نگاہ سے دیکھتے تھے۔ شام، حبشہ اور دیگر ممالک کی طرف بہت سے تجارتی اسفار طے کئے۔

مالی اور اقتصادی تعاون:۔ آپؓ کے پاس جتنا بھی مال و دولت تھا اُس کو اللہ کے راستہ میں انسانیت پر خرچ کرنے سے کبھی دریغ نہیں کیا۔ جب بھی اسلام کو مالی تعاون کی ضرورت پڑی، آپؓ نے فوراً اپنے مال کے دروازے کھول دیئے۔

"بئرِ رومہ" کی خریداری اور مسلمانوں کے لئے وقف کرنا:۔ مسلمانوں نے جب مدینہ منورہ ہجرت کی تو وہاں پر تجارت اور معیشت کے تمام ذرائع پر یہودیوں کا قبضہ تھا۔ میٹھے پانی کا ایک ہی کنواں تھا جس کا نام "بئرِ رومہ" تھا۔ یہ کنواں بنو غفار کے ایک یہودی کی ملکیت تھا، جو کہ قیمتاً پانی بیچتا تھا۔ مہاجرین مسلمان ویسے معاشی حوالے سے سب کچھ مکہ میں چھوڑ کر کے ہجرت کر چکے تھے۔ اِس لئے اُن کے لئے قیمتاً پانی خریدنا مشکل تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے حالات کو دیکھ کر صحابہ کرام کو ترغیب دی۔ "مَنْ يَشْتَرِي بِئْرَ رُومَةَ،فَيَجْعَلُ فِيهَا دَلْوَهُ مَعَ دِلَاءِ الْمُسْلِمِينَ بِخَيْرٍ لَهُ مِنْهَا فِي الْجَنَّةِ"۔[90]

ترجمہ:۔ "کون ہے جو بئرِ رومہ کو خرید کر اسے مسلمانوں کے لئے وقف کردے۔ اللہ تعالیٰ اسے اِس سے بدرجہا بہتر (صلہ) جنت میں عطا فرمائے گا"۔

حضرت عثمانؓ نے اُس کنویں کو پینتیس ہزار درہم کے عوض اُس یہودی سے خرید کر وقف کر دیا۔

توسیعِ مسجدِ نبوی ﷺ:۔ ہجرتِ مدینہ کے بعد مسلمانوں کی تعداد میں مسلسل اضافہ ہوتا گیا۔ رسول اللہ ﷺ تمام اجتماعی اُمور مسجدِ نبوی ہی میں نمٹاتے تھے۔ گویا کہ مسجدِ نبوی ایک قسم کا ہیڈ کوارٹر تھا۔ جس کی وجہ سے مسجدِ نبوی کی جگہ تنگ پڑ گئی۔ نبی کریم ﷺ نے مسجد کی توسیع کے لئے صحابہ کرام کو ترغیب دیتے ہوئے فرمایا۔ " مَنْ يَشْتَرِي بُقْعَةَ آلِ فُلَانٍ فَيَزِيدَهَا فِي المَسْجِدِ بِخَيْرٍ لَهُ مِنْهَا فِي الجَنَّةِ"۔[91]

ترجمہ:۔ "کون ہے جو آلِ فلاں کی زمین خرید کر مسجد میں شامل کرے۔ اللہ تعالیٰ اُسے جنت میں اِس سے بہتر زمین عطا فرمائے گا"۔

نبی کریم ﷺ کی اِس ترغیب پر حضرت عثمانؓ فوراً کھڑے ہو گئے اور اپنے ذاتی مال سے اُس قطعۂ زمین کو بیس یا پچیس ہزار درہم میں خرید کر مسجدِ نبوی کے لئے وقف کر دیا۔

قحط کے زمانے میں سارا غلہ وقف کرنا:۔ ایک مرتبہ خلیفۂ اول حضرت ابو بکر صدیقؓ کے زمانے میں شدید قحط سالی پڑ گئی۔ بارشیں نہ ہونے کی وجہ سے خشک سالی بڑھ گئی۔ زمینیں خشک ہونے کی وجہ سے کاشت کاری نہ ہونے کے برابر رہی۔ لوگوں نے خلیفہ سے خشک سالہ اور قحط کی شکایت کی۔ حضرت ابو بکر صدیقؓ نے لوگوں کو صبر کی تلقین کی۔ تھوڑی ہی دیر میں حضرت عثمانؓ اپنے تجارتی مال سوا اونٹوں پر غلہ لدے ہوئے شام سے لے کر مدینہ پہنچے۔ لوگوں نے پریشانی کے عالم میں مال بیچنے کی درخواست کی۔ لوگوں نے کئی گنا نفع کی پیش کش کی۔ آپؓ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ مجھے سو فیصد نفع دے گا۔ اِس لئے میں اللہ تعالیٰ کو گواہ بنا کر یہ سارا غلہ غریبوں کے لئے وقف کرتا ہوں۔[92]

غزوۂ تبوک کے موقع پر مدد کرنا:۔ 9ھ میں رسول اللہ ﷺ کو اطلاع ملی کہ روم والے مدینہ پر حملہ کرنے کے بڑی تیاریوں میں مصروف ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے مسلمانوں کو فوراً تیاری کا حکم دیا۔ شدید گرمی کا موسم اور قحط سالی

کادور تھا۔ مجاہدین کے لئے زادِ راہ اور سامانِ جنگ کی شدید کمی تھی۔ رسول اللہ ﷺ نے صحابہ کرام کو انفاق فی سبیل اللہ کی ترغیب دلائی۔ صحابہ کرامؓ نے اپنی استطاعت کے مطابق حصہ ڈالا۔ مسلمان خواتین نے اپنے زیورات وقف کردئے۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ اپناسارا مال لے کر آئے۔ حضرت عمر فاروقؓ اپنا آدھا مال لے کر حاضر ہوئے۔ اور حضرت عثمان غنیؓ نے نو سو چالیس اُونٹ اور ساٹھ گھوڑے وقف کر کے کل ہزار سواریاں مہیا کردیں۔ اِس کے علاوہ آپؓ نے دس ہزار دینار بھی رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں پیش کئے۔ رسول اللہ ﷺ آپؓ کی اِس عمل سے بہت ہی خوش ہوئے۔ آپ ﷺ اِن دنانیر میں ہاتھ پھیر رہے تھے اور فرما رہے تھے۔ "مَا ضَرَّ عُثْمَانَ مَا عَمِلَ بَعْدَ اليَوْمِ"۔[93]

ترجمہ:۔ "آج کے بعد عثمان کو اُس کا کوئی عمل نقصان نہیں پہنچائے گا"۔ آپ ﷺ نے دو مرتبہ یہ بات ارشاد فرمائی۔

خلاصۂ کلام یہ کہ حضرت عثمان غنیؓ نے مدینہ کی نئی ریاست کی مالی ضروریات کو پورا کرنے کے لئے اپنے مال کو بغیر کسی کنجوسی کے خرچ کیا۔ آپؓ کی اِن مالی قربانیوں میں ہمیں درس ملتا ہے کہ سرمایہ اور مال و دولت انسانیت پر خرچ کرنے کے لئے ہے نہ کہ جمع کرنے کے لئے۔

2-حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کادورِ خلافت:۔

حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ محرم الحرام 24ھ کو خلیفہ منتخب ہوئے اور 18 ذوالحجہ 35ھ کو آپ شہید ہو گئے۔ آپ رضی اللہ عنہ کی کل مدتِ خلافت 12 دن کم 12 سال رہی۔ خلفاءِ راشدین میں آپ رضی اللہ عنہ کی خلافت سب سے زیادہ اور لمبے عرصہ پر محیط رہی[94]۔

3-حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی معاشی اصلاحات:۔

1-مالی فراوانی:۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے قائم کردہ نظام میں کوئی خاص تبدیل نہیں کی بلکہ اُس کو مزید ترقی دی۔ آپؓ کے دور میں مسلمانوں کی مالی حیثیت بہت مستحکم ہوئی۔ اسلامی سلطنت کا معاشی اور مالی نظام بہت مضبوط ہو گیا۔ آپؓ کے زمانۂ خلافت مسلمانوں کے لئے مالی خوشحالی و آسودگی کا دور تھا۔ چنانچہ حضرت حسن بصریؒ تابعی آپؓ زمانۂ خلافت کی منظر کشی کرتے ہوئے لکھتے ہیں، کہ میں نے حضرت عثمانؓ کو ایک دن خطبہ دیتے ہوئے دیکھا۔ " يَا أَيُّهَا النَّاسُ، مَا تَنْقِمُونَ عَلَيَّ؟ قَالَ: وَمَا مِنْ يَوْمٍ إِلَّا وَهُمْ يَقْتَسِمُونَ فِيهِ خَيْرًا، يَقُولُ: يَا مَعْشَرَ النَّاسِ، اغْدُوا عَلَى عَطِيَّاتِكُمْ، فَيَغْدُونَ فَيَأْخُذُونَهَا وَافِرَةً، ثُمَّ يُقَالُ: يَا مَعْشَرَ الْمُسْلِمِينَ اغْدُوا عَلَى كِسْوَتِكُمْ ، فَيُجَاءُ بِالْحُلَلِ فَتُقْسَمُ بَيْنَهُمْ قَالَ الْحَسَنُ: وَالْعَدُوُّ مَنْفِيٌّ،وَالْعَطِيَّاتُ دَارَّةٌ،وَذَاتُ الْبَيْنِ حَسَنٌ، وَالْخَيْرُ كَثِيرٌ، مَا عَلَى الْأَرْضِ مُؤْمِنٌ يَخَافُ مُؤْمِنًا، مَنْ لَقِيَ مِنْ أَيِّ الْأَحْيَاءِ كَانَ فَهُوَ أَخُوهُ وَمَوَدَّتُهُ وَنُصْرَتُهُ، وَالْفِتْنَةُ أَنْ يَسُلَّ عَلَيْهِ سَيْفًا"۔[95]

ترجمہ:۔"لوگو! تم مجھ سے کیوں ناراض ہوتے ہو؟ حضرت حسن بصریؒ بیان کرتے ہیں کہ کوئی دِن ایسا نہیں گزرتا تھا جس میں لوگوں کے درمیان مال تقسیم نہ ہوتا ہو۔ اعلان ہوتا کہ لوگو! اپنے عطیات وصول کرنے کے لئے صبح سویرے نکلو۔ وہ نکلتے اور وافر مقدار میں عطیات وصول کرتے۔ پھر اعلان ہوتا، مسلمانو! اپنے ملبوسات وصول کرنے کے لئے آؤ۔ چنانچہ تقسیم کے لئے ملبوسات لائے جاتے، اور انہیں لوگوں کے درمیان تقسیم کیا جاتا۔ حضرت حسن بصریؒ فرماتے ہیں: دشمنوں کو نکال دیا گیا، عطیات تقسیم ہو رہے ہیں۔ آپس کے تعلقات بڑے خوشگوار ہیں۔ مال وزر کی بہتات ہے۔ روئے زمین پر کوئی ایسا مؤمن نہیں جو دوسرے مؤمن سے خوف کھاتا ہو اور جو کسی بھی گلی محلے سے آکر ملے وہ اُس کا بھائی ہے، ان میں دوستی ہے، وہ ایک دوسرے کے مددگار ہیں اور فتنہ یہ ہے کہ ایک مسلمان دوسرے پر تلوار اٹھائے"۔

2-زکوۃ کی ادائیگی کا اہتمام:۔ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ حضرت ابو بکر صدیقؓ کی طرح زکوۃ کی وصولی میں سختی فرماتے تھے۔ زکوۃ کی ادائیگی کا زمانہ جب قریب آتا تو حضرت عثمانؓ زکوۃ کی ادائیگی کے لئے مسلمانوں میں اعلان کرتے اور فرماتے۔"هَذَا شَهْرُ زَكَاتِكُمْ "وَلَمْ يُسَمِّ لِيَ السَّائِبُ الشَّهْرَ وَلَمْ أَسْأَلْهُ عَنْهُ قَالَ: فَقَالَ عُثْمَانُ:" فَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ عَلَيْهِ دَيْنٌ فَلْيَقْضِ دَيْنَهُ حَتَّى تَخْلُصَ أَمْوَالُكُمْ فَتُؤَدُّوا مِنْهَاالزَّكَا"۔[96]

ترجمہ:۔"یہ تمہاری زکوۃ کی ادائیگی کا مہینہ ہے، (راوی کہتا ہے) کہ حضرت سائبؓ نے مجھے اس مہینے کا نام نہیں بتایا اور نہ ہی میں نے اُن سے اِس کے بارے میں سوال کیا۔ حضرت سائبؓ بیان کرتے ہیں کہ پھر حضرت عثمانؓ نے فرمایا: جس کے ذمہ قرض ہو اُسے چاہئے کہ وہ قرض اَدا کرے، یہاں تک کہ جب تمہارے مال خالص ہو جائیں تو اُس سے زکوۃ ادا کرو"۔

زکوۃ کی وصولی کے عاملین کے بارے میں ایک مرتبہ شکایات موصول ہوئیں تو حضرت عثمانؓ نے ایک خط لکھا جس میں رسول اللہ ﷺ کے عاملینِ زکوۃ کے متعین کردہ اُصول لکھے ہوئے تھے۔

زکوۃ کی ادائیگی کی وجہ سے اسلامی ریاست اور بیت المال کے نظام کو بہت ترقی ملی۔

3-غنیمت کی وصولی اور طریقۂ کار:۔ حضرت عثمانؓ کے دور میں جہاد بدستور جاری رہا۔ فتوحات کا دائرہ وسیع ہونے کی وجہ سے نئے نئے علاقے فتح ہو رہے تھے جس کی وجہ سے مالِ غنیمت بھی اضافہ ہوتا گیا۔ مالِ غنیمت کے چار حصے مجاہدین میں تقسیم ہوتے اور خُمس/پانچواں حصہ بیت المال میں جمع ہوتا تھا، جس کی وجہ سے بیت المال کی آمدن میں اضافہ ہوتا گیا۔ گویا کہ مالِ غنیمت کی تقسیم کا طریقۂ کار وہی تھا جو رسول اللہ ﷺ اور حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے دور میں رہا تاہم نابالغ بچوں کو مالِ غنیمت میں سے حصہ نہیں دیا جاتا تھا۔

چنانچہ فرمانِ نبی ﷺ کے مطابق جب بچوں کے زیر ناف بال نہیں اُگے اُن کو مالِ غنیمت میں سے حصہ نہیں ملے گا۔

4-جزیہ کی وصولی:۔اسلامی فتوحات کے ساتھ نئے مفتوحہ علاقوں میں رہنے والے غیر مسلموں کے ساتھ جزیہ کا معاہدہ طے پایا جاتا۔ جس کی وجہ سے جزیہ کی آمدن میں اضافہ ہونے کے ساتھ خلافت کا معاشی نظام مضبوط ہونے لگا۔

5-حکومتی چراہ گاہوں میں اضافہ:۔رسول اللہ ﷺ نے اپنے زمانے میں وادیٔ نقیع کو سرکاری چراہ گاہ کی حیثیت سے خاص کیا تھا، جس میں صرف اور صرف اجتماعی اور مالِ غنیمت کے جانور چرتے تھے۔اِس چراہ گاہ کی لمبائی تقریباً80 کلومیٹر تھی اور یہ مدینہ کے جنوب میں واقع تھی۔ حضرت ابو بکر صدیق اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہما نے بھی اِس کی حیثیت کو برقرار رکھا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے زمانے میں زبدہ نامی چراہ گاہ کو بھی سرکاری حیثیت دی۔اِن چراہ گاہوں میں جہاد کے لئے گھوڑے وغیرہ جانور تیار ہوتے تھے۔ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے اپنے زمانہ میں سرکاری چراہ گاہوں کو وسعت دی۔بیت المال کے جانوروں کی تعداد بڑھنے کے ساتھ نئے چراہ گاہوں کو قائم کیا۔لوگوں نے اعتراضات کئے کہ چراہ گاہوں کو عام عوام کے لئے کیوں منع کیا ہے۔ تو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے جواب دیا۔

" فَأَمَّا الْحِمَى فَإِنَّ عُمَرَ حَمَى الْحِمَى قَبْلِي لِإِبلِ الصَّدَقَةِ، فَلَمَّا وُلِّيتُ زَادَتْ إِبِلُ الصَّدَقَةِ فَزِدْتُ فِي الْحِمَى لِمَا زَادَ فِي الصَّدَقَةِ "۔[97]

ترجمہ:۔"پس چراہ گاہ کی توسیع کے بارے میں تمہارا اعتراض، تو سُن لو! اِس جگہ کو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے دور میں صدقہ کے اونٹوں کے لئے بطورِ چراہ گاہ مقرر کیا تھا۔ جب خلافت کی ذمہ داری میرے حوالے کی گئے اور صدقہ کے اونٹوں میں اضافہ ہو گیا (جگہ تنگ پڑ گئی) تو میں نے اِس جگہ میں (چراہ گاہ) صدقہ کے اونٹوں کی تعداد بڑھنے کی وجہ سے اِس میں وسعت کی"۔

6-نئے بازاروں کا قیام:۔مدینہ منورہ چونکہ اسلامی خلافت کا دارالحکومت تھا اِس لئے یہاں پر آمدورفت بہت زیادہ تھی۔ مختلف علاقوں سے لوگ آتے تھے۔ جس کی وجہ سے معاشی سرگرمیاں بہت بڑھ گئی تھیں۔ چنانچہ آپ رضی اللہ عنہ نے مسجدِ نبوی کے قریب ایک نئے بازار کو تعمیر کروایا۔ جس کا نام "بازار الزوراء" تھا۔ جیسا کہ حضرت عبدالرحمن تابعی سے روایت ہے۔

" عن عبد الرحمن بن سعد قال:رأيت عثمان بن عفان وهو يبني الزوراء على بغلة شهباء مصفر الحيته"۔[98]

ترجمہ:۔"عبدالرحمن بن سعد سے روایت ہے کہ میں نے حضرت عثمان بن عفانؓ کو دیکھا کہ آپؓ (نبی ﷺ کے) شہباء نامی سفید خچر پر سوار داڑھی کو رنگے ہوئے (مسجد نبوی کے قریب) بازار "الزوراء" کی تعمیر کروا رہے تھے"۔

7-بچوں کی مزدوری اور مشقت پر پابندی:۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ مسلمانوں کو حلال کمائی کی ترغیب دیتے تھے۔آپ رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ کی فرمان کے مطابق بچوں کی مزدوری اور مشقت کے خلاف تھے۔رزق کی کمائی نوجوانوں کا کام ہے۔اِس لئے آپ رضی اللہ عنہ نے بچوں کی محنت مزدوری پر پابندی لگادی۔مؤطا امام مالک میں ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے لوگوں سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا۔"لاَ تُكَلِّفُوا الْأَمَةَ ، غَيْرَذَاتِ الصَّنْعَةِ، الْكَسْبَ.فَإِنَّكُمْ مَتَى مَا كَلَّفْتُمُوهَا ذٰلِكَ، كَسَبَتْ بِفَرْجِهَا.وَلاَ تُكَلِّفُوا الصَّغِيرَالْكَسْبَ. فَإِنَّهُ إِذَا لَمْ يَجِدْ سَرَقَ.وَعِفُّوا إِذْ أَعَفَّكُمُ اللهُ. وَعَلَيْكُمْ، مِنَ الْمَطَاعِمِ مِمَّا طَابَ مِنْهَا"۔[99]

ترجمہ:۔"جو لونڈی کوئی فن/ہنر نہ جانتی ہو اُس کو کمائی پر مجبور مت کرو، جب تم اُس کو مجبور کروگے تو وہ اپنی شرمگاہ کے ذریعے کمائے گی۔اور چھوٹے بچے کو کام پر مجبور نہ کرو جب وہ(کام) نہیں پائے گا تو چوری کرے گا۔تم اُن پر (محنت کو) معاف کردو جیسے اللہ تعالی نے تمہارے لئے معاف کی ہے اور اپنے لئے پاکیزہ و حلال روزی کو لازم کرلو"۔

8-بحری بیڑا کا قیام اور سمندری تجارتی راستوں کا تحفظ:۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے دور میں فتوحات کا دائرہ وسیع ہوتے ہوئے روم تک جا پہنچا۔چنانچہ جب رومیوں کو خطرہ محسوس ہوا تو انہوں نے اپنے بحری جہازوں کو مسلمانوں کے خلاف تیار کیا۔حضرت امیر معاویہؓ نے رومیوں کے حالات سے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو آگاہ کرکے بحری بیڑہ کی قیام کی اجازت مانگی۔آپؓ کا مقصد ایک طرف اسلامی بحریہ سے رومیوں کو شکست دینا اور دوسری طرف سمندری راستوں اور بندرگاہوں کو تحفظ فراہم کرنا تھا۔دنیا کے تمام بحری افواج کے بنیادی مقاصد میں سے یہ پہلا مقصد ہے کہ اپنے ملک کے سمندری سرحدات وبندرگاہوں کی تحفظ کے ساتھ ساتھ سمندری تجارت کے راستوں کو بھی بحری قزاقوں سے محفوظ بنانا ہے۔شام کے سرحدی علاقوں پر رومیوں کے حملوں کی سب سے بڑی وجہ بحیرہ روم میں رومیوں کے بحری افواج کی موجودگی تھی،جو وقتاً فوقتاً شام کے سرحدی علاقوں پر حملے کرتے تھے۔ حضرت عمرؓ نے سمندری مشکلات کی وجہ سے اجازت نہیں دی۔پھر حضرت عثمانؓ کے دور میں اِس کی ضرورت شدت سے محسوس ہونے لگی۔اِس لئے حضرت عثمانؓ نے 31ھ میں آپؓ کو بحری بیڑا بنانے کی اجازت دی۔چنانچہ حضرت امیر معاویہؓ نے قبرص پر حملہ کرنے کی غرض سے 500 بحری جہازوں پر مشتمل بحری بیڑہ تیار کیا۔جب اہلِ قبرص نے اتنے عظیم بحری بیڑے کو قبرص کے ساحل پر لنگر انداز ہوتے دیکھا تو ابتدا میں کچھ شرائط پر مسلمانوں سے صلح کرلی، لیکن موقع پاکر عہد شکنی کی اور مسلمانوں کے خلاف رومیوں کو مدد فراہم کی۔اِس لئے معاہدے کی خلاف ورزی پر امیر معاویہؓ نے دوبارہ قبرص پر حملہ کیا اور اِس اہم جزیرے کو فتح کرلیا۔شام کے قریب واقع یہ حسین وزرخیز جزیرہ اِس حیثیت سے انتہائی اہمیت کا حامل تھا کہ یورپ اور روم کی جانب سے یہی جزیزہ مصر وشام کی فتح کا دروازہ تھا۔علامہ ابن

جریر طبریؒ نے لکھاہے۔ "أَوَّلُ مَنْ غَزَافِي الْبَحْرِمُعَاوِيَةُ بْنُ أَبِي سُفْيَانَ زَمَانَ عُثْمَانَ بْنِ عَفَّانَ،وَقَدْ كَانَ اسْتَأْذَنَ عُمَرَ فِيهِ فَلَمْ يَأْذَنْ لَهُ،فَلَمَّا وَلِيَ عُثْمَانُ لَمْ يَزَلْ بِهِ مُعَاوِيَةُ،حَتَّى عَزَمَ عُثْمَانُ عَلَى ذَلِكَ بِآخِرَةٍ،وَقَالَ:لا تَنْتَخِبِ النَّاسَ،وَلا تَقْرَعْ بَيْنَهُمْ، خَيِّرْهُمْ، فَمَنِ اخْتَارَالْغَزْوَطَائِعًا فَاحْمِلْهُ وَأَعِنْهُ،فَفَعَلَ وَاسْتَعْمَلَ عَلَى الْبَحْرِعَبْدَاللهِ بن قيس الجاسي حَلِيفَ بَنِي فَزَارَةَ، فَغَزَا خَمْسِينَ غَزَاةً مِنْ بَيْنِ شَاتِيَةٍ وَصَائِفَةٍ فِي الْبَحْرِ،وَلَمْ يَغْرَقْ فِيهِ أَحَدٌ وَلَمْ يَنْكَبْو وَكَانَ يَدْعُو الله أَنْ يَرْزُقَهُ الْعَافِيَةَ فِي جُنْدِهِ، وَأَلا يَبْتَلِيَهُ بِمُصَابِ أَحَدٍ مِنْهُمْ "۔[100]

ترجمہ:۔"حضرت امیر معاویہ بن سفیانؓ سب سے پہلا شخص تھا جس نے حضرت عثمان بن عفانؓ کے دور میں سمندر کی جنگ لڑی،اور تحقیق اِس سے پہلے آپؓ نے امیر المؤمنین حضرت عمرؓ سے اِس بات کی اجازت چاہی لیکن حضرت عمرؓ نے اجازت نہیں دی۔ پس جب حضرت عثمانؓ خلیفہ بنے تو امیر معاویہؓ حضرت عثمانؓ سے برابر اصرار کرتے رہے اور اس طرف توجہ دلاتے رہے حتی کہ حضرت عثمانؓ نے اسلامی بحریہ کے قیام کا ارادہ کیا،تاہم حضرت عثمانؓ نے آپؓ پر کچھ شرائط عائد کردیں کہ تم خود بحری سپاہیوں(Sailors) کا انتخاب نہیں کروگے اور نہ قرعہ ڈالوگے،بلکہ جو فوجی رضاکارانہ بحری جہاد پر جانا چاہے اُن کو ساتھ لے جاؤ۔ چنانچہ امیر معاویہؓ نے ایسا ہی کیا۔ آپؓ نے حضرت عبداللہ بن قیس حارثیؓ کو بحری کمانڈر منتخب کیا۔اُنہوں نے گرمی اور سردی دونوں موسموں میں دشمن پر پچاس بحری حملے کیے۔اُن حملوں میں کوئی مسلمان سپاہی سمندر میں نہ غرق ہوا اور نہ کسی کو نقصان پہنچا۔وہ ہمیشہ اللہ سے یہ دُعا مانگتے تھے کہ اے اللہ! ہمارے لشکر کو خیر وعافیت کے ساتھ رکھ اور کسی تکلیف میں مبتلا نہ کر"۔

یہ اسلامی تاریخ کا سب سے پہلا بحری بیڑا تھا۔اِس بحری بیڑہ کی اہمیت کے بارے میں پروفیسر فلپ ہٹی لکھتے ہیں۔

"655ء میں معاویہؓ اور عبداللہؓ کے مشترکہ شامی اور مصری بیڑا نے بازنطینی بحری بیڑا کو جو پانچ سو جہازوں پر مشتمل تھا،فانکس کے قریب ساحل سے دور تباہ کردیا۔ قسطنطین جو بنفسِ نفیس بیڑا کی قیادت کررہا تھا۔بس اپنی جان بچاکر نکل بھاگا۔یہ جنگ جو عربی میں "ذوالصواری"(مستولوں کی جنگ) کے نام سے مشہور تھی،بازنطینی حکومت کی بحری برتری کے لئے ایک زبردست چیلنج تھی۔اسلامی مملکت میں اندرونی اختلافات کے باعث مسلمان افواج قسطنطنیہ کی طرف اپنی پیش قدمی جاری نہ رکھ سکیں جو دراصل ان کا مطمحِ نظر تھا"۔[101]

9-فتوحاتِ عثمانی اور خراج میں اضافہ:۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے دور میں بہت سارے علاقے فتح ہوئے۔ مشرق میں ایران کی فتوحات کی بنیاد حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے رکھی تھی۔ بیشتر علاقے فاروقی دورِ خلافت میں فتح ہوچکے تھے۔ لیکن بعض علاقے رہتے تھے جن کو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے دور میں فتح کیا گیا۔فارس میں بغاوت کو ختم کرنے کے لئے حضرت عبداللہ بن عامرؓ کو روانہ کیا گیا۔حضرت سعید بن عاصؓ نے نیشاپور کا محاصرہ کرکے

لوگوں کو اطاعت پر مجبور کر دیا۔ 31ھ میں ایران کا آخری شہنشاہ یزد گرد بھی قتل ہوا۔ جس کے بعد حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے دور میں پورا ایران فتح ہوا۔

ایران کو فتح کرنے کے بعد حضرت عبداللہ بن عامرؓ مشرقی علاقوں کی طرف بڑھے۔ کرمان، سیستان، طخارستان، ہرات، غزنی اور کابل تک کے علاقوں کو فتح کیا۔ ولید بن عقبہ نے آرمینیا اور آذر بائیجان کے علاقوں کو فتح کیا۔ اِسی طرح ایشیائے کوچک میں حبیب بن مسلمہ نے عیسائیوں کو شکست دے کر بہت سارے شہر فتح کر لئے۔ حضرت امیر معاویہؓ (جو کہ شام کے گورنر تھے) نے انطاکیہ اور طرطوس کے علاقوں کو رومیوں سے آزاد کروا دیا۔

طرابلس کو فتح کرنے کے لئے باقاعدہ مہم جوئی 27ھ میں کی گئی۔ اِس مہم جوئی میں حضرت عبداللہ بن زبیر، حضرت عمر بن العاص، عبداللہ بن ابی سرحؓ اور حضرت عبدالرحمن بن ابی بکر رضی اللہ عنہم اجمعین شامل تھے۔ بالآخر دشمن نے پچیس لاکھ دینار سالانہ ادائیگی پر معاہدہ کر لیا۔

اسی طرح افریقہ میں بَربَر قوم آباد تھی۔ جو کہ قیصرِ روم کی باجگزار تھی۔ اِن علاقوں کو فتح کرنے کے لئے گورنر مصر حضرت عمرو بن العاصؓ نے حضرت عبداللہ بن ابی سرحؓ کو روانہ کیا۔ کچھ علاقوں نے خراج کی صورت میں ادائیگی پر صلح کر لیا۔ مگر 22ھ میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے حضرت عبداللہ بن ابی سرحؓ (جو کہ اُس وقت مصر کے گورنر تھے) افریقہ پر باقاعدہ فوج کشی کا حکم دیا اور فتح کی صورت میں خُمس (مالِ غنیمت کا پانچوں حصہ) بطورِ انعام کا وعدہ کیا۔ تقریباً پندرہ ماہ کی کوششوں کے بعد افریقہ کا بادشاہ مارا گیا اور افریقہ کا کافی سارا علاقہ فتح ہو گیا۔

اسی طرح قبرص (Cyprus) (جو کہ بحرِ روم میں ایک زرخیز جزیرہ ہے اور یورپ کا دروازہ بھی ہے) پر حملہ کرنے کے لئے حضرت امیر معاویہؓ نے حضرت عبداللہ بن ابی قیسؓ کی زیر قیادت بحری فوج روانہ کر دی۔ قبرص کے لوگ چونکہ جنگ سے ناواقف تھے اِس لئے سات ہزار دینار سالانہ خراج دینے پر اور رومیوں کی بحری بیڑے کی نقل و حرکت کی اطلاع دینے پر معاہدہ طے پا گیا۔ اور حضرت امیر معاویہؓ نے قبرص کو اپنی حفاظت میں لے لیا۔ 33ھ اور 34ھ میں اہلِ قبرص نے رومیوں کا ساتھ دے کر معاہدے کی خلاف ورزی کی۔ جس پر حضرت امیر معاویہؓ نے فوراً قبرص پر حملہ کر کے اُس کو فتح کر لیا۔ اِن تمام علاقوں کی فتوحات سے کافی بڑی تعداد میں مالِ غنیمت حاصل ہوا۔ اِس کے علاوہ خراج کی صورت میں سالانہ لاکھوں دینار بیت المال میں جمع ہوتے رہے۔ جس کی وجہ سے خلافت کے معاشی نظام کو بڑی تقویت ملی۔

10-بیت المال پر عوام کے حقوق:۔ آپؓ کے دور میں فتوحات کا دائرہ بہت بڑھ گیا جس کی وجہ سے محاصل میں بہت اضافہ ہو گیا۔ صرف ایک مصر کی خراج کا حساب لگایا گیا تو خراج دگنا ہو گیا تھا۔ اِس لئے حضرت عثمان غنیؓ نے عوام کے

وظائف اور تنخواہوں میں بھی اضافہ کیا۔ آپؓ نے بیت المال کو صرف غریب عوام کے لئے خاص کر دیا۔زکوۃ اور صدقات کو براہِ راست مستحقین میں تقسیم فرماتے تھے۔بیت المال کی باقی آمدنی کو رعایا کے دیگر فلاحی اُمور میں بھی استعمال کرتے تھے[102]۔

فصلِ چہارم

حضرت علی المرتضیٰؓ کے دور کا اسلامی معاشی نظام

1-حضرت علی المرتضیٰؓ کے حالاتِ زندگی:-

حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ کے چچازاد بھائی تھے۔آپؓ کے والد کا نام ابو طالب اور والدہ کا نام حضرت فاطمہؓ بنت اَسد بن ہاشم تھا۔آپؓ قریش میں اعلیٰ نسب کا مرتبہ رکھتے تھے۔آپؓ نجیب الطرفین ہاشمی تھے۔یعنی آپؓ کے والد اور والدہ دونوں ہاشمی تھے۔

حافظ ابن حجر عسقلانیؒ نے "الاصابۃ فی تمیز الصحابۃ" میں آپؓ کا نسب نامہ یوں بیان کیا ہے۔

"علي بن أبي طالب ابن عبد المطلب بن هاشم بن عبد مناف القرشي الهاشمي"۔[103]

آپؓ بعثت سے دس سال پہلے پیدا ہوئے۔"ولد قبل البعثة بعشر سنين على الصحيح"۔[104]

آپؓ کی ولادت کے بارے میں مؤرخین نے لکھا ہے کہ آپؓ خانہ کعبہ کے اندر پیدا ہوئے۔آپؓ کے فضائل بے شمار ہیں۔آپؓ بچوں میں اولین اسلام لانے والوں میں سے تھے۔" أول الناس إسلاما في قول كثير من أهل العلم"۔[105]

حضرت علیؓ کی تربیت رسول اللہ ﷺ نے بذاتِ خود فرمائی۔کئی موقع پر رسول اللہ ﷺ نے حضرت علیؓ کے لئے خصوصی دُعا فرمائی۔

2-دورِ صدیقی وفاروقی اور عثمانی میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خدمات:-

آپؓ نے اپنے سے پہلے اَدوار میں بہترین خدمات سرانجام دیں۔آپؓ نے حضرت ابو بکر صدیقؓ کے ہاتھ پر بیعت 6 ماہ کی تاخیر سے کیا۔آپؓ حضرت ابو بکر صدیقؓ کی فضیلت کے قائل تھے۔محمد بن حنفیہؒ سے روایت ہے کہ میں نے اپنے والد (حضرت علیؓ) سے پوچھا۔"قُلْتُ لِأَبِي أَيُّ النَّاسِ خَيْرٌ بَعْدَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ؟ قَالَ:أَبُو بَكْرٍ، قُلْتُ: ثُمَّ مَنْ؟ قَالَ: ثُمَّ عُمَرُ،وَخَشِيتُ أَنْ يَقُولَ عُثْمَانُ، قُلْتُ: ثُمَّ أَنْتَ؟ قَالَ:مَا أَنَا إِلَّا رَجُلٌ مِنَ المُسْلِمِينَ"۔[106]

ترجمہ:۔"میں نے اپنے والد سے پوچھا کہ۔رسول اللہ ﷺ کے بعد لوگوں میں سب سے افضل کون ہیں؟انہوں نے جواب دیا"ابو بکرؓ"۔میں نے پوچھا، پھر کون اَفضل ہے؟انہوں نے جواب دیا" پھر عمرؓ"۔اور میں ڈر گیا کہ اُس کے بعد کہیں عثمانؓ کا نام نہ لے لیں۔اِس لئے میں نے کہا، پھر آپ ہیں؟انہوں نے کہا"میں تو صرف مسلمانوں کا ایک فرد ہوں"۔

اِس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ آپؓ کے نزدیک خلفاء راشدین کا کیا مقام تھا۔اسی طرح آپؓ حضرت امیر المؤمنین حضرت عمر فاروقؓ کے دور میں مجلسِ شوریٰ کے نہ صرف ایک اہم اور خاص رکن تھے بلکہ آپؓ امیر المؤمنین کے خاص مشیر تھے۔ چنانچہ حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے روایت ہے۔" قَالَ عُمَرُ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ " أَقْرَؤُنَا أُبَيٌّ، وَأَقْضَانَا عَلِيٌّ"۔[107]

ترجمہ:۔"حضرت عمرؓ نے فرمایا"ہم میں قرآن کے بہترین قاری سیدنا اُبی بن کعبؓ ہیں،اور ہم میں سب سے زیادہ فیصلے کرنے کی صلاحیت سیدنا علیؓ رکھتے ہیں"۔

حضرت علیؓ کی قوتِ فیصلہ کے بارے میں مستدرک حاکم میں روایت ہے، جس میں حضرت علیؓ کی رائے کو حضرت عمرؓ نے کیسے قبول کر کے اُس پر عمل کیا۔"عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ، رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا قَالَ:أُتِيَ عُمَرُ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ بِمُبْتَلَاةٍ قَدْ فَجَرَتْ فَأَمَرَ بِرَجْمِهَا، فَمَرَّ بِهَا عَلِيُّ بْنُ أَبِي طَالِبٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ وَمَعَهَا الصِّبْيَانُ يَتْبَعُونَهَا،فَقَالَ:مَا هَذِهِ ؟ قَالُوا:أَمَرَ بِهَا عُمَرُ أَنْ تُرْجَمَ ، قَالَ: فَرَدَّهَا وَذَهَبَ مَعَهَا إِلَى عُمَرَ رَضِيَ الله عَنْهُ وَقَالَ : أَلَمْ تَعْلَمْ أَنَّ الْقَلَمَ رُفِعَ عَنِ الْمَجْنُونِ حَتَّى يَعْقِلَ ، وَعَنِ الْمُبْتَلَى حَتَّى يُفِيقَ ،وَعَنِ النَّائِمِ حَتَّى يَسْتَيْقِظَ ،وَعَنِ الصَّبِيِّ حَتَّى يَحْتَلِمَ"۔[108]

ترجمہ:۔"حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے روایت ہے کہ ایک مرتبہ (امیر المؤمنین)حضرت عمر فاروقؓ کے پاس ایک مجنون اور دیوانی حاملہ عورت لائی گئی(یعنی وہ مجنون عورت حرام نطفہ سے حاملہ تھیں)تو حضرت عمرؓ نے اُسے رجم کرنے کا فیصلہ دیا۔یہ دیکھ حضرت علیؓ نے فرمایا"(امیر المؤمنین) کیا آپ یہ بات نہیں جانتے۔کہ تین قسم کے لوگوں سے قلم کو اٹھالیا گیا ہے۔مجنوں سے یہاں تک اُسے عقل آجائے۔بچے سے یہاں تک کہ وہ جوان ہو جائے۔اور سوئے ہوئے آدمی سے یہاں تک کہ وہ بیدار ہو جائے۔یہ سُن کر حضرت عمرؓ نے اُسے آزاد کر دیا"۔

حضرت عمرؓ اور حضرت علیؓ کے درمیان داماد اور سُسر کا بھی رشتہ تھا۔حضرت علی کی بیٹی حضرت اُمّ کلثومؓ آپ کی بیوی تھیں۔اِسی طرح حضرت عمرؓ جب قاتلانہ حملے میں شدید زخمی ہوئے۔تو لوگوں نے خلیفہ سے متعلق وصیت کا اصرار کیا۔تو آپؓ نے حضرت علی، عثمان، طلحہ، سعد اور عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہم اجمعین کا نام لیا۔امام بخاریؒ نے " صحیح بخاری" میں اِس کو روایت کو تفصیلاً بیان کیا ہے[109]۔

پھر حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ کا حضرت عثمانؓ کے ہاتھ پر بیعت کرنے کے بعد حضرت علیؓ کی بھی بیعت اِس بات کی گواہی دیتا ہے کہ اِن حضرات کا ایک دوسرے پر کتنا اعتماد تھا۔حضرت علیؓ کا دورِ عثمانی میں بہت اہم کردار رہا۔حضرت عثمانؓ نے حدود کی تنفیذ کی ذمہ داری حضرت علیؓ کے ذمہ لگائی تھی۔

3-حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کا دورِ خلافت:۔ حضرت عثمان غنیؓ کو بروزِ جمعۃ المبارک 18 ذوالحجہ 35ھ شہید کر دیا گیا۔ مدینہ منورہ میں موجود کبار صحابہ کرام نے فوراً حضرت علی المرتضی رضی اللہ عنہ کو خلیفہ منتخب کر کے آپ کی ہاتھ پر بیعت کی۔

21 رمضان المبارک 40ھ کو آپ کو شہید کیا گیا۔ آپ رضی اللہ عنہ کی کل مدتِ خلافت 4 سال 9 ماہ پر محیط تھا۔ آپؓ انتشار اور بغاوت کے دور میں خلیفہ بنے۔ ایک طرف آپؓ کے سامنے حضرت عثمانؓ کی قصاص کا معاملہ تھا تو دوسری طرف انتشار اور بغاوت سے نمٹنا تھا۔

4-دارالخلافہ کی منتقلی:۔ حضرت علیؓ نے اسلامی خلافت کے دارالخلافہ کو "مدینہ منورہ" سے "کوفہ" منتقل کروایا۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کی معاشی اصلاحات:۔

1-عدل و مساوات کا قیام:۔ حضرت علیؓ نے اپنے ما قبل خلفاء راشدین کی نقشِ قدم پر چلتے ہوئے خلافت کی حقیقی روح کو قائم ودائم رکھنے کی بھرپور کوششیں کیں۔ حضرت علیؓ کی فقہی فہم و فراست نے اسلامی نظامِ خلافت کو مزید ترقی دی۔ آپؓ کی اِن صلاحیتوں کی بنیاد پر رسول اللہ ﷺ نے آپؓ کو یمن کا قاضی بنا کر بھیجا۔ رسول اللہ ﷺ نے آپؓ کے لئے یہ دُعا فرمائی۔ "اللَّهُمَّ ثَبِّتْ لِسَانَهُ ، وَاهْدِ قَلْبَهُ"۔[110]

ترجمہ:۔ "اے اللہ! اِن کی زبان میں ثبات واستقلال عطا کیجئے۔ اور اِن کے دِل کو ہدایت سے سرفراز کیجئے"۔

رسول اللہ ﷺ کی تربیت اور دُعاؤں کے نتیجے میں حضرت علیؓ نے عدل و مساوات کو عام کیا۔ چنانچہ ڈاکٹر علی محمد الصلابی اپنی کتاب "سیدنا علیؓ" میں ایک واقعہ حضرت علیؓ کے عدل و مساوات سے متعلق لکھتے ہیں۔

"حضرت علیؓ اور حضرت امیر معاویہؓ سے مقابلہ کے لئے نکلے تو اپنی ایک زرہ گم پائی۔ لڑائی جب ختم ہو گئی اور آپؓ واپس کوفہ لوٹ آئے تو آپؓ نے اپنی زرہ ایک یہودی کے پاس دیکھی۔ آپؓ (خلیفہ وقت) نے اُن پر دعویٰ کیا۔ معاملہ قاضی شریح کی عدالت میں پہنچا۔ قاضی نے آپؓ سے گواہ طلب کیا۔ آپؓ نے اپنے دونوں بیٹوں (حضرات حسنین کریمینؓ) اور اپنے غلام کو گواہ کے طور پر پیش کیا۔ قاضی نے بیٹوں کی گواہی اپنے والد کے حق میں قبول نہیں کی۔ اور فیصلہ یہودی کے حق میں دیا۔ یہودی نے آپؓ کی عدل و مساوات کے نظام سے متاثر ہو کر اپنی غلطی کا اقرار کیا اور مسلمان ہوئے"۔[111]

2-عمال اور حکام کے لئے معاشی ضابطہ کار کا تقرر:۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ دیگر خلفاء کی طرح اپنے اُمراء اور عمال کی اصلاح کرتے رہتے تھے۔ آپ نے اُن کے لئے باضابطہ اُصول مقرر کئے۔ مسلسل اپنے عُمال کی نگرانی کرتے تھے۔ ایک مرتبہ آپ رضی اللہ عنہ نے خراج وصول کرنے والے عمال کو اپنے خط میں لکھا۔

" فَإِنَّكُمْ خُزَّانُ اَلرَّعِيَّةِ وَ وُكَلاَءُ اَلْأُمَّةِ وَ سُفَرَاءُ اَلْأَئِمَّةِ وَ لاَ تُحْشِمُوا أَحَداً عَنْ حَاجَتِهِ وَ لاَ تَحْبِسُوهُ عَنْ طَلِبَتِهِ وَ لاَ تَبِيعُنَّ اَلنَّاسَ لِلنَّاسِ فِي اَلْخَرَاجِ كِسْوَةَ شِتَاءٍ وَ لاَ صَيْفٍ وَ لاَ

دَابَّةً يَعْتَمِلُونَ عَلَيْهَا وَ لاَ عَبْداً وَ لاَ تَضْرِبُنَّ أَحَداً سَوْطاً لِمَكَانِ دِرْهَمٍ وَ لاَ تَمَسُّنَّ مَالَ أَحَدٍ مِنَ اَلنَّاسِ مُصَلٍّ وَ لاَ مُعَاهَدٍ إِلاَّ أَنْ تَجِدُوا فَرَساً أَوْ سِلاَحاً يُعْدَى بِهِ عَلَى أَهْلِ اَلْإِسْلاَمِ "۔112

ترجمہ:۔"تم رعایا کے خزانہ دار، اُمت کے نمائندے اور آئمہ کے سفیر ہو۔ خبر دار کسی شخص کو اس کی ضرورت پورا کرنے سے نہ روکنا۔ اور اس کے مطلوب کی راہ میں رکاوٹ پیدا نہ کرنا۔ اور خراج وصول کرنے کے لئے اس کے سردی یا گرمی کے کپڑے نہ بیچ ڈالنا اور نہ اس جانور یا غلام پر قبضہ کرنا جو اس کے کام آتا ہے۔ اور کسی کو درہم کی خاطر نہ مارنے لگنا۔ اور کسی مسلمان یا کافر ذمی کے مال کو ہاتھ نہ لگانا مگر یہ کہ اس کے پاس کوئی ایسا گھوڑا یا اسلحہ ہو جسے دشمنان اسلام کو دینا چاہتا ہو"۔

3- بازاروں کی خبر گیری:۔ حضرت علیؓ بازاروں میں جا کر عوام کی خبر گیری کرتے تھے۔ نظامِ معاشیات اور قیمت اور معیار کو کنٹرول کرتے تھے۔ لوگوں کی مشکلات کو بذاتِ خود حل فرماتے تھے۔ آپؓ منڈیوں اور بازاروں میں کاروباری معاملات پر نظر رکھتے تھے اور خلافِ شریعت اُمور کو روکتے۔ بازار کے معاملات میں آپؓ سخت احتساب فرماتے تھے۔ آپؓ لوگوں کو شریعت کے مطابق معاملات طے کرنے کا حکم دیتے تھے۔ جیسا کہ امام احمد بن حنبلؒ نے "فضائل الصحابہ" میں لکھا ہے۔" حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ قثنا عَبْدُ اللَّهِ بْنُ عُمَرَ قَالَ: أنا أَبُو نُعَيْمٍ قثنا حُرُّ بْنُ جُرْمُوزٍ الْمُرَادِيُّ، عَنْ أَبِيهِ قَالَ: رَأَيْتُ عَلِيًّا وَهُوَ يَخْرُجُ مِنَ الْقَصْرِ وَعَلَيْهِ قِطْرِيَّتَانِ، إِزَارُهُ إِلَى نِصْفِ السَّاقِ، وَرِدَاؤُهُ مُشَمَّرٌ قَرِيبًا مِنْهُ، وَمَعَهُ الدِّرَّةُ، يَمْشِي فِي الْأَسْوَاقِ، وَيَأْمُرُهُمْ بِتَقْوَى اللهِ، وَحُسْنِ الْبَيْعِ، وَيَقُولُ: أَوْفُوا الْكَيْلَ وَالْمِيزَانَ، وَلَا تَنْفُخُوا اللَّحْمَ"۔113

ترجمہ:۔"حر بن جُرموز المرادی اپنے والد سے روایت کرتے ہیں۔ کہ انہوں نے بتایا۔ میں نے حضرت علیؓ کو دیکھا۔ وہ پنڈلی تک تہبند باندھے ہوئے تھے اور اُوپر کی چادر سمیٹ کر بازاروں میں چکر لگا رہے تھے۔ لوگوں کو اللہ کا تقویٰ اختیار کرنے کی نصیحت فرما رہے تھے۔ اچھے انداز میں خرید و فروخت کا حکم دے رہے تھے۔ فرما رہے تھے "ناپ اور تول دونوں کو پورا رکھو۔ اور گوشت کی ہڈیوں سے مخ نہ نکالو"۔

اِسی طرح "البدایہ والنھایہ" میں حضرت علیؓ کے بارے میں ہے۔"عَنْ أَبِي مَطَرٍ قَالَ: خَرَجْتُ مِنَ الْمَسْجِدِ فَإِذَا رَجُلٌ يُنَادِي مِنْ خَلْفِي: ارْفَعْ إِزَارَكَ فَإِنَّهُ أبقى لِثَوْبِكَ وَأَتْقَى لَكَ، وَخُذْ مِنْ رَأْسِكَ إِنْ كنت مسلما، فمشيت خلفه وهو مؤتزر بإزار ومرتد برداءٍ وَمَعَهُ الدِّرَّةُ كَأَنَّهُ أَعْرَابِيٌّ بَدَوِيٌّ فَقُلْتُ: مَنْ هَذَا؟ فَقَالَ لِي رَجُلٌ: أَرَاكَ غَرِيبًا بِهَذَا الْبَلَدِ. فَقُلْتُ: أَجَلْ أَنَا رَجُلٌ مِنْ أَهْلِ الْبَصْرَةِ، فَقَالَ: هَذَا عَلِيُّ بْنُ أَبِي طَالِبٍ أَمِيرُ الْمُؤْمِنِينَ حَتَّى انْتَهَى إِلَى دَارِ بنى أبي معيط وهو يسوق الْإِبِلِ، فَقَالَ: بِيعُوا وَلَا تَحْلِفُوا فَإِنَّ الْيَمِينَ تُنْفِقُ السِّلْعَةَ وَتَمْحَقُ الْبَرَكَةَ، ثُمَّ أَتَى أَصْحَابَ التَّمْرِ فَإِذَا خَادِمٌ تَبْكِي فَقَالَ: مَا يُبْكِيكِ؟ فَقَالَتْ: بَاعَنِي هَذَا الرَّجُلُ تَمْرًا بِدِرْهَمٍ فَرَدَّهُ مَوَالِيَّ فَأَبَى أَنْ يَقْبَلَهُ، فَقَالَ لَهُ عَلِيٌّ: خُذْ تَمْرَكَ وَأَعْطِهَا دِرْهَمَهَا فَإِنَّهَا لَيْسَ لَهَا أَمْرٌ، فَدَفَعَهُ، فَقُلْتُ: أَتَدْرِي مَنْ هَذَا؟ فَقَالَ: لَا

فَقُلْتُ: هَذَا عَلِيُّ بْنُ أَبِي طَالِبٍ أَمِيرُ الْمُؤْمِنِينَ، فَصَبَّتْ تَمْرَهُ وَأَعْطَاهَا دِرْهَمَهَا. ثُمَّ قَالَ الرَّجُلُ: أُحِبُّ أَنْ تَرْضَى عَنِّي يَا أَمِيرَ الْمُؤْمِنِينَ، قَالَ: مَا أَرْضَانِي عَنْكَ إِذَا أَوْفَيْتَ النَّاسَ حُقُوقَهُمْ، ثُمَّ مَرَّ مُجْتَازًا بِأَصْحَابِ التَّمْرِ فَقَالَ: يَا أَصْحَابَ التَّمْرِ أَطْعِمُوا الْمَسَاكِينَ يَرْبُ كَسْبُكُمْ. ثُمَّ مَرَّمُجْتَازًا وَمَعَهُ الْمُسْلِمُونَ حَتَّى انْتَهَى إِلَى أَصْحَابِ السَّمَكِ فَقَالَ: لَا يباع في سوقنا طافى.ثُمَّ أَتَى دَارَفُرَاتٍ-وَهِيَ سُوقُ الْكَرَابِيسِ"۔[114]

ترجمہ:۔"ابو مطر سے روایت ہے۔کہ میں مسجد سے باہر نکلا۔اچانک میں نے سُنا کہ ایک آدمی میرے پیچھے آواز لگا رہا ہے۔اپنا تہبند اُونچا کرلو۔اِس طرح تمہارا کپڑا صاف رہے گا اور اسی میں رب کا تقویٰ ہے۔اگر تُم مسلم ہو تو سر کے بال کٹواؤ۔پس میں اُس کے پیچھے پیچھے چلنے لگا۔وہ شخص تہبند باندھے ہوئے تھا۔سر پر چادر اوڑھے ہوئے تھا۔اُس کے ہاتھ میں کوڑا تھا۔یوں لگتا تھا جیسا کوئی بدوی ہو۔میں نے ایک آدمی سے پوچھا،یہ صاحب کون ہیں؟اُس نے کہا لگتا ہے تم یہاں اجنبی ہو۔میں نے کہا،جی ہاں! میں اجنبی ہوں۔بصرہ سے آیا ہوں۔اُس شخص نے کہا یہ امیر المؤمنین حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ ہیں۔پھر حضرت علیؓ،ابن ابی معیط کے گھر تک گئے ۔وہ اونٹوں کو ہانک رہا تھا۔پھر حضرت علیؓ نے لوگوں سے مخاطب ہو کر فرمایا: خرید و فروخت کے معاملات میں قسمیں نہ کھایا کرو۔قسم سے سودا تو بک جاتا ہے مگر برکت ختم ہو جاتی ہے۔پھر وہ کھجور فروشوں کے پاس پہنچے۔وہاں دیکھا کہ ایک خادمہ رو رہی ہے۔آپؓ نے پوچھا کیوں رو رہی ہو؟اُس نے کہا،کہ میں نے ایک درہم کے عوض ایک آدمی سے یہ کھجوریں خرید لی ہیں،مگر میرے آقا نے یہ کھجوریں لینے سے انکار کر دیا ہے۔حضرت علیؓ نے اُس تاجر کو کہا کہ اس خاتون کا درہم واپس کرو اور اپنی کھجوریں واپس لے لو کیونکہ وہ بچاری بے اختیار ہے۔اُس تاجر نے اسے دھکا دیا۔میں نے تاجر سے پوچھا جانتے ہو یہ شخص کون ہے؟وہ کہنے لگا نہیں۔میں نے اُسے کہا کہ یہ شخص امیر المؤمنین حضرت علیؓ ہیں ۔یہ سنتے ہی اُس تاجر کا لہجہ نرم ہو گیا اور اُس نے خادمہ کو ایک درہم واپس کر دیا۔پھر کہنے لگا:امیر المؤمنین! آپ مجھ سے راضی ہو جائیں۔حضرت علیؓ نے فرمایا تم لوگوں کے حقوق ادا کرتے رہو گے تو میں بھی تم سے راضی رہوں گا۔پھر آپؓ کھجور والوں کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا: کھجور والو! مسکینوں کو کھلاؤ،تمہاری کمائی میں اضافہ ہو گا۔پھر مچھلی والوں کے پاس آئے تو فرمایا: ہمارے بازار میں پھولی ہوئی پانی پر تیرنے والی مچھلی نہ بیچو۔پھر آپؓ کپڑے کے بازار دَارَ فُرَاتٍ میں گئے"۔

اِسی طرح "البدایہ والنہایہ"میں حضرت علیؓ کے بارے میں ایک اور روایت ہے۔"عَنْ زَاذَانَ قَالَ: كَانَ عَلِيٌّ يَمْشِي فِي الْأَسْوَاقِ وَحْدَهُ وَهُوَ خَلِيفَةٌ يُرْشِدُ الضَّالَّ وَيُعِينُ الضَّعِيفَ وَيَمُرُّ بِالْبَيَّاعِ وَالْبَقَّالِ فَيَفْتَحُ عَلَيْهِ الْقُرْآنَ وَيَقْرَأُ "تِلْكَ الدَّارُ الْآخِرَةُ نَجْعَلُها لِلَّذِينَ لَا يُرِيدُونَ عُلُوًّا في الْأَرْضِ وَلا فَساداً"(سورة القصص:83)،ثُمَّ يَقُولُ: نَزَلَتْ هَذِهِ الْآيَةُ فِي أَهْلِ الْعَدْلِ وَالتَّوَاضُعِ مِنَ الْوُلَاةِ وَأَهْلِ الْقُدْرَةِ مِنْ سَائِرِ النَّاسِ "۔[115]

ترجمہ:۔"زاذان سے روایت ہے وہ کہتے ہیں کہ امیر المؤمنین حضرت علیؓ اکیلے بازار میں جاتے تھے۔آپؓ بھولے ہوئے راہ گیر کی رہنمائی کرتے، کمزور کی مدد فرماتے،اور دُکانداروں کے پاس سے گزرتے تو قرآن کی یہ آیت پڑھ کر سناتے تھے۔

"ترجمہ: یہ آخرت کا گھر (جنت) ہم اُن لوگوں کے لئے مخصوص رکھیں گے جو زمین میں اپنی بڑائی اور فساد کے چاہنے والے نہیں ہیں۔اور اچھا انجام تو متقین کے لئے ہے"۔

پھر فرماتے تھے کہ یہ آیت اہلِ اقتدار اور حکمرانوں وغیرہ کے لیے ہے تاکہ وہ عدل اور تواضع سے کام لیں"۔

اسی طرح امیر المؤمنین بازاروں میں خود جا کر بھاؤ معلوم کرتے تھے۔آپؓ براہِ راست تجارتی اور معاشی اُمور کی نگرانی فرماتے تھے۔اسی طرح دیگر عُمال اور ماتحت حکام کو ایسے معاملات کی نگرانی کا حکم دیتے تھے۔خلاف ورزی کرنے والوں کو شرعی احکام کے مطابق سزا دیتے تھے۔

4-زیادہ منافع کی لالچ سے ممانعت:۔علامہ ابن جوزیؒ" المنتظم في تاريخ الأمم والملوك "میں لکھتے ہیں۔"عَنْ جَعْفَرِ بْنِ مُحَمَّدٍ، عَنْ أَبِيهِ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا، قَالَ: كَانَ عَلِيٌّ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ يَدْخُلُ السُّوقَ وَبِيَدِهِ الدِّرَّةُ، وَعَلَيْهِ عَبَاءٌ قُطْوَانِيٌّ، وَقَدْ شَقَّ وَسَطَهُ وَكَفَتَ حَاشِيَتَاهُ، يَقُولُ: يَا أَيُّهَا التُّجَّارُ، خُذُوا الْحَقَّ وَأَعْطُوا الْحَقَّ تَسْلَمُوا، لا تَرُدُّوا قَلِيلَ الرِّبْحِ فَتُحْرَمُوا كَثِيرَهُ"۔[116]

ترجمہ:۔"حضرت جعفر بن محمدؒ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت علیؓ بازار جاتے وقت اپنے ہاتھ میں دُرّہ لیتے تھے۔اور عبایا پہنے ہوتے تھے اور فرماتے تھے"اے تاجرو! اپنا حق وصول کرو اور دوسروں کو ان کا حق دو۔پس تم لوگ سلامتی میں رہوگے۔زیادہ نفع کی لالچ میں تھوڑے منافع سے منہ نہ موڑو"۔

5-تاجروں کے لئے احکامِ تجارت کا جاننا ضروری قرار:۔خلیفہ حضرت علیؓ امیر المؤمنین حضرت عمرؓ کی طرح تجارت میں سخت مؤقف کے حامل تھے۔جیسا کہ علامہ کتانیؒ نے لکھا ہے۔"كان عمر بن الخطاب يضرب بالدرة من يقعد في السوق وهو لا يعرف الأحكام. ويقول: لا يقعد في سوقنا من لا يعرف الربا أو كما يقول. وقد أمر مالك بقيام من لا يعرف الأحكام من السوق لئلا يطعم الناس الربا"۔[117]

ترجمہ:۔"حضرت عمر بن خطابؓ اُن لوگوں کو دُرہ سے مارتے تھے جو احکامِ تجارت جانے بغیر بازاروں میں تجارت کرتے تھے،اور فرماتے تھے کہ جو سُودی معاملات کو نہیں جانتا وہ بازار میں نہ بیٹھے"۔

6-جو پہلے آیا وہ زیادہ حق دار ہے:۔حضرت علیؓ نے یہ اُصول بنایا تھا کہ جو شخص کسی جگہ کو تجارت کے لئے آباد کرے اُس جگہ پر اُسی آباد کرنے والے کا زیادہ حق ہے۔جب تک وہ خود نہ چھوڑے۔اصبغ بن نباتہ فرماتے ہیں کہ میں حضرت علیؓ کے ساتھ منڈی گیا۔تو آپؓ نے دیکھا کہ لوگوں نے اپنے لئے پہلے سے مختلف مقامات پر قبضہ کے

نشانات لگا رکھے تھے۔ پس آپؓ نے فرمایا۔ یہ کیا ہے؟ یہ بات اِن کے لئے جائز نہیں ہے۔ مسلمانوں کی منڈی مسلمانوں کی نماز اَدا کرنے کی جگہ کی مانند ہے اور اِس میں پہلے آنے کی بنیاد پر جگہ ملے گی۔[118]

7-مال کی تقسیم:۔ حضرت علیؓ کے پاس جب بھی بیت المال کا مال حاضر ہوتا۔ آپؓ فوراً اس کو لوگوں کی ضروریات پر خرچ فرماتے تھے۔ اِس کے بعد جو مال بچتا تھا اُس کو باقی لوگوں میں تقسیم فرماتے تھے۔ کئی مواقع پر آپؓ سے قریشیوں نے یہ مطالبہ کیا کہ قریشیوں کو باقی لوگوں کی بہ نسبت زیادہ وظائف دی جائے۔ آپؓ فوراً فرماتے "اللہ کی قسم! اگر یہ مال میرا اپنا ہوتا تب بھی اِن کے درمیان برابری کا معاملہ کرتا، اب تو مال اُن کا اپنا ہے"۔[119]

8-بیت المال کی حفاظت:۔ حضرت علیؓ بیت المال کی بہت حفاظت کرتے تھے۔ علامہ ابن جریر طبریؒ نے لکھا ہے۔ "عَنْ جَدِّهِ ابْنِ أَبِي رَافِعٍ، أَنَّهُ كان خازنا لعلى عَلَى بَيْتِ الْمَالِ، قَالَ:فَدَخَلَ يَوْمًا وَقَدْ زُيِّنَتِ ابْنَتُهُ، فَرَأَى عَلَيْهَا لُؤْلُؤَةً مِنْ بَيْتِ الْمَالِ قَدْ كَانَ عَرَفَهَا، فَقَالَ: مِنْ أَيْنَ لَهَا هَذِهِ؟ لله عَلَيَّ أَنْ أَقْطَعَ يَدَهَا، قَالَ: فَلَمَّا رَأَيْتُ جِدَّهُ فِي ذَلِكَ قُلْتُ: أَنَا وَاللهِ يَا أَمِيرَ الْمُؤْمِنِينَ زَيَّنْتُ بِهَا ابْنَةَ أَخِي، وَمِنْ أَيْنَ كَانَتْ تَقْدِرُ عَلَيْهَا لَوْ لَمْ أُعْطِهَا! فَسَكَتَ"۔[120]

ترجمہ:۔ "حضرت ابن ابی رافعؓ سے روایت ہے۔ کہ وہ خلیفہ حضرت علیؓ کے خازن تھے۔ ایک مرتبہ حضرت علیؓ گھر تشریف لائے تو دیکھا کہ اُن کی بیٹی نے زینت کی چیزیں پہن رکھی ہیں۔ اُس کے جسم پر بیت المال کے کچھ موتی دیکھے تو پہچان گئے (کہ بیت المال کے ہیں)۔ آپؓ نے اپنی بیٹی سے دریافت کیا۔ یہ کہاں سے آئے؟ پھر فرمایا "اللہ کی قسم! مجھے اِس کا ہاتھ کاٹ دینا چاہئے۔ ابی رافعؓ کہتے ہیں کہ جب میں نے اُس کو اِس قدر سنجیدہ دیکھا تو میں نے کہا "اللہ کی قسم امیر المؤمنین! میں نے اپنی بھتیجی کو زینت کے لئے دئے تھے، اگر میں نہ دیتا تو آخر وہ کہاں سے لاتی؟ یہ سن کر حضرت علیؓ خاموش ہو گئے"۔

اسی طرح شاہ ولی اللہ دہلویؒ نے "ازالۃ الخفاء" میں آپؓ کے احتیاط کے بارے میں لکھا ہے۔ "عن ام كلثوم بنت علي رضي الله عنه قالت: لقد رأيت امير المؤمنين أُتي باترنج فذهب حسنٌ او حسينٌ يتناول منه اترنجةً فنزعها من يده ثم امر به فقُسّم "۔[121]

ترجمہ:۔ "حضرت اُم کلثومؓ فرماتی ہیں کہ: واللہ! میں نے امیر المؤمنین کو دیکھا ہے کہ آپؓ کے پاس لیموں لائے گئے۔ پس حضرت حسن اور حسین رضی اللہ عنہما نے جا کر اُس میں سے ایک لیموں اُٹھالیا۔ تو آپؓ نے اُن کے ہاتھوں سے لیموں واپس لے لئے۔ اور پھر تقسیم کرنے کا حکم دیا"۔ "واخرج ابوعمر قال: كان عليٌ يسير في الفيء بسيرة ابي بكر في القسم واذا ورد عليه مالٌ لم يبق منه شيئاً الا قسمه ولا يترك في بيت المال منه الا ما يعجز عن قسمته في يومه ذلك ويقول: يا دنيا غري غيري ولم يكن يستأثر من الفئ بشئ ولا يخص حميماً ولا قريباً ولا يخص بالو لايات الا اهل الديانات والامانات واذا بلغته عن احدٍ خيانتُه كتب اليه: "قد جاءتكم بيّنةٌ من ربكم فاوفوا الكيل والميزان بالقسط "ولا تبخسوا الناس اشياءهم ولا تعثوا في

الارض مفسدين بقية الله خيرٌ لكم ان كنتم مؤمنين وما انا عليكم بحفيظ"، اذا اتاك كتابي هذا فاحتفظ بما في يديك من عملنا حتي نبعث اليك من يتسلمه منك ثم يرفع طرفه الي السماء فيقول: اللهم انك تعلم اني لم آمرهم بظلم خلقك ولا بترك حقك"۔

ترجمہ:۔"اور حضرت ابو عمرؓ سے روایت ہے کہ: تقسیمِ اَموال کے سلسلہ میں حضرت علیؑ حضرت ابو بکر صدیقؓ کے طریقے پر چلتے تھے۔اور جب آپؑ کے پاس کوئی مال آتا تھا تواُس میں سے کچھ باقی نہ چھوڑتے تھے۔اور سب برابر تقسیم کر ڈالتے۔اور بیت المال میں سے اُس سے کچھ بھی باقی نہ چھوڑتے تھے۔بجزاِس کے کہ آپؑ اُس دِن مال کے تقسیم کرنے سے تھک گئے ہوں۔اور کہتے تھے :اے دنیا! کسی دوسرے کو دھوکا دے ۔اور مالِ فئی میں سے اپنے لئے کچھ نہیں رکھتے تھے۔اور نہ کسی اپنے مخلص اور مقرب کے لئے کوئی تخصیص کرتے تھے۔اور شہروں کے والی بناتے وقت دیانتدار اور امانتداروں کو منتخب کرتے تھے۔اور جب کسی والی کے بارے میں خیانت کی اطلاع ملتی تواُس کو یہ لکھ کر بھیجتے۔(آیت۔57:10)۔اَے لوگو! تمھارے پاس رب کی طرف سے نصیحت نامہ آچکا ہے۔ (آیت۔11:86)۔تم ناپ اور تول پورا پورا کیا کرو اور لوگوں کو ان کی چیزیں کم کر کے نہ دیا کرو۔اور زمین میں فساد کرتے ہوئے حد سے نہ نکلو"جب میرا خط تمہارے پاس پہنچے توجو کچھ تمہارے ہاتھوں میں ہمارے حساب کا مال ہے اُس کو محفوظ رکھو یہاں تک کہ تمہارے پاس اُس شخص کو بھیج دیں جو تم سے اُس مال کو وصول کرے۔پھر اپنی نگاہ آسمان کی طرف اُٹھاتے اور کہتے: یااللہ! بے شک آپ جانتے ہیں کہ میں نے اُن کو حکم نہیں دیا کہ وہ آپ کی مخلوق پر ظلم کریں اور نہ حکم دیا کہ آپ کے حق کو ترک کریں"۔

9-ذخیرہ اندوزی کی ممانعت:۔ تجارت اور معیشت میں ذخیرہ اندوزی کی ممانعت اور حرمت کا حکم قرآن مجید میں آیا ہے۔ذخیرہ اندوزی کو "احتکار واکتناز" کہتے ہیں۔حضرت علیؑ نے اپنے دور کے معاشی نظام میں "ذخیرہ اندوزی" پر پابندی لگا کر سرمایہ داریت کا راستہ روک لیا تھا۔چنانچہ خلیفۂ وقت حضرت علیؑ نے غذائی اجناس کی ذخیرہ اندوزی کے بارے میں فرمایا۔"إِنَّ الْمُحْتَكِرَ مَلْعُونٌ، وَالجَالِبَ مَرْزُوقٌ"۔[122]

ترجمہ:۔"غلہ اور کھانے والی اشیاء فراہم کرنے والے شخص کو رزق سے سرفراز کیا جاتا ہے اور ذخیرہ اندوز گناہ گار ہوتا ہے"۔

اِسی طرح ایک موقع پر حضرت علیؑ نے ذخیرہ کی گئی کھانے کی اشیاء اور ایک لاکھ درہم کو جلانے کا حکم دیا۔

10-مضاربت کے اُصول:۔ امیر المؤمنین حضرت علیؑ نے مضاربت کے کچھ اُصول متعین کئے۔کہ مضاربہ لوگوں کے درمیان مالی معاملات کی ایک قسم ہے۔اِس سے مراد یہ ہے کہ ایک متعین مقدار میں مال دوسرے شخص کو اِس بنیاد پر دیا جائے کہ وہ اِس سے کاروبار کرے اور اِس کا متعین منافع مال دینے والے کو ملے۔اِس کاروبار میں خسارہ منافع کی بہ نسبت برابر کا تقسیم ہوگا۔

11-شراب فروخت کرنے پر پابندی:۔ حضرت علیؓ شراب کے معاملے میں نہایت سختی کرتے تھے۔ آپؓ نے شراب کی خرید وفروخت اور کاروبار پر پابندی لگائی تھی۔ جیسا کہ حضرت ابوعبیدہؓ "کتاب الاموال" میں لکھتے ہیں۔ "ذَكَرَ مَرْوَانُ- قَالَ: نَظَرَ عَلِيُّ بْنُ أَبِي طَالِبٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ إِلَى زُرَارَةَ، فَقَالَ: مَا هَذِهِ الْقَرْيَةُ؟ قَالُوا: قَرْيَةٌ تُدْعَى زُرَارَةُ، يُلَحَّمُ فِيهَا، تُبَاعُ فِيهَا الْخَمْرُ، فَقَالَ: أَيْنَ الطَّرِيقُ إِلَيْهَا؟ فَقَالُوا: بَابُ الْجِسْرِ، فَقَالَ قَائِلٌ: يَا أَمِيرَ الْمُؤْمِنِينَ، نَأْخُذُ لَكَ سَفِينَةً تَجُوزُ مَكَانَكَ، قَالَ: تِلْكَ سُخْرَةٌ، وَلَا حَاجَةَ لَنَا فِي السُّخْرَةِ، انْطَلِقُوا بِنَا إِلَى بَابِ الْجِسْرِ ، فَقَامَ يَمْشِي حَتَّى أَتَاهَا، فَقَالَ:عَلَيَّ بِالنِّيرَانِ،أَضْرِمُوهَا فِيهَافَإِنَّ الْخَبِيثَ يَأْكُلُ بَعْضُهُ بَعْضًا ، قَالَ: فَاحْتَرَقَتْ مِنْ غَرْبِيِّهَا حَتَّى بَلَغَتْ بُسْتَانَ خواستَا بْنِ جبرونا"۔[123]

ترجمہ:۔ "مروان سے روایت ہے کہ حضرت علیؓ نے زُرارہ نامی بستی کو دیکھا اور دریافت کیا: یہ کونسی بستی ہے؟ لوگوں نے عرض کیا کہ اِس بستی کا نام زُرارہ ہے، یہاں شراب فروخت کی جاتی ہے۔ یہ سنتے ہی آپؓ اُٹھ کھڑے ہوئے اور اُس بستی میں جا پہنچے۔ اور حکم دیا۔ آگ لاؤ۔ اور اِس بستی کو بھسم کردو۔ بے شک ایک خبیث شئے کو کھاجائے گی۔ راوی کہتا ہے۔ وہ بستی آناًفاناً جل گئی۔ یہاں تک کہا گیا ہے کہ آگ خواستا بن جبرونا کے باغ تک جا پہنچی"۔

12-اللہ کے راستے میں انسانیت پر مال خرچ نہ کرنے پر وعید:۔ امیر المؤمنین حضرت علیؓ لوگوں کو اِس بات کی ترغیب دیتے تھے کہ مال کو جمع کرنے اور سرمایہ داریت کی بجائے اللہ کے راستے میں انسانیت پر مال خرچ کیا جائے۔ آپؓ فرماتے تھے۔ بخیل کے مال کا مصرف کوئی حادثہ یا کوئی وارث ہے۔ آپؓ نے مزید فرمایا۔ بخیل بیچارہ غربت کی زندگی گزارتا ہے۔ وہ دنیا میں غریبوں جیسی زندگی گزارتا ہے اور آخرت میں اُس سے مالداروں جیسا حساب لیا جائے گا[124]۔

13-راستوں اور سڑکوں پر عام سہولیات کی دستیابی:۔ خلیفۂ وقت حضرت علیؓ نے عام راستوں اور سڑکوں پر مسافروں اور تاجروں کے لئے بنیادی سہولیات فراہم کرنے کی ترغیب دی۔ اسی طرح حضرت علیؓ نے یہ حکم بھی جاری کیا کہ عام راستوں میں عوانم کے لئے پانی اور بیت الخلاء کے لئے خصوصی انتظامات کئے جائیں۔

14-ٹیکس اور زرعی محصولات کے نظام میں اصلاحات:۔ خلیفۂ وقت حضرت علیؓ نے مصر میں مقرر کردہ عامل حضرت مالک بن اشتر نخعیؒ کو ایک خط لکھا۔ جس میں آپؓ نے عوام کی بھلائی اور آسانی وسہولت کا حکم دیا اور خراج کی وصولی میں زراعت اور زمینوں کی پیداوار کو مد نظر رکھنے کا حکم دیا۔ "وَتَفَقَّدْأَمْرَ اَلْخَرَاجِ بِمَا يُصْلِحُ أَهْلَهُ فَإِنَّ فِي صَلاَحِهِ وَصَلاَحِهِمْ صَلاَحاًلِمَنْ سِوَاهُمْ وَلاَ صَلاَحَ لِمَنْ سِوَاهُمْ إِلاَّ بِهِمْ لِأَنَّ اَلنَّاسَ كُلَّهُمْ عِيَالٌ عَلَى اَلْخَرَاجِ وَ أَهْلِهِ وَ لْيَكُنْ نَظَرُكَ فِي عِمَارَةِ اَلْأَرْضِ أَبْلَغَ مِنْ نَظَرِكَ فِي اِسْتِجْلاَبِ اَلْخَرَاجِ لِأَنَّ ذَلِكَ لاَ يُدْرَكُ إِلاَّ بِالْعِمَارَةِ وَ مَنْ طَلَبَ اَلْخَرَاجَ بِغَيْرِ عِمَارَةٍ أَخْرَبَ اَلْبِلاَدَوَأَهْلَكَ اَلْعِبَادَ وَ لَمْ يَسْتَقِمْ أَمْرُهُ إِلاَّ قَلِيلاً فَإِنْ شَكَوْا ثِقَلاً أَوْ عِلَّةً أَوِ

اِنْقِطَاعَ شِرْبٍ أَوْ بَالَّةٍ أَوْ إِحَالَةَ أَرْضٍ اِغْتَمَرَهَا غَرَقٌ أَوْ أَجْحَفَ بِهَا عَطَشٌ خَفَّفْتَ عَنْهُمْ بِمَا تَرْجُو أَنْ يَصْلُحَ بِهِ أَمْرُهُمْ "۔[125]

ترجمہ:۔"خراج اور سالگزاری میں وہ طریقہ اختیار کرنا۔جو مال گزاروں کے حق میں زیادہ مناسب ہو۔یہ کہ خراج اور اہل خراج کی اصلاح ہی میں سارے معاشرے کی اصلاح ہے۔اور کسی کے حالات کی اصلاح خراج کی اصلاح کے بغیر نہیں ہو سکتی۔لوگ سب کے سب اسی خراج کے بھروسے زندگی گزارتے ہیں۔خراج میں تمہاری نظر مال جمع کرنے سے زیادہ زمین کی آبادکاری پر ہونی چاہئے۔کہ مال کی جمع آواری زمین کی آبادکاری کے بغیر ممکن نہیں ہے۔اور جس نے آبادکاری کے بغیر مال گزاری کا مطالبہ کیا۔اس نے شہروں کو برباد کر دیا اور بندوں کو تباہ کر دیا اور اس کی حکومت چند دنوں سے زیادہ قائم نہیں رہ سکتی۔اس کے بعد اگر لوگ گرانباری،ناگہانی آفت،نہروں کی خشکی،بارش کی کمی، زمین کی غرقابی کی بناپر تباہی اور خشکی کی بناپر بربادی کی کوئی فریاد کریں۔توان کے خراج میں اس قدر تخفیف کر دینا کہ ان کے امور کی اصلاح ہو سکے"۔

15-تاجروں اور صنعت کاروں کے لئے اُصولوں کا تقرر:۔ حضرت علیؓ نے تاجروں اور صنعت کاروں کے لئے اُصول وضع کر دیئے۔چنانچہ اپنے ایک عامل کو اس خط میں تاجروں اور صنعتکاروں کے بارے میں حکم دیا۔

" ثُمَّ اِسْتَوْصِ بِالتُّجَّارِ وَ ذَوِي اَلصِّنَاعَاتِ وَ أَوْصِ بِهِمْ خَيْراً اَلْمُقِيمِ مِنْهُمْ وَ الْمُضْطَرِبِ بِمَالِهِ وَ اَلْمُتَرَفِّقِ بِبَدَنِهِ فَإِنَّهُمْ مَوَادُّ اَلْمَنَافِعِ وَ أَسْبَابُ اَلْمَرَافِقِ وَ جُلاَّبُهَا مِنَ اَلْمَبَاعِدِ وَ اَلْمَطَارِحِ فِي بَرِّكَ وَ بَحْرِكَ وَ سَهْلِكَ وَ جَبَلِكَ وَ حَيْثُ لاَ يَلْتَئِمُ اَلنَّاسُ لِمَوَاضِعِهَا وَ لاَ يَجْتَرِءُونَ عَلَيْهَا فَإِنَّهُمْ سِلْمٌ لاَ تُخَافُ بَائِقَتُهُ وَ صُلْحٌ لاَ تُخْشَى غَائِلَتُهُ "۔[126]

ترجمہ:۔"پس تم لوگ تاجروں اور صنعتکاروں کے بارے میں نصیحت کرو اور دوسروں کو ان کے ساتھ نیک برتاؤ کی نصیحت کرو چاہے وہ ایک مقام پر کام کر رہے ہوں یا جابجا گردش کرنے والے ہوں۔اور جسمانی محنت سے روزی کمانے والے ہوں۔اس لئے کہ یہی افراد منافع کا مرکز اور ضروریات زندگی مہیا کرنے کا وسیلہ ہوتے ہیں۔یہی دوردراز مقامات بروبحر،کوہ و میدان ہر جگہ سے ان ضروریات کو فراہم کرنے والے ہوتے ہیں۔جہاں لوگوں کی رسائی نہیں ہوتی ہے۔اور جہاں تک جانے کی لوگ ہمت نہیں کرتے۔یہ وہ امن پسند لوگ ہیں جن سے فساد کا خطرہ نہیں ہوتا اور وہ صلح و آشتی والے ہوتے ہیں۔جن سے کسی شورش کا اندیشہ نہیں ہوتا۔"

مندرجہ بالا روایات کے علاوہ اور بھی بہت سی روایات ایسی ملتی ہیں جن سے یہ بات روز روشن کی طرح واضح ہو جاتی ہے کہ خلفائے راشدین نے اپنے اپنے دور میں معاشرے میں معاشی اصلاحات کے نفاذ میں اہم کردار ادا کیا۔

16- حضرت علیؓ کی مالیاتی پالیسی:۔ حضرت علیؓ نے اپنے سے پہلے خلفاء راشدین کی مالیاتی پالیسیوں میں کوئی خاص تبدیلی نہیں کی۔مال خرچ کرنے میں آپؓ حضرت ابو بکر صدیقؓ کے طریقۂ کار پر چلتے رہے۔بنو ہاشم اور سادات کی طرح غلاموں کے حقوق کا بھی بہت خیال رکھتے تھے۔عمال کی نگرانی کے لئے خفیہ عمال مقرر کئے تھے

جو وقتاً فوقتاً عمال کی خلاف ورزی کے بارے میں آگاہ کرتے رہتے تھے۔ حضرت علیؓ کے زمانے میں ہر علاقے سے حاصل شدہ خراج اور ٹیکس پر اُسی علاقے کے لوگوں کا پہلا حق سمجھا جاتا تھا۔ جس سے پہلے اُسی علاقے کے ضروریات کو پورا کیا جاتا تھا اور بچنے کی صورت میں مدینہ یا کوفہ روانہ کیا جاتا تھا۔

حوالہ جاتِ بابِ پنجم

1 -الحاکم، محمد بن عبداللہ-س ن، مستدرک حاکم (بیروت، دار لمعرفۃ) ص61، ج3

2 -السیوطی، جلال الدین عبدالرحمن بن ابی بکر-1371ھ، تاریخ الخلفاء (مصر، مطبعۃالسعادۃ) ص34

3 -تاریخ الخلفاء، ص35

4 -الحاکم، محمد بن عبداللہ-س ن، مستدرک حاکم (بیروت، دار لمعرفۃ) ص63، ج3

5 - صحیح بخاری، کتاب اصحاب النبی، حدیث نمبر3668

6 -الحاکم، محمد بن عبداللہ-س ن، مستدرک حاکم (بیروت، دار لمعرفۃ) ص63، ج3

7 -ابن سعد، ابو عبداللہ محمد بن سعد-1410ھ، الطبقات الکبری (بیروت، دار الکتب العلمیہ) ص151، ج3

8 -القرآن38:42

9 -ابن سعد، ابو عبداللہ محمد بن سعد-1410ھ، الطبقات الکبری (بیروت، دار الکتب العلمیہ) ص267، ج2

10 -اکبر آبادی، سعید احمد-1410ھ، صدیق اکبر (لاہور، ادارہ اسلامیات) ص319

11 -صدیق اکبر، ص149

12 -ابن عساکر، علی بن حسن-1415ھ، تاریخ دمشق (بیروت، دار لفکر) ص60، ج2

13 -الطبری، محمد بن جریر-1387ھ، تاریخ الطبری (بیروت، دار التراث) ص229، ج3

14 -العسقلاني، احمد بن علي بن محمد بن احمد بن حجر-1379ھ، فتح الباري (بيروت، دار المعرفۃ) ص13، ج9

15 -البلاذری، احمد بن یحیٰ— 1988ء، فتوح البلدان (بیروت، دار ومکتبۃ الہلال) ص123

16 -اکبر آبادی، سعید احمد-1410ھ، صدیق اکبر (لاہور، ادارہ اسلامیات) ص337

17 -ابن سعد، ابو عبداللہ محمد بن سعد-1410ھ، الطبقات الکبری (بیروت، دار الکتب العلمیہ) ص151، ج3

18 -الطبقات الکبری، ص160، ج3

19 -الطبری، محمد بن جریر-1387ھ، تاریخ الطبری (بیروت، دار التراث) ص199، ج3

20 -تاریخ الطبری، ص323، ج3

21 -القرآن103:9

22 - صحیح بخاری، کتاب الاعتصام بالکتاب والسنۃ، حدیث نمبر7284

23 -البلاذری، احمد بن یحیٰ— 1988ء، فتوح البلدان (بیروت، دار ومکتبۃ الہلال) ص79

24 -الطبری، محمد بن جریر-1387ھ، تاریخ الطبری (بیروت، دار التراث) ص243، ج3

25 -ابن حزم، ابو محمد علي بن احمد بن سعید بن حزم الاندلسی-س ن، الملل والنحل (قاہرہ، مکتبۃ الخانجی) ص66، ج2

26 -الدہلوی،احمد بن عبدالرحیم-س ن،ازالۃالخفاء(کراچی،قدیمی کتب خانہ)ص105،ج3

27 - صحیح بخاری،کتاب الاعتصام بالکتاب والسنۃ،حدیث نمبر7284

28 -ابن کثیر،ابوالفداءاسماعیل بن عمر-1986ء،البدایہ والنھایہ(بیروت،دارالفکر)ص311،ج6

29 - سنن ابی داؤد،کتاب الزکوٰۃ،حدیث نمبر1556

30 -غضنفر، محموداحمد– 2007ء،حکمران صحابہ(لاہور،مکتبہ قدوسیہ)ص72

31 -عالمگیر،اورنگ زیب-1310ھ،فتاویٰ عالمگیری(بیروت،دارلفکر)ص170،ج1

32 -الطبری،محمد بن جریر-1387ھ،تاریخ الطبری(بیروت،دارالتراث)ص427،ج3

33 -اکبرآبادی،سعیداحمد-1410ھ،صدیق اکبر(لاہور،ادارہ اسلامیات)ص343

34 -ابن سعد،ابوعبداللہ محمد بن سعد-1410ھ،الطبقات الکبری(بیروت،دارالکتب العلمیہ)ص159،ج3

35 -ندوی، معین الدین احمد،شاہ،-2013ء،تاریخ اسلام(لاہور،مکتبہ اسلامیہ)ص137،ج1

36 -ابن سعد،ابوعبداللہ محمد بن سعد-1410ھ،الطبقات الکبری(بیروت،دارالکتب العلمیہ)ص160،ج3

37 ۔ابن عساکر،علی بن حسن-1415ھ،تاریخ دمشق(بیروت،دارلفکر)ص66،ج11

38 -البغدادی، قاسم بن سلام،ابوعبید-س ن،الاموال(بیروت،دارلفکر)ص415

39 -ابویوسف،یعقوب بن ابراھیم-2010ء،کتاب الخراج(قاہرہ،المکتبۃالازھریۃللتراث)ص53

40 ۔الدہلوی،احمد بن عبدالرحیم-س ن،ازالۃالخفاء(کراچی،قدیمی کتب خانہ)ص81،ج3

41 -ازالۃالخفاء،ص142،ج3

42 ۔الذھبی، شمس الدین محمد بن احمد بن عثمان الذھبی-1996ء،سیر اعلام النبلاء(بیروت،مؤسسۃالرسالۃ)ص14،ج1

43 ۔ابن سعد،ابوعبداللہ محمد بن سعد-1410ھ،الطبقات الکبری(بیروت،دارالکتب العلمیہ)ص137،ج3

44-ہیکل،محمد حسنین– س ن،ابوبکرصدیق(لاہور،طاہرسنزپبلشر)ص340

45 -ابن سعد،ابوعبداللہ محمد بن سعد-1410ھ،الطبقات الکبری(بیروت،دارالکتب العلمیہ)ص201،ج3

46 -السیوطی،جلال الدین عبدالرحمن بن ابی بکر-1371ھ،تاریخ الخلفاء(مصر،مطبعۃالسعادۃ)ص99

47 -ابن عبدربہ،شہاب الدین احمد بن محمد-1404ھ،العقدالفرید(بیروت،دارلکتب العلمیہ)ص268،ج3

48 -السیوطی،جلال الدین عبدالرحمن بن ابی بکر-1371ھ،تاریخ الخلفاء(مصر،مطبعۃالسعادۃ)ص99

49 - سنن الترمذی،باب فی مناقب عمر،حدیث نمبر3681

50 -السیوطی،جلال الدین عبدالرحمن بن ابی بکر-1371ھ،تاریخ الخلفاء(مصر،مطبعۃالسعادۃ)ص99

51 -ابن اثیر،علي بن ابي الکرم محمد بن محمد-1415ھ،اسدالغابہ(بیروت،دارلکتب العلمیہ)ص137،ج4

52 -الحاکم، محمد بن عبداللہ-س ن، مستدرک حاکم(بیروت، دار لمعرفۃ)ص86،ج3

53 -مستدرک حاکم،267،ج2

54 -الدہلوی،احمد بن عبدالرحیم-س ن،ازالۃالخفاء(کراچی، قدیمی کتب خانہ)ص184،ج3

55 -ازالۃالخفاء،ص185،ج3

56 -نعمانی، شبلی-2010ء،الفاروق(کراچی،دارالاشاعت)ص226

57 -ابن سعد،ابو عبداللہ محمد بن سعد-1410ھ،الطبقات الکبریٰ(بیروت،دارالکتب العلمیہ)ص10،ج7

58 -السیوطی، جلال الدین عبدالرحمن بن ابی بکر-1378ھ، حسن المحاضرہ(مصر،داراحیاء کتب العربیہ)ص156،ج1

59 -الدہلوی،احمد بن عبدالرحیم-س ن،ازالۃالخفاء(کراچی، قدیمی کتب خانہ)ص62،ج4

60 - صحیح بخاری، کتاب الادب المفرد، حدیث نمبر576

61 -الدہلوی،احمد بن عبدالرحیم-2005ء،حجۃاللہ البالغۃ(بیروت،دارالجیل)ص163،ج2

62 -ابویوسف،یعقوب بن ابراھیم-2010ء،کتاب الخراج(قاہرہ،المکتبۃالازھریۃللتراث)ص36

63 -یعقوبی،احمد بن ابی یعقوب— س ن،تاریخ یعقوبی(بیروت، مکتبہ العلمیہ)ص167

64 -الطبری، محمد بن جریر-1387ھ،تاریخ الطبری(بیروت،دارالتراث)ص206،ج4

65 -الصلابی، محمد علی،ڈاکٹر— س ن، سیرت عمر فاروقؓ(لاہور،دارالسلام)ص281

66 -الدہلوی،احمد بن عبدالرحیم-س ن،ازالۃالخفاء(کراچی، قدیمی کتب خانہ)ص143،ج4

67 -الماوردی،ابوالحسن علی بن محمد-س ن،الاَحکام السلطانیۃ(قاہرہ،دارلحدیث)ص361

68 -الدہلوی،احمد بن عبدالرحیم-س ن،ازالۃالخفاء(کراچی، قدیمی کتب خانہ)ص187،ج3

69 -الکتانی، محمد عبدالحیٔ بن عبدالکبیر-س ن، نظام الحکومیہ الاسلامیۃ(بیروت،دارارقم)ص18،ج2

70 ۔نظام الحکومیہ الاسلامیۃ،ص20،ج2

71 -الدہلوی،احمد بن عبدالرحیم-س ن،ازالۃالخفاء(کراچی، قدیمی کتب خانہ)ص185،ج3

72 ۔بیہقی، شعب الایمان، باب التوکل، حدیث نمبر1216

73 ۔الکتانی، محمد عبدالحیٔ بن عدالکبیر-س ن، نظام الحکومیہ الاسلامیہ(بیروت،دارارقم)ص2،ج1

74 ۔ابن حزم، علی بن احمد-س ن،المحلی(بیروت،دارلفکر)ص158،ج6

75 ۔ابویوسف،یعقوب بن ابراھیم-2010ء،کتاب الخراج(قاہرہ،المکتبۃالازھریۃللتراث)ص139

76 -الصنعانی،عبدالرزاق بن ھمام-1403ھ،المصنف عبدالرزاق(ہند، مجلس علمی)ص85،ج6

77 ۔ صحیح مسلم، کتاب اللباس والزینۃ، حدیث نمبر2069

78 -البغدادی، قاسم بن سلام، ابوعبید-س ن، الاموال(بیروت، دارلفکر)ص208

79 -نقشبندی، عبدالرحمن، ڈاکٹر-1985ء، صدیق اکبر تاریخ کی روشنی میں(کراچی، طاہر سنز)ص333

80 -الدہلوی، احمد بن عبدالرحیم-س ن، ازالۃالخفاء(کراچی، قدیمی کتب خانہ)ص283، ج3

81 -نقشبندی، عبدالرحمن، ڈاکٹر-1985ء، صدیق اکبر تاریخ کی روشنی میں(کراچی، طاہر سنز)ص435

82 -الصلابی، محمد علی، ڈاکٹر– س ن، سیرت عمر فاروقؓ(لاہور، دارالسلام)ص383

83 -البلاذری، احمد بن یحیٰ– 1988ء، فتوح البلدان(بیروت، دارومکتبۃ الہلال)ص266

84 -ابویوسف، یعقوب بن ابراھیم-2010ء، کتاب الخراج(قاہرہ، المکتبۃالازھریۃللتراث)ص138

85 -سنن ابی داؤدو، باب فی التشدید فی جبایۃالجزیۃ، حدیث نمبر3045

86 -ابن اثیر، علي بن ابي الكرم محمد بن محمد-1415ھ، اسدالغابہ(بیروت، دارلکتب العلمیہ)ص578، ج3

87 -الصلابی، محمد علی، ڈاکٹر– 1431ھ، سیرت عثمان ذوالنورینؓ(لاہور، دارالسلام)ص53

88 -العسقلاني، احمد بن علي، ابن حجر-1415ھ، الاصابة في تمييزالصحابة،(بیروت، دارالکتب العلمیۃ)ص4ص377

89 -الصلابی، محمد علی، ڈاکٹر– 1431ھ، سیرت عثمان ذوالنورینؓ(لاہور، دارالسلام)ص54

90 -سنن نسائی، کتاب الاحباس، حدیث نمبر6402

91 -سنن نسائی، حدیث نمبر3703

92 -الصلابی، محمد علی، ڈاکٹر– 1431ھ، سیرت عثمان ذوالنورینؓ(لاہور، دارالسلام)ص127

93 -سنن ترمذی، باب فی مناقب عثمان، حدیث نمبر3701

94 -ابن عمرانی، محمد بن علی-1421ھ، الإنباء في تاريخ الخلفاء(قاہر، دارالآفاق)ص48

95 -الطبرانی، سلیمان بن احمد-1415ھ، المعجم الکبیر للطبرانی(قاہرہ، مکتبہ ابن تیمیہ)ص87، ج1

96 -سنن کبری للبیہقی، باب الدین مع الصدقہ، حدیث نمبر7607

97 -سنن کبری للبیہقی، حدیث نمبر11810

98 -مصنف ابن ابی شیبہ، کتاب اللباس، حدیث نمبر25034

99 -مؤطاامام مالک،، کتاب الاستیذان، باب الامر بالرفق بالمملوک، حدیث نمبر2807

100 -الطبری، محمد بن جریر-1387ھ، تاریخ الطبری(بیروت، دارالتراث)ص260، ج4

101 -الصلابی، محمد علی، ڈاکٹر– 1431ھ، سیرت عثمان ذوالنورینؓ(لاہور، دارالسلام)ص44

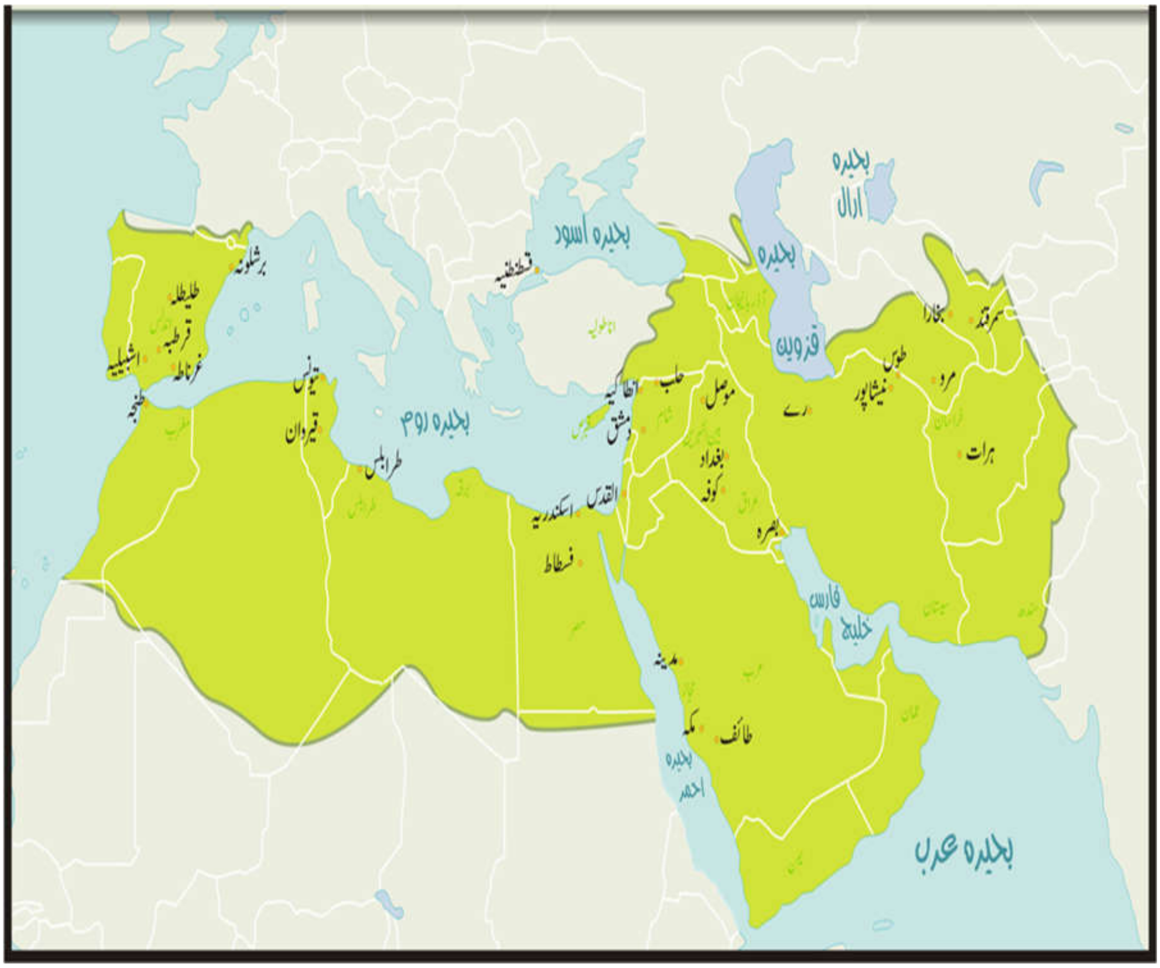
102 -کیفی، محمد یوسف-1432ھ، تجلیات عثمان(لاہور، نوریہ رضویہ پبلی کیشنز)ص75

103 -العسقلاني، احمد بن علي، ابن حجر-1415ھ، الاصابة في تمييزالصحابة(بیروت، دارالکتب العلمیۃ)ص464، ج4

104 -الاصابة في تمييز الصحابة، ص464، ج4
105 -الاصابة في تمييز الصحابة، ص464، ج4
106 - صحیح بخاری، کتاب اصحاب النبی ﷺ، حدیث نمبر 3671
107 - صحیح بخاری، حدیث نمبر 4481
108 -الحاکم، محمد بن عبداللہ - س ن، مستدرک حاکم (بیروت، دار لمعرفۃ) ص388، ج4
109 - صحیح بخاری، کتاب اصحاب النبی ﷺ، حدیث نمبر 3700
110 -احمد بن حنبل-1419ھ، مسند احمد بن حنبل (بیروت، عالم الکتب) حدیث نمر 882
111 -الصلابي، محمد علی، ڈاکٹر– 1435ھ، سیدنا علیؓ (لاہور، دارالسلام) ص352
112-ابو حامد، عزالدین بن ھبۃ اللہ-1418ھ، شرح نہج البلاغۃ (بیروت، دارالکتب العلمیہ) ص4715
113 -ابن حنبل، احمد بن محمد، امام– 1403ھ، فضائل الصحابہ (بیروت، مؤسسۃ الرسالہ) ص557، ج2
114 -ابن کثیر، اسماعیل بن عمر، ابوالفداء-1986ء، البدایہ والنھایہ (بیروت، دارالفکر) ص2، ج8
115 -البدایہ والنھایہ، ص5، ج8
116 -ابن جوزی، عبدالرحمن بن علي-1412ھ، المنتظم في تاریخ الامم والملوک (بیروت، دارالکتب العلمیۃ) ص70، ج5
117 -الکتانی، محمد عبدالحئ بن عبدالکبیر- س ن، نظام الحکومیہ الاسلامیۃ (بیروت، دارارقم) ص17، ج2
118 -الصلابي، محمد علی، ڈاکٹر– 1435ھ، سیدنا علیؓ (لاہور، دارالسلام) ص370
119 -سیدنا علیؓ، ص356
120 -الطبری، محمد بن جریر-1387ھ، تاریخ الطبری (بیروت، دارالتراث) ص156، ج5
121 -الدہلوی، احمد بن عبدالرحیم- س ن، ازالۃ الخفاء (کراچی، قدیمی کتب خانہ) ص442، ج4
122 -الصنعانی، عبدالرزاق بن ھمام-1403ھ، المصنف عبدالرزاق (ہند، مجلس علمی) ص204، ج8
123 -البغدادی، قاسم بن سلام، ابوعبید- س ن، الاموال (بیروت، دارلفکر) ص125
124 -الصلابي، محمد علی، ڈاکٹر– 1435ھ، سیدنا علیؓ (لاہور، دارالسلام) ص374
125-المدائنی، عزالدین بن ھبۃ اللہ-1418ھ، شرح نہج البلاغۃ (بیروت، دارالکتب العلمیہ) ص4766
126 -شرح نہج البلاغۃ، ص4780

بابِ ششم

خلافتِ بنواُمیہ کے اِسلامی معاشی نظام کا تجزیہ



فصلِ اول

بنواُمیہ کے مشہور خلفاء کا تعارف

خلافتِ بنواُمیہ کے مشہور خلفاء کا تعارف:۔

خلافتِ راشدہ کے شاندار دور کے بعد بنواُمیہ کا دور شروع ہوتا ہے۔ بنوامیہ کے مشہور خلفاء مندرجہ ذیل ہیں۔

1- حضرت معاویہؓ بن سفیانؓ، 661-680ء

2- یزید بن معاویہ، 680-683ء

3- معاویہ بن یزید، 683-684ء

4- مروان بن حکم، 684-685ء

5- عبدالملک بن مروان، 685-705ء

6- ولید بن عبدالملک، 705-715ء

7- سلیمان بن عبدالملک، 715-717ء

8- عمر بن عبدالعزیز، 717-720ء

9- یزید بن عبدالملک، 720-724ء

10- ہشام بن عبدالملک، 724-743ء

11- ولید بن یزید، 743-744ء

12- یزید بن ولید، 744ء

13- ابراہیم بن ولید، 744ء

14- مروان بن محمد، 744-750ء

جیسا کہ ہم پہلے بیان کر چکے ہیں کہ قریش کے کئی ذیلی قبائل تھے۔ قریش کے تمام خاندانوں میں سے دو ذیلی قبائل بنی ہاشم اور بنو امیہ کو عظمت و شہرت اور دنیاوی وجاہت کے اعتبار سے بہت شہرت اور اعلیٰ مقام حاصل تھا۔ عربوں کے ہاں قبائلی دور ہونے کی وجہ سے زمانۂ جاہلیت میں بنو ہاشم اور بنو امیہ دونوں کے درمیان سرداری اور خاص کر خانہ کعبہ کی تولیت کے بارے میں ہر وقت چپقلش رہتی تھی۔ بالآخر باہمی افہام و تفہیم کے ساتھ سے ان دونوں میں انتظامی امور تقسیم کر دیے گئے۔ اِس خاندان کے جداعلیٰ امیہ بن عبد شمس تھے۔ قریش کا سپہ سالاری کا منصب بنی مخزوم سے اس خاندان میں منتقل ہو گیا۔ زمانۂ جاہلیت میں سپہ سالاری کا عہدہ اس خاندان میں سے حرب

بن امیہ اور پھر ابو سفیان کے پاس رہا۔ابو سفیان نے اپنے خاندان کو کافی مضبوط بنایا۔ابو سفیانؓ اور ان کے بیٹے امیر معاویہؓ دونوں نے فتح مکہ کے موقع پر اسلام قبول کر لیا۔ حضرت علیؓ کے بعد حضرت حسنؓ کے 6 ماہ کی خلافت کے بعد امیر معاویہؓ نے بنو امیہ کی حکومت کی بنیاد رکھی۔

خلفائے راشدین کے زمانے میں بنو امیہ نے بڑے کارنامے سرانجام دیے۔ عمر فاروق کے دور میں امیر معاویہ دمشق کے گورنر بنے اور عثمان غنی کے دور میں وہ پورے صوبہ شام کے گورنر بنا دیے گئے۔ عثمان کی شہادت کے بعد 35ھ میں امیر معاویہ نے قصاص عثمان کے لیے آواز اُٹھائی اور مرکزی حکومت سے خود مختار ہو گئے۔ جنگ صفین کے بعد مسلم ریاست دو حصوں میں تقسیم ہو گئی۔ آدھی خلافت جو علی کے پاس رہی اور آدھی ملوکیت یا بادشاہت جو امیر معاویہ کے ہاتھ میں رہی۔ علی کی شہادت کے بعد حسن خود حکومت سے دست بردار ہوئے اس طرح امیر معاویہ مکمل اسلامی ریاست کے بادشاہ بن گئے۔

بنواُمیہ کے کل خلفاء کی تعداد 14 تھی۔ 40ھ میں خلافت بنواُمیہ کا آغاز حضرت امیر معاویہؓ کی خلافت سے ہوا، اور 140ھ میں خاتمہ ہوا۔ بنواُمیہ کی عہدِ خلافت تقریباً ایک صدی تک رہا۔ ذیل میں بنواُمیہ کے اُن خلفاء کے ادوار کو بیان کیا جاتا ہے جن کے دور میں انسانی معاشروں کو ترقی نصیب ہوئی۔ اُن مشہور خلفاء کے حالاتِ زندگی اور اُن کے معاشی کارنامے مندرجہ ذیل ہیں۔

1-حضرت امیر معاویہ بن ابی سفیانؓ:۔

1-حالاتِ زندگی:۔ آپؓ کا نام معاویہؓ تھا۔ ابو عبدالرحمن آپ کی کنیت تھی۔ حضرت امیر معاویہؓ جلیل القدر صحابی تھے۔ آپؓ حضرت ابو سفیانؓ کے بیٹے تھے۔ اُم المؤمنین حضرت اُم حبیبہؓ کے بھائی تھے۔ آپؓ بعثتِ نبوی ﷺ سے تقریباً 5 سال پہلے پیدا ہوئے۔ آپؓ کا شجرۂ نسب پانچویں پشت پر جا کر رسول اللہ ﷺ سے جا ملتا ہے۔ آپؓ کا شجرۂ نسب یوں ہے۔معاویہؓ بن ابی سفیانؓ بن حرب بن اُمیہ بن عبدشمس بن عبد مناف اموی قریشی۔

آپؓ نے بنو امیہ کی خلافت و حکومت کی بنیاد رکھی۔ اِس لئے آپؓ کو خلافتِ بنواُمیہ کا بانی کیا جاتا ہے۔ آپؓ کا دورِ خلافت 40ھ بمطابق 661ء (جب حضرت حسنؓ نے امیر معاویہؓ کے حق میں دستبرداری کا اعلان کیا) تا 60ھ بمطابق 679ء رہا۔ آپ کا کل مدت خلافت 20 سال رہی۔ جیسا کہ القرطبیؒ نے لکھا ہے۔

" كَانَ مُعَاوِيَة أميرا عشرين سنة، وخليفة عشرين سنة. وَقَالَ غيره: كانت خلافته تسع عشرة سنة وتسعة أشهر وثمانية وعشرين يوم"۔[1]

ترجمہ:۔"حضرت امیر معاویہؓ 20 سال تک امیر (والی/گورنر) رہے۔اور 20 سال خلیفہ رہے۔اور کسی نے کہاہے کہ آپؓ کی خلافت 19 سال،9ماہ،اور 28 دِن رہی"۔

حضرت امیر معاویہؓ نے 7ھ میں رسول اللہ ﷺ کی عمرۃ القضاء کے موقع پر اسلام قبول کیا تھا۔اور پھر فتح مکہ کے موقع پر آپؓ کے والد حضرت ابوسفیانؓ اور بھائی حضرت یزیدؓ جب مشرف بہ اسلام ہوئے تو آپؓ نے بھی اسلام کا اظہار کیا۔اِس بات کا ایک اہم اور واضح ثبوت یہ ہے کہ آپؓ نے جنگ بدر، جنگ احد، جنگ خندق اور صلح حدیبیہ میں مشرکین مکہ کی طرف سے حصہ نہیں لیا، حالانکہ آپؓ جوان اور فنون حرب وضرب کے ماہر تھے۔آپؓ لکھنا پڑھنا جانتے تھے۔آپؓ کا شمار کاتبینِ وحی میں ہوتا ہے۔

امیر المؤمنین حضرت عمرؓ نے امیر معاویہؓ کو 18ھ میں اُس کے بھائی یزیدؓ کی وفات کے بعد دمشق کا والی مقرر کیا۔حضرت عثمانؓ نے اپنے دور میں آپؓ کو پورے شام کا گورنر بنادیا۔آپؓ نے شام کی تمام سرحدات کو مضبوط کر کے اسلامی سلطنت کو کافی حد تک رومیوں سے محفوظ کرلیا۔

2-وفاتِ امیر معاویہؓ:۔امیر معاویہؓ کی وفات کے بارے میں الدینوری "الاخبار الطوال" میں لکھتے ہیں۔

" وَلَمَّا دَخَلَتْ سَنَه سِتِّينَ مَرَضَ مُعَاوِيَه مَرَضَهُ الذِى مَاتَ فِيْه"۔[2]

ترجمہ:۔"اور جب 60ھ کا سال شروع ہوا، تو امیر معاویہؓ بیمار ہوئے اور اور اُسی مرض کے دوران فوت ہوئے"۔

22 رجب المرجب 60ھ میں کاتب وحی، جلیل القدر صحابی رسول ﷺ ، فاتحِ شام و قبرص اور 20 سال تک 64 لاکھ مربع میل پر خلافت کرنے والے حضرت امیر معاویہؓ 78 سال کی عمر میں وفات پاگئے۔حضرت ضحاک بن قیسؓ نے آپؓ کی نماز جنازہ پڑھائی اور دمشق کے مشہور قبرستان باب الصغیر میں دفن کئے گئے۔

3-معیشت کی مضبوطی کے لئے حضرت امیر معاویہؓ کے اقدامات:۔

1-اسلامی بحریہ کا قیام اور مستقبل کے سمندری تجارت کا تحفظ:۔حضرت امیر معاویہؓ نے سب سے پہلے اسلامی بحریہ کو قائم کیا۔ایک طرف اسلامی بحریہ سے رومیوں کو شکست دینا اور دوسری طرف سمندری راستوں اور بندرگاہوں کو تحفظ فراہم کرنا تھا۔چونکہ دنیا کے تمام بحری افواج کے اولین مقاصد میں اُن ممالک کے سمندری سرحدات وبندرگاہوں کی تحفظ کے ساتھ ساتھ سمندری تجارت کے راستوں کو بھی بحری قزاقوں سے محفوظ بنانا ہے۔ شام کے سرحدی علاقوں پر رومیوں کے حملوں کی سب سے بڑی وجہ بحیرہ روم میں رومیوں کے بحری بیڑوں کی موجودگی تھی،جو وقتاً فوقتاً شام کے سرحدی علاقوں پر حملے کرتے تھے۔حضرت امیر معاویہؓ نے امیر المؤمنین حضرت عمرؓ کو درپیش خطرات سے آگاہ کر کے "بحری جہاد" شروع کرنے کی اجازت مانگی، لیکن حضرت عمرؓ نے سمندری مشکلات کی وجہ سے اجازت نہیں دی۔پھر حضرت عثمانؓ کے دور میں اِس کی ضرورت شدت سے محسوس ہونے لگی

،اِس لئے حضرت عثمانؓ نے آپؓ کو بحری بیڑا بنانے کی اجازت دی۔ آپؓ نے قبرص پر حملہ کرنے کی غرض سے 500 بحری جہازوں پر مشتمل بحری بیڑہ تیار کیا۔ جب اہلِ قبرص نے اتنے عظیم بحری بیڑے کو قبرص کے ساحل پر لنگر انداز ہوتے دیکھا تو ابتدا میں کچھ شرائط پر مسلمانوں سے صلح کر لی، لیکن موقع پا کر عہد شکنی کی اور مسلمانوں کے خلاف رومیوں کو مدد فراہم کی۔ اِس لئے معاہدے کی خلاف ورزی پر امیر معاویہؓ نے دوبارہ قبرص پر حملہ کیا اور اِس اہم جزیرے کو فتح کر لیا۔ شام کے قریب واقع یہ حسین و زرخیز جزیرہ اِس حیثیت سے انتہائی اہمیت کا حامل تھا کہ یورپ اور روم کی جانب سے یہی جزیزہ مصر و شام کی فتح کا دروازہ تھا۔ جیسا کہ علامہ ابن جریر طبریؒ نے لکھا ہے۔" أَوَّلُ مَنْ غَزَا فِي الْبَحْرِ مُعَاوِيَةُ بْنُ أَبِي سُفْيَانَ زَمَانَ عُثْمَانَ بْنِ عَفَّانَ، وَقَدْ كَانَ اسْتَأْذَنَ عُمَرَ فِيهِ فَلَمْ يَأْذَنْ لَهُ، فَلَمَّا وَلِيَ عُثْمَانُ لَمْ يَزَلْ بِهِ مُعَاوِيَةُ،حَتَّى عَزَمَ عُثْمَانُ عَلَى ذَلِكَ بِآخِرَةٍ،وَقَالَ:لا تَنْتَخِبِ النَّاسَ،وَلا تَقْرَعْ بَيْنَهُمْ، خَيِّرْهُمْ، فَمَنِ اخْتَارَ الْغَزْوَ طَائِعًا فَاحْمِلْهُ وَأَعِنْهُ،فَفَعَلَ وَاسْتَعْمَلَ عَلَى الْبَحْرِ عَبْدَ اللَّهِ بن قيس الجاسي حَلِيفَ بَنِي فَزَارَةَ، فَغَزَا خَمْسِينَ غَزَاةً مِنْ بَيْنِ شَاتِيَةٍ وَصَائِفَةٍ فِي الْبَحْرِ، وَلَمْ يَغْرَقْ فِيهِ أَحَدٌ وَلَمْ يَنْكَبْو وَكَانَ يَدْعُو اللَّهَ أَنْ يَرْزُقَهُ الْعَافِيَةَ فِي جُنْدِهِ، وَأَلا يَبْتَلِيَهُ بِمُصَابِ أَحَدٍ مِنْهُمْ "۔[3]

ترجمہ:۔"حضرت امیر معاویہ بن سفیانؓ سب سے پہلا شخص تھا جس نے حضرت عثمان بن عفانؓ کے دور میں سمندر کی جنگ لڑی، اور تحقیق اِس سے پہلے آپؓ نے امیر المؤمنین حضرت عمرؓ سے اِس بات کی اجازت چاہی لیکن حضرت عمرؓ نے اجازت نہیں دی۔ پس جب حضرت عثمانؓ خلیفہ بنے تو امیر معاویہؓ حضرت عثمانؓ سے برابر اصرار کرتے رہے اور اِس طرف توجہ دلاتے رہے حتیٰ کہ حضرت عثمانؓ نے اسلامی بحریہ کے قیام کا ارادہ کیا، تاہم حضرت عثمانؓ نے آپؓ پر کچھ شرائط عائد کر دیں کہ تم خود بحری سپاہیوں(Sailors) کا انتخاب نہیں کرو گے اور نہ قرعہ ڈالو گے، بلکہ جو فوجی رضاکارانہ بحری جہاد پر جانا چاہے اُن کو ساتھ لے جاؤ۔ چنانچہ امیر معاویہؓ نے ایسا ہی کیا۔ آپؓ نے حضرت عبداللہ بن قیس حارثیؓ کو بحری کمانڈر منتخب کیا۔ اُنہوں نے گرمی اور سردی دونوں موسموں میں دشمن پر پچاس بحری حملے کیے، اُن حملوں میں کوئی مسلمان سپاہی سمندر میں نہ غرق ہوا اور نہ کسی کو نقصان پہنچا۔ وہ ہمیشہ اللہ سے یہ دُعا مانگتے تھے کہ اے اللہ! ہمارے لشکر کو خیر و عافیت کے ساتھ رکھ اور کسی تکلیف میں مبتلا نہ کر"۔

یہ اسلامی تاریخ کا سب سے پہلا بحری بیڑہ تھا۔ حضور نبی کریم ﷺ نے آنے والے دور میں سمندری مہمات کی اہمیت کو مدِ نظر رکھتے ہوئے بحری جہاد کی فضیلت کے بارے فرمایا تھا۔"عن أُمُّ حَرَامٍ: أَنَّهَا سَمِعَتِ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، يَقُولُ: أَوَّلُ جَيْشٍ مِنْ أُمَّتِي يَغْزُونَ البَحْرَ قَدْ أَوْجَبُوا، قَالَتْ أُمُّ حَرَامٍ: قُلْتُ: يَا رَسُولَ اللهِ أَنَا فِيهِمْ؟ قَالَ: أَنْتِ فِيهِمْ "۔[4]

ترجمہ:۔"حضرت اُمّ حرامؓ بیان کرتی ہیں، کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا: میری اُمت کا پہلا لشکر جو سمندر میں جہاد کرے گا، اُن کے لئے (جنت) واجب ہوگئی۔اُمّ حرامؓ نے کہا، یارسول اللہ ﷺ مجھے بتلادیجئے کہ میں اُن میں شامل ہوں؟ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: آپ اُن میں شامل ہیں"۔

حضرت امیر معاویہؓ اور دیگر صحابہ کرامؓ کا اِس اولین بحری جہاد اور بحری بیڑہ میں شمولیت اِس حدیث کا مصداق ہیں جس میں حضور اکرم ﷺ نے بحری جہاد کرنے والوں کو جنت کی خوشخبری دی ہے۔حضرت اُمّ حرامؓ اِسی بحری جنگ میں شہید ہوئیں۔

2-اسلامی بحریہ کے سمندری تجارت و معیشت پر اثرات:۔ کرۂ ارض پر پانی اور خشکی کے تناسب کا جائزہ اگر لیا جائے تو ہمیں معلوم ہوجاتاہے کہ ہماری اِس زمین کا زیادہ حصہ پانی پر مشتمل ہے۔جیساکہ **Encyclopedia Britannica** میں ہے۔" The oceans and their marginal seas cover nearly 71 percent of Earth's surface. "-[5]

ترجمہ:۔"زمین کا 71 فیصد حصہ پانی اور باقی 29 فیصد حصہ خشکی پر مشتمل ہے"۔

اِسی تناسب سے سمندر تجارت کا سب سے سستا اور آسان ذریعہ ہے۔کسی بھی ملک کی ترقی کا دارومدار مضبوط بحری فوج پر ہوتاہے، چونکہ بحری فوج بحری تجارت و معیشت کی مضبوطی کا ضامن ہوتاہے۔حال ہی میں پاک چین اقتصادی راہداری(CPEC) اور گوادر بندرگاہ نے تو سمندری راستوں اور عالمی معیشت میں اِس کی اہمیت کو اور بھی واضح کیاہے۔اِس لئے ماضی میں مسلمانوں نے جب بحری بیڑے بنائے اور سمندری فتوحات کا آغاز کیا، تو اِس کے بڑے دوررس اثرات نکلے۔ایک طرف یورپ میں فتوحات کا سلسلہ آگے بڑھا جس کی وجہ سے مالِ غنیمت اور خراج جیسے آمدنی کے ذرائع میں بہت حد تک اضافہ ہوا۔اسی کے ساتھ ساتھ مسلمانوں کے لئے یورپ کے سمندری تجارت کے راستے کھل گئے۔چنانچہ ڈاکٹر محمد نواز اسلمی بحریہ کی اہمیت کے بارے میں لکھتے ہیں۔

"مسلمانوں کی بحری قوت جب عروج پر تھی تو بحیرۂ روم سے لے کر بحرِ ہند تک کی سمندری تجارت پر مسلمانوں کا قبضہ تھا۔مسلمان تاجر بحری جہازوں کے ذریعہ دنیا کے کونے کونے میں اپنا تجارتی سامان پہنچاتے تھے"۔[6]

حضرت امیر معاویہؓ نے جب فتوحات کا دائرہ بڑھایا اور یورپ کے مختلف شہروں کو فتح کیا جس سے بیت المال کی آمدنی (جزیہ اور خراج وغیرہ کی صورت میں) میں کافی حد تک اضافہ ہوگیا۔جیساکہ علامہ ابن جریر طبریؒ نے لکھاہے۔

" ولما غزا مُعَاوِيَة قبرس، صالح أهلها، ووقع عَلَى جزية سبعة آلاف دينار يؤدونها إِلَى الْمُسْلِمِينَ فِي كل سنة، ويؤدون إِلَى الروم مثلها، ليس لِلْمُسْلِمِينَ أن يحولوا بينهم وبين ذَلِكَ، عَلَى ألا يغزوهم وَلا يقاتلوا من وراءهم ممن أرادهم من خلفهم، وعليهم أن يؤذنوا الْمُسْلِمِينَ بمسير عدوهم من الروم إِلَيْهِم، وعلى أن يبطرق إمام الْمُسْلِمِينَ عَلَيْهِم

مِنْهُمْ . غزا مُعَاوِيَة فِي سنة ثمان وعشرين قبرس، وغزاها أهل مصر وعليهم عَبْد اللَّهِ بن سَعْدِ بْنِ أبي سرح، حَتَّى لقوا مُعَاوِيَة، فكان عَلَى الناس"۔[7]

ترجمہ:۔"جب حضرت امیر معاویہؓ نے قبرص پر حملہ کیا تو وہاں کے لوگوں نے مصالحت کی درخواست کی، ان کے ساتھ یہ معاہدہ ہوا کہ وہ سات ہزار دینار سالانہ جزیہ مسلمانوں کو اَدا کریں گے اور وہ (اہلِ قبرص) رومی بادشاہ کو بھی اتنی ہی رقم سالانہ اَدا کرتے رہیں گے۔ مسلمان اِس بارے میں اُن کی راہ میں حائل نہیں ہوں گے، وہ اُن پر حملہ نہیں کریں گے۔ اور اگر رومی دشمن اُن پر حملہ کرے گا تو وہ مسلمانوں کو اس کی اطلاع دیں گے۔ بالآخر امیر معاویہؓ نے 28ھ میں قبرص پر حملہ کیا اور اہلِ مصر نے بھی حضرت عبداللہ بن سعدؓ کی قیادت میں اُس حملہ کا بھرپور ساتھ دیا"۔

سمندر کی وسعت اور بے شمار منفعتوں کی وجہ سے حضور نبی کریم ﷺ نے بحری جہاد کی بڑی فضیلتیں بیان کی ہیں۔ انہی فضیلتوں کی وجہ سے کئی صحابہ کرامؓ نے اِس بحری جہاد میں حصہ لیا۔ چنانچہ علامہ ابنِ خلدونؒ نے اس کو یوں بیان کیا ہے۔" فاختار الغزو جماعة من الصحابة فيهم، أبو ذرّ وأبو الدرداء وشدّاد بن أوس وعبادة بن الصامت وزوجه أمّ حرام بنت ملحان، واستعمل عليهم عبد الله بن قيس حليف بني فزارة، وساروا إلى قبرص وجاء عبد الله بن أبي سرح من مصر فاجتمعوا عليها وصالحهم أهلها على سبعة آلاف دينار لكل سنة "۔[8]

ترجمہ:۔"صحابہ کرامؓ میں سے ایک گروہ قبرص پر بحری حملہ کرنے کے لئے راضی ہو گیا۔ چنانچہ اِس بحری جہاد میں حضرت ابوذر غفاری، حضرت ابوالدرداء، حضرت شداد بن اوس، حضرت عبادہ بن صامت اور اُن کی زوجہ محترمہ حضرت اُمِّ حرام بنتِ ملحان رضی اللہ عنہم اجمعین کے نام خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں۔ حضرت عبداللہ بن قیسؓ بحری مجاہدین کے امیر البحر اور سردار مقرر کئے گئے، چنانچہ یہ لشکر ملک شام سے اللہ کا نام لے کر قبرص پر حملہ کرنے کے لئے روانہ ہوا۔ مصر سے عبداللہ بن ابی سرحؓ بھی اِن مجاہدین سے آ ملے۔ اہلِ قبرص نے سات ہزار درہم سالانہ خراج اَدا کرنے کی شرط پر مصالحت کر لی"۔

قبرص کی فتح سے مسلمانوں کے معاشی نظام کو بہت استحکام ملا، اُس زمانے میں سات ہزار درہم کی قدر اور قیمت بہت زیادہ تھی، قبرص کی فتح سے مسلمانوں کو یورپ کی تجارتی منڈیوں تک رسائی کا راستہ ملا۔

علامہ بلاذریؒ نے آپؓ کے جہاز سازی کے کارخانے (Dock Yard) کے قیام کے بارے میں "فتوح البلدان" میں لکھا ہے۔"وكانت الصناعة بمصر فقط فأمر معاوية بْن أَبِي سُفْيَان بجمع الصناع والنجارين فجمعوا ورتبهم في السواحل وكانت الصناعة في الأردن بعكا قَالَ: فذكر أَبُو الخطاب الأزدي أنه كانت لرجل من ولد أَبِي معيط بعكا"۔[9]

ترجمہ:۔"پہلے جہاز سازی کا صرف ایک کارخانہ مصر میں تھا، پھر حضرت امیر معاویہؓ نے سواحلِ روم پر جہاز سازی کے کارخانے قائم کرنے کا حکم دیا۔اور صنعت کاروں اور کاریگروں کو اکٹھا کیااور آپؓ نے اُردن کے ساحلی علاقے "عکا" کے مقام پر بھی جہاز سازی کا ایک کارخانہ قائم کیا"۔

بعض مؤرخین نے لکھاہے کہ حضرت امیر معاویہؓ نے طرابلس کے ساحل پر ایک نہایت عمدہ بندرگاہ تعمیر کروائی تھی،اِس بندرگاہ پر ایک ہزار کشتیاں ہمہ وقت موجود رہتی تھیں جو کہ دفاعی،ماہی گیری اور دیگر تجارتی اُمور کے لئے استعمال ہوتی تھیں۔

3-امیر معاویہؓ کے دور کی فتوحات اور ذرائع آمدنی میں وسعت:۔آپؓ وہ عظیم صحابی ہیں جنہوں نے امیر المؤمنین حضرت عمرؓ کے بعد اسلامی نظام حکومت کو وسعت اور استحکام بخشا۔آپؓ کے دور میں اسلامی سلطنت وخلافت کو 22 لاکھ مربع میل کی وسعت ملی۔اِس وسعت کا بیت المال کے ذرائع آمدن پر بہت مثبت اثر پڑا۔مسلمانوں کے لئے تجارت کے نئے راستے کھل گئے۔نئ نئ بندگاہ کی تعمیر سے سمندری تجارت کو تقویت ملی۔ آپؓ نے صدیقی دور سے ہی اسلامی فوج میں شمولیت اختیار کی اور شام کی فتح میں آپؓ نے اپنے بھائی حضرت یزیدؓ کے ساتھ بڑے کارنامے سرانجام دیے۔19ھ میں شام،اُردن،فلسطین اور انطاکیہ کے ساحل کی فتح میں آپؓ نے بہت بڑا کردار اَدا کیا۔آپؓ کے بھائی حضرت یزیدؓ شام کی فوج کشی کے موقع پر اسلامی افواج کے سربراہ تھے۔امیر معاویہؓ اپنے بھائی کے ماتحت اسلامی افواج کا حصہ تھا۔کئی مواقع پر امیر معاویہؓ کو بھی قیادت کا موقع ملا۔آپؓ نے دمشق،صیدا،بیروت،قیساریہ،عرفہ اور شام کے ساحلی علاقوں کی فتح میں اہم کردار اَدا کرکے شام کے سرحدی علاقوں کو فتح کیااور اپنے قلعوں کو مضبوط کیا۔[10]

آپؓ کے دور خلافت میں فتوحات کا سلسلہ انتہائی تیز رفتاری سے جاری رہا۔آپؓ کے دور میں قلات،قندھار، قیقان،مکران،سیسان،سمرقند،ترمذ،شمالی افریقہ،جزیرہ روڈس،جزیرہ اروڈ،کابل،صقلیہ(سسلی)تک کے علاقوں سمیت مشرق ومغرب،شمال وجنوب کا22لاکھ مربع میل سے زائد علاقہ اسلام کے زیرنگیں آگیا۔اِن فتوحات میں قسطنطنیہ(استنبول)پر حملہ اور فتح ایک اہم مقام رکھتاہے۔مسلمانوں کا قسطنطنیہ پر یہ سب سے پہلا فوجی حملہ تھا۔ مسلمانوں کے بحری بیڑہ کے سربراہ وامیر حضرت سفیان ازدیؓ تھے۔اُن کی سرکردگی میں یہ بحری بیڑہ روم سے گزر کر قسطنطنیہ پہنچااور سب سے بڑے قلعے کا محاصرہ کرلیا۔

4-روزگار کے مواقع اور نوجوانوں کی فوج میں شمولیت:۔کسی بھی معاشی نظام کی ترقی کادارومدار روزگار کی شرح پر منحصر ہوتاہے۔آپؓ کے دور میں معاشی نظام مضبوط اور مستحکم ہوا۔آپؓ کے دور میں نوجوانوں کو اسلامی فوج میں شامل کرکے روزگار کے مواقع پیدا کئے جس سے ایک طرف اگر اسلامی فوج مضبوط ہوگئی تو دوسری طرف معاشی

سر گرمیاں بڑھ گئیں۔آپؓ نے موسموں کے مطابق فوج کو دو حصوں میں تقسیم کیا ایک حصہ سردی کے موسم میں اور دوسرا حصہ گرمی کے موسم میں جہاد کرتا تھا۔آپؓ نے فوجیوں کی تنخواہوں میں اضافہ کر کے دگنا کر دیا۔ فوجیوں کے بچوں کے لئے وظائف مقرر کر دیئے۔ یہ تمام سر گرمیاں ایک مضبوط معاشی نظام کی دلیل ہے۔

5-نئے شہروں کی دفاعی اور تجارتی نقطۂ نظر سے آباد کاری:۔ حضرت امیر معاویہؓ نے تہذیب و تمدن کو ترقی دی۔ نئے نئے شہر آباد کئے۔ آپؓ نے کئی نئے شہر ایسی جگہوں پر آباد کئے جہاں ایک طرف دفاعی و فوجی نقطۂ نظر سے سلطنت کو ضرورت ہوتی تھی تو وہاں دوسری طرف تجارتی حوالہ سے معاشی ترقی کا ذریعہ بن گئے۔ آپؓ نے روم میں انطرطوس، مرقیہ اور بلنیاس، مرعش اور افریقہ میں قیروان وغیرہ کے شہروں کو آباد کیا[11]۔ یہ شہر مضبوط فوجی قلعوں کے ساتھ ساتھ بڑے تجارتی مراکز بھی بن گئے۔

6-نہروں اور بندوں کا قیام اور زراعت کی ترقی:۔ حضرت امیر معاویہؓ نے زرعی ترقی کے لئے نہروں کے قیام پر خصوصی توجہ دی۔ آپؓ نے آبپاشی کے نظام کو بہت بہتر کیا۔ آپؓ نے عراق میں ایک نہر جاری کرنے کا حکم دیا۔ نہر کی تکمیل کے بعد تبرکاً افتتاح کے لئے مشہور صحابی حضرت معقل بن یسارؓ کو دعوت دی گئی، جس کی وجہ سے اِس نہر کا نام "نہرِ معقل" پڑ گیا۔ جیسا کہ علامہ بلاذریؒ نے "فتوح البلدان" میں لکھا ہے۔" كلم المنذر بْن الجارود العبدي معاوية بْن أَبِي سُفْيَان في حفر نهر ثار، فكتب إِلَى زياد فحفر نهر معقل، فقال قوم: جرى عَلَى يد معقل بْن يسار فنسب إليه، وقال آخرون: بل أجراه زياد عَلَى يد عَبْد الرَّحْمَنِ بْن أَبِي بكرة أو غيره، فلما فرغ منه وأرادوا فتحه بعث زياد معقل بْن يسار ففتحه تبركا به لأنه من أصحاب رَسُول اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فقال الناس: نهر معقل"۔[12]

اسی طرح آپؓ نے مدینہ منورہ کے باغات، زرعی زمینوں کی آبپاشی اور لوگوں کی ضروریات پورا کرنے کے لئے بھی ایک نہر جاری کرنے کا حکم دیا۔ چنانچہ نہر کدائی کا کام شہداءِ اُحد کی قبرستان کے قریب پہنچ گیا اور شہداءِ اُحد کو وہاں سے محفوظ مقام پر منتقل کرنے کا فیصلہ ہوا، تو محدثین و مؤرخین نے اِن روایات کو لکھا ہے کہ شہداءِ اُحد کے اجسام بالکل تروتازہ تھے۔ سید الشہداء حضرت امیر حمزہؓ کے پیر مبارک پر جب کوئی چیز لگی تو اُس سے خون جاری ہو گیا، حالانکہ یہ چالیس سال کے بعد کا واقعہ ہے۔ یہ نہر "قناۃ معاویہ" کے نام سے مشہور تھی۔ جیسا کہ علامہ ابن کثیرؒ نے "البدایہ والنہایہ" میں لکھا ہے۔" عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ قَالَ:لَمَّا أَجْرَى مُعَاوِيَةُ الْعَيْنَ عِنْدَ قَتْلَى أُحُدٍ بَعْدَ أَرْبَعِينَ سَنَةًاسْتَصْرَخْنَاهُمْ إِلَيْهِمْ فَأَتَيْنَاهُمْ فَأَخْرَجْنَاهُمْ فَأَصَابَتِ الْمِسْحَاةُ قَدَمَ حَمْزَةَ فَانْبَعَثَ دَمًا. وَفِي رِوَايَةِ ابْنِ إِسْحَاقَ عَنْ جَابِرٍ قَالَ: فَأَخْرَجْنَاهُمْ كَأَنَّمَا دُفِنُوا بِالْأَمْسِ"۔[13]

ترجمہ:۔"حضرت جابر بن عبداللہؓ سے روایت ہے کہ جب حضرت معاویہؓ نے (مدینہ منورہ کے لئے) نہر جاری کرنے کا حکم دیا جو کہ شہداءِ اُحد کے قریب سے گزر رہا تھا۔ یہ چالیس سال کے بعد کا واقعہ ہے۔ تو شہداءِ اُحد کے قبروں

کو دوسری جگہ پر منتقل کرنے کا فیصلہ کیا گیا۔ چنانچہ جب حضرت حمزہؓ کی قبر کی کھدائی کی گئی تو اُس کے پاؤں پر کسی چیز کی وجہ سے چوٹ لگی جس سے اُس کے پاؤں سے خون نکلا(گویا کہ شہداء کے اجسام بالکل تازہ اور صحیح سلامت تھے)۔اور ابن اسحاق کی روایت میں ہے جو کہ حضرت جابرؓ سے ہے: کہ ہم نے شہداء کو نکالا تو اُن کے اجسام ایسے تروتازہ اور سلامت تھے گویا کہ کل ہی دفنائے ہوں"۔

اسی طرح مؤرخین یہ بھی لکھتے ہیں کہ حضرت امیر معاویہؓ نے مدینہ منورہ سے بیس میل باہر جانوروں اور چوپایوں کے لئے علیحدہ ایک بند باندھنے کا حکم دیا۔ جس میں بارش کے پانی کو اکٹھا کیا جاتا تھا۔اِس بند کو "سدِّ معاویہ" کے نام سے پکارا جاتا تھا[14]۔

7-دارالخلافہ کی منتقلی و عمومی کارنامے:۔ حضرت امیر معاویہؓ نے اپنے دورِ خلافت کے اوائل میں اسلامی سلطنت کے دارالخلافہ کو "مدینہ" سے "دمشق" منتقل کیا۔ ذیل میں حضرت امیر معاویہؓ کے وہ عمومی کارنامے ہیں جن سے معاشی سرگرمیاں بڑھ گئیں۔

1-آپؓ نے اپنے دور میں مردم شماری کے لئے باقاعدہ محکمہ قائم کیا۔

2حرم شریف کی خدمت کے لئے باقاعدہ خدام بھرتی کئے۔ خانہ کعبہ کے غلاف وغیرہ کا خاص اہتمام کیا۔

3-بہت ساری قدیم مساجد کی از سرِ نو تعمیر و مرمت، توسیع و تجدید اور تزئین وآرائش کا انتظام کیا۔

4- حضرت امیر معاویہؓ نے عوام الناس کے علاج کے لئے دمشق میں سب سے پہلا باقاعدہ ہسپتال قائم کیا۔

5-نہری نظام کے ذریعے سینکڑوں مربع میل اراضی کو آباد کیا اور زراعت کو خوب ترقی دی۔

6-دیہاتوں کو شہری سہولیات دے کر نئے نئے شہر آباد کئے۔ نوآبادیاتی نظام متعارف کرایا۔

7- ڈاک کے نظام میں اصلاحات کر کے اِس محکمہ کو بہتر بنایا۔اِس میں اصلاحات کر کے ملازمین کو مستقل حیثیت دی۔

8-سرکاری خطوط کو محفوظ کرنے کے لئے اِس پر مہر لگانے اور حکم کی نقل دفتر میں محفوظ رکھنے کا طریقہ ایجاد کیا۔

9-انصاف تک عمومی رسائی کے لئے عدلیہ کے نظام میں اصلاحات کیں۔

10-عوام کو بغیر سود کے قرضہ جات جاری کرنے کا انتظام کیا۔

11-اسلامی سرحدات کی حفاظت کیلئے پرانے قلعوں کو از سرِنو تعمیر کیا۔

12-آپ کے دور میں دشمنوں کے خلاف سب سے پہلے منجنیق کا استعمال کیا گیا۔

13-مستقل فوج کے علاوہ رضاکاروں کی فوج بنائی۔ .

14-امنِ عامہ کو برقرار رکھنے کے لئے نظامِ پولیس کو ترقی دی۔

2- خلیفہ مروان بن حکمؓ:۔

مروان بن حکمؓ کے بارے میں مؤرخین لکھتے ہیں کہ آپؓ صحابی تھے۔ جیسا کہ ڈاکٹر پروفیسر محمد یسین مظہر صدیقی نے لکھا ہے۔ "حضرت مروان بن حکمؓ بذاتِ خود صحابی تھے، اگرچہ بالعموم ان کو ماہرینِ رجال تابعین میں شمار کرتے ہیں۔ ان کی صحابیت کی اکثر علماء کے نزدیک واقعیت کو حافظ ابن کثیرؒ نے بہت صراحت کے ساتھ بیان کیا ہے۔۔۔اور (اسی طرح) حافظ ابن حجر عسقلانیؒ نے بھی آپ کو صحابہ میں لکھا ہے"۔[15]

رسول اللہ ﷺ کی وفات کے وقت آپ کی عمر نو سال تھی۔ آپ کا دور 684ء تا 685ء رہا۔ آپ نے کل نو ماہ خلافت کی۔

آپ حضرت عثمان غنیؓ کے چچازاد بھائی تھے۔ یزید بن معاویہؓ کی وفات کے بعد حضرت عبداللہ بن زبیرؓ نے مکہ مکرمہ میں اپنی خلافت کا اعلان کیا۔ حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کی خلافت صرف مکہ مکرمہ تک محدود رہی۔ اسی دوران مروان بن حکم نے دمشق جا کر لوگوں سے اپنے لئے خلافت کی بیعت لی۔ اس وقت آپ کافی بوڑھے ہو چکے تھے۔ مروان سیاسی اعتبار سے کافی عقلمند اور تجربہ کار تھے۔ آپؒ حضرت عثمان غنیؓ کے مشیر بھی رہے۔ حضرت معاویہؓ اور یزید کے زمانے میں مدینہ منورہ کے گورنر تھے۔ آپ نے شورش کو ختم کر کے دارالخلافہ "دمشق" کی مرکزی حکومت کو کافی حد تک مضبوط کیا۔

3- خلیفہ ابوالولید عبدالملک بن مروان:۔

آپ مروان کے بیٹے اور جانشین تھے۔ مروان نے وفات سے پہلے آپ کی خلافت کا اعلان کیا تھا۔ آپ کا دورِ خلافت 685ء-705ء رہا۔

آپ جب خلیفہ بنے تو آپ نے سب سے پہلے خلافت کو مستحکم کرنے پر توجہ دی۔ ایک طرف مکہ مکرمہ میں حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کی خلافت قائم تھی۔ دوسری طرف عراق میں مختار ثقفی نے اپنی حکومت قائم کی تھی۔ ایسے دور میں عبدالملک نے سلطنت کو درپیش چیلنجز کا سامنا کیا۔ آپ نے تمام چیلنجز پر قابو پا کر عراق اور مکہ پر بھی اپنی خلافت قائم کی۔ آپ نے تعلیم و تربیت مدینہ منورہ میں حاصل کی۔ دیندار، عبادت گزار، ذہین، خوش تدبر، علمی ذہانت و فقاہت کے مالک تھے۔ خود ہی نماز کی امامت کرتے تھے۔ بڑے بہادر اور مجاہد تھے۔ اکثر اوقات خود ہی سپہ سالاری کرتے تھے۔ آپ نے عربی زبان کو بہت ترقی دی۔ آپ نے قرآن مجید پر عجمیوں کی سہولت کی خاطر اعراب لگوائے۔ چنانچہ علامہ سیوطیؒ نے "تاریخ الخلفاء" میں لکھا ہے کہ آپ نے سب سے پہلے دینار پر قرآنی آیات لکھوائیں۔

" اول من ضرب الدنانير عبد الملك و كتب عليها القرآن "۔[16]

معاشی اصلاحات:۔آپ سے پہلے کے دور تک معاشی نظام میں اتنی جدت پیدا نہیں ہوئی تھی۔ لیکن آپ نے معاشی اور مالیاتی نظام کو کافی حد تک تقویت دی۔ حضرت عمر فاروقؓ نے اپنے دورِ خلافت میں درہم کا سکہ جاری کیا تھا، آپ نے دینار کا سکہ پہلی مرتبہ جاری کیا۔ آپ نے مختلف علاقوں کی محصولات کا از سرِ نو جائزہ لیا۔ حسبِ ضرورت اضافہ کرکے حکومت کی آمدنی میں اضافہ کیا۔ چنانچہ امام ابو یوسفؒ نے کتاب "الخراج" میں آپ کے بارے میں لکھاہے۔ "فَلَمَّا وَلِيَ عَبْدُ الْمَلِكِ بْنِ مَرْوَانَ بَعَثَ الضَّحَّاكَ بْنَ عَبْدِ الرَّحْمَنِ الْأَشْعَرِيِّ فَاسْتَقَلَّ مَا يُؤْخَذُ مِنْهُمْ فَأَحْصَى الْجَمَاجِمَ، وَجَعَلَ النَّاسَ كُلَّهُمْ عُمَّالا بِأَيْدِيهِمْ، وَحَسَبَ مَا يَكْسِبُ الْعَامِلُ سَنَتَهُ كُلَّهَا ثُمَّ طَرَحَ مِنْ ذَلِكَ نَفَقَتَهُ فِي طَعَامِهِ وَأُدْمِهِ وَكِسْوَتِهِ وَحِذَائِهِ وَطَرَحَ أَيَّامَ الأَعْيَادِ فِي السَّنَةِ كُلَّهَا؛ فَوَجَدَ الَّذِي يُحَصِّلُ بَعْدَ ذَلِكَ فِي السَّنَةِ لِكُلِّ وَاحِدٍ أَرْبَعَةُ دَنَانِيرَ فَأَلْزَمَهُمْ ذَلِكَ جَمِيعًا وَجَعَلَهَا طَبَقَةً وَاحِدَةً، ثُمَّ حَمَلَ الأَمْوَالَ عَلَى قَدْرِ قُرْبِهَا وَبُعْدِهَا فَجَعَلَ عَلَى كُلِّ مِائَةِ جَرِيبِ زَرْعٍ مِمَّا قَرُبَ دِينَارًا، وَعَلَى كُلِّ أَلْفِ أَصْلِ كَرْمٍ مِمَّا قَرُبَ دِينَارًا، وَعَلَى كُلِّ أَلْفَيْ أَصْلٍ مِمَّا بَعُدَ دِينَارًا، وَعَلَى الزَّيْتُونِ عَلَى كُلِّ مِائَةِ شَجَرَةٍ مِمَّا قَرُبَ دِينَارًا، وَعَلَى كُلِّ مِائَتَيْ شَجَرَةٍ مِمَّا بَعُدَ دِينَارًا، وَكَانَ غَايَةُ الْبُعْدِ عِنْدَهُ مَسِيرَةَ الْيَوْمِ وَالْيَوْمَيْنِ وَأَكْثَرَ مِنْ ذَلِكَ، وَمَا دُونَ الْيَوْمِ فَهُوَ فِي الْقُرْبِ.وَحُمِلَتِ الشَّامُ عَلَى مِثْلِ ذَلِكَ،وَحُمِلَتِ الْموصل على مثل ذَلِك"۔[17]

ترجمہ:۔ جب عبدالملک بن مروان حکمران بنے تو انہوں نے ضحاک بن عبدالرحمن الاشعری کو الجزیرہ روانہ کیا۔ پس جب وہ وہاں پہنچے تو اُن کو وہ مال کم معلوم ہوا جو اُن لوگوں سے وصول کیا جارہا تھا۔ لہذا آپ نے سرداروں کو از سرِ نو شمار کروایا۔ اور سارے لوگوں کو اُن کے تحت کام کام کرنے والے محنت کاروں کی حیثیت دی۔ چنانچہ انہوں نے معلوم کیا کہ ایک شخص کی سالانہ آمدنی کتنی ہے؟ پھر اِس حساب سے وہ اخراجات گھٹادیئے جو وہ غلہ، سالن، لباس اور جوتے پر خرچ کرتا تھا۔ اور تیوہاروں کے دنوں کو سال کے ایامِ کار سے منہا کردیا۔ تو اِس حساب سے معلوم ہوا کہ اِس طرح ہر شخص کے پاس سالانہ چار دینار فاضل بچ جاتے ہیں۔ پس اُنہوں نے یہی شرح (چار دینار کی محصول) سب پر یکساں نافذ کردی۔ پھر اُنہوں نے شہر سے دُوری اور قرب کے لحاظ سے بھی مختلف املاک پر مختلف شرحیں نافذ کیں۔ چنانچہ انہوں نے قریب کے ہر سو جریب کے کھیت پر ایک دینار اور دُور کے ہر دوسو جریب کے کھیت پر ایک دینار عائد کیا۔ قریب کی ہر ایک ہزار انگوروں کی بیلوں پر ایک دینار عائد کیا۔ نیز قریب کے زیتوں کے سو درخت پر ایک دینار اور دور کے دوسو درختوں پر ایک دینار عائد کیا۔ دوری کا معیار انہوں نے ایک یا دو دن یا اِس سے زیادہ کی مسافت کو متعین کیا۔ اور آپ نے (عبدالملک بن مروان) نے شام اور موصل میں بھی (محصولات کا) یہی نظام جاری کیا۔

اسی طرح قبرص والوں کے بارے میں علامہ بلاذریؒ نے "فتوح البلدان" میں لکھاہے۔" لم يزل أهل قبرس عَلَى صلح معاوية حَتَّى ولى عَبْد الملك بْن مروان فزاد عليهم ألف دينار فجرى ذلك إِلَى خلافة عُمَر بْن عَبْد الْعَزِيزِ"۔[18]

ترجمہ :۔"قبرص کے رہنے والوں نے حضرت امیر معاویہؓ کے ساتھ جو صلح کیا تھا،وہ برقرار رہا۔جب عبدالملک بن مروان خلیفہ مقرر ہوئے توانُہوں نے اُن لوگوں کے اوپر ایک ہزار دینار کااضافہ کیا۔اور یہ اضافہ حضرت عمر بن عبدالعزیز کے دورِ خلافت تک جاری رہا"۔

آپ نے زراعت کو ترقی دینے کے لئے آبپاشی کے نظام کو بہتر کیا۔زرعی نظام بہتر ہونے کی وجہ سے ملکی معیشت نے بہت ترقی کی۔برآمدات میں ایک بہت بڑاحصہ غلہ اوراناج کاہوتا تھا۔

4-خلیفہ ولید بن عبدالملک:۔

ولید بن عبدالملک668ء-715ء بنوامیہ کے چھٹے مشہوراور نامور خلیفہ تھے۔آپ بڑے سخی اور بلند پایہ کے فاتح اور رفاہ عامہ کے کاموں میں بڑی دلچسپی لینے والے حکمران تھے۔عبدالملک نے اپنی ہی زندگی میں اپنے دونوں بیٹوں ولید اور سلیمان بن عبدالملک کو بالترتیب اپنے جانشین مقرر کئے۔لہذا عبدالملک کی وفات کے بعد ولید خلیفہ بن گئے۔عبدالملک اگرچہ علوم وفنون کا شوقین تھا۔لیکن ولید کو علم وادب سے کوئی دلچسپی نہ تھی۔تعلیم کی کمی کے باوجود آپ ایک کامیاب حکمران ثابت ہوئے۔آپ کا دور امن وامان کادور تھا۔آپ اپنے زمانے کے بہترین سپہ سالار بھی تھے۔جسکی بدولت فتوحات کاایسا سلسلہ شروع ہوا جس سے عہد فاروقی کی یاد تازہ ہوگئی۔ان فتوحات کی بدولت اس دور کوتاریخ اسلام میں ایک خاص مقام حاصل ہے۔آپ بہت ہی ذہین اور دیندار انسان تھے۔

ولیدِ اول 705ء میں اپنے والد کے انتقال کے بعد خلیفہ منتخب ہوئے۔آپ نے 713ء تک دس سال خلافت کی۔ولید ایک بہت ہی دیندار انسان تھے۔نمازوں کی امامت خود کیا کرتے تھے۔تین دن میں ختم قرآن کرتے تھے۔

فتوحات:۔خلیفہ ولید بن عبد الملک کے دور میں اندلس، بلخ سمرقند،بخارا،خوارزم،فرغانہ، سپین، ترکستان اور پاکستان کے وسیع علاقے سندھ بلوچستان اور پنجاب کا دریائے سندھ کے علاقے تک فتح ہوئے۔اِس کے علاوہ چین کے کچھ علاقے جزیہ کی ادائیگی پر راضی ہوگئے۔خلیفہ ولید کے دور میں عرب اپنی تاریخ کی سب سے بڑی سلطنت قائم کرچکے تھے جس کا دنیا میں کوئی حریف نہ تھا۔آپ کی افواج میں حجاج بن یوسف،طارق بن زیاد،قتیبہ بن مسلم اور محمد بن قاسم جیسے نامور اور مشہور سپہ سالار تھے۔جنہوں نے بہت سارے علاقوں کی فتوحات میں اہم کردار ادا کیا۔محمد بن قاسم نے ملتان اور سندھ کے کئے علاقے فتح کرکے سلطنت میں شامل کردئے۔دوسری طرف موسیٰ بن نصیر نے اندلس فتح کیا۔آپ وہ خلیفہ تھے کہ جس کے دور میں اسلامی سلطنت کارقبہ سب سے زیادہ پھیل گیا۔افریقہ میں یوگنڈا

سے لے کر شمالی ترکستان تک اور سنکیانگ سے لے کر اندلس اور فرانس کے سرحدات تک کے پورے علاقے شامل تھے۔ آپ نے دمشق میں بیٹھ کران علاقوں پر 10 سال تک پُراَمن اور خوشحال حکمرانی کی۔[19]

رفاہِ عامہ کے عمومی اُمور:۔ آپ نے اپنے دور میں تعلیم بالکل مفت کی تھی۔ ہر چھوٹے بڑے گاؤں میں تعلیمی درسگاہیں قائم کیئے۔ خاص کر سائنسی علوم کے حوالے سے ریاضی اور تجرباتی علوم کو خاص ترقی دی۔ سریانی اور عبرانی زبان کی کتابوں کا ترجمہ کرنے کے لئے دارالترجمہ قائم کیا۔ مسافروں کے آرام کے لیے سڑکوں کی تعمیر اور مرمت کی گئی۔ ان کے کناروں پر سنگ میل نصب کرائے۔ بڑے بڑے شاہراہوں پر سرائیں تعمیر کرائیں اور پانی کی فراہمی کے لئے جگہ جگہ کنوئیں کھدوائے۔ تاکہ مسافروں کو کسی بھی قسم کی تکلیف کا سامنانہ کرناپڑے۔ ملکی زرعی پیداوار بڑھانے کے لیے نہریں کھدوائی گئیں۔ مریضوں کے علاج کے لیے سرکاری ہسپتال تعمیر کیے گئے جہاں مفت دوائیں دی جاتی تھیں۔ سرکاری مہمان خانے کھولے گئے جہاں غریب ونادار لوگوں کو مفت کھانادیا جاتا تھا۔ غرباء کے لئے وظائف مقرر کیے گئے۔ ملک سے بھیک اور گداگری کا خاتمہ کیا۔ مختصر یہ کہ لوگوں کو ہر طرح کی سہولتیں، رعائتیں اور آسائشیں فراہم کرنے کی پوری پوری کوشش کی گئی۔

دالخلافہ دمشق میں جامع مسجد کا قیام اور مسجد نبوی کی توسیع:۔ ولید جب خلیفہ بنے تو آپ نے اسی سال 86ھ میں چندماہ بعد دارالحکومت دمشق میں بہت بڑی مسجد کی بنیادرکھ کر تعمیر شروع کروادی۔ مختصر عرصے میں جامع مسجد دمشق کا قیام وجود میں آگیا۔ دمشق کی جامع مسجد کی خوبصورتی اور حسن وجمال بہت مشہور تھا۔ اس کی تعمیر کے لئے مزدور اور کاریگر ہندوستان، ایران اور افریقہ سے لائے گئے۔ یہ مسجد 8 سال کے عرصہ میں تکمیل ہوئی۔ دمشق کی جامع مسجد میں 12 ہزار مزدوروں نے کام کیا۔ مختلف قسم کے پتھر کے استعمال کے علاوہ چاندی اور سونے کا بھی بہت زیادہ استعمال ہوا۔ سمندری جہازوں پر چاندی اور سونالاد کر جزیرہ قبرص سے دمشق لایا گیا۔ مسجد کی تزئین و آرائش میں کوئی کسراٹھانہ رکھی گئی۔ ایک اندازے کے مطابق 56 لاکھ اشرفیاں مسجد کی تعمیر پر خرچ ہوئیں۔ بعض مورخین کے مطابق ملک شام کا سات برس کا خراج جامع مسجد دمشق کی تعمیر پر صرف ہوا۔ اس کی چھتوں اور دیواروں پر طلائی میناکاری اور طرح طرح کے نقش ونگار سے کام لے کر اسے دلکش بنانے میں کوئی کسراٹھانہ رکھی۔ چھت کے ساتھ چھ سو مرصع قندیلیں طلائی زنجیروں کے ساتھ لٹکائی گئیں۔ مسجد وسیع اتنی تھی کہ 20 ہزار آدمی بیک وقت اس میں بیٹھ سکتے تھے۔ اپنے حسن وجمال کی وجہ سے یہ مسجد زیارت گاہ خواص و عوام تھی۔ دور دور سے لوگ اسے دیکھنے آتے تھے۔ ایک بار عمر بن عبدالعزیز نے اپنے زمانہ میں جب اس کے سونے چاندی اور دیگر اشیا کو اتروا کر بیت المال میں داخل کرنے کا ارادہ کیا تو اتفاقاً روم کا بادشاہ مسجد کو دیکھنے کے لیے روانہ ہوا۔ اُس کے ساتھ دس اور افراد بھی ساتھ تھے۔ جب مسجد کو دیکھنے گیا تو مسجد کی ساخت اور تعمیراتی حسن کا اس قدر اثر ہوا کہ رنگ فق ہو گیا اور اپنے ہمراہیوں سے

یونانی زبان میں کہا کہ ہمارا تو خیال تھا کہ عربوں کی اقامت شام میں چند روزہ ہے لیکن یہاں تو انہوں نے اپنے استقلال کے سامان جمع کر رکھے ہیں۔ خلیفہ عمر بن عبدالعزیز کو اپنے آدمیوں نے جو وہاں موجود تھے اس گفتگو کے مطالب سے آگاہ کیا تو انہوں نے کہا کہ یہ مسجد تو کفار کو غیظ دلاتی ہے لہذا اپنا ارادہ ترک کر دیا۔اس واقعہ ہی سے جامع مسجد دمشق کی لافانی حیثیت واضح ہو جاتی ہے۔

پھر اِس کے فوراً بعد اگلے سال 87ھ میں مسجد نبوی کی توسیع کے لئے مدینہ کے عامل حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کو حکم جاری کیا۔ چنانچہ مسجد نبوی کی تعمیر وتوسیع کا سنہری کارنامہ آپ کی دین کے ساتھ لگاؤ کا منہ بولتا ثبوت ہے۔ فن تعمیرات کے نقطہ نظر سے یہ اس دور کا عظیم کارنامہ ہے۔ عمر بن عبدالعزیز نے آس پاس کی زمین خرید کر مسجد کو وسعت دی۔ باہر کے ممالک سے ماہر کاریگر بلوائے گئے۔ شاہ روم نے ایک لاکھ مثقال سونا اور پچی کاری کا کام کرنے والے ماہر کاریگر فراہم کیے۔ پوری مسجد خوبصورت پتھروں سے تعمیر کی گئی۔ دیواروں پر نقش و نگار کا اہتمام کیا گیا۔ پانی کا ایک بڑا فوارہ بھی نصب کیا گیا۔ تبرک کے لئے مسجد کی بنیادیں صحابہ کرام کے بیٹوں کے ہاتھوں سے لگوا کر اٹھائی گئیں۔اس کی تعمیر میں 3 سال لگے۔اس کے صحن میں 20 ہزار نمازیوں کی گنجائش بن گئی۔ مسجد کی شہرت کی وجہ سے دور دور سے سیاح دیکھنے کے لئے آتے تھے۔ تعمیر کا کام جب پایہ تکمیل تک پہنچ گیا تو خلیفہ ولید بن عبدالملک 91ھ میں خود اسے دیکھنے کے لیے آیا اور آپ نے مسجد کی توسیع کو بہت پسند کیا۔

امن وامان کا قیام:۔ آپ نے اپنی خوبصورت انتظامی صلاحیتوں کی بنیاد پر نہ صرف بیرون ملک فتوحات کا دائرہ وسیع کیا بلکہ اِس کے علاوہ اندرونِ ملک امن وامان کا قیام، اعلی نظم ونسق اور عوام کی مجموعی خوشحالی اُس دور کی دوسری نمایاں خصوصیات ہیں۔ حجاج بن یوسف کی زیر سرکردگی آپ نے خوارج کا مکمل خاتمہ کیا۔ چنانچہ کسی بھی ملک دشمن تحریک کو سر اٹھانے کی جرات نہ تھی۔ سلطنت کے اندر تعمیرات کے فن شاہکار اِس بات کی دلیل ہیں کہ اگر ملک کے اندر مکمل امن امان نہ ہوتا تو اس دور کی دیگر تعمیری خصوصیات کبھی بھی اجاگر نہ ہوتیں۔

بحری بیڑے کی توسیع:۔ ولید بن عبدالملک نے اپنے سلطنت کے دفاعی اور فوجی نظام کو بہت مضبوط کیا۔ آپ نے اِس پر خصوصی توجہ دی۔ آپ نے اس ضمن میں بحری بیڑے کو وسعت دی۔ یہ آپ بہت بڑا کارنامہ ہے۔ بحری جنگوں میں کامیاب بحری فوج کی تنظیم کی بنا پر تھی۔ اِس کے لیے نئے نئے جہاز تیار کئے گئے، اور پرانے جہازوں کی مرمت کے لیے ملک میں ڈاکیارڈ تعمیر کیے گئے۔ سب سے بڑا کارخانہ تیونس میں تھا۔ بحیرہ روم کی جنگوں میں کامیابی کا بہت بڑا ہاتھ بحری بیڑے کی مضبوطی تھا۔

معاشرہ کی مجموعی صورتحال کا جائزہ:۔ مندرجہ بالا حقائق کی روشنی میں یہ کہنا درست ہے کہ ولید اول کا دور بنو امیہ کا شاندار ترین اور سنہری زمانہ تھا۔ فتوحات کے میدان میں کامیابیاں ہی کیا کم تھیں لیکن اس کے علاوہ علم وادب تعمیرات اور رفاہ عامہ کے میدان میں ولید کے زمانہ میں شاندار کارہائے نمایاں انجام دیے گئے۔ جہاں قیتبہ بن مسلم، محمد بن قاسم، موسیٰ بن نصیر، طارق بن زیاد اور مسلمہ بن عبدالملک کی کامرانیاں اس دور کو ایک خاص عظمت اور شان بخشتی ہیں۔ وہاں اس دور میں ہونے والی دیگر تعمیراتی خصوصیات بھی کم اہم نہیں۔ قصر الخلافت ہو یا شاہی محلات۔ قصر الزہرا ہو یا قرطبہ، عالیشان یونیورسٹیاں ہوں یا عمومی درسگاہیں اپنی خاص صنعت، کاریگری اور فنی خوبیوں کے لحاظ سے نوادرات زمانہ میں شمار ہوتی ہیں۔ یہ سب اَنمٹ نقوش اسلامی عہد کی ایسی یادگاریں ہیں جو ابنائے زمانہ کی دست درازیوں اور امتداد زمانہ کے باجود مٹائے نہ مٹ سکیں۔ اور مسلمانوں کی عظمت رفتہ اور درخشندہ دور کی آئینہ دار ہیں۔

5- خلیفہ سلیمان بن عبدالملک:۔

سلیمان بن عبدالملک کا دورِ خلافت 715ء تا 717ء رہا۔ آپ اپنے بھائی کی وفات کے بعد 715ء میں خلیفہ بنے۔ آپ کا دورِ خلافت تقریباً دو سال کے عرصہ کے دورانیہ پر مشتمل تھا۔ آپ کے دور حکومت میں کئی اہم اجتماعی واقعات پیش آئے ،اِن میں ولید کے دور کے تین مشہور سپہ سالار محمد بن قاسم، موسیٰ بن نصیر اور قتیبہ بن مسلم کا افسوسناک انجام/ قتل بھی شامل ہے۔ آپ کے دور کا دوسرا اہم واقعہ قسطنطنیہ کا ناکام محاصرہ ہے۔ آپ کے دور خلافت کا تیسرا اور اہم ترین واقعہ عمر بن عبدالعزیز کی جانشینی ہے۔

6- خلیفہ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ:۔

حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کا دورِ حکومت 717ء تا 720ء رہا۔ آپ کا دورِ حکومت بنو امیہ کا سب سے شاندار دور تھا۔ آپؒ نے خلافت راشدہ کی یاد تازہ کر دی۔ اگرچہ آپ کا دورِ خلافت صرف دو سال پانچ ماہ رہا، لیکن اس مختصر مدت میں آپ نے وہ کارنامے سرانجام دیے کہ مسلمان انہیں پانچواں خلیفۂ راشد قرار دیتے ہیں۔ آپؒ کا سب سے بڑا کارنامہ معاشرہ سے ظلم و زیادتی کا خاتمہ ہے۔ آپ نے ظالم اور جابر حکومتی عہدیداروں کو عہدوں سے ہٹایا۔ بیت المال کو رعایا کی ملکیت بنایا۔ اخلاق و کردار کی بلندی کے لحاظ سے وہ تابعین کے اس طبقے سے تعلق رکھتے ہیں جو اپنے عمل میں صحابہ کرامؓ سے مشابہ تھے۔ آپؒ نے بہت سارے نو مسلموں سے جزیہ وصول کرنے کی بھی بندش کرائی۔ آپؒ کی ان انقلابی اصلاحات نے استبدادی نظام اور اس کے تحت پرورش پانے والے مفاد پرست طبقے پر کاری ضرب لگائی تھی۔ اس طبقے کی رہنمائی شاہی خاندان کے افراد کر رہے تھے۔ آپؒ کی ان اصلاحات سے ان کو یہ خطرہ پیدا ہو گیا کہ وہ خاندانی

بادشاہت بھی ختم کر دیں گے اور خلافت کو عام مسلمانوں کے حوالے کر جائیں گے۔ چنانچہ انہوں نے حضرت عمر بن عبد العزیزؒ کو زہر دے کر شہید کر دیا۔ شہادت کے وقت ان کی عمر محض 39 سال تھی۔

7- خلیفہ ہشام بن عبد الملک:۔

خلیفہ ہشام بن عبد الملک نے 20 سال حکومت کی۔ آپ خاندانِ بنی امیہ کے آخری سب سے بڑے حکمران تھے۔ آپ بڑے پاکباز، منتظم، کفایت شعار اور بیدار مغز حکمران تھے۔ مورخین لکھتے ہیں کہ آپ کے اندر امیر معاویہؓ کا علم وتدبر اور عبد الملک بن مروان کی اولوالعزمی جیسے بلند صفات ایک ساتھ جمع ہو گئی تھیں۔ آپ کے زمانے میں سلطنت کی حدود داغستان، ایشیائے کوچک اور موجودہ سینیگال اور مالی تک پہنچ گئیں، جبکہ مراکش کا انتہائی جنوبی حصہ بھی آپ کے دورِ حکومت میں سلطنت کا حصہ بنا۔ آپ کے زمانے میں سندھ کے گورنر جنید نے کشمیر تک وہ تمام علاقہ فتح کر لیا جو کہ اب پاکستان کہلاتا ہے۔ اس کے علاوہ آپ نے ہندوستان میں مارواڑ، اجین، گجرات اور بھڑوج تک کے علاقے بھی فتح کیے۔ آپ کے دور کا سب سے اہم واقعہ مسلمانوں کا فرانس پر ناکام حملہ تھا، جہاں مسلمان عبد الرحمان الغافقی کی قیادت میں کوہ پائرینیس عبور کر کے جنوبی اور مغربی فرانس فتح کرتے ہوئے ٹورس کے مقام تک پہنچے، جو کہ پیرس سے صرف 150 میل کے فاصلے پر ہے۔ یہاں مسلمانوں کا یورپ کی متحدہ افواج سے مقابلہ ہوا، جس میں امیر عبد الرحمان شہید ہو گیے اور مسلمانوں کو شکست ہو گئی۔

فصلِ دوم

خلافتِ بنواُمیہ کا معاشی نظام

خلافتِ بنواُمیہ کا معاشی نظام:۔

اسلام نے معاشی حوالے سے جو اپنی اصلاحات متعارف کرائیں ان کا کوئی ثانی اور نظیر نہیں ہے۔ اسلام کی معاشی اصلاحات ہر زمانے اور دور میں عمل پذیر رہی ہیں۔ خلافت راشدہ کے عہد میں معاشیات کی چند مثالیں بیان ہو چکی ہیں۔ ذیل میں خلافتِ بنوامیہ کے اسلامی معاشی نظام کے اہم اصول پیش ہیں۔

1۔اُموی خلفا کی معاشی حکمت عملی:۔ خلافتِ بنواُمیہ کے آغاز کے ساتھ ہی اسلامی ریاست میں مختلف فتنوں نے جنم لے لیا، جن کو ختم کرنے کے لئے مسلمان حکمرانوں نے ہر ممکن کوششیں کیں۔ان فتنوں سے نمٹنے کے ساتھ ساتھ مسلمان حکمرانوں نے معاشی نظام میں بڑی حد تک اصلاحات کا عمل جاری رکھا۔ خلیفہ عبدالملک بن مروان کے بارے میں امام ابو یوسفؒ لکھتے ہیں۔"فلماولی عبدالملک بن مروان بعث الضحاک بن عبدالرحمان الاشعری فاستقل مایو خذ منہم فاحصی الجماجم وجعل الناس کلھم عما لا بایدیہم ،وحسب مایکسب العامل سنتہ کلہا ثم طرح من ذالک نفقتہ فی طعامہ وادمہ وکسوتہ وحزائہ وطرح ایام الاعیاد فی السنۃ کلہا، فوجد الذی یحصل بعد ذالک فی السنۃ لکل واحد اربعۃ دنانیر فالزمہم ذالک جمیعا وجعلہا طبقۃ واحدۃ ،ثم حمل الاموال علی قدر قربھا وبعدھا فجعل علی کل مائۃ جریب زرع مما قرب دینارا، وعلی کل الف اصل کرم مما قرب دینار وعلی کل الفی اصل مما بعد دینارا،وعلی الزیتون علی کل مائۃ شجرۃ مما قرب دینارا ،وعلی کل مائتی شجرۃ مما بعد دینارا، وکان غایۃ البعد عندہ مسیرۃ الیوم والیومین واکثر من ذالک ، ومادون الیوم فھو فی القرب"۔[20]

ترجمہ:۔"جب عبدالملک خلیفہ بنے تو انہوں نے ضحاک بن عبدالرحمٰن اشعری کو بھیجا جب وہ وہاں مستقل رہے تو وہ ان لوگوں سے جو کچھ بھی لیتے تھے ان کا شمار غیر واضح طور پر کرتے اور انہوں نے اپنے لئے تمام لوگوں کو مزدور بنا رکھا تھا اور مزدور سارا سال جو کماتے اس کا حساب کرتے پھر اس میں اسکا نفقہ جو کہ اس کے کھانے پینے اور سالن کپڑوں اور اس کے جوتوں کا حساب نکالتے اور اسی طرح سال کی تمام عیدوں کا بھی خرچ نکالتے اور اس کے بعد ہر ایک کے حساب میں جو کچھ بھی بچتا تھا وہ چار دینار ہوتا تھا پھر وہ تمام رقم ان کے ہاتھ میں دے دیتے اور انہوں نے ایک طبقہ ایسا بھی بنا رکھا تھا جو یہ تمام اموال جمع کرتا پھر ان اموال کو دور و نزدیک کی مسافت کے اعتبار سے اٹھاتا تھا اور انہوں نے زراعت کے قریب والے سو کھیتوں پر ایک دینار مقرر کیا ہوا تھا اور اسی طرح قریب کی ہر ہزار ٹھوس چیزوں پر تعظیما ایک دینار مقرر تھا اور اسی طرح دور کی ہر دو ہزار چیزوں پر بھی ایک دینار مقرر تھا۔اسی طرح قریب کے زیتون کے سو درختوں پر بھی ایک دینار مقرر تھا اور ان کے نزدیک مزدور سے کام لینے کی غرض کچھ اس طرح ہوتی تھی کہ وہ

ایک دن یا دو دن کی مسافت کے مطابق یا اس سے بھی زیادہ سفر کرے اور ان کے نزدیک جو سفر ایک دن کی مسافت سے کم ہوتا تو وہ قریب میں شمار ہوتا"۔

2- عوام الناس کی فلاح و بہبود پر خرچ کرنے کی تلقین:- عبد الملک بن مروان نے حسان بن نعمان کو ایک خط کے ذریعے لوگوں کی فلاح و بہبود کے لئے مال خرچ کرنے کی تلقین کرتے ہوئے لکھا۔"انی قد اطلقت یدک فی اموال مصر فاعط من معک ومن ورد علیک واعط الناس واخرج الی بلاد افریقیۃ علی برکۃ اللہ وعونہ"۔[21]

ترجمہ:۔"بے شک میں نے تمہارا ہاتھ مصر کے مال کے لئے آزاد کر دیا ہے پس جو کچھ آپ کے پاس ہے اس میں سے (لوگوں کو) دو اور جو آپ کے لئے آیا ہے اس میں سے بھی دو، اللہ تعالی کی برکت اور مدد کے بل بوتے پر (مصر کے علاوہ) افریقہ کے (باقی) ممالک کی طرف بھی نکلو (اور انہیں فتح کرو)"۔

3- ایمانداری پر مبنی معاشی نظام:- بنو اُمیہ کے ایک اور نامور خلیفہ حضرت عمر بن عبد العزیزؒ ہیں۔ آپؒ کی فہم و فراست اور عمدہ حکمت عملی کی وجہ سے ان کو خلیفہ خامس بھی کہا جاتا ہے۔ آپؒ کی اصلاحات میں بھی معاشی مسائل کو بنیادی اہمیت حاصل تھی۔ تاریخ کے مطالعہ سے ہمیں بے شمار ایسے شواہد ملتے ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ آپؒ نے معاشی نظام کو بہتر بنانے کے لئے بے شمار اقدامات کئے۔ آپؒ کی معاشی حوالے سے دلچسپی کو درج ذیل واقعات سے بخوبی سمجھا جا سکتا ہے۔ اپنے عمال کے نام ایک خط میں وہ لکھتے ہیں۔

"فلا تخرجن لاحد من العمال رزقا فی العامۃ والخاصۃ فانہ لیس لاحد ان یاخذ رزقا من مکانین فی الخاصۃ والعامۃ ومن کان اخذ من ذالک شیئا فاقبضہ منہ ثم ارجعہ الی مکانہ الذی قبض منہ"۔[22]

ترجمہ:۔"کوئی بھی عامل عام اور خاص دونوں طریقوں سے رزق نہ نکالے کسی ایک کے لئے بھی یہ درست نہیں کہ وہ دو جگہوں (یعنی) خاص و عام سے رزق حاصل کرے اور جس کسی نے بھی اس طرح سے کوئی چیز حاصل کی تو اس سے وہ چیز واپس لے لو پھر اس چیز کو واپس اس کی جگہ پر لوٹا دو جہاں سے وہ لی گئی ہو"۔

4- محصولات و چونگی کا نظام:- اپنے عمال کے نام ایک دوسرے خط میں حضرت عمر بن عبد العزیزؒ نے لکھا۔"انی ظننت ان جعل العمال علی الجسور والمعابر ان یاخذوا الصدقۃ علی وجہہا فتعدی عمال السو غیر ماامروا بہ وقد رایت ان اجعل فی کل مدینۃ رجلا یاخذالزکاۃ من اہلہا فخلوا سبیل الناس فی الجسور و المعابر"۔[23]

ترجمہ:۔"میرا خیال ہے کہ عمال کو پلوں اور گزر گاہوں پر کھڑا کیا جائے تاکہ وہ جانوں کے عوض ان سے صدقہ لیں، اس کام کے علاوہ جس کا انہیں حکم دیا گیا ہے یہ عمال برائی کی طرف متوجہ ہو سکتے ہیں اور میں نے چاہا کہ ہر شہر میں ایک آدمی کو مقرر کروں جو اس شہر کے لوگوں سے زکوٰۃ وصول کرے پس تم لوگوں کی گزر گاہوں اور پلوں کو خالی کر دو"۔

5- حلال وحرام کا فرق:۔ چنانچہ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے جراح بن عبداللہ کے نام ایک خط میں لکھا۔"ان استطعت ان تدع مماحل الله لک مایکون حاجز ا بینک وبین ماحرم الله علیک فافعل فانہ من استوعب الحلال کلہ تاقت نفسہ الی الحرام"۔[24]

ترجمہ:۔"اگر تو اللہ تعالیٰ کی وہ چیزیں جو اس نے تیرے لئے حلال ٹھہرائی ہیں ان میں سے ان چیزوں کو چھوڑنے کی صلاحیت رکھتا ہے جو تیرے اور تجھ پر اللہ کی حرام کردہ چیزوں کے درمیان رکاوٹ ہیں تو ان کو چھوڑ دے کیونکہ جس نے تمام حلال کا لقمہ اکٹھا کر لیا تو اس کا نفس حرام کی خواہش بھی (ضرور) کرتا ہے"۔

حوالہ جات بابِ ششم

1 -القرطبیؒ، یوسف بن عبداللہ، ابو عمرو-1412ھ، الاستیعاب فی معرفۃ الاصحاب (بیروت، دار الجیل) ص1418، ج3

2 -الدینوری، احمد بن داؤد، ابو حنیفہ-1960ء، الاخبار الطوال (بیروت، دار احیاء الکتب العربی) ص225

3 -الطبری، محمد بن جریر-1387ھ، تاریخ الطبری (بیروت، دار التراث) ص260، ج4

4 - صحیح بخاری، باب ما قیل فی قتال الروم، حدیث نمبر2924

5 - www.britannica.com

6 -نواز، محمد، ڈاکٹر-2004ء، اسلامی بحریہ (کراچی، دائرہ معارف بحریہ) ص18

7 -الطبری، محمد بن جریر-1387ھ، تاریخ الطبری (بیروت، دار التراث) ص262، ج4

8 -ابن خلدون، عبدالرحمن بن محمد-1408ھ، تاریخ ابن خلدون (بیروت، دار الفکر) ص576، ج2

9 -البلاذری، احمد بن یحیی— 1988ء، فتوح البلدان (بیروت، دار ومکتبۃ الہلال) ص120

10 -الطبری، محمد بن جریر-1387ھ، تاریخ الطبری (بیروت، دار التراث) ص144، ج4

11 -نافع، محمد-2011ء، سیرت حضرت امیر معاویہؓ (لاہور، دار لکتاب) ص294، ج1

12 -البلاذری، احمد بن یحیی— 1988ء، فتوح البلدان (بیروت، دار ومکتبۃ الہلال) ص348

13 -ابن کثیر، اسماعیل بن عمر، ابوالفداء-1986ء، البدایہ والنھایہ، (بیروت، دار الفکر) ص43، ج4

14 -نافع، محمد-2011ء، سیرت حضرت امیر معاویہؓ (لاہور، دار لکتاب) ص301، ج1

15 -صدیقی، یسین مظہر، محمد-2010ء، خلافت اموی خلافت راشدہ کے تناظر میں (یوپی، مکتبہ الفہیم) ص232

16 -السیوطی، جلال الدین عبدالرحمن بن ابی بکر-1371ھ، تاریخ الخلفاء (مصر، مطبعۃ السعادۃ) ص190

17 -ابو یوسف، یعقوب بن ابراھیم-2010ء، کتاب الخراج (قاہرہ، المکتبۃ الازھریۃ للتراث) ص52

18 -البلاذری، احمد بن یحیی— 1988ء، فتوح البلدان (بیروت، دار ومکتبۃ الہلال) ص155

19 -ہاشمی، عبدالقدوس— س ن، خلافت اسلامیہ (لاہور، مکتبہ قاسم العلوم) ص120

20 ۔ابو یوسف، یعقوب بن ابراھیم-2010ء، کتاب الخراج (قاہرہ، المکتبۃ الازھریۃ للتراث) ص44

21 ۔حمادہ، محمد ماہر، س ن، الوثائق السیاسیۃ والاداریۃ (بیروت، مؤسسۃ الرسالۃ) ص302

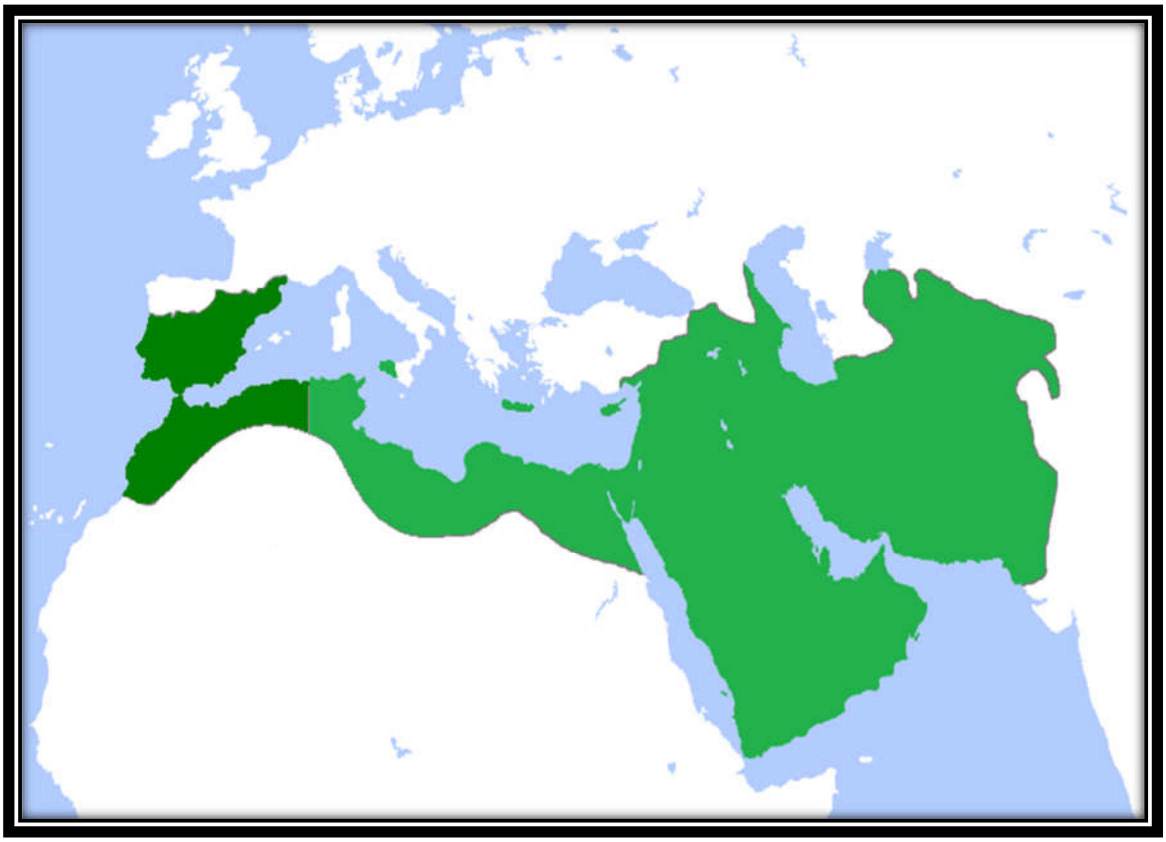
22 ۔ابن سعد، محمد بن سعد—2001ء، طبقات ابن سعد (قاہرہ، مکتبہ الخانجی) ص377، ج7

23 ۔طبقات ابن سعد، ص378، ج5

24 ۔حمادہ، محمد ماہر، س ن، الوثائق السیاسیۃ والاداریۃ (بیروت، مؤسسۃ الرسالۃ) ص430

بابِ ہفتم

(تادورِ خلیفہ ہارون الرشید) کے اِسلامی معاشی نظام کا تجزیہ



فصلِ اول

خلافتِ بنو عباس کا قیام

خلافتِ بنو عباس کا قیام:۔

خلافتِ بنو عباس کا آغاز 132ھ/749ء سے آغاز ہوا۔ کل 37 خلفاء نے مجموعی طور پر خلافت کی۔ عباسی خلافت کا 656ھ/1257ء میں 524 سال کے بعد خاتمہ ہوا۔

تحقیق کے اِس مقالہ میں چونکہ خلیفہ ہارون الرشید تک کا دور شامل ہے۔اِس لئے عباسی خلافت کے شروع کے پانچ خلفاء کو زیرِ بحث لایا جائے گا۔ جن میں ابوالعباس عبداللہ بن محمد المعروف بہ السفّاح(132ھ تا 136ھ)،ابو جعفر عبداللہ بن محمد الملقب بہ المنصور(136ھ تا157ھ)، محمد مہدی بن منصور(157ھ تا169ھ) ،موسیٰ ہادی بن مہدی(168ھ تا170ھ)اور ہارون الرشید بن مہدی(170ھ تا193ھ)شامل ہیں۔

خلافتِ بنو عباس کا دارالخلافہ:۔ خلافتِ عباسیہ کے بانی ابوالعباس نے اسلامی سلطنت کا دارالخلافہ دمشق سے "کوفہ" منتقل کیا۔اور پھر ابو جعفر منصور نے جب بغداد تعمیر کروایا تو دارالخلافہ کوفہ سے "بغداد" منتقل کروایا۔

خلافتِ بنو عباس کا حدودِاربعہ:۔ اسلامی خلافت کا غاز 1ھ میں رسول اللہ ﷺ کی مدینہ منورہ ہجرت کرنے کے بعد قائم ہوئی اور پھر پھیلتے پھیلتے عباسی دور میں مشرق میں ہندوستان سے لے کر مغرب میں بلغاریہ، بحیرۂ اسود اور ایشیائے کوچک تک پھیل گئی۔اسی طرح شمال میں سریر، خزر اور بحیرۂ روم سے لے کر جنوب میں افریقی ملک نوبہ، مصر خلیج فارس تک قائم رہی۔

جُرجی زیدان نے "تاریخ التمدن الاسلامی" میں لکھا ہے کہ عباسی خلافت میں مندرجہ ذیل تمام ممالک شامل تھے۔ایران،افغانستان،ہندوستان، ترکستان، آرمینیا، مراکش، کردستان، عراق، شام، فلسطین، مصر، عرب وحجاز کا پورا علاقہ، سوڈان، طرابلس اور تیونس وغیرہ ۔ عباسی خلافت کا ایامِ عروج میں کل رقبہ تقریباً 3328014 میل/732482204 کلومیٹر تھا۔[1]

فصلِ دوم

خلافتِ بنو عباس کا معاشی نظام

خلافتِ بنو عباس کا معاشی نظام:۔

خلافتِ بنو امیہ کے بعد عباسی خلافت نے انسانی معاشروں کو سیاسی، سماجی اور معاشی ہر حوالے سے ترقی دی۔ یہاں پر خلافتِ بنو عباسی کے معاشی نظام اور زرعی، تجارتی اور صنعتی اصلاحات کا اجتماعی طور پر تجزیہ کر لیتے ہیں۔

1-عباسی خلافت کا "زرعی نظام":۔

زراعت تمام معاشی سرگرمیوں کی بنیاد ہے۔ زراعت کا معاشی میدان میں مقدم ہونا حصۂ اول میں بیان کیا جا چکا ہے۔ تمام معاشی اور سماجی مفکرین کا اِس بات پر اتفاق ہے کہ کسی بھی قوم کی معاشی ترقی کی بنیاد "زرعی ترقی" پر منحصر ہے۔

عباسی دور میں زراعت پر خصوصی توجہ دی گئی۔ عباسی خلفاء نے رزاعت کو بہت ترقی دی۔ بنجر زمینوں کو قابل کاشت بنایا۔ اِس دور میں دار الخلافہ بغداد تھا۔ بغداد کی تمام زمینوں کو سر سبز و شاداب بنادیا۔ پورے عراق میں نہروں کا جال بچھا ہوا تھا۔ خطیب بغدادی لکھتے ہیں۔" فوجد مائتي حبل وخمسين حبلا وعرضه مائة وخمسة أحبل، فيكون ستة وعشرين ألف جريب، ومائتين وخمسين جريبا، ووجد الجانب الغربي طوله مائتين وخمسين حبلا أيضا، وعرضه سبعون حبلا، يكون ذلك سبعة عشر ألف جريب، وخمس مائة جريب، فالجميع من ذلك ثلاثة وأربعون ألف جريب، وسبع مائة وخمسون جريبا، من ذلك مقابر أربعة وسبعون جريبا"۔[2]

ترجمہ:۔"بغداد میں زراعت کا کل رقبہ 53750 جریب تھا۔ جس میں 26750 جریب مشرقی جانب اور 27000 جریب مغربی جانب تھا"۔اِسی طرح ایک اور مقام پر لکھتے ہیں۔"اِس کے علاوہ پوری مملکت اسلامیہ زراعت کی وجہ سے سر سبز و شاداب تھی"۔

خود عباسی خلفاء نے زراعت کی طرف لوگوں کو راغب کیا۔ چنانچہ خلیفہ معتصم باللہ کا مشہور قول ہے۔

"زراعت پر مخلوق کی زندگی قائم ہے۔اِس سے خراج بڑھ کر ملک کی دولت میں اضافہ ہوتا ہے۔ مویشیوں کے لئے چارہ میسر آتا ہے۔اشیاء کی قیمتیں کم ہوتی ہیں۔ معاش کے ذرائع بڑھتے ہیں اور معاش میں وسعت پیدا ہوتی ہے"۔[3]

عباسی خلفاء کی ترغیب کی بدولت اکثریتی عوام کا ذریعۂ معاش کاشتکاری ہوا کرتا تھا۔ لوگ تین قسم کی زمینوں میں کاشتکاری کرتے تھے۔

الف-ذاتی ملکیت کی زمینوں میں کاشت کاری:۔اِس دور میں اکثریتی لوگ اپنی زمینوں کا کاشت کرتے تھے۔ خاص کر دیہاتوں میں لوگوں کا ذریعۂ آمدن یہی کاشت کاری تھا۔ حکومت اِس معاملہ میں مکمل مدد فراہم کرتی

تھی۔ جس کی بدولت سلطنت میں اناج اور غلہ کی فراوانی ہوتی تھی۔ زیادہ رقبہ زیر کاشت تھا۔ نتیجتاً اِس دور کے کاشت کار شحال زندگی گزارتے۔اُن کا معیارِ زندگی بلند تھا۔

ب-مزارعت پر دوسرے لوگوں کی زمینیں کاشت کاری کے لئے حاصل کرنا:- کچھ لوگ "مزارعت" پر دوسروں کی زمینیں لے کر آباد کرتے تھے۔مزارعت کی تعریف یہ ہے کہ۔"زمین کو کرایہ پر دینا،اِس کی پیداوار کے ایک حصہ پر"۔[4]

"مجلۃ الاحکام العدلیہ"میں یوں تعریف بیان کی گئی ہے۔"الْمُزَارَعَةُ نَوْعُ شَرِكَةٍ عَلَى كَوْنِ الْأَرَاضِي مِنْ طَرَفٍ وَالْعَمَلِ مِنْ طَرَفٍ آخَرَ أَيْ أَنْ تُزْرَعَ الْأَرَاضِي وَتُقْسَمَ الْحَاصِلَاتُ بَيْنَهُمَا"۔[5]

ترجمہ:۔"مزارعت یہ ہے کہ کسی دوسرے شخص کو اِس معاہدہ پر زمین دینا، کہ وہ اِس کو کاشت کرے اور اِس کے دیگر اُمور بجالائے۔اور پیداوار دونوں میں تقسیم ہو"۔

اِس کا مطلب یہ ہے کہ جن لوگوں کے پاس کاشت کاری کے لئے اپنی زمینیں نہیں تھیں،وہ دوسروں سے لے کر اِس میں کاشت کاری کرتے تھے۔مزارعت کا جواز اور عدمِ جواز ایک علیحدہ بحث ہے۔امام ابو حنیفہؒ کے ہاں مزارعت ناجائز ہے، جب کہ امام ابو یوسفؒ نے "کتاب الخراج" میں اِس کی جواز کو ترجیح دی ہے۔اسی لئے عباسی خلافت میں مزارعت کی اجازت تھی۔مزارعت کے اِس عمل کی وجہ سے سلطنت کی زراعت کو ترقی حاصل ہوئی۔

ج-ٹھیکہ پر کاشت کاری کے لئے زمین حاصل کرنا:- عباسی خلافت میں زمینوں کی کاشتکاری کی ایک اور صورت "ٹھیکہ پر "کاشت کے لئے زمین حاصل کرنا ہوتا تھا۔اِس کی شکل یہ ہوا کرتی تھی کہ لوگ زمینوں کی خاص پیداوار یا نقد رقم کی ادئیگی پر زمین کاشت کرواتے تھے۔

"مردہ/بنجر/ارض الموات"کی آباد کاری کے لئے اقدامات:- عباسی خلافت میں زراعت کو ترقی دینے اور زمینوں کو آباد کرنے کے لئے جو طریقے اختیار کئے گئے اُن میں سے ایک ذریعہ "احیاء الاموات" بھی تھا۔جس کے بارے میں خلیفہ ہارون الرشیدؒ نے امام ابو یوسفؒ سے جب پوچھا،تو امام صاحبؒ نے یوں جواب دیا۔"وَسَأَلْتَ يَا أَمِيرَ الْمُؤْمِنِينَ عَنِ الْجَزَائِرِ الَّتِي تَكُونُ فِي دِجْلَةَ وَالْفُرَاتِ يَنْضَبُ عَنْهَا الْمَاءُ؛ فَجَاءَ رَجُلٌ وَهِيَ جَزِيرَةٌ أَرْض لَهُ فَحَصَّنَهَا مِنَ الْمَاءِ وَزَرَعَ فِيهَا أَوْ إِذَا نَضَبَ الْمَاءُ عَنْ جَزِيرَةِ دِجْلَةَ أَوِ الْفُرَاتِ؛ فَجَاءَ رَجُلٌ مُلاصِقٌ تِلْكَ الْجَزِيرَةَ بِأَرْض لَهُ فَحَصَّنَهَا مِنَ الْمسَاء وَزَرَعَ فِيهَا فَهِيَ لَهُ، وَهَذَا مِثْلُ الأَرْضِ الْمَوَاتِ إِذَا كَانَ ذَلِكَ لَا يَضُرُّ بِأَحَدٍ، وَإِنْ كَانَ يَضُرُّ أَحَدًا مُنِعَ مِنْ ذَلِكَ وَلَمْ يُتْرَكْ يُحَصِّنُهَا وَلا يَزْرَعُ فِيهَا وَيُحْدِثُ فِيهَا حَدَثًا إِلا بِإِذْنِ الإِمَامِ"۔[6]

ترجمہ:۔"اور اے امیر المؤمنین! آپ نے اُن قطعات کے بارے میں پوچھا ہے جو دریائے دجلہ اور فرات میں پانی کے ایک طرف ہٹ جانے کے سبب خشک ہو کر نمودار جاتے ہیں۔بسا اوقات ایسا علاقہ کسی شخص کی زمین کا ایک حصہ

ہوتا ہے اور یہ شخص اُس کو پانی سے محفوظ کر کے زیرِ کاشت لاتا ہے۔ بعض دفعہ ایسا بھی ہوتا ہے کہ دجلہ یا فرات میں اِس طرح کے کسی جزیرہ سے پانی خشک ہو جانے کے بعد اِس علاقہ سے ملحق قطعۂ زمین کا مالک اِس علاقہ کو پانی سے محفوظ کر کے زیرِ کاشت لائے۔ تو اِن سب کی نوعیت مردہ/افتادہ زمینوں کی طرح ہے۔ اور اگر اِس کا قبضہ دوسروں کے لئے مضرت رسانی کا ذریعہ نہ ہو تو زمین اس کی ملکیت ہو جائے گی، البتہ اگر اِس سے دوسروں کو نقصان پہنچ رہا ہو تو بادشاہ کی اجازت کے بغیر اُس کو قبضہ کرنے کی اجازت نہیں ہو گی، نہ اُس پر بندھ باندھنے اور نہ کاشت کرنے اور نہ کوئی دوسرا تصرف کرنے کی اجازت ہو گی"۔

امام صاحبؒ عباسی خلافت کے مردہ زمینوں کی کیفیت مزید یوں بیان کرتے ہیں۔ "وَأَمَّا مَا كَانَ خَارِجَ الْمَدِينَةِ فَهُوَ بِمَنْزِلَةِ الأَرْضِ الْمَيْتَةِ يُحْيِيهَا الرَّجُلُ وَيُؤَدِّي عَنْهَا حَقَّ السُّلْطَانِ.وَلَوْ أَنَّ رَجُلا فِي طَائِفَةٍ مِنَ الْبَطِيحَةِ مِمَّا لَيْسَ فِيهِ مِلْكٌ لأَحَدٍ غَلَبَ عَلَيْهِ الْمَاءُ فَضَرَبَ عَلَيْهَا الْمِسْنَاةَ وَاسْتَخْرَجَهَا، وَأَحْيَاهَا وَقَطَعَ مَا فِيهَا مِنَ الْقَصَبِ؛ فَإِنَّهَا بِمَنْزِلَةِ الأَرْضِ الْمَيْتَةِ، وَكَذَلِكَ كُلُّ مَا عَالَجَ مِنْ أَجَمَةٍ أَوْ مِنْ بَحْرٍ أَوْ مِنْ بَرٍّ بَعْدَ أَنْ لَا يَكُونَ فِيهِ مِلْكٌ لإِنْسَانٍ؛ فَاسْتَخْرَجَهُ رَجُلٌ وَعَمَّرَهُ فَهُوَ لَهُ وَهُوَ بِمَنْزِلَةِ الْموَات"۔

ترجمہ:۔ "پس اگر شہر سے باہر ایسی زمینیں ہوں جن کی نوعیت مردہ/افتادہ امینوں کی طرح ہو۔ تو ہر وہ آدمی جو ریاست کا حق اَدا کرے گا، اُسے کار آمد/ قابلِ کاشت بنا سکتا ہے۔ اسی طرح اگر وادیوں میں کوئی غیر مملوکہ زمین زیرِ آب آگئی ہو، پھر کوئی شخص بندھ باندھ کر پانی نکال کر اُس کو قابلِ کاشت بنالے، تو اِس کو بھی مردہ/افتادہ زمین کی آبادکاری قرار دیا جائے گا۔ اور اسی طرح کسی جنگل یا خشکی یا بحری غیر مملوکہ زمین کو کوئی کار آمد بنالے تو وہ بھی مردہ/افتادہ زمین کی مانند اُس کی ملکیت تصور کی جائے گی"۔

امام ابو یوسفؒ نے خلیفہ ہارون الرشیدؒ کو یہ تمام فتویٰ دے کر اِس بات کو ثابت کر دیا ہے کہ خلافتِ عباسیہ میں لوگوں کو مردہ/افتادہ زمینیں آباد کرنے کی اجازت تھی۔ مردہ زمینوں کے بارے میں رسول اللہ ﷺ کا قول مبارک ہے۔

" مَنْ أَحْيَا أَرْضًا مَيْتَةً فَهِيَ لَهُ، وَلَيْسَ لِمُحْتَجِرٍ حَقٌّ بَعْدَ ثَلاثِ سِنِينَ"۔[7]

ترجمہ:۔ "جس شخص نے مردہ زمین کو زندہ کیا پس وہ اسی کی ہے، لیکن تین سال تک اگر آباد نہ کرے تو پھر اُس کا کوئی حق نہیں ہے اُس زمین پر"۔

اِس حدیث مبارکہ سے یہ قانون بھی معلوم ہوتا ہے کہ دینِ اسلام نے مردہ زمینوں کو آباد کرنے کے لئے زیادہ سے زیادہ تین سال کا وقت مقرر کیا ہے، اگر اِس عرصہ میں وہ شخص مردہ زمین کو آباد نہ کرے تو ریاست/ حکومت کو وہ مردہ زمین واپس لے کر کسی دوسرے مجبور شخص کو آباد کرنے کے لئے دینے کا پورا اختیار حاصل

ہے۔عباسی خلافت میں افتادہ اور مردہ زمینوں کو آباد کرنے کے لئے زیادہ سے زیادہ تقسیم کیا گیا تاکہ زیادہ سے زیادہ علاقہ /زمینیں آباد ہو کر ریاست کی زرعی ترقی کا ذریعہ بنیں۔

"جنگلات" کی حفاظت کرنا:۔ عباسی سلطنت میں کئی بڑے بڑے مشہور "جنگلات" پائے جاتے تھے۔یہ جنگلات خراسان، عراق، شام اور مصر کے مختلف علاقوں میں پھیلے ہوئے تھے۔یہ جنگلات عموماً سرکاری ملکیت تصور کئے جاتے تھے۔یہ پہاڑوں اور بیابانوں میں وسیع رقبے پر واقع ہوتے تھے۔اِن جنگلات سے لوگ خشک لکڑیاں آگ جلانے کے لئے مفت حاصل کرتے تھے۔اِس کے علاوہ اِن جنگلات سے شہد، قیمتی لکڑیاں اور طبّی نسخہ جات حاصل کئے جاتے تھے۔یہاں پر لوگ اپنے مال مویشی اور جانوروں کو چراتے تھے۔جنگلی شکار کے لئے عوام اور خلفاءاِن جنگلات کا رُخ کرتے تھے۔امام ابو یوسفؒ نے اپنی" كتاب الخراج "میں جنگلات سے حاصل شدہ اموال پر زکوۃ کا ذکر کیا ہے۔

عباسی خلافت میں کاشت کاروں /کسانوں کی خوشحالی:۔ عباسی خلافت میں کسانوں کی معاشی حالت بہت اچھی تھی۔علامہ مقریزیؒ نے خلیفہ مامون الرشیدؒ کے بارے میں ایک واقعہ لکھا ہے، جس سے ہمیں اُس دور کے کسانوں اور کاشتکاروں کی معاشی خوشحالی کا اندازہ ہوتا ہے۔"ويقال:إن المأمون، لما سار في قرى مصر كان يبني له بكل قرية دكة يضرب عليها سرادقة والعساكر من حوله، وكان يقيم في القرية يوما وليلة، فمرّ بقرية يقال لها:طاء النمل، فلم يدخلها لحقارتها، فلما تجاوزها خرجت إليه عجوز تعرف بمارية القبطية صاحبة القرية وهي تصيح، فظنها المأمون مستغيثة متظلمة، فوقف لها وكان لا يمشي أبدا إلا والتراجمة بين يديه من كل جنس، فذكروا له إن القبطية قالت: يا أمير المؤمنين، نزلت في كل ضيعة وتجاوزت ضيعتي، والقبط تعيرني بذلك، وأنا أسأل أمير المؤمنين أن يشرفني بحلوله في ضيعتي ليكون لي الشرف، ولعقبي، ولا تشمت الأعداء بي، وبكت بكاء كثيرا.

فرقّ لها المأمون وثنى عنان فرسه إليها ونزل فجاء ولدها إلى صاحب المطبخ، وسأله كم تحتاج من الغنم والدجاج والفراخ والسمك والتوابل والسكر والعسل والطيب والشمع والفاكهة والعلوفة، وغير ذلك مما جرت به عادته، فأحضر جميع ذلك إليه بزيادة.

وكان مع المأمون أخوه المعتصم وابنه العباس، وأولاد أخيه الواثق والمتوكل ويحيى بن أكثم والقاضي أحمد بن داود، فأحضرت لكل واحد منهم ما يخصه على انفراده، ولم تكل أحدا منهم ولا من القوّاد إلى غيره، ثم أحضرت للمأمون من فاخر الطعام ولذيذه شيئا كثيرا، حتى أنه استعظم ذلك. فلما أصبح، وقد عزم على الرحيل حضرت إليه ومعها عشر وصائف مع كل وصيفة طبق. فلما عاينها المأمون من بعد. قال لمن حضر: قد جاءتكم القبطية بهدية الريف الكامخ والصحناه والصبر فلما وضعت ذلك بين يديه إذا في كل طبق كيس من ذهب فاستحسن ذلك وأمرها بإعادته. فقالت: لا والله لا أفعل فتأمّل الذهب، فإذا به ضرب عام واحد كله، فقال: هذا والله أعجب، ربما يعجز بيت مالنا عن مثل ذلك.

فقالت: يا أمير المؤمنين، لا تكسر قلوبنا ولا تحتقر بنا، فقال: إن في بعض ما صنعت لكفاية، ولا نحب التثقيل عليك فردّي مالك بارك الله فيك، فأخذت قطعة من الأرض وقالت: يا أمير المؤمنين، هذا وأشارت إلى الذهب، من هذا وأشارت إلى الطينة التي تناولتها من الأرض، ثم من عدلك يا أمير المؤمنين وعندي من هذا شيء كثير فأمر به فأخذ منها، وأقطعها عدّة ضياع، وأعطاها من قريتها طاء النمل مائتي فدّان بغير خراج، وانصرف متعجبا من كبر مروءتها وسعة حالها"۔[8]

ترجمہ:۔"خلیفہ مامون الرشیدؒ ایک مرتبہ مصر کے دورے پر تشریف لے گئے۔آپ کا معمول تھا کہ راستے میں ہر گاؤں میں قیام کرتے تھے۔چنانچہ راستے میں "طاء النمل" نامی گاؤں پر گزر ہوا۔اُس گاؤں کے نام کی حقارت کی وجہ سے اُس میں بغیر قیام کے آگے گزرے۔جس پر اُس گاؤں کی ایک بُڑھیاز میندار خاتون احتجاج کرتی ہوئی خلیفہ کے پاس حاضر ہوگئی اور اپنے گاؤں میں قیام کرنے کی درخواست کی۔چنانچہ خلیفہ نے واپس ہو کر اُس گاؤں میں قیام کیا۔اُس بُڑھیاکابیٹا مطبخ کے نگران کے پاس گیا اور کھانے پینے کی اشیاء بکریاں،مرغیاں ،چوزے، مچھلی، مصالحہ، شکر، شہد، کیوڑہ، گلاب، موم، میوے اور چارہ دانہ کی مقدار کے باترے میں پوچھا۔ اور تمام اشیاء کو مطلوبہ مقدار سے زیادہ حاضر کر دیا۔مامون کے ساتھ بھتیجاعباس، واثق، متوکل اور یحیٰ بن اکثم اور قاضی احمد بن ابی داؤد بھی تھے، بڑھیا کی طرف سے اُن سب کے لئے پسندیدہ تحفے مہیا کئے گئے۔مامون یہ دیکھ کر حیران ہوگئے۔اگلی صبح روانگی کے وقت بُڑھیا کی طرف سے دس خادماؤں نے طشتریوں میں دیناروں کے تھیلے تحفتاً خلیفہ کے سامنے پیش کئے۔اور قبول کرنے پر اصرار کیا۔خلیفہ مامون اتنی بڑی رقم تحفتاً دیکھ کر حیران ہوگئے۔بڑھیا نے زمین سے مٹی اٹھائی اور کہا میرے لئے تو یہ مٹی سونا ہے، یہ سونا اُگلتی ہے۔دوسرا یہ کہ آپ کے عدل وانصاف کی وجہ سے ریاست میں خوشحالی ہے، اور میرے پاس دیناروں کی کوئی کمی نہیں ہے۔خلیفہ مامون نے وہ دینار تحفے میں قبول کئے اور بُڑھیا کو بدلے کے طور پر کئی جاگیر دے دیئے۔گاؤں کی زمینوں سے خراج کو معاف کر دیا۔خلیفہ مامون کو بُڑھیا کی مروّت اور خوشحالی پر تعجب ہوا اور اپس گاؤں سے آگے روانہ ہوا"۔

اِس واقعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ عباسی خلافت کے دوران کسان اور زمیندار کتنے خوشحال اور آمیر تھے۔حکومت کسانوں اور زمینداروں کو ہر طرح کی مراعات اور سہولیات دیتے تھے۔

عباسی خلافت میں "زرعی اصلاحات":۔

ہمارے اکثر مؤرخین نے اسلامی تاریخ اور خلفاء اور حکمرانوں کے حالات لکھتے ہوئے اُن کے ساتھ بہت بڑی ناانصافیاں کی ہیں۔اُس وقت کے معاشروں کی اجتماعی ترقی، خوشحالی اور صورتحال بیان کرنے کی بجائے خلفاء اور حکمرانوں کی ذاتی زندگیوں کو بڑھا چڑھا کر پیش کیا گیا ہے۔جس کی وجہ سے مخالفین اسلام کو ہماری شاندار مسلم تاریخ پر اعتراض کرنے کے مواقع مل گئے۔بالکل اسی طرح عباسی خلفاء کی شاندار خدمات کو بھی مسخ کرنے کی کوشش کی گئی۔

عباسی خلفاء نے معیشت کو خوب ترقی دی۔ خصوصاً زراعت پر بھرپور توجہ دی۔ زمینوں کی آبادکاری میں تمام خلفاء نے بہت دلچسپی لی۔ اِس دور میں زرعی نظام بہت ترقی یافتہ اور منظم تھا۔ وقتاً فوقتاً اصلاحات کر کے ترقی دیتے رہے۔

1-زمینوں کا "پٹوار نظام" متعارف کرانا:۔ زرعی زمینوں کی پیمائش اور درست تقسیم کے لئے پٹوار کا نظام متعارف کروایا۔ خلیفہ محمد مھدی بن منصور نے اپنے زمانے میں پٹوار خانہ کا نظام قائم کیا۔ آپ نے پوری مملکت کی زمینوں کی پیمائش کروا کر ریکارڈ قائم کرنے کا حکم دیا۔ عمر بن بذیع اِس کے پہلے نگران تھے۔

2-خراج کی وصولی کا پیمانہ "مقاسمہ" کا تقرر:۔ زمینوں پر خراج کے حوالے سے عباسی خلیفہ ابو جعفر منصورؒ نے یہ فیصلہ جاری کر دیا کہ آئندہ کسانوں اور کاشتکاروں کے فائدہ کی خاطر "مساحۃ" کی بجائے "مقاسمہ" کا نظام مقرر کیا۔ جس کی بدولت کسانوں سے خراج کی وصولی پیداوار کے تناسب سے کیا جاتا تھا نہ کہ زمین کے رقبہ کے حساب سے۔ بعد میں دور کے تقاضوں اور کسانوں کی سہولت کی خاطر "مقاسمہ" کو بھی ختم کر کے زمین اور حاصل شدہ اجناس کے مطابق وصولی کا نظام متعارف کروایا گیا۔ اِس کو الماوردی نے بھی بیان کیا ہے۔"وَلَمْ يَزَلْ السَّوَادُ عَلَى الْمِسَاحَةِ وَالْخَرَاجِ إلَى أَنْ عَدَلَ بِهِمْ الْمَنْصُورُ- رَحِمَهُ اللَّهُ - فِي الدَّوْلَةِ الْعَبَّاسِيَّةِ عَنِ الْخَرَاجِ إلَى الْمُقَاسَمَةِ؛ لِأَنَّ السِّعْرَ نَقَصَ فَلَمْ تَفِ الْغَلَّاتُ بِخَرَاجِهَا، وَخَرِبَ السَّوَادُ فَجَعَلَهُ مُقَاسَمَةً"۔[9]

3-آفات کی صورت میں خراج اور محصولات میں رعایت:۔ خلیفہ ہارون الرشیدؒ نے یہ قانون بنایا، کہ کاشت کاروں اور کسانوں پر ناگہانی اور اچانک آفات کی صورت میں اُن کی مدد کی جائے۔ زیادہ نقصان کی صورت میں محصولات اور خراج میں تخفیف کا بھی حکم دیا تھا۔ ریاست کی طرف سے اِس قسم کی رعایتوں کی وجہ سے کسان اور کاشت کار اپنی زمینوں پر پوری توجہ اور لگاؤ کے ساتھ محنت کرتے تھے۔

4-کاشت کاروں اور کسانوں کے مقدمات کے لئے الگ عدالتوں کا قیام:۔ عباسی دورِ خلافت میں کسانوں اور کاشت کاروں کے دیوانی مقدمات کے لئے الگ عدالتیں قائم کیں تا کہ کاشت کاروں کو فوراً انصاف مہیا ہو اور وہ زمینیں جو کہ مقدمات اور تنازعات کی وجہ سے بنجر بن جاتی تھیں وہ اِس قسم کے خطرات سے محفوظ ہو جاتیں۔

5- "باغبانی" کو ترقی دینا:۔ عباسی دور میں "باغبانی" کو بہت زیادہ ترقی دی گئی۔ مختلف اَنواع واَقسام کے پھلوں کی باغبانی کو ترقی دی گئی۔ اِن میں سرِ فہرست کھجوروں کے باغات تھے۔ عراق کی سرزمین کھجوروں کے باغات کے لئے بہت مشہور تھی۔ خصوصاً عراق کے بڑے بڑے شہر مثلاً کوفہ، بصرہ اور بغداد کے اطراف میں کھجور بہت زیادہ باغات تھے۔ اِس علاقہ کے اور خصوصاً بصرہ کے کھجور کا پھل پوری دنیا میں مشہور تھا۔ جیسا کہ علامہ الاصطخریؒ"

بصرہ"شہر کے بارے میں لکھتے ہیں۔" ولها نخيل متصلة من عبدسی إلی عبّادان نيف وخمسون فرسخا متصلا، لا يكون الإنسان منه فی مكان إلا و هو فی نهر ونخيل"۔[10]

ترجمہ:۔"عبدسی سے لے کر عبادان تک پچاس فرسخ (تقریباً 400 کلومیٹر) کے رقبہ میں کھجور کے بے شمار باغات تھے، یہاں آدمی یا تو کسی کھجور کے باغ میں ہوگا یا کسی نہر پر یا کسی ایسے مقام پر ہوگا جہاں سے وہ اسے دیکھ رہا ہوگا"۔

اِس کے علاوہ بغداد، کوفہ، خراسان، سواد، سجستان، خوزستان اور الجبال وغیرہ کے باغات بھی بہت مشہور تھے۔ جبکہ ماوراء النہر کے علاقوں میں کھجور کے باغات بہت کثرت سے تھے۔ یہاں کے لوگ مویشیوں کو چارہ کے طور پر کھجور کھلاتے تھے۔ اسی طرح مدینہ منورہ اور حجاز کے باغات تو دورِ رسالت سے کھجور کے فصل کے لئے مشہور تھے۔[11]

عباسی دور میں کھجور کی پیداوار کے لئے عراق بہت مشہور تھا۔ یہاں سے دنیا کے گوشہ گوشہ کو کھجور کے مختلف انواع واقسام برآمد ہوا کرتی تھی۔ عراق میں کوئی قصبہ شہر ایسا نہیں تھا جہاں پر لوگ کھجور کی تجارت نہیں کرتے تھے۔ پوری دُنیا میں عراق کے کھجوروں کا نام اور مانگ تھا۔ اِس کے علاوہ کھجوروں کے باغات کے لئے خراسان کے علاقہ بھی بہت مشہور تھا۔ یہاں کی کھجور قیمت کے اعتبار سے سستا تھا۔ اِس لئے یہاں سے بھی کافی بڑی مقدار میں کھجور دنیا کے مختلف ممالک میں برآمد ہوتا تھا۔

اِس کے علاوہ "انگور" کا فصل بھی کثرت کے ساتھ پیدا ہوتا تھا۔ خراسان کا علاقہ انگور کے باغات کے لئے مشہور تھا۔ اِس کے علاوہ عراق میں بھی انگور کے باغات تھے۔ فلسطین کے علاقے میں بھی انگور کے باغات تھے۔ یہ لوگ انگور سے کشمش بناکر پوری دنیا میں برآمد کرتے تھے۔ اِس کے علاوہ انجیر، انار، بادام، پستہ، اخروٹ، ناشپاتی، نارنجی، سیب،
بیر، کیلا، گنا، زیتون، تربوز، آم، لیموں اور ناریل وغیرہ کے باغات بھی تھے۔

6-"شاہی باغات" کو ٹھیکہ پر دینا:۔ عباسی دورِ خلافت میں شاہی باغات کو ٹھیکہ پر دیا جاتا تھا۔ جس سے کافی ساری آمدنی حاصل ہوتی تھی۔

7- "فروٹ / میوہ منڈیوں" کا قیام:۔ عباسی دور میں پوری سلطنت کے ہر چھوٹے بڑے شہر میں "پھل منڈی" ہوا کرتی تھی۔ پھل منڈی کو "دارالبطیخ" کہتے ہیں۔ خطیبِ بغدادی نے "تاریخ بغداد" میں کثرت کے ساتھ دارالبطیخ کا ذکر کیا ہے۔ جہاں پر باغات سے تازہ اور خشک میوہ جات آکر فروخت ہوتے تھے۔ انہی منڈیوں کے ذریعے پھل ایک جگہ سے دوسری جگہ بھیجا جاتا تھا۔ علامہ الاصطخریؒ نے اِس کو تفصیل کے ساتھ بیان کیا ہے۔ فارس سے

اَصفہان میوہ جات بھیجنا، خراسان سے کشمش کو برآمد کرنا، ہرذجرد سے تربوز کا پھل برآمد کرنا، بامیان سے بھی پھلوں کو برآمد کرنا وغیرہ۔

عراق، خراسان، ماوراءالنہر، مصر، خوزستان، شام، سجستان وغیرہ تمام زرخیز علاقے تھے۔

8- "نہری اور آبپاشی نظام" کا قیام:- عباسی خلفاء نے اپنے ادوار میں "نہری نظام" یعنی آبپاشی کے نظام کو بہت ترقی دی۔اِس دور میں زمینوں کو سیراب کرنے کے لئے دو قسم کے آبپاشی نظام موجود تھے۔

الف-قدرتی نظامِ آبپاشی ب-مصنوعی نظامِ آبپاشی

الف۔قدرتی نظامِ آبپاشی:- قدرتی نظامِ آبپاشی سے مراد پانی کے وہ ذرائع جو قدرتی ہیں مثلاً دریا اور چشمے وغیرہ۔ مشہور دریاؤں اور نہروں کی تفصیل مندرجہ ذیل ہے۔

مشہور دریا اور اُن کے نام:- دریا قدرت کا بہترین تحفہ اور نعمت شمار کیا جاتا ہے۔ محمد بن احمد المقدسیؒ نے "أحسن التقاسيم في معرفة الأقاليم" کے اندر باقاعدہ ایک باب "ذكر البهار و الانهار" کے عنوان سے قائم کیا ہے جن میں انہوں نے عباسی سلطنت میں تقریباً 27 دریاؤں کا ذکر کیا ہے۔ "فالمشهور منها فيها رأيت وميّزت اثنا عشر دجلة والفرات والنيل وجيحون ونهر الشاش و سيحان وجيحان وبردان ومهران ونهر الرّسّ ونهر الملك ونهر الأهوازيجرى فيهاالسفن ودونها خمسة عشر اخرى نهر المروين ونهر هراة ونهر سجستان ونهربلخ ونهرالصغد وطيفورى وزندرود ونهر العبّاس وبردي ونهر الاردنّ والمقلوب ونهرانطاكية ونهرارّجان"۔[12]

ترجمہ:- "پس اِن میں مشہور اور بڑے دریا 12 تھے۔ جن میں دریائے دجلہ، فرات، نیل، جیحون، شاش، سیحان، جیحان، بردان، مہران، رس، ملک اور اہواز شامل تھے۔اِن دریاؤں میں کشتیاں بھی چلتی تھی۔اور ان کے علاوہ 15 دریا اور بھی تھے جن میں دریائے مروین، ہرات، سجستان، بلخ، صغد، طیفوری، زندرود، عباس، بردی، اُردن، مقلوب، انطاکیہ اور ارجان شامل تھے"۔

اِن میں عراق کے علاقہ میں بہنے والے دو دریا دجلہ اور فرات بہت مشہور ہیں، جن کی وجہ سے بہت سارا علاقہ سیراب ہوتا تھا۔دریائے دجلہ فرات کے مقابلہ میں بڑا ہے۔اِس کی کل لمبائی 800 میل ہے۔ جبکہ دریائے فرات کی کل لمبائی 623 میل ہے۔

مشہور نہریں اور اُن کے نام:- عباسی خلفاء نے خلفاءراشدین کی سیرت پر چلتے ہوئے انسانیت کو پانی سے سیراب کرنے کو اپنے لئے قابلِ سعادت سمجھتے تھے۔عباسی خلفاء نے اِن دریاؤں سے بے شمار نہریں نکال کر پوری مملکت کی بنجر زمینوں کو قابلِ کاشت بنالیا۔اِن نہروں کو کھودنے اور پکا کرنے اور صاف کرنے کا باقاعدہ ایک نظام تھا۔امام ابویوسفؒ

نے اپنی کتاب "الخراج" میں فِیمَا یَخْرُجُ مِنَ الْبَحْرِ کے نام سے ایک فصل تحریر کی ہے، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ عباسی دور کے خلفاء کا آبپاشی کے نظام کو ترقی دینے کا کتنا شوق تھا۔[13]

مختلف دریاؤں سے مندرجہ ذیل نہریں نکالی گئیں تھیں۔ نہرِ عیسیٰ، نہرِ ابلہ، نہرِ ابوالاسد، نہرِ میمون، نہرِ امیر، نہرِ المحدود، نہرِ صراط، نہرِ خندق طاہر، نہرِ رزین، نہر کرخایا، نہرِ بطاطیہ، نہرِ موسیٰ، نہرِ مہدی، نہرِ المعلّیٰ، نہرِ قاطولہ، نہرِ شتویہ،

نہرِ صیفیہ اور نہرِ زبیدہ وغیرہ بہت مشہور نہریں تھیں۔

"نہرِ زبیدہ" خلیفہ ہارون الرشید کی بیوی ملکہ زبیدہ کے حکم پر کھودا گیا۔ ملکہ زبیدہ نے حج کے موقع پر حرمین شریفین میں پانی کی قلت کے سبب حجاج کرام اور اہلِ مکہ کو درپیش مشکلات اور دشواریوں کا اپنی آنکھوں سے مشاہدہ کیا، تو آپ نے مکہ مکرمہ میں ایک نہر نکلوانے کا ارادہ کیا۔ نہر کی کھدائی کے لئے مختلف علاقوں سے ماہر انجینئرز بلوائے گئے۔ مکہ مکرمہ سے 35 کلو میٹر شمال مشرق میں وادی حنین کے "جبالِ طاد" سے نہر نکالنے کا منصوبہ بنایا گیا۔ جب نہرِ زبیدہ کی منصوبہ بندی شروع ہوئی تو اِس منصوبہ کے بڑے انجینئر نے ملکہ سے کہا: آپ نے جس کام کا حکم دیا ہے اس کے لئے بڑے اخراجات درکار ہیں، کیونکہ اِس کی تکمیل کے لئے بڑے بڑے پہاڑوں کو کاٹنا پڑے گا۔ مزدوروں کی کثیر تعداد کو دن رات محنت کرنی پڑے گی۔ یہ سن کر ملکہ زبیدہ نے بڑے انجینئر کو کہا۔ "اِس کام کو شروع کردو، خواہ ایک ضرب پر ایک دینار خرچ آئے"۔

یوں جب نہرِ زبیدہ کا منصوبہ تکمیل کو پہنچ گیا تو منتظمین نے اخراجات کی تفصیلات ملکہ زبیدہ کی خدمت میں پیش کئے۔ اُس وقت ملکہ زبیدہ دریائے دجلہ کے کنارے پر واقع اپنے محل میں تھیں۔ ملکہ نے وہ تمام کاغذات لئے اور اخراجات معلوم کئے اور کاغذات کھول کر دیکھے بغیر دریا میں ڈال دیئے اور کہنے لگی۔

"یااللہ! میں نے دنیا میں کوئی حساب کتاب نہیں لینا، تُم بھی قیامت کے دن مجھ سے کوئی حساب نہ لینا"۔ اِس عظیم منصوبہ پر سترہ لاکھ (17,00,000) دینار خرچ ہوئے۔[14]

ب۔ مصنوعی نظامِ آبپاشی:۔ مصنوعی نظام میں پانی کے کنوئیں سرِفہرست تھے۔ پانی کی یہ کنوئیں اُن علاقوں میں کھودی جاتی تھیں۔ جن علاقوں میں زیرِ زمین پانی کی سطح بلند ہوتی تھی۔ اِن کنوؤں سے مختلف ذرائع سے پانی نکال کر زمینوں کو سیراب کیا جاتا تھا۔ اِن میں سب سے زیادہ کارآمد اور مفید ذریعہ جانوروں کے ذریعے کنوؤں سے پانی نکالنے کا تھا۔ ایک مظبوط رسی کے ساتھ ڈول باندھ کر کنوئیں میں ڈال لیا جاتا تھا اور پھر اونٹ یا بیل کے ساتھ باندھ کر کھینچا جاتا تھا۔ اور اِس طریقہ سے زمینوں کو سیراب کیا جاتا تھا۔ علامہ ابوعبید القاسمؒ نے "کتاب الاموال" میں اِن تمام چیزوں کا زکوۃ کے باب میں ذکر کیا ہے۔ السوانی، النواضح، الغرب، الرشا، الدلیۃ اور الناعورۃ وغیرہ۔[15]

معدنی کان اور اُن کا پیداوار:۔ کسی بھی معاشی نظام میں قدرتی اور معدنیات کا براعمل دخل ہوتا ہے۔ یہ کان خراسان، اصبہان، ماوراءالنہر، کرمان، اسکندریہ، شام، فلسطین، حلب، یمن اور عدن وغیرہ کے علاقوں میں پائے جاتے تھے ۔عباسی دور میں معدنیات کے اِن کانوں سے سونا چاندی، تانبا، لوہا، فولاد، پارہ، ہیرے ،جواہرات، سنگِ مرمر، نمک، کوئلہ اور عام پتھر نکالنے کے بعد صاف کیا جاتااور پھر مزید استعمال کے لئے آگے بھیجا جاتا۔

2-عباسی خلافت کا "تجارتی نظام":۔

تجارت انسانی معاشی نظام کا دوسرا سب سے بڑا وسیلہ اور ذریعہ ہے۔اِس کی فضیلت ہم پہلے بیان کر چکے ہیں ۔جس ملک کا تجارتی نظام مضبوط اور مربوط ہو وہ ملک معاشی حوالے سے ترقی کرتا ہے۔ تجارت سے سرمایہ گردش کرتا ہے۔ ملکی زرِ مبادلہ بڑھتا ہے۔عباسی دورِ خلافت میں نظامِ تجارت کے ساتھ عوام سے لیکر علماء، وزراءاور خواص متعلق تھے۔امام ابو حنیفہؒ کے بارے میں آتا ہے کہ آپؒ کپڑے کے تاجر تھے۔خطیبِ بغدادیؒ نے لکھا ہے کہ امام ابو حنیفہؒ کوفہ میں "خز" کپڑے کا کاروبار کرتے تھے[16]۔اسی طرح حضرت سفیان ثوریؒ یمن میں تجارت کرتے تھے۔ مشہور محدث یحییٰ بن بشیر بھی تاجر تھے۔امام موسیٰ بن ہارون کپڑے کے تاجر تھے اور ابو نصر کھجور کی تجارت کرتے تھے۔اِس دور کے مندرجہ ذیل مشہور تجارتی مراکز تھے۔

مشہور تجارتی بازار اور مراکز:۔ یہ تجارتی مراکز ایک گاؤں دیہات کی سطح سے لے کر پوری ملکی منڈیوں کی صورت میں قائم تھے۔ ہر قصبہ اور شہر میں تجارتی بازار ہوتے تھے۔اِن بازاروں میں انہی علاقوں کے لوگ کاروبار کرتے تھے۔اِن بازاروں کے باقاعدہ نام ہوتے تھے۔اِن بازاروں میں تاجروں کے لئے ہر قسم کی سہولیات دستیاب ہوتی تھیں، مثلاً رہائش، جانوروں کو باندھنا وغیرہ۔ بعض بازار تو اتنے ترقی یافتہ ہوتے تھے کہ ہر نوع کے لئے اُن میں الگ حصہ قائم ہوتا تھا، مثلاً کپڑے سے متعلق مارکیٹ کو "سوق البزازین" ریشم کے بازار کو "سوق الخزازین" غلاموں کی مارکیٹ "سوق الرقیق" کہتے تھے۔علامہ البلاذریؒ نے "فتوح البلدان" میں مختلف بازاروں کے نام لکھے ہیں[17]۔ مثلاً

1-"سوق يوسف بالحيرة نسب إِلَى يوسف بْن عُمَر بْن مُحَمَّد بْن الحكم بن أبى عقيل الثقفي بن عم الحجاج بْن يوسف بْن الحكم بْن أَبِي عقيل، وهو عامل هِشَام عَلَى العراق"۔

2- "سوق هِشَام العتيق :فكان سوق الرقة الأعظم فيما مضى يعرف بسوق هِشَام العتيق"۔

3- "سوق العطش ، وهي السوق العظمى الواسعة"[18]۔

4- "سُوقُ حَكَمَةَ: موضع بنواحي الكوفة، قال أحمد بن يحيى بن جابر: نسب إلى حكمة بن حذيفة بن بدر"[19]۔

5-" سُوقُ الثَّلاثاءِ:ببغداد وفيه اليوم سوق ،نسب إلى اليوم الذي كانت تقوم فيه السوق"[20]۔

بغداد تجارتی مرکز:۔ بغداد چونکہ اِس پورے عظیم سلطنت کا دار الخلافہ تھا۔اِس لئے یہ بہت ہی عظیم الشان تجارتی مرکز تھا۔ یہ شہر دریائے دجلہ اور فرات دونوں کے کناروں پر آباد تھا۔اِس لئے یہاں پر پوری دنیا سے تجارتی قافلے آتے تھے۔خطیب بغدادیؒ نے "تاریخ بغداد" میں اور الیعقوبی نے "البلدان" میں اِس پر نہایت تفصیل سے لکھا ہے۔بغداد شہر میں "کرخ" کے نام سے ایک مشہور تجارتی مرکز تھا۔جِس کو خلیفہ منصور نے سیکورٹی وجوہات کی وجہ سے بغداد شہر سے باہر منتقل کرنے کا حکم دیا[21]۔یہ مرکز پوری دنیا کا بڑا تجارتی مرکز بن گیا۔

بصرہ تجارتی مرکز:۔ بصرہ بھی بغداد کے بعد دوسرے نمبر پر بڑا تجارتی مرکز تھا۔بغداد سے مال یہاں پر منتقل ہوتا تھا اور پھر یہاں سے مغرب کی طرف برآمد ہوتا تھا۔اور مگرب کا مال یہاں پر لنگرانداز ہوتا تھا۔یہاں کے تاجر عالمی سطح کے تاجر تھے جو کہ بہت امیر تھے۔اسی طرح موصل، کوفہ،سامرہ،آذربائیجان،ری،جدہ،سجستان اور اصفہان بھی اپنے اپنے علاقوں کے بڑے تجارتی مراکز شمار ہوتے تھے۔

برآمدات اور درآمدات کا نظام:۔ تجارت کے میدان میں عراق کے تاجر بہت زیادہ مشہور اور امیر تھے۔خلفاء کے ساتھ ساتھ علماء بھی تجارت کے میدان میں اپنا جوہر دکھاتے تھے۔یہاں کے تاجروں کی مالی حیثیت اور آمدنی بہت زیادہ تھی۔اِن کی اوسطاً سالانہ آمدنی ایک لاکھ درہم ہوتی تھی۔یہاں کے تاجر غریب پرور اور انسان دوست تھے۔اِن کے بحری تجارتی جہاز پوری دنیا میں گھومتے تھے۔عباسی خلافت میں اندرونی تجارت کے ساتھ ساتھ بیرونی اور عالمی تجارت بھی کی جاتی تھی۔عباسی خلافت میں چونکہ زراعت کے ساتھ ساتھ صنعت بھی بہت ترقی یافتہ تھی، جس کی وجہ سے اِن کے برآمدات اور درآمدات بہت زیادہ ہوتی تھی۔ اندرونِ سلطنت شاہراہوں کا ایک پختہ جال تھا۔دریائے دجلہ اور فرات بھی تجارتی کشتیوں کے لئے ہر وقت کھلے رہتے تھے۔جبکہ بیرونی تجارت کے لئے ساحلی شہروں میں بندگاہیں قائم کی گئیں تھیں۔ساحلی شہروں سے بندرگاہوں کے ذریعے دنیا کے دور دراز ممالک کے ساتھ تجارت کی جاتی تھی۔چنانچہ اِس بات کا اظہار یورپ کے مختلف مؤرخین نے بھی کیا ہے۔مسلمان مؤرخ امیر علی لکھتے ہیں۔

"سویڈن میں ابھی تک سکوں(عباسی خلافت کے دور کے)کا برآمد ہونا ثابت کرتا ہے ،اِن ممالک سے بھی رشتہ تجارت وآمدورفت قائم تھا"۔[22]

عباسی سلطنت کے رسم ورواج اور تجارتی لین دین ایک طرف مشرقی اقوام کے ساتھ دوستانہ تھے تو دوسری طرف مغربی اقوام کے ساتھ بھی برابری کے سطح پر قائم تھے۔چنانچہ مشرق میں افغانستان،وسطی ایشیائی ممالک کے علاوہ،ہندوستان اور بنگال کی بندرگاہوں سے ہوکر چین تک برآمدات اور درآمدات کی تجارت ہوتی تھی۔

ابن خرداذبہ نے "المسالک والممالک" میں عراق سے مشرقی ممالک اور مغربی ممالک کی طرف تجارتی اور سفری راستوں کے بارے میں لکھا ہے، جیسا کہ کہ چین کے سمندری راستے اور بندر گاہوں کے بارے میں لکھتے ہیں۔

"والطریق الی الصین: ومن لوقین الی خانفو وھی المرقی الاکبر مسیرة اربعة ایّام فی البحر ومسیرة عشرین یوما فی البرّ وفیھا الفواکه کلّھا والبقول والحنطة والشعیر والارزّ وقصب السکّر، ومن خانفو الی خانجو مسیرة ثمانیة ایّام وفیھا مثل ما فی خانفو، ومن خانجو الی قانطو مسیرة عشرین یوما وفیھا مثل ذلك، ولکلّ مرقی من مراقی الصین نھر عظیم تدخله السفن ویکون فیه المدّ والجزر وقد روی فی نھر قانطو الدقیق والبطّ والدجاج، وطول بلاد الصین علی البحر من ارمابیل الی آخرھا مسیرة شھرین والصین ثلثمائة مدینة عامرة کلّھا منھا تسعون مشھورة وحدّ الصین من البحر الی التّبّت والترك وغربا الی الھند، وفی مشارق الصین بلاد الواقواق وھی کثیرة الذھب حتّی ان اھلھا یتّخذون سلاسل کلابھم واطواق قرودھم من ذھب ویأتون بالقمص المنسوجة بالذھب للبیع وبالواقواق الابنوس الجیّد "۔[23]

ترجمہ:۔"لوقین سے خانفو تک چار روز میں دریائی راستے سے ،اور بیس روز میں خشکی کے راستے پہنچ جاتے ہیں" خانفو" چین کی سب سے بڑی بندر گاہ ہے،وہاں سے آٹھ روز میں خانجو پہنچ جاتے ہیں،اِس شہر میں وہ تما چیزیں ملتی ہیں جو شہر خانفو میں ہے۔چین کی ہر بندر گاہ میں کشتیاں آتی جاتی ہیں اوراِس میں مد وجذر بھی ہوتا ہے"۔

اِسی طرح عباسی سلطنت کے ہندوستان کے ساتھ بھی تجارتی روابط تھے۔یہ تجارت بحری اور بری(براستہ ایران)دونوں راستوں کے ہوا کرتی تھی۔بحری تجارت وادئی مہران اور سندھ کے ساحلی بندر گاہوں کے ذریعے ہوتی تھی۔عربی تاجروں کابحری تجارت پر قبضہ تھااور بری تجارت پرباقی اقوام کوزیادہ مہارت حاصل تھی۔چین،افغانستان،بخارا،بلخ، سمرقند،تبت،فارس،اور ماوراءالنہر سے بری راستے کے ذریعے تاجر سامان ہندوستان لاکر بیچتے تھے اور پھر یہاں سے عرب تاجر خریدتے تھے۔اور پھر سمندری راستے سے عباسی سلطنت لے جاتے تھے۔یہ لوگ ہندوستان سے خشک اور تازہ میوہ جات،عود،کافور،لونگ ،کالی مرچ، مصالحہ جات،ناریل،ہاتھی،پالتو پرندے،قیمتی پتھر ،لکڑی،چاول اور گندم وغیرہ لے جاتے تھے۔مولوی بدرالدین نے "چین وعرب کے تعلقات اور اِن کے نتائج" میں اِس پر تفصیلاً بحث کی ہے۔

عباسی خلفاء نے تجارت کو بہت ترقی دی تھی۔دوسری طرف افریقہ کے ساتھ بھی تجارتی روابط تھے۔اور عرب کے تاجر وہاں پر تجارت کے لئے جاتے تھے۔اِس کے علاوہ یورپ کے ساتھ بھی تجارت بہت مضبوط تھی۔اُندلس اور سپین میں مسلمان تاجروں کے آثار موجود ہے ،اور یہ علاقہ یورپ کے لئے دروازہ کی حیثیت

رکھتا ہے۔اِس تحقیق سے معلوم ہوتا ہے کہ عباسی خلافت نے اپنے دور میں انسانیت کو ایک اعلیٰ ترقی یافتہ اور عادلانہ معاشی نظام فراہم کیا۔

مشہور شہروں کی مشہور تجارتی اور برآمدی اشیاء:۔ خلافتِ عباسیہ میں مندرجہ ذیل اشیاء پوری دنیا میں برآمد کئے جاتے تھے۔علامہ ابراہیم اصطخریؒ نے اپنی کتاب "المسالک والممالک" میں اِس پر تفصیلاً گفتگو کی ہے۔

1-عراق:۔ عراق کے مختلف بڑے شہروں سے نہایت ہی عمدہ اور مختلف اقسام کا کپڑا، کھجور، پھل، گندم، قالین، شیشے کے برتن، شہد، ٹوپیاں، عمامے، ادویات، صابن، پردے، تکئے، چنا دال، عرق گلاب، بنفشہ، گھوڑے اور دیگر گھریلو اشیاء باہر ممالک کو برآمد کی جاتی تھیں۔

2-مصر:۔ مصر کا تیل، زمرد، سوتی دھاگہ، ریشمی اور اونی کپڑے بہت مشہور تھے۔

3-شام:۔ شام کے شیشے کے برتن اور اوزار، زیتون، شکر، روئی اور ریشمی و سوتی کپڑا بہت مشہور تھا۔

4-افریقہ:۔ یہاں کے جنگی اوزار، تلوار، جواہرات، لونڈی اور غلام بہت مشہور تھے۔

5-فارس/ایران:۔ اِس علاقہ کے مختلف شہروں کے خوشبو، عرقیات، زعفران، روغنیات، کڑھائی کے کپڑے، قالین، مصلے، قیمتی باریک اور کاٹن کا لباس، بانس کی لکڑی، مصالحہ جات باہر دنیا کو برآمد کی جاتی تھیں۔

6-اسکندریہ:۔ اسکندریہ کا سنگِ مرمر برآمد کیا جاتا تھا۔

7-یمن:۔ یمن کا عقیق قیمتی پتھر پوری میں بہت مشہور تھا۔

3-عباسی خلافت کا "صنعتی نظام":۔

کسی بھی ملک کے معاشی نظام کا تیسرا اور اہم پہیہ وہاں کا "صنعتی نظام" ہوتا ہے۔ صنعت سے مراد کارخانوں کا نظام ہے۔ خام مال سے اشیاء تیار کرنا۔ شروع شروع میں انسانی زندگی بالکل سادہ تھی ،اِس لئے اُس دور میں انسان کو صنعت کی ضرورت نہیں تھی۔ لیکن وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ دور بدلتا گیا۔ انسانی تہذیب و تمدن ترقی کرتا گیا۔ انسانوں کی معاشی ضروریات اور حاجات بڑھتی گئیں تو انسانی معیشت میں زراعت اور تجارت کے بعد صنعت بھی حصہ بن گئی۔ اور یوں انسانی معیشت میں صنعت کا عمل دخل بڑھنے لگا۔ پہلے پہلے چھوٹی سطح پر دستکاری وغیرہ کی شکل میں صنعتیں وجود میں آگئیں، پھر آہستہ آہستہ آبادی بڑھنے کی وجہ سے مانگ بڑھنے کے ساتھ ساتھ بڑی بڑی صنعتیں وجود میں آگئیں۔

عباسی دورِ خلافت میں "صنعت" کو بھی خوب ترقی ملی۔ تجارت اور درآمدات سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ اِس دور میں صنعت کو کتنی ترقی حاصل ہوئی۔ ہر چھوٹے بڑے شہر میں کوئی نہ کوئی کارخانہ ہوتا تھا۔ اِن مصنوعات کی

وجہ سے عباسی سلطنت کے برآمدات درآمدات کی بہ نسبت کہیں زیادہ تھیں۔عباسی سلطنت کی مشہور صنعتیں مندرجہ ذیل تھیں۔

عباسی دور کی مشہور صنعتیں:۔

1-سونے چاندی کی صنعت:۔ دھاتوں میں سونا اور چاندی سرِ فہرست ہے۔انسانی تاریخ کے ہر دور میں اِن کا استعمال رہا ہے۔خصوساً وہ تہذیبیں جنہوں نے دنیا میں ترقی کر کے نام ونشان چھوڑے۔اُن تہذیبوں میں سونے اور چاندی کا زیادہ استعمال ہوتا تھا۔مثلاً عباسی دورِ خلافت میں خلفاء اور اُمراء سونے اور چاندی کا استعمال کثرت کے ساتھ کرتے تھے۔زیب وزینت کے لئے سونے اور چاندی سے برتن، تلوار، ہتھیار، چُریاں، قندیل اور تجوریاں تیار کرنا اور اِن کو استعمال کرنا باعثِ عزت سمجھا جاتا تھا۔اِس لئے سونے اور چاندی کی صنعتیں کثرت کے ساتھ پائی جاتی تھیں۔

2-کپڑے کی صنعت:۔ اِس دور میں کپڑے کی صنعت نے بڑی ترقی حاصل کی۔معاشرہ کے مختلف طبقات کے اعتبار سے کپڑوں کی صنعتیں قائم تھیں۔اُمراء، متوسط طبقہ اور غرباء سب کے معیار کا کپڑا تیار ہوتا تھا۔یہاں پر مختلف انواع اور اعلیٰ قسم کا کپڑا تیار کیا جاتا تھا۔خراسان، نیشاپور، مصر، اصبہان، بغداد، کوفہ وغیرہ میں سوتی کپڑے کی صنعتیں قائم تھیں۔جو سلطنت کی ضروریات کو پورا کرنے کے علاوہ پڑوسی ممالک کو درآمد بھی کیا جاتا تھا۔

اِسی طرح مختلف قسم کا ریشمی کپڑا بھی تیار ہوتا تھا۔خطیب بغدادیؒ نے لکھا ہے کہ کوفہ میں "خز" کا کپڑا تیار ہوتا تھا، اور امام ابو حنیفہؒ بھی "خز" کپڑے کا کاروبار کرتے تھے۔اسی طرح دیباج، وشی اور کتان وغیرہ کی صنعتیں بھی قائم تھیں۔عراق کی رومال پوری دنیا میں مشہور تھے۔اِس کے علاوہ اُونی کپڑوں کی صنعتیں بھی قائم تھیں۔

3-قالین سازی کی صنعت:۔ عباسی دورِ خلافت میں قالین سازی کی صنعت عروج پر تھی۔عراق اور اصبہان کے علاقوں میں اِس کی صنعتیں قائم تھیں۔یہاں کی قالین سازی میں اُون کے ساتھ ساتھ چاندی اور سونے کے تار بھی استعمال ہوتے، جس کی وجہ سے پوری دنیا میں برآمد کئے جاتے تھے۔اِس کے علاوہ صفیں، جائے نماز اور دریاں تیار کی جاتی تھیں۔

4-پردوں کی صنعت:۔ قالین سازی کے ساتھ ساتھ "پردوں" کی صنعت کاری بھی عروج پر تھی۔اعلیٰ قسم کے پردے شاہی محلات اور اُمراء کے گھروں کی زینت بنتے تھے۔جیسا کہ خلیفہ المقدر کے بارے میں ہے کہ جب روسی سفیر اُن سے ملنے کے لئے بغداد آئے تو آپ کے شاہی محل میں ستر ہزار پردے لگائے گئے تھے۔جن میں ریشم وغیرہ استعمال ہوا تھا۔[24]

5- شیشہ کی صنعت:۔ سلطنت عباسی کے شیشہ کے برتن بہت مشہور تھے۔ شیشی کی صنعتیں بغداد اور موصل کے علاوہ مصر اور شام میں بھی قائم تھیں۔ یہاں پر شیشے کے پیالے، گلاس، بوتل، جگ، گلاس، جام، آلات اور قندیل تیار ہوتے تھے۔ اِن پر بڑی نفاست کے ساتھ نقش و نگار اور رنگ وروغن کا کام کیا جاتا تھا۔ اِن برتنوں پر مسلمانوں کی تہذیب وتمدن کی عکاسی کی جانے والی تصاویر بنائی جاتی تھیں۔ یہ برتن اور آلات پوری دنیا میں برآمد کی جاتی تھیں۔[25]

6- لوہے کی صنعت:۔ عباسی دورِ حکومت میں فولاد اور لوہے کی صنعت کو خوب ترقی حاصل ہوئی۔ موصل وغیرہ شہروں میں لوہے کے اَوزار، برتن، دیگیں، چھریاں، تلوار، زنجیر، زرہیں، تلے، صندوق، الماریاں، سائنسی آلات، اور جنگی اَوزار بنانے کی صنعتیں بہت مشہور تھیں۔

7- چمڑے کی صنعت:۔ عباسی دور میں چمڑے کی صنعت کی پیداوار بہت زیادہ تھی۔ یہ صنعتیں یمن اور شام کی علاقوں میں قائم تھیں۔ اِن صنعتوں میں چمڑے کی دباغت اور خشک کرنے کے علاوہ اِن سے پانی کی مشکیں، خیمے، جوتے، جلد سازی اور شاہی فرامین واحکامات لکھنے کے لئے صفحات وغیرہ تیار ہو کر باہر دنیا کو برآمد کی جاتی تھیں۔

اِس کے علاوہ صابن کے کارخانے، روغن اور خوشبو کے کارخانے، کاغذ کے کارخانے، اَدویات کے کارخانے، رنگ تیار کرنے کے کارخانے، لکڑی تیار کرنے کے کارخانے، آلاتِ موسیقی تیار کرنے کے کارکانے اور پتھر تراشنے کے کارخانے بھی بڑی تعداد میں موجود تھے۔ یہ تمام صنعتیں ملکی ضروریات کو پورا کرنے کے ساتھ ساتھ پڑوسی ممالک کی ضروریات کو بھی پورا کرتی تھیں۔

عباسی معاشی نظام کی زوال کی وجوہات:۔

عباسی دورِ خلافت میں دولت اور سرمایہ کی کثرت تھی، جس کی وجہ سے اُمراء کے ساتھ ساتھ سرکاری کارندوں اور عوام اور تجار میں مختلف قسم کی بدعنوانیاں پیدا ہونا شروع ہو گئیں۔ مختلف جگہوں پر ناجائز کاموں کے لئے رشوت کا لینادینا، نذرانے، بدعنوانی، بیت المال میں خیانت اور غبن و کرپشن وغیرہ کی وجہ سے معاشی نظام میں زوال شروع ہو گیا۔[26]

عباسی خلفاء کے معاشی نظام کی بہتری کے لیے بنیادی اقدامات:۔ کسی بھی حکومت کے معاشی نظام کا بنیادی دارومدار اُس نظام کی آمدن اور اخراجات وغیرہ پر ہوتا ہے۔ عباسی دورِ خلافت میں خلفاء اِن اصولوں سے واقف تھے۔ اِسی وجہ سے خلیفہ ابو جعفر منصور اور خلیفہ ہارون الرشید نے معاشی نظام کو مستحکم کرنے کے لئے مندرجہ ذیل اہم اقدامات اُٹھائے۔

1-"بچت" کااُصول:۔عباسی خلفاء نے معاشی نظام کو بڑی ترقی دی۔"بچت" کے اُصول پر عمل کرتے ہوئے بیت المال کا سرمایہ محفوظ رکھا۔خلیفہ ابو جعفر منصور کی وفات کے وقت بیت المال میں بہت بڑا سرمایہ چھوڑا۔جیساکہ علامہ ذہبیؒ نے لکھاہے۔"وقدخلف یوم مات فی بیوت الاموال تسعمائۃ الف الف درہم وخمسین الف الف درھم"۔[27]

ترجمہ:۔"جب(ابو جعفر منصور)وفات پاگئے توآپ نے بیت المال میں جو رقم چھوڑی وہ پچانوے کروڑدرہم تھی"۔

2-" حلال کمائی" کو لازم قراردینا:۔خلیفہ ابو جعفر منصور نے تمام نوجوانوں کے لیے کام کرنااور حلال کی کمائی اختیار کرنالازمی قرار دیاتھا۔چنانچہ تاریخِ یعقوبی میں ہے۔"من رضی من الله بالیسیرمن الرزق رضی منہ بالیسیر من العمل، ومن لم یستح من طلب الحلال خفت مؤونتہ ونعم اھلہ"۔[28]

ترجمہ:۔"جو اللہ سے تھوڑے رزق پر راضی ہوا تو وہ(اللہ)اُس سے تھوڑے عمل پر راضی ہوا۔اور جس نے رزق حلال حاصل کرنے میں شرم محسوس نہ کی تواس کی(مالی)کمزوری دور ہوجاتی ہے اور(یہ محنت)اس کے اہل(خانہ) کے لئے نعمت بن جاتی ہے"۔

3-انفاق فی سبیل اللہ کی ترغیب:۔خلیفہ ابو جعفر منصور لوگوں کومال خرچ کرنےاور صدقہ وخیرات کرنے کی تلقین اِن الفاظ میں کرتے ہیں۔"الصدقۃ تطفئ غضب الرب"۔[29]

ترجمہ:۔"صدقہ اللہ رب العزت کے غضب وناراضگی کوختم کردیتاہے"۔

4-اسراف کی ممانعت:۔عباسی خلیفہ ابو جعفر منصور لوگوں کو صدقہ وخیرات کرنے کے ساتھ ساتھ وہ اسراف سے بچنے کی بھی تلقین کرتاتھا۔"فالله!الله فی انفسکم فصونواوافی اموالکم فاحتفظوابھا،وایاکم والاسراف"۔[30]

ترجمہ:۔ بخدا!اللہ تمہارے اندر ہے(اس کی)حفاظت کرواور تمہارے اموال میں ہے اس سے(اس کو) محفوظ کرو اوراسراف وفضول خرچی سے بچو"۔

5-اسلامی معاشی علوم کی ترویج:۔خلیفہ ہارون الرشید کے وہ خلیفہ تھے جنہوں نے اپنی خلافت کو بہت ترقی دی اور نہایت

مستحکم کیا۔آپ نے امام ابو یوسفؒ کو قاضی القضاۃ کے عہدے پر فائز کیا تھا۔خلیفہ ہارون الرشید کی مالی معاملات میں دلچسپی کااندازہ اِس بات سے لگایاجاسکتاہے کہ آپ نے امام ابو یوسف کو"کتاب الخراج"لکھنے کاحکم دیا۔چنانچہ امام ابو یوسفؒ"کتاب الخراج"میں آپؒ کے بارے میں لکھتے ہیں۔"إِنَّ أَمِيرَالْمُؤْمِنِينَ أَيَّدَهُ اللَّهُ تَعَالَى سَأَلَنِي أَنْ أَضَعَ لَهُ كِتَابًا جَامِعًا يَعْمَلُ بِهِ فِي جِبَايَةِ الْخَرَاجِ،وَالْعُشُورِوَالصَّدَقَاتِ وَالْجَوَالِي، وَغَيْرِ ذَلِكَ مِمَّا يَجِبُ عَلَيْهِ النَّظَرُ فِيهِ وَالْعَمَلُ بِهِ.وَإِنَّمَا أَرَادَ بِذَلِكَ رَفْعَ الظُّلْمِ عَنْ رَعِيَّتِهِ، وَالصَّلاحَ لأَمْرِهِمْ "۔[31]

ترجمہ:۔" بیشک امیر المؤمنین (اللہ تعالی اس کی مدد کرے) نے مجھے ایک ایسی جامع کتاب لکھنے کا کہا، جس سے خراج، عشور، صدقات، اہل الذمہ اور ان کے علاوہ دوسرے لوگوں کے احکام پر عمل کر سکے۔ جن کی طرف غور و فکر کرنا اور عمل کرنا ضروری ہے اور بیشک خلیفہ کا اِس (کام) سے ارادہ یہ ہے کہ اس کی رعایا سے ظلم ختم ہو جائے اور ان کے معاملات کی اصلاح ہو جائے"۔

6-ذخیرہ اندوزی کی ممانعت:۔ خلیفہ ہارون الرشید مال کو احتکار و اکتناز کی صورت میں ذخیرہ اندوزی کرنے کے سخت خلاف تھے۔ایک مرتبہ اس کے ایک عامل نے مال کو دفینے کی صورت میں جمع کر رکھا تھا۔اِس بات کی علم جب ہارون الرشید کو ہوا تو آپ اپنے عامل پر سخت ناراض ہوئے۔جیسا کہ علامہ ذہبیؒ لکھتے ہیں۔"وَكَانَ ابْنُهُ دَفَنَ فِي بُسْتَانِ دَارِهِ أَمْوَالا، نَحْوَ ثَلاثِينَ أَلْفَ أَلْفٍ، وَلَمْ يَدْرِ بِهَا عَلِيٌّ. فَأَعْلَمَتْ جَارِيَةٌ لِعِيسَى بَعْضَ الْخَدَمِ، وَتَحَدَّثَ بِهِ النَّاسُ، فَاجْتَمَعَ أَعْيَانُ الْبَلَدِ وَانْتَهَبُوا الْمَالَ هُمْ وَالعَامَّةُ. فَعَلِمَ الرَّشِيدُ فَغَضِبَ، وَعَزَلَهُ وَأَخَذَ أَمْوَالَهُ، فَبَلَغَتْ ثَمَانِينَ أَلْفَ أَلْفٍ "۔[32]

ترجمہ:۔"اور اس کے بیٹے (یعنی علی بن عیسی جو کہ عامل تھا) نے اپنے گھر کے باغیچہ میں تین کروڑ مالیت کے اموال دفن کرر کھتے تھے۔اس مال کو کوئی بھی نہیں جانتا تھا۔پس عیسی کے خادموں میں سے ایک خادمہ کو اس کا علم ہو گیا اور اس نے یہ بات لوگوں کو بیان کی۔پس ملک کے باشندے جمع ہو گئے انہوں نے مال کو ختم کر دیا۔جب ہارون الرشید کو علم ہوا تو وہ بہت غصہ و ناراض ہوا۔اس نے اسے معزول کر دیا اور اس سے سارا مال واپس لے لیا جس کی مالیت آٹھ کروڑ بنتی تھی"۔

7- قومی وسائل میں بچت:۔ خلیفہ ہارون الرشید قومی خزانے اور وسائل میں بہت احتیاط سے کام لیتے تھے۔آپ ضروری اَخراجات کے بعد بچت کرنے کا بھی خواہاں تھا۔اسی لئے اس نے وفات کے بعد جو ترکہ چھوڑا اُس کی مالیت کروڑوں دینار تھی۔علامہ ذہبیؒ لکھتے ہیں۔"وحكى غيره أنّ الرشيدخَلَف مِن الأثاث والعَين والوَرِق والجواهر والدّوابّ ما قيمته مائة ألف ألف دينار وخمسة وعشرون ألف دينار "۔[33]

ترجمہ:۔"ہارون الرشید نے (اپنے فوت ہونے کے بعد) جو اثاثہ جات چھوڑے،اُن میں چشمے،جواہر و نوادرات اور مال مویشی شامل تھے جن کی قیمت دس کروڑ پچیس ہزار دینار تھی"۔

حوالہ جات بابِ ہفتم

1 -زیدان، جرجی—2012ء،تاریخ التمدن الاسلامی (قاہرہ، مؤسسہ ھنداوی) ص90، ج1

2-البغدادی، احمد بن علی، خطیب-1422ھ، تاریخ بغداد (بیروت، دار لغرب الاسلامی) ص441، ج1

3- المسعودی، ابوالحسن بن حسین-1985ء، تاریخ مسعودی (کراچی، نفیس اکیڈمی) ص47، ج4

4 - چیمہ، غلام رسول، پروفیسر—2007ء، اسلام کا معاشی نظام (لاہور، علم و عرفان پبلشر) ص162

5 -لجنۃ العلماء والفقہاء من خلافۃ العثمانیہ-س ن معاشی، مجلۃ الاحکام العدلیہ (کراچی، نور محمد کتب خانہ) ص276

6 -ابویوسف، یعقوب بن ابراھیم-2010ء، کتاب الخراج (قاہرہ، المکتبۃ الازھریۃ للتراث) ص105

7 -کتاب الخراج۔ ص77

8 -المقریزی، احمد بن علی— 1418ھ، المواعظ والاعتبار بذکر الخطط والآثار (بیروت، دار لکتب العلمیہ) ص154، ج1

9 -الماوردی، علی بن محمد-س ن، الاحکام السلطانیہ (قاہرہ، دار الحدیث) ص262

10 -الاصطخری، ابراھیم بن محمد— س ن، المسالک والممالک (قاہرہ، الھیئۃ العامۃ لقصور الثقافہ) ص57

11 -المسالک والممالک۔ ص23

12 -المقدسی، محمد بن احمد— 1411ھ، احسن التقاسیم (قاہرہ، مکتبہ مدبولی) ص19، ج1

13 -ابویوسف، یعقوب بن ابراھیم-2010ء، کتاب الخراج (قاہرہ، المکتبۃ الازھریۃ للتراث) ص82

14 -ابن کثیر، اسماعیل بن عمر، ابوالفداء-1986ء، البدایہ والنھایہ، (بیروت، دار الفکر) ص271، ج10

15 -ابوعبیدہ، قاسم بن سلام— س ن، کتاب الاموال (بیروت، دار لفکر) ص437

16 -البغدادی، احمد بن علی، خطیب-1422ھ، تاریخ بغداد (بیروت، دار لغرب الاسلامی) ص444، ج15

17 -البلاذری، احمد بن یحیی— 1988ء، فتوح البلدان (بیروت، مکتبہ الہلال) ص276

18 -الیعقوبی، احمد بن اسحاق-1422ھ، البلدان (بیروت، دار لکتب العلمیہ) ص46، ج1

19 -الحموی، یاقوت بن عبداللہ-1995ء، معجم البلدان (بیروت، دار صادر) ص283، ج3

20 - معجم البلدان۔ ص283، ج3

21 -ابوالفرج، قدامۃ بن جعفر-1981ء، الخراج وصناعۃ الکتابۃ (بغداد، دالرشید للنشر) ص111

22 -امیر، سید امیر علی-س ن، تاریخ اسلام (دہلی، مکتبہ جدید) ص118، ج2

23 -ابن خرداذبہ، عبیداللہ بن عبداللہ، ابوالقاسم-1889ء، المسالک والممالک (بیروت، دار صادر) ص68

24 -ابوالفداء، عمادالدین اسماعیل بن علی— س ن، المختصر فی اخبار البشر (مصر، المطبعہ الحسینیہ) ص139، ج2

25 -الیعقوبی، احمد بن اسحاق-1422ھ، البلدان (بیروت، دار لکتب العلمیہ) ص108، ج2

26 -طبری، محمد بن جریر-1387ھ،تاریخ الطبری(بیروت،دارالتراث)ص365،ج8

27-الذھبی، محمد بن احمد بن عثمان — 1413ھ،تاریخ الاسلام ووفیات المشاہیر(بیروت،دارلکتاب العربی)ص467،ج9

28 -یعقوبی،احمد بن ابی یعقوب— س ن،تاریخ یعقوبی(بیروت،مکتبہ العلمیہ)ص265

29 تاریخ یعقوبی۔ص265

30 تاریخ یعقوبی۔ص266

31 -ابویوسف،یعقوب بن ابراھیم-2010ء،کتاب الخراج(قاہرہ،المکتبۃ الازھریۃ للتراث)ص13

32-الذھبی، محمد بن احمد بن عثمان-1413ھ،تاریخ الاسلام ووفیات المشاہیر(بیروت،دارلکتاب العربی)ص13،ج7

33-تاریخ الاسلام ووفیات المشاہیر۔ص429،ج13

کتابیات

1. القرآن المجید
2. ابن اثیر، علی بن ابی الکرم محمد بن محمد-1415ھ، اسد الغابہ (بیروت، دار لکتب العلمیہ)
3. ابن سعد، ابوعبداللہ محمد بن سعد-1410ھ، الطبقات الکبری (بیروت، دار الکتب العلمیہ)
4. ابن کثیر، اسماعیل بن عمر، ابوالفداء-1986ء، البدایہ والنھایہ (بیروت، دار الفکر)
5. ابن الصلاح، عثمان بن الصلاح عبدالرحمن بن موسی-س ن، مقدمۃ ابن الصلاح (قاہرہ، دار المعارف)
6. ابن المبرد، یوسف بن حسن الدمشقی-2009ء، ارشاد السالک الی مناقب مالک (بیروت، دار ابن حزم)
7. ابن جوزی، عبدالرحمن بن علی-1412ھ، المنتظم فی تاریخ الامم والملوک (بیروت، دار الکتب العلمیۃ)
8. ابن جوزی، عبدالرحمن بن علی-2000ء، صفۃ الصفوۃ لہ (قاہرہ، دار الحدیث)
9. ابن حجر، احمد بن علی بن حجر عسقلانی-1379ھ، فتح الباری (بیروت، دار المعرفہ)
10. ابن حزم، علی بن احمد-س ن، الملل والنحل (قاہرہ، مکتبۃ الخانجی)
11. ابن حزم، علی بن احمد-س ن، المحلی (بیروت، دار لفکر)
12. ابن خرداذبہ، عبیداللہ بن عبداللہ، ابوالقاسم-1889ء، المسالک والممالک (بیروت، دار صادر)
13. ابن خلدون، عبدالرحمن بن محمد-1408ھ، تاریخ ابن خلدون (بیروت، دار لفکر)
14. ابن خلدون، عبدالرحمن بن محمد-س ن، مقدمہ ابن خلدون (بیروت، المکتبۃ العلمیہ)
15. ابن خلکان، شمس الدین احمد بن محمد-1994، وفیات الاعیان وانباء ابناء الزمان (بیروت، دار صادر)
16. ابن سعد، ابوعبداللہ محمد بن سعد-1410ھ، الطبقات الکبری (بیروت، دار الکتب العلمیہ)
17. ابن سعد، محمد بن سعد—2001ء، طبقات ابن سعد (قاہرہ، مکتبہ الخانجی)
18. ابن عبدالبر، ابوعمر یوسف بن عبداللہ-1387ھ، التمہید (مراکش، وزارۃ عموم الاوقاف الاسلامیۃ)
19. ابن عبدالبر، ابوعمر یوسف بن عبداللہ-س ن، الانتقاء فی فضائل الثلاثۃ الائمۃ الفقہاء (بیروت، دار لکتب العلمیہ)
20. ابن عبدربہ، شہاب الدین احمد بن محمد-1404ھ، العقد الفرید (بیروت، دار لکتب العلمیہ)
21. ابن عساکر، علی بن حسن-1415ھ، تاریخ دمشق (بیروت، دار لفکر)
22. ابن عمرانی، محمد بن علی-1421ھ، الانباء فی تاریخ الخلفاء (قاہر، دار الآفاق)
23. ابن فرحون، ابراہیم بن علی بن محمد-س ن، الدیباج المذھب (قاہرہ، دار التراث للطبع والنشر)
24. ابن قیم جوزی، محمد بن ابی بکر-1415ھ، زاد لمعاد (کویت، مکتبۃ المنار الاسلامیۃ)

25. ابن کثیر، اسماعیل بن عمر-1986ء، البدایہ والنہایہ (بیروت، دار الفکر)
26. ابن کثیر، اسماعیل بن عمر-1414ھ، تفسیر القرآن العظیم (بیروت، دار الفکر)
27. ابن منظور، محمد بن مکرم بن علی-1414ھ، لسان العرب (بیروت، دار صادر)
28. ابن ہشام، عبدالملک بن ہشام-1411ھ، سیرت ابن ہشام (بیروت، دار الجیل)
29. ابوالفضل، قاضي عياض بن موسیٰ اليحصبي-1983ء، ترتیب المدارک (المغرب، مطبعة فضالة)
30. ابو شہبہ، ڈاکٹر محمد بن محمد-1962ء، اعلام المحدثین (مصر، دار لکتاب العربی)
31. ابوالفداء، عماد الدین اسماعیل بن علی— س ن، المختصر في اخبار البشر (مصر، المطبعہ الحسینیہ)
32. ابوالفرج، قدامۃ بن جعفر-1981ء، الخراج وصناعۃ الکتابۃ (بغداد، دالرشید للنشر)
33. ابو عبیدہ، قاسم بن سلام— س ن، کتاب الاموال (بیروت، دار لفکر)
34. ابو نعیم، احمد بن عبداللہ-1409ھ، حلیۃ الاولیاء (بیروت، دار الکتب العلمیہ)
35. ابو یوسف، یعقوب بن ابراھیم-2010ء، کتاب الخراج (قاہرہ، المکتبۃ الازھریۃ للتراث)
36. ابو حامد، عزالدین بن ھبۃ اللہ-1418ھ، شرح نہج البلاغۃ (بیروت، دار الکتب العلمیہ)
37. احمد بن حنبل-1419ھ، مسند احمد بن حنبل (بیروت، عالم الکتب)
38. اکبر آبادی، سعید احمد-1410ھ، صدیق اکبر (لاہور، ادارہ اسلامیات)
39. الاصطخری، ابراھیم بن محمد— س ن، المسالک والممالک (قاہرہ، الھیئۃ العامۃ لقصور الثقافہ)
40. الاصفہانی، ابوالقاسم الحسین بن محمد-1412ھ، المفردات في غریب القرآن (بیروت، دار لقلم)
41. البغدادی، احمد بن علی، خطیب-1422ھ، تاریخ بغداد (بیروت، دار لغرب الاسلامی)
42. البغدادی، قاسم بن سلام، ابو عبید-س ن، الاموال (بیروت، دار لفکر)
43. البلاذری، احمد بن یحیٰ— 1988ء، فتوح البلدان (بیروت، دار ومکتبۃ الہلال)
44. البلقيني، عمر بن رسلان الكناني-س ن، محاسن الاصطلاح (قاہرہ، دار المعارف)
45. التبریزی، محمد بن عبداللہ الخطیب العمري-1985ء، مشکوۃ المصابیح (بیروت، المکتب الاسلامی)
46. الجزری، مجد الدین ابوالسعادات المبارک بن محمد الجزری-1979ء، النہایۃ (بیروت، المکتبۃ العلمیہ)
47. الجزری، عبدالرحمن بن محمد-1424ھ، الفقہ علی المذاہب الاربعہ (بیروت، دار لکتب العلمیہ)
48. الجزری، علي بن ابي الکرم محمد بن محمد-1415ھ، اسد الغابہ (بیروت، دار لکتب العلمیہ)
49. الحاکم، محمد بن عبداللہ-س ن، مستدرک حاکم (بیروت، دار لمعرفۃ)

50. الحموی، یاقوت بن عبداللہ-1995ء، معجم البلدان (بیروت، دار صادر)

51. الدہلوی، احمد بن عبدالرحیم-1293ھ، المصفیٰ (دہلی، مطبع فاروقی)

52. الدہلوی، احمد بن عبدالرحیم-1355ھ، التفہیمات الالٰھیہ (بجنور، مدینہ برقی پریس)

53. الدہلوی، احمد بن عبدالرحیم-1982ء، المُسویٰ (بیروت، دار لکتب العلمیہ)

54. الدہلوی، احمد بن عبدالرحیم-2005ء، حجۃ اللہ البالغۃ (بیروت، دار الجیل)

55. الدہلوی، احمد بن عبدالرحیم-س ن، ازالۃ الخفاء (کراچی، قدیمی کتب خانہ)

56. الدہلوی، شاہ عبدالعزیز-س ن، بستان المحدثین (مترجم) (شاملی، انڈیا، مفتی الٰہی بخش اکیڈمی)

57. الدینوری، احمد بن داؤد، ابو حنیفہ-1960ء، الاخبار الطوال (بیروت، دار احیاء الکتب العربی)

58. الذھبی، محمد بن احمد بن عثمان — 1413ھ، تاریخ الاسلام ووفیات المشاہیر (بیروت، دار لکتاب العربی)

59. الذھبی، محمد بن احمد بن عثمان-1337ھ، کتاب دول الاسلام فی التاریخ (حیدر آباد، ھند، دائرۃ المعارف)

60. الذھبی، محمد بن احمد بن عثمان-1996ء، سیر اعلام النبلاء (بیروت، مؤسسۃ الرسالۃ)

61. الذھبی، محمد بن احمد بن عثمان-1998ء، تذکرۃ الحفاظ (بیروت، دار لکتب العلمیہ)

62. الرازی، محمد بن عمر الحسین-1418ھ، المحصول فی علم الاصول (بیروت، مؤسسۃ الرسالۃ)

63. الرعيني، شمس الدين ابو عبدالله محمد-1992ء، مواهب الجليل في شرح مختصر خليل (بيروت، دار الفكر)

64. الزرقاني، محمد بن عبدالباقي-2003ء، شرح الزرقاني (قاهره، مكتبة الثقافة الدينية)

65. السخاوي، شمس الدين أبو الخير محمد بن عبدالرحمن-2003ء، فتح المغيث (مصر، مكتبة السنة)

66. السرخسی، محمد بن احمد، شمس الائمہ-1421ھ، المبسوط للسرخسی (بیروت، دار لفکر)

67. السمعاني، عبدالكريم بن محمد-1962ء، الأنساب (حيدر آباد، مجلس دائرة المعارف العثمانية)

68. السیوطی، جلال الدین عبدالرحمن بن ابی بکر-1371ھ، تاریخ الخلفاء (مصر، مطبعۃ السعادۃ)

69. السیوطی، جلال الدین عبدالرحمن بن ابی بکر-1378ھ، حسن المحاضرہ (مصر، دار احیاء کتب العربیہ)

70. السیوطی، جلال الدین عبدالرحمن بن ابی بکر-1997ء، تنویر الحوالک (بیروت، دار الکتب العلمیۃ)

71. السیوطي، جلال الدین عبدالرحمن بن ابو بکر-س ن، تدریب الراوي (الریاض، مکتبۃ الریاض الحدیثۃ)

72. الشوکانی، محمد بن علی بن علی،-1994، فتح القدیر (الریاض، لجنۃ التحقیق)

73. الشیبانی، محمد بن حسن-1406ھ، الجامع الصغیر (بیروت، عالم الکتب)

74. الصلابی، محمد علی، ڈاکٹر — 1435ھ، سیدنا علیؓ (لاہور، دار السلام)

75. الصلابی، محمد علی،ڈاکٹر– 1431ھ،سیرت عثمان ذوالنورینؓ(لاہور،دارالسلام)
76. الصنعانی،عبدالرزاق بن ھمام-1403ھ،المصنف عبدالرزاق(ہند، مجلس علمی)
77. الطبرانی، سلیمان بن احمد-1415ھ،المعجم الکبیر للطبرانی(قاہرہ،مکتبہ ابن تیمیہ)
78. الطبری، محمد بن جریر-1387ھ،تاریخ الطبری(بیروت،دارالتراث)
79. العسقلاني،احمد بن علي،ابن حجر-1326ھ، تھذیب التھذیب(انڈیا،مطبعۃ دائرۃ المعارف النظامیہ)
80. العسقلاني،احمد بن علي،ابن حجر-1379ھ،فتح الباري(بیروت،دارالمعرفۃ)
81. العسقلاني،احمد بن علي،ابن حجر-1415ھ،الاصابۃ في تمییز الصحابۃ(بیروت،دارالکتب العلمیۃ)
82. العسقلاني،احمد بن علي بن محمد بن احمد بن حجر-1379ھ،فتح الباري(بیروت،دارالمعرفۃ)
83. الغزالی، محمد بن محمد،ابو حامد-س ن،کیمیاء السعادۃ(بیروت،مکتبۃ العلمیہ)
84. الفیروز آبادی، مجدالدین ابو طاھر محمد بن یعقوب-2005ء،القاموس المحیط(بیروت،مؤسسۃ الرسالۃ)
85. القرشی، یحی بن آدم– 1384ھ،کتاب الخراج(قاہرۃ،المطبعۃ السلفیۃ)
86. القرطبّی،یوسف بن عبداللہ،ابو عمرو-1412ھ،الاستیعاب فی معرفۃ الاصحاب(بیروت،دارالجیل)
87. الکتانی، محمد عبدالحیٔ بن عبدالکبیر-س ن،نظام الحکومیہ الاسلامیۃ(بیروت،دارارقم)
88. الکھنوی،عبدالحیٔ-2005ء،التعلیق الممجد علی مؤطاامام محمد(دمشق،دارلقلم)
89. الماوردی،ابوالحسن علی بن محمد-س ن،الاَحکام السلطانیۃ(قاہرہ،دارلحدیث)
90. المدائنی،عزالدین بن ھبۃاللہ-1418ھ،شرح نھج البلاغۃ(بیروت،دارالکتب العلمیہ)
91. المزّي،یوسف بن عبدالرحمن-1400ھ، تھذیب الکمال(مؤسسۃ الرسالۃ،بیروت)
92. المسعودی،ابوالحسن بن حسین-1985ء،تاریخ مسعودی(کراچی، نفیس اکیڈمی)
93. المقدسی، محمد بن احمد– 1411ھ،احسن التقاسیم(قاہرہ،مکتبہ مدبولی)
94. المقریزی،احمد بن علی– 1418ھ،المواعظ والاعتبار(بیروت،دارلکتب العلمیہ)
95. المنذری،عبدالعظیم بن عبدالقوی-1417ھ،الترغیب والترہیب(بیروت،دارالکتب العلمیہ)
96. النووي،ابوزکریایحیی بن شرف الشافعي-1996ء، تھذیب الاسماء واللغات(بیروت،دارالفکر)
97. الیعقوبی،احمد بن اسحاق-1422ھ،البلدان(بیروت،دارلکتب العلمیہ)
98. الھیثمی،ابوالحسن نورالدین علي بن ابي بکر-1414ھ، مجمع الزوائد(قاہرہ،مکتبۃ القدسی)
99. امیر،سیدامیر علی-س ن،تاریخ اسلام(دہلی،مکتبہ جدید)

100 امین الحق-1970ء،اسلام کا معاشی نظام اور معاشی نظریات(لاہور، محکمہ اوقاف)

101 انجیل متّی،-2015ء(ورجینیا، جیو لنکس)

102 آلوسی، شہاب الدین محمود بن عبد اللہ- تفسیر روح المعانی(بیروت، دار الکتب العلمیہ)

103 توریت-2015ء(ورجینیا، جیو لنکس)

104 جامع ترمذی

105 جلبیی، مصطفی بن عبد اللہ کاتب جلبي-1941ء، کشف الظنون(بغداد، مکتبہ المثنی)

106 جوہری، ابو نصر اسماعیل بن حماد-1987ء، الصحاح تاج اللغۃ وصحاح العربیۃ(بیروت، دار العلم للملایین)

107 چیمہ، غلام رسول، پروفیسر—2007ء، اسلام کا معاشی نظام(لاہور، علم و عرفان پبلشر)

108 حمادہ، محمد ماہر، س ن، الوثائق السیاسیۃ والاداریۃ(بیروت، مؤسسۃ الرسالۃ)

109 خان، شیخ سلیم اللہ-1423ھ، محدثین عظام اور اُن کی کتابوں کا تعارف(کراچی، مکتبہ فاروقیہ)

110 خلیفہ، خلیفۃ بن خیاط بن خلیفۃ الشیباني-1993ء، طبقات خلیفۃ بن خیاط(بیروت، دار الفکر)

111 ڈار، عبد الحمید، پروفیسر — 2014ء، اسلامی معاشیات(لاہور، علمی کتاب خانہ)

112 ڈاکٹر، حمید اللہ-2007ء، خطباتِ بہاولپور(اسلام آباد، ادارہ تحقیقات اسلامی)

113 زیدان، جرجی—2012ء، تاریخ التمدن الاسلامی(قاہرہ، مؤسسہ ھنداوی)

114 سندھی، عبید اللہ، مولانا-2009ء، شعور و آگہی(لاہور، رحیمیہ مطبوعات)

115 سندھی، عبید اللہ، مولانا-2016ء، التمھید لتعریف ائمہ التجدید(مترجم)(لاہور، رحیمیہ مطبوعات)

116 سنن ابن ماجہ

117 سنن ابی داؤد

118 سنن بیہقی

119 سنن نسائی

120 سیوہاروی، حفظ الرحمٰن-س ن، اسلام کا اقتصادی نظام(لاہور، مکتبۃ رحمانیہ)

121 سیوہاروی، حفظ الرحمٰن-2011ء، نور البصر فی سیرت خیر البشر(لاہور، رحیمیہ مطبوعات)

122 شرباصی، احمد، ڈاکٹر-1981ء، المعجم الاقتصادی الاسلامی(بیروت، دار الجیل)

123 شیخ الحدیث، محمد زکریا کاندھلوی-2003ء، اوجز المسالک(دمشق، دار لقلم)

124 شیخ الہند، محمود الحسن،-س ن، ایضاح الادلہ(دیوبند، کتب خانہ رحیمیہ)

125 صحیح مسلم

126 صحیفہ حزقیل-2015ء(ورجینیا، جیو لنکس)

127 صدیقی، یسین مظہر، پروفیسر-1994ء، عہد نبوی کا نظام حکومت(علی گڑھ، ادارۂ تحقیق و تصنیف اسلامی)

128 صدیقی، یسین مظہر، محمد-2010ء، خلافت اموی خلافت راشدہ کے تناظر میں(یوپی، مکتبہ الفہیم)

129 عالمگیر، اورنگ زیب-1310ھ، فتاویٰ عالمگیری(بیروت، دارالفکر)

130 عبدالباقی، محمد فواد-1407ا، اللؤلؤ والمرجان(قاہرہ، دارالحدیث)

131 عثمانی، شبیر احمد، تفسیر عثمانی

132 غضنفر، محمود احمد— 2007ء، حکمران صحابہ(لاہور، مکتبہ قدوسیہ)

133 غفاری، نور محمد-2008ء، نبی کریم ﷺ کی معاشی زندگی(کراچی، شیخ الہند اکیڈمی)

134 فیروزالدین-2010ء، فیروز اللغات(اردو)،(لاہور، فیروز سنز)

135 قادری، محمد طاہر، ڈاکٹر-2007ء، اقتصادیات اسلام(لاہور، منہاج القرآن پبلیکیشنز)

136 قنوجی، محمد صدیق خان بن حسن، بھوپالی-1985ء، الحطۃ فی ذکر الصحاح الستۃ(بیروت، دارالکتب العلمیہ)

137 قنوجی، محمد صدیق خان بن حسن، بھوپالی-2002ء، ابجد العلوم(بیروت، دار ابن حزم)

138 کیفی، محمد یوسف-1432ھ، تجلیات عثمان(لاہور، نوریہ رضویہ پبلی کیشنز)

139 لجنۃ العلماء والفقہاء من خلافۃ العثمانیہ-س ن، مجلۃ الاحکام العدلیہ(کراچی، نور محمد کتب خانہ)

140 مبارک پوری، صفی الرحمٰن-2000ء، الرحیق المختوم(لاہور، المکتبۃ السلفیہ)

141 مسند احمد-1419ھ،(بیروت، عالم الکتب)

142 مشکاۃ المصابیح

143 مصنف ابن ابی شیبہ

144 مؤطا امام مالک

145 میاں، سید محمد— 1436ھ، محمد رسول اللہ(لاہور، جمعیت پبلیکیشنز)

146 نافع، محمد-2011ء، سیرت حضرت امیر معاویہؓ(لاہور، دار لکتاب)

147 ندوی، معین الدین احمد، شاہ،-2013ء، تاریخ اسلام(لاہور، مکتبہ اسلامیہ)

148 نعمانی، شبلی-2010ء، الفاروق(کراچی، دارالاشاعت)

149 نقشبندی، عبدالرحمن، ڈاکٹر-1985ء، صدیق اکبر تاریخ کی روشنی میں(کراچی، طاہر سنز)

150 نواز، محمد، ڈاکٹر-2004ء، اسلامی بحریہ (کراچی، دائرہ معارف بحریہ)
151 ہاشمی، عبدالقدوس— س ن، خلافت اسلامیہ (لاہور، مکتبہ قاسم العلوم)
152 ہندی، علاءالدین علي بن حسام الدین-1401ھ، کنزالعمال (بیروت، مؤسسہ الرسالۃ)
153 ہیکل، محمد حسین— س ن، ابو بکر صدیق (لاہور، طاہر سنز پبلشر)
154 یعقوبی، احمد بن ابی یعقوب— س ن، تاریخ یعقوبی (بیروت، مکتبہ العلمیہ)